وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝

دفاعِ درسِ نظامی

ایک اہم پیغام علماء اور طلباء کے نام

جامع المعقول والمنقول

مولانا رشید احمد



مقدمہ

مولانا سجاد الحجابی

مولانا محمد ارشد

نام .... دفاعِ درسِ نظامی

مصنف .... مولانا رشید احمد صاحب

اشاعت اول .... جمادی الثانی: ۱۴۳۶ ہجری

تعداد ۲۲۰۰

صفحات ۵۱۲

ہماری مطبوعات ملنے کے پتے

مدرسہ عربیہ قاسم العلوم

فہرست

انتساب

میں اپنی اس کتاب کو ائمۃ المتکلمین امام رازیؒ، امام غزالیؒ، علامہ تفتازانیؒ، محقق مدقق سید شریف جرجانیؒ اور جلال الدین دوانی کے نام منسوب کرتا ہوں جنہوں نے علم کلام علم منطق اور دیگر معقولات کے اسلحہ سے لیس ہو کر تمام دشمنان اسلام کے خلاف جہاد کیا۔

اور نظام الدین سہالویؒ کے نام منسوب کرتا ہوں جنہوں نے ان علوم وفنون کو درس نظامی کی یک جو بصورت شکل میں ترتیب دی اور امت کے علماء وطلباء پر احسان عظیم کیا۔

اور حجۃ الاسلام آیۃ من آیات اللہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، قطب عالم فقیہ العصر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کے اندر اسی درس نظامی کو برقرار رکھا اور ان دونوں کے علم منطق اور فلسفہ کے بڑے استاد مولانا مملوک علیؒ کے نام منسوب کرتا ہوں۔

اور محدث کبیر عارف باللہ سابق استاذ دارالعلوم دیوبند مولانا عبدالحق صاحبؒ کے نام منسوب کرتا ہوں جنہوں نے اپنے اکابر کی پیروی کی اور تاعمر وہی نصاب اپنے جامعہ حقانیہ کے اندر برقرار رکھا۔

اور شیخ الحدیث صاحبؒ کے دو عظیم فرزندوں مدیر جامعہ حقانیہ قائد جمعیت شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اور نائب مدیر شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق صاحب دامت برکاتہما کے نام کرتا ہوں جو اپنے عظیم والد کے بہترین جانشین ثابت ہوئے اور ان کے نقش قدم پر چل کر انہی علوم کو جامعہ میں باقی رکھا اور اس شعر کے بہترین مصداق ٹھہرے

زمانہ معترف ہے اب ہماری استقامت کا
نہ ہم نے شاخ گل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا
راہ الفت میں گو ہم پر بہت سخت مقام آئے
نہ ہم منزل سے باز آئے نہ ہم نے راستہ بدلا

جامعہ حقانیہ سے متعلق چند اشعار

درج ذیل قصیدہ میں دارالعلوم حقانیہ اس کے بانیان، فضلا اور قدیم نصاب کے اخراج کے حوالے سے شکوی کیا گیا ہے

و بعد فهذا اليوم يوم مبارك　　لطلاب حقانية العمائم ترفد
شيوخهم يوصونهم بمكارم　　و نفائس أخلاق تزاد و تقصد
خصال حسان غاليات حميدة　　كرائم أوصاف و خلق تُحَمَّدْ
و أن يحسنوا بالناس بعد رجوعهم　　و يتصحوا ليستقيموا و يهتدوا
احاديث رسول الله ﷺ قد ظفروا بها　　إلى البينت بالخير العظيم تزودوا
بفراقكم يبكي إيوان شريعة　　غرفات مسكنكم مصلى و مسجد
و جماعة أهل العلم و النظم كلهم　　فيدعوعهم بفراقكم أين تجمد؟
هنيئا لكم بأنكم حصلت لكم　　نعمامة فضل * اعتزاز و سودد
بحقانية دار العلوم منيرة　　مركز علم مثلها ليس يوجد
أكرمتم بالدرس تحت ظلالها　　و حسبكم ذا الافتخار المحمد
هي الجامعة العظمى فقهد مثالها　　لها منصب عال و شان مُمَجَّد
تنور من انوارها كل موطن　　و أكناف جميع الأرض منها توقد
منبع خير بحر فيض مسلسل　　بديوبند ثان ذكرها الخير يخلد
و من مكرمات ميزتها بأنها　　لأحاديث رسول الله ﷺ تعنى و تقصد
بناها و أسسها و أفرغ جهده　　رجل عظيم عبقري و مرشد
يسمى بعبد الحق لازال اسمه　　يذكر و لا ينسى و يوفى و يحمد
إمام كبير بحر علم محدث　　و... و معطاء العلوم المجدد
هي جامعة عظمى لكل علومنا　　لاحياء جميع العلم تسعى و تجهد
فكم من علوم أخرجت من نصابنا　　و أوائلنا اهتمت بها لمئة ١٠٠

فمم يبق منها منطق وعقائد ... كذا حكمة إلا القليل المعدد

فهذا ابن سينا والغزالي وآمدي ... يشكر بمساعينا يلوم وينقد

وسيد جرجاني وسعد ودواني ... يخاصمنا بعدولنا ويهدد

مواقفهم ومقاصدهم وشروحها ... تجنب عنها وننفى ونبعد

فجامعتنا جمعت جميع علومنا ... تدافع عن تلك العلوم وتطرد

ففيها نصاب سالم حسب سابق ... لم تنخدع عما أباح التجدد

تجري عيون العلوم منها بأسرها ... فما ما يضاع من العلوم تجدد

أبقاك إلهي في أمان ورفعة ... لتجوب منازل ارتقاء وتصعد

ووقاك شر الدهر تبقي سليمة ... وعن كيد مكار حريمك يقصد

وبعد وفات الشيخ قام بأمرها ... أستاذ مرب فاضل متوقد

يدعى بسميع الحق شيخ مبجل ... زعيم الجميعة عالم متوحد

كريم على الطلاب سمح ومحسن ... عطوف شفيق في المحاسن أوحد

بسيل نبيل فائق الشان ثابت ... مقدام على الأعداء سيف مهند

متكلم للدين في كل مجلس ... جسور ونظار هزبر يلندد

حبر كبير متقن ومحقق ... ندس زكي عالم متفرد

له في السياسة منصب ومكانة ... يليق به وتقدم وتسدد

ألم يكفه تقديم عرض شريعة؟ ... على مجلس النواب عز مؤيد

كتاب مشاهير كتاب مبارك ... على فضله العالي يدل ويشهد

نكبات وأسرار رموز عجائب ... لطائف علم لاتزال تزود

مكاتيب مشاهير علوم معارف ... بياقوت ومرجان ودر زمرد

وخدمات جامعة بكل تدبر ... نعرف به فضلا وتعلو وتصعد

يدير أمورها ضعفا برأيه ... [illegible]ـه وفضائله أين توجدا؟

ونحمي حمى دين الإله بحكمة ... [illegible] رسول الله ﷺ نحمي ونفقه

و ينصرك الرحمن في كل مشكل	فمن فضله دوما تقول و ترشد
فذا الدولة العظمى تريد قيامها	و كم من أناس لا يريد فيفسد
و دخلت لتفع الشر كل معارك	لحصول قيام الأمن تسعى و تجهد
فهذا وزيرستان و أهل حكومة	لحل مشكلهم مكانك يقصد
رجاء من الشيخ الكريم و منية	تكون له فخر و عز مؤيد
لوحدة أمتنا و جمع شتاتها	يليت لو ينظر و يسعى و يجهد
فينظمنا في وحدة و جماعة	فلا نختلف أبدا و لا نشعذ
و يجعلنا في إتفاق و وحدة	و نكون جمعا ليس فينا تعدد
نرى الكفر حزبا واحدا ضد ديننا	و ها نحن أحزاب و لا نتوحد
و اذكر رشيد ما رأيت و ما مضى	و أنت أسير في السجون مقيد
فلا تنس مولاك الحفيظ فإنه	يحافظ عن الأعداء و يرعى و يسعد

تقریظ

عالم کبیر، خلیفہ مجاز ولی احمد سنڈاکئی بابا، پیر طریقت شیخ مولانا سید محمود المعروف بہ صندل بابا زید مجدہ

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

یہ کتاب تقریظ کے لیے ایک طالب علم کے ذریعے میرے پاس لائی گئی۔ میں اپنے ضعف کی وجہ سے اس کتاب کے مطالعہ سے قاصر ہوں۔ البتہ کتاب کے موضوع اور اس میں بعض مندرجات کو سن کر اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوا کہ یہ کتاب درس نظامی کے دفاع اور اہل سنت و جماعت کے عقیدے کے تحفظ کے لیے ایک قابل قدر کوشش ہے، جس میں مصنف زید مجدہ نے بہت سے علمائے کرام کی طرف ایک فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ میری دعا ہے کہ یہ کتاب عنداللہ و عندالناس مقبول ہو۔ اللهم اجعل سعيه مشكورا، و ذنبه مغفورا، و عمله مقبولا و تجارته لن تبور.

سید محمود صندلی عفی عنہ

تقریظ

قائد جمعیت علماء اسلام، مدیر جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زیدمجدہ

الحمد للّٰہ وکفیٰ والصلوۃ علی من لانبی بعدہ

امابعد، تاریخ گواہ ہے کہ علماء امت نے اس دھرتی پر جو علمی کارنامے چھوڑے ہیں وہ سنہرے حروف پر لکھنے کی قابل ہیں، خصوصا برصغیر پاک وہند میں اکابر علماء کرام کا کردار کسی پر بھی مخفی نہیں، اپنے تو کیا اغیار بھی ان کے کارناموں کو داد دیتے ہیں۔ الفضل ماشھدت به الأعداء علامہ نظام الدین سہالویؒ کے زمانے تک تو کوئی مرتب شدہ باضابطہ نصاب تعلیم نہیں تھا طلباء اپنی خواہش اور ذوق کے مطابق کتابیں پڑھا کرتے تھے مگر جب شاہ اورنگزیب عالمگیر نے لکھنو میں ایک دینی درسگاہ کی بنیاد رکھی اور علامہ نظام الدین سہالویؒ کو وہاں کا استاد مقرر کیا تو علامہ صاحب نے ایک ٹھوس نصاب تعلیم کو مرتب کیا جو بعد میں درس نظامی کے نام سے مشہور ومعروف ہوا اور بحمد اللہ وہ نصاب تعلیم آج تک کچھ جزوی تبدیلی جو حالات اور اس کے تناظر میں کی گئی کے ساتھ مدارس دینیہ میں پڑھائی جاتی ہے۔ اور یہ بات مسلم ہے اس نصاب تعلیم نے قاسم العلوم والخیرات علامہ محمد قاسم نانوتویؒ، فقیہ النفس علامہ رشید احمد گنگوہیؒ، امام الہند علامہ محمود الحسن دیوبندی، محدث العصر علامہ سید انور شاہ کشمیری، حکیم الامت علامہ محمد اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام علامہ سید حسین احمد مدنی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، مفتی الہند مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، علامہ خلیل احمد سہارنپوری، شیخ القرآن مولانا احمد علی لاہوری، محدث کبیر علامہ محمد یوسف بنوری، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع اور عارف باللہ ولی کامل والدی سندی واستاذی واستاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نور اللہ مراقدھم کو پیدا کیا، جن کے علم، تقویٰ، للّٰہیت، اخلاص اور علمی کارناموں پر آج ہم فخر کرتے ہیں اور ان پر ہمیشہ فخر کیا جائے گا، اور تا قیامت دنیا ناز اں رہے گی۔ ان اکابرین کو اس عظیم مقام تک پہنچانے میں اس رائج نصاب تعلیم درس نظامی کا بھی

ہاتھ تھا کیونکہ درس نظامی میں ایسی مضبوط اور کامل استعداد پیدا کرنے والی کتابیں شامل تھیں جو طالب علم کے علمی بنیاد کو اتنا پختہ اور مضبوط بنا کر اسے زمانے کے ہر فتنہ کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہونے کی قوت پیدا کرتی تھی۔

جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں درجہ تکمیل کے معقولات کے جید مایہ ناز مدرس اور استاد مولانا رشید احمد سواتی جو علمی دنیا میں معقولات کے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔الحمدللہ دارالعلوم کو ایسے فضلاء پر فخر ہے نے درس نظامی سے بعض جامع اور استعداد پیدا کرنے والی کتابوں کے نکالنے پر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے ان کتابوں کی افادیت اس کے مقام اور خصوصاً علم منطق، حکمت اور فلسفہ پر بعض اہل علم کی طرف سے کئے گئے اعتراضات اور اس کے جوابات پر مفصل اور مدلل گفتگو کرتے ہوئے ''دفاع درس نظامی'' کے نام سے کتاب مرتب کی ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے اصل قدیم درس نظامی کی افادیت اور موجودہ نصاب تعلیم میں کمی کے نقصانات پر شرح صدر ہو جاتا ہے اور قاری کو اس سوچ پر مجبور کر دیتا ہے کہ علمی استعداد پیدا کرنے کے لیے اکابر علماء امت کا منتخب کردہ نصاب تعلیم ہی فائدہ مند ہے اور اس کی جاری ساری رکھنے میں طلباء کا فائدہ ہے۔مدارس کی تنظیم وفاق المدارس نے پچھلے کچھ سالوں سے نصاب میں جدید تقاضوں کے مطابق کمی بیشی کے اقدامات کئے ہیں، کچھ قدیم حلقے ان کے صوابدید کے مطابق اسے پسند نہیں کرتے اور جذبہ نصح کے تحت تنقید کرتے ہیں۔فاضل مرتب کتاب بھی ان لوگوں میں شامل ہیں اور ان کے اس تنقید کا مقصد بھی خیر خواہی ہے اسے مخالفت کے پہلو پر محمول نہ کیا جائے ،لیکن یاد رہے کہ کتاب قدیم نصاب درس نظامی کے دفاع اور پس منظر میں لکھی گئی ہے جس میں قدیم نصاب تعلیم کا دفاع کیا گیا ہے اور موجودہ نصاب تعلیم کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے امید ہے مولانا رشید احمد کی اس تحقیق انیق سے اہل علم و دانش کے لئے تحقیق کے نئے دریچے کھلیں گے۔اور ان دلائل کی روشنی میں دوسرے جانب کا موقف بھی مزید واضح دبرھن انداز میں آئیگا۔جس سے نصاب تعلیم کے مختلف پہلو پر غور کرنے ، درسوں پالیسی بنانے

میں مدد ملے گی۔ اللہ تعالی سے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالی مولانا کے اس عظیم کاوش کو قبول فرما کر ہر خاص و عام کے لئے فائدہ مند ثابت فرمائیں۔ آمین۔

احقر مولانا سمیع الحق صاحب

خادم و مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

تقریظ

بقیۃ السلف جامع المعقول والمنقول شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا حمد اللہ جان ڈاگئی صاحب زید مجدہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔

درس نظامی جن لوگوں نے مرتب کیا تھا اور علوم عقلیہ کو ان کے اندر داخل کیا تھا وہ علماء فضلا تھے اور انتہائی سمجھدار لوگ تھے۔ اور ان کے مرتب کردہ نصاب کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کے پڑھنے سے بڑے بڑے جبال العلم پیدا ہوئے۔

منطق، فلسفہ، علم الکلام انتہائی ضروری علوم ہیں۔ منطق تو ہمارے اکابر کی کتابوں میں ایسا داخل ہوگیا ہے کہ اب ان کتابوں سے منطق کو نکالنا تو ناممکن ہے البتہ ان کتابوں کو پڑھنے اور صحیح طور سے سمجھنے کے لیے علم منطق کا پڑھنا انتہائی ضروری ہے۔

مختصر المعانی میں ایک مقام پر جو یہ مسالہ مذکور ہے کہ " ھذا من قبیل عموم السلب لا من قبیل سلب العموم "۔

اب یہاں آ کر طلبا پریشان ہو جاتے ہیں کہ عموم السلب اور سلب العموم میں کیا فرق ہے، حالانکہ ان دونوں میں واضح فرق ہے، عموم السلب تو سلب کلی ہے اور سلب العموم ایجاب کلی کی رفع ہے، اور رفع ایجاب کلی سلب جزی کے ضمن میں بھی پایا جاتا ہے اور سلب کلی کے ضمن پایا جاتا ہے۔ لہذا عموم السلب اور سلب العموم میں عموم خصوص مطلق والی نسبت ہوئی کہ عموم السلب خاص اور سلب العموم عام ہے۔

علم منطق قیاسات سے بحث کرتا ہے اور یہی قیاسات ہیں جن کو قرآن کریم اور حدیث میں بکثرت استعمال کیا گیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجیے

(1) حدیث مبارک میں ہے " من اذن فھو یقیم " یہ دراصل قیاس اقترانی شکل اکبری ہے اصل قیاس یوں ہے " ان ابا صداءِ اذن ومن اذن فھو یقیم فلان

ابا صدا یقیم "

. (۲) "الكذب يهدى إلى الفجور والفجور يهدى إلى النار فالكذب يهدى إلى النار ."

(۳) كما تحيون تموتون و كما تموتون تبعثون فكماتحيون تبعثون

(۴) الصوم نصف الصبر والصبر نصف الإيمان فالصوم نصف نصف الإيمان . اور الصوم نصف نصف الإيمان ونصف نصف الشئ ربع ذلك الشيء فالصوم ربع الإيمان . یہاں قیاس مساوات ہے

(۵) اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر قیاس استثنائی نفی کی شکل میں دلیل موجود ہے۔ ﴿لو كان فيهما آلهة الاّ الله لفسدتا﴾ .

بعض آیات قرآنیہ میں اشکال پیش آتا ہے جن کا جواب منطق کے سمجھے بغیر نہیں دیا جاسکتا، مثلاً ﴿لو علم الله فيهم خيراً لأسمعهم ،ولو اسمعهم لتولوا وهم معرضون﴾ حد اوسط کو ہٹایا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ لوعلم الله فيهم خيرًا لتولّوا ، وهم معرضون ۔حالانکہ نتیجہ یہ ہونا چاہئے لوعلم الله فيهم خيرًا الاقرّوا وهم مؤمنون.

افسوس ہے کہ آج ان علوم کو ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا رشید احمد صاحب کو جنھوں نے اس کتاب کے ذریعے سے درس نظامی کا انتہائی بہترین طریقے سے دفاع کیا ہے، اور جن لوگوں نے منطق، علم کلام پر اعتراضات کئے جن میں ابن تیمیہ سرفہرست ہیں بہ خوبی جواب دیا ہے ۔اور ابن تیمیہ عقائد کے جن مسائل میں جمہور امت سے خروج کیا ہے ان کی نشاندہی فرمائی ہے اور انتہائی مدلل اور مبرھن طریقے سے سلف وخلف کے عقائد کا اثبات اور ابن تیمیہ کے عقائد کا رد لکھا ہے۔

میری اور مولانا صاحب کی مرافقت ایک سفر میں ہوئی جب کہ ہمیں دو فریقوں کے

درمیان صلح کے سلسلے میں ایک جگہ جانا ہوا، وہاں پر میری اور مولانا صاحب کی بہت سی مجالس ہوئیں۔ فارغ اوقات میں عقائد کے متعلق بحث ہوا کرتی تھی۔ سات دن تک اس مرافقت میں متعدد مجالس ہوئیں جو کہ ایک علمی یادگار ہے، اللہ تعالیٰ مولانا صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے۔ آمین

تقریظ

علوم عقلیہ کے ماہر ترین بزرگ استاد حضرت مولانا صنوبر خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام على خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين

میں نے بھائی رشید احمد سواتی صاحب کی کتاب دفاع درس نظامی کا مطالعہ اول درمیان اور آخر کا کیا ہماری درس نظامی بزرگوں اور فراست والوں نے مقرر کیا تھا۔ جسکی ثمرات ناقابل فراموش ہے۔ میں آپ کی اقدام کی تائید کرتا ہوں اور دعا گو ہوں۔

مولوی صنوبر خان ساکن کانڑا غوربن ضلع شانگلہ
حالاً مقیم قریہ رستم

تقریظ

بقیۃ السلف شیخ الحدیث حضرت مولانا مطلع الانوار صاحب دامت برکاتہم العالیہ (فاضل دارالعلوم دیوبند)

الحمدللہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد.

ایک عرصہ سے علوم عقلیہ درس نظامی کا حصہ ہیں۔اور ہمارے اکابر نے ان علوم کو بخوبی پڑھا اور پھر کافی محنت اور شوق سے ان علوم کو پڑھایا بھی۔یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ان علوم کی بدولت رجال کار پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنے کا مقابلہ کیا۔

ایک شے کے فوائد کالشمس فی رابعۃ النھار واضح ہو جائیں اور اسکے اندر کوئی نقصان نظر نہ آئے تو اسکو ختم کرنے یا اسکے اندر بے جا ترمیمات کا کیا مطلب؟ ختم تو اس شے کو کیا جاتا ہے جو کہ بالکل فوائد سے خالی ہو یا اسکے اندر فوائد کم اور نقصانات زیادہ ہوں۔اور ترمیم اس شے کے اندر کی جاتی ہے جسکا کچھ حصہ نافع اور کچھ مضر ہو تو مضر حصہ کو ختم کر کے نافع حصہ کو باقی رکھ کر اسکے اندر ترمیم کیجاتی ہے۔اب ایک شے کے فوائد لاتُعَدُّ و لاتُحصیٰ ہیں اور نقصان ندارد تو اسکے پیچھے پڑنے کا کیا مطلب؟ اسکے علاوہ علوم عقلیہ دوسرے علوم وفنون کے اندر ایسے داخل ہو گئے ہیں کہ ان علوم وفنون کا سمجھنا ان معقولات منطق فلسفہ وغیرہ کے پڑھنے پر موقوف ہے۔اصول الفقہ ،فقہ،علم المعانی والبیان،علم النحو والصرف ان تمام علوم وفنون کے قواعد وضوابط کو ایسی ترتیب دی گئی ہے کہ معقولات پڑھنے کے بغیر ان کا کما حقہ سمجھنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

میں نے بذات خود علوم عقلیہ کی تمام کتابوں کو پڑھا ہے میرے چچا مولانا عبدالوہاب جوراپور کے کسی مدرسے سے فاضل تھے وہ یہاں اپنے علاقہ میں منطق کا درس دیا کرتے تھے۔صغریٰ کبریٰ سے لے کر حمد اللہ تک منطق کتابیں میں نے ان سے پڑھی۔پھر

اسکے بعد دارالعلوم دیوبند جانا ہوا وہاں پر مولانا عبدالخالق ملتانی صاحب رحمہ اللہ سے قاضی اور صدرا پڑھی۔ اور تصریح شرح چغمینی مولانا بشیر احمد صاحب گلاوٹی سے پڑھی۔ مطول مولانا نور محمد صاحب رحمہ اللہ سے پڑھا۔ اسکے علاوہ کتابوں میں جلالین شریف مولانا عبدالحق اکوڑوی صاحب رحمہ اللہ نے دیوبند میں پڑھی، بخاری شریف مکمل اور ترمذی شریف جلد اول شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ سے۔ مسلم شریف مولانا ابراھیم بلیاوی صاحب رحمۃ اللہ، ابوداؤد ترمذی جلد ثانی اور شمائل شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ، ابن ماجہ اور نسائی شریف مولانا فخرالحسن مرادآبادی رحمۃ اللہ سے اور موطائین مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ، اور طحاوی شریف مولانا مبارک علی صاحب رحمۃ اللہ سے پڑھی۔ حضرت مولانا رشید احمد سواتی مدظلہ نے درس نظامی کی دفاع میں مدلل بلکہ محقق انداز میں کتاب لکھ کر پوری امت سے فرض کفائی ادا کی۔ میں نے ضعف اور مصروفیات کے باوجود کئی مقامات سے پڑھا یہ کتاب اپنی موضوع کے اثبات میں اپنی نظیر آپ ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ اس کتاب کو نافع اور مؤلف کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔

بندہ مطلع الانوار

خادم الحدیث دارالعلوم ہدایت الاسلام تحتہ اباد اول نعمی پشاور

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب حفظہ اللہ

(استاذ الحدیث النبوی بالجامعۃ الحقانیۃ اکوڑہ خٹک نوشہرہ اقلیم سرحد پاکستان)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

اللہ نے ہمارے اسلاف اور بزرگان دین کو ایسے نفوس قدسیہ عطا فرمائے تھے جنکی بدولت انکی فراست اور بصیرت ایمانی بہت دور دور تک پہنچی تھی، انکی وضع کردہ نصاب "درس نظامی" امت کی اجتماعی اور انفرادی مسائل کا عظیم حل ہے۔ امت محمدیہ ﷺ کی ایمان کی حفاظت کا بڑا ذریعہ ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مرور زمانہ کے ساتھ درس نظامی کی نصاب میں بھی کچھ حذف واضافات کیا جائے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس درس نظامی کا اصل حلیہ بگاڑ دیا جائے۔

ہمارے چند معاصر علماء نے درس نظامی کی نصاب میں عصری علوم داخل ہونے کے لئے اور علم منطق کی اخراج پر بہت مصر ہیں، چنانچہ بعض حضرات کی کوششوں سے نصاب سے علم منطق کی متداول کتب مثلاً قاضی، حمداللہ وغیرہ نکالے گئے۔ اور سلم العلوم کو اختیاری بنایا گیا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ علم منطق آلۂ علم ہے۔ اور جب تک آلۂ علم نہ ہو تو فاعل کی اثر منفعل میں قطعاً ظاہر نہیں ہوسکتا ہے۔ تو علوم عالیہ میں کمال مہارت اور ان پر دسترس حاصل کرنے کے لئے علم منطق کی اہمیت سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور پھر خاص طور علم الکلام جو ہمارے عقائد کی تحفظ کرتی ہے انکا سمجھنا بغیر علم منطق کی ناممکن ہے۔ اور ہمارے نصاب میں علم منطق کی جو رسائل داخل ہیں اس سے صرف اصطلاحات کی تعارف حاصل ہوتی ہے۔ اور علم منطق جو تصدیق بالمسائل المحد ... ہے وہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد سواتی مدظلہ قابل صد تحسین ہے کہ انہوں نے درس نظامی کی

دفاع میں مدلل بلکہ محقق انداز میں کتاب لکھ کر معترضین کی اعتراضات کے مسکت جوابات دیکر پوری امت سے فرض کفائی ادا کی۔ میں نے ضعف اور مصروفیات کے باوجود کئی مقامات سے پڑھا یہ کتاب اپنی موضوع میں اپنی نظیر آپ ہے۔

میری قلبی دعا ہے کہ اللہ اس کتاب کو عام وخاص کیلئے نافع بنائے۔ اور مؤلف کی علم اور عمل میں اضافہ فرمائیں۔

آمین

منظور اللہ

مدرس جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک

تقریظ

مفتی وشیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم حقانیہ مولانا سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم ۔

مجھے جناب مولانا رشید احمد صاحب کی کتاب ''دفاع درس نظامی'' دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ مولانا موصوف نے تاریخ کا حق ادا کیا ہے واقعہ یہ ہے کہ وفاق المدارس کا یہ نصاب بمقابلہ اس نصاب کے جو دارالعلوم دیوبند میں رائج تھا لیس بشئی ہے دیوبند کے نصاب نے مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہ جیسے علماء پیدا کیے ۔ اور وفاق کا نصاب ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ ایک معمولی سا مولوی بھی پیدا نہیں کر رہا ہے حضرت مولانا عبدالحق صاحب از خود گویا ہے کہ میں ایک دفعہ ملتان کو وفاق کی میٹنگ میں شرکت کے لیے گیا تھا یہ وہی زمانہ تھا جب کہ مولانا رسول خان صاحب جامعہ اشرفیہ میں شیخ الحدیث تھے مولانا عبدالحق رحمہ اللہ فرما رہے تھے کہ حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ میرے استاد تھے تو میں نے چاہا کہ وفاق کے میٹنگ کے بعد حضرت کی ملاقات کے لیے ضرور جاؤں گا تو میٹنگ ختم ہونے کے بعد میں لاہور روانہ ہوا مگر میری بدقسمتی سے کسی نے حضرت الاستاد کو اطلاع دی تھی کہ مولانا عبدالحق صاحب وفاق کے میٹنگ میں شمولیت کے لیے آیا ہے۔ میری حاضری پر حضرت الاستاد صاحب کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ سلام عرض کرتے وقت وہ مجھ سے کافی دیر تک بغل گیر ہوتے۔ مگر اس بار جب میں نے حاضر ہو کر سلام کیا تو حضرت نے میری طرف سے منہ پھیرا اور ایسا ہی بادل ناخواستہ سلام کا جواب دیا۔ اور صرف ہاتھ میری طرف کر کے مصافحہ کیا۔ اور اس کے بعد مجھ پر اور حضرت استاد پر ایک قسم کا عجیب سکتہ طاری ہوا۔ کچھ دیر بعد حضرت مجھ سے فرمانے لگے کہ عبدالحق ہمارا تو خیال تھا کہ آپ علوم کی خدمت کر کے ان کو ترقی کے آسمان پر لے جائیں گا۔ مگر افسوس کہ آپ نے بھی علم کے جڑوں کو نکالنے کے واسطے کدال لے آئے ہو۔

تو میں نے کہا حضرت آخر مجھ سے کونسی ایسی بات صادر ہوئی جو کدال کے ذریعے علم کو جڑوں سے نکالنے کے مترادف ہو؟ تو حضرت نے فرمایا کیا آپ وفاق کے میٹنگ میں شرکت کے لیے نہیں آئے تھے؟ میں نے کہا حضرت میں ضرور وفاق کے میٹنگ میں شرکت کے لیے آیا تھا مگر صرف علماء کے اتحاد کو بچانے کے لیے۔ اور میرے دار العلوم میں اب بھی وہی نصاب ہے جو آپ کے زمانے میں دار العلوم دیوبند میں تھا لہٰذا استاد محترم اٹھ کر میرے ساتھ بغل گیر ہوئے۔ اور مولانا عبدالحق صاحب کی خواہش یہی تھی کہ میرے دار العلوم میں نصاب وہی ہو جو دار العلوم دیوبند میں تھا۔ اس لیے مولانا صاحب نے مجھے اس پہ مامور فرمایا تھا کہ وفاق کا نیا نصاب دار العلوم میں کسی طرح آنے نہ دیا کرے۔ مگر ــــــــ

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

سیف اللہ جامعہ حقانیہ

تقریظ

شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ حضرت مولانا عبدالحلیم دیر باباجی دامت برکاتہم العالیہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

قال الإمام الشافعی "من تعلم علما فلیدقق فیہ" وقال بعض الحکماء "من لم یعرف المنطق فلا ثقۃ لہ فی العلوم"

برصغیر پاک ہند کے مدارس عربیہ دینیہ میں رائج سلیبس جس کو عرف عام میں درس نظامی سے موسوم کیا گیا ہے، اس کے موجد استاد اساتذۃ الہند حضرت ملا نظام الدین سہالوی شہیدؒ ہے۔ اس کے نظام تعلیم کو انہوں نے اپنے مدرسہ کے لیے تقریباً سات سو (۷۰۰) سال پہلے مرتب کیا، لیکن دست قدرت نے ان کو ایسی مقبولیت سے نوازا کہ آج تک تمام مدارس عربیہ میں یہی نصاب تعلیم رائج ہے، اور اس کے سبب امت مسلمہ کو ہر فن میں رجال کار مل رہے ہیں، گذشتہ ادوار اور آج کے دور کے معروف و مشہور ماہرین حدیث و تفسیر و فنون اسی نصاب کے بدولت پیدا ہوئے ہیں، تحقیق و تدقیق کے میدانوں کے شہسوار اسی درس نظامی سے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

حضرت نظام الدین شہیدؒ کے مرتب کردہ نظام مہانے کتب میں بڑے نرالے طریقے سے کتابوں کو فن وار درجات میں تقسیم کیا گیا تھا اور اسی طریقے پر پڑھنے اور پڑھانے سے استعداد و قابلیت میں کمال تدریجاً بڑھتا تھا، درس نظامی سے فراغت کے بعد آدمی علوم عقلیہ و نقلیہ میں ماہر ہوتا تھا، بعد میں اسی درس نظامی کی کتابوں کو ایک خاص ترتیب اور خصوصی مناسبت کے ساتھ اس میں مربوط کر کے "از ہر ہند ام المدارس دارالعلوم دیوبند" میں گیارہ سالہ نصاب میں تقسیم کیا گیا، برصغیر پاک ہند کے مدارس عربیہ میں درس نظامی اسی نقشہ کے ساتھ رائج ہوا تھا، درس نظامی میں "منطق و فلسفہ" اہمیت کے ساتھ داخل کیا گیا، جو ہر دور میں عبقری شخصیات سے درس کا فریضہ انجام دیتے جب کہ ان علوم کی مدد سے

دوسری علوم میں مہارت اور پختگی پیدا ہوتی، فنون کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں تھا، منطق کے اصطلاحات اگرچہ جدید اور مخترع ہیں لیکن ان اصطلاحات وعنوانات کے معنے اور معبر عنہ قرآن میں موجود ہے، جیسے "قل ان کان للرحمن ولد فان اول العابدین، قل ان کانت لکم الدار الآخرۃ عند اللہ خالصۃ......الخ. ولن یتمنوہ ابداً بما قدمت"......الخ ان آیات کریمہ میں دعویٰ رد کرنے کے لیے جو طریقہ استدلال اختیار کیا گیا ہے اسی کو لے کر علماء منطق نے ان کو ایک اصطلاح دیدی، اسی طرح حدیث میں آیا ہے "قال علیہ السلام کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار" اسی حدیث مبارکہ سے نتیجہ اخذ کر کے "فکل بدعۃ فی النار" کہا گیا ہے، اب اسی حدیث مبارکہ کے دونوں جملوں کو 'اہل مناطقہ' نے تفہیم وآسانی کے لیے ایک جدید نام دیا۔

اب یہ واویلا کرنا کہ منطق کا علوم اسلامیہ سے کوئی واسطہ نہیں بے جا ہے، منطق کے ذریعے استدلال اور تکلم کا ڈھنگ آجاتا ہے، اپنے مقابل سے قوت استدلال کے ساتھ بات کی جاتی ہیں، بشرطیکہ مخاطب بھی اہل علم ہو۔ اسی طرح حکمت وفلسفہ کے مبادی قرآن میں موجود ہیں، ساوات، الارض، نزول المطر من السماء، بادل، گرج چمک، چاند وسورج، جزء لایتجزیٰ، صورت جسمی، جسم تعلیمی۔ہاں علماء فلسفہ نے ان کو تفہیم وتسہیل کے لیے ایک جدید اصطلاح دیدی۔ یہاں تک کہ حکمت عملی کے سارے اقسام ہماری شریعت میں داخل ہیں۔ ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں علوم منطق اور فلسفہ کا بڑا رواج تھا، مؤسس دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کی ساری تصنیفات ایسے طرز استدلال سے بھری ہوئی ہیں۔ جب تک کسی کو ان فنون میں مہارت حاصل نہ ہوں، تو ان کتابوں کا سمجھنا اور سمجھانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ "میلہ خدا شناسی" جو حضرت نانوتوی کا پادریوں کے ساتھ مشہور مکالمہ مناظرہ ہے اسی علوم عقلیہ کے طرز استدلال پر مبنی ہے۔

چونکہ گذشتہ ادوار کے اشخاص کے عزائم وہمتیں چٹانوں کی طرح مضبوط تھیں،

اسکے لیے ایسے علوم کا سیکھنا ستو (سویق) کے چاٹنے سے بھی زیادہ سہل اور آسان تھا، لیکن آج کے دور انحطاط میں عزم وہمت کی کمزوری کیوجہ سے طلباء کرام کا رجحان ان علوم وفنون کے سیکھنے سے اُچٹ گیا ہے۔

فوا اسفاہ! آج کے لوگ اپنے اکابر واسلاف کے سرمایہ علم سے کیسے فائدہ حاصل کریں گے؟ "باین عقل ودانش بباید گریست"

ہمارے مدرسہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مایہ ناز مدرس اور ہزاروں طلبہ کے محبوب استاد حضرت مولانا رشید احمد سواتی صاحب مدظلہ جوان فنون میں مہارت کے ساتھ ساتھ اس سے عشق کی حد تک تعلق رکھتے ہیں۔انہوں نے اپنے دل کی آہ وفغان کو علماء کے حضور میں دلائل کے انبار لگا کر علماء واکابر کے اقوال نقل کر کے اپنے مدعیٰ کو مبرھن کیا خدا کرے کہ یہ آہ وفغان کسی کے کانوں پر گذر کر دل میں اتر جائے۔

اعتذار:۔آج کے دور میں طلباء کے اذھان میں اس علوم وفنون کے قبول نہ کرنے کی بڑی وجہ ہمارے مدارس کے ارباب اہتمام کی عدم توجہی ہے۔کہ سال کے ابتداء میں تقسیم کتب کے وقت منطق کی کتب کو ایسے اساتذہ کے حوالے کیا جاتا ہے جو خود اس سے ناواقف ہوتے ہیں۔اور طلباء کے سامنے اس فن کی مشکل اور بے فائدہ ہونے کی ترغیب دیتے ہیں، جب ذھن ایک مرتبہ اُچٹ جاتا ہے پھر ان کو قرار کیسے ملے گا۔ورنہ بعض طلباء با استعداد ہوتے ہیں، اور اس فن کے سیکھنے کے پیاسے ہوتے ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ کیا ایک سال میں منطق کی کتابوں کو کوئی سمجھ پائے گا، جس کو ہم نے "تکمیل یا تکملہ" کا نام دیا ہے۔اگر اکابر علماء دیوبند کے نقش قدم پر ہر سال میں ایک کتاب پڑھائی جائے اور ابتدائی رسائل بغیر کسی تشریح وتوضیح کے پڑھا کر زبانی یاد کرائی جائے تو ممکن ہے کہ اس فن کی عظمت ذھن میں اتر جائے، وہ لوگ اپنی دعویٰ میں جھوٹے ہیں جنہوں نے ابتدائی کتابیں سلم العلوم تک لاپرواہی سے پڑھ کر پھر تکمیل کے نام سے ایک سال ضائع کیا اور دعویٰ کرتے ہیں کہ میں نے منطق پڑھا

ہے۔اوراب دوسروں کو پڑھاتا ہوں، "ایں خیال است ومحال است جنون"

مولانا رشید احمد سواتی صاحب نے درسِ نظامی کی بعض کتابوں پر اور خصوصاً منطق وحکمت کی کتابوں کے اخراج پر بعض ناقدین کی تنقیدات نقل کر کے ایسے مسکت طرز استدلال سے جواب دیا ہے کہ اگر اس کو بنظر انصاف دیکھا اور پڑھا جائے تو یقین ہے کہ وہ اپنی تنقید سے رجوع کریگا۔

کتاب ماشاءاللہ لاجواب کتاب ہے۔اور اپنے مدعٰی کو ثابت کرنے میں اپنے پڑھنے والے کو انتہاء تک پہنچانے کے بغیر نہیں چھوڑتی۔اور خصوصاً اکابر علماء کی علوم عقلیہ کے ساتھ شغف اور تعلق اور ان کے سوانح سے تعلق رکھنے والے کو، اخیر اً ہر قاری سے بصد ادب دست بستہ عرض کرتا ہوں۔ ہمارے اکابر جو ہماری پہچان ہے ان کے بارے میں لب کشائی سے حد درجہ پرہیز کریں اس لیے کہ اکابر کے ساتھ وابستہ رہنے میں عافیت ہے۔

عبدالحلیم دیروی وسعید الرحمٰن

جامعہ دار العلوم حقانیہ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی رضاء الحق شاہ منصوری مدرس دارالعلوم زکریا جنوبی افریقہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد عرصہ دراز سے درس نظامی سے مستفیض ہونے کے نتیجے میں محقق مدقق علماء کرام پیدا ہوئے جنہوں نے ہر میدان میں دین کی خدمت فرمائی، اور کتاب فہمی اور درس وتدریس کے شہسوار بنے اور ہر زمانے میں ہر میدان میں تحقیقی کام کیے۔ موجودہ زمانے میں طلبہ کی ہمتیں پست ہوگئی ہیں۔ علوم کی تحصیل میں جتنی محنت ضروری ہوتی ہے وہ محنت نہیں کر سکتے اس لیے بعض علماء پرانے درس نظامی کے درجات علیا کے کتابوں کی مخالفت کرتے ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب سواتی مدرس درجہ تکمیل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ نے درس نظامی کا دفاع فرمایا۔ اور بڑی محنت اور عرق ریزی سے بہت سارے مواد جمع فرما کر "دفاع درس نظامی" نامی کتاب تحریر فرمایا۔ اس کتاب میں ضمنی طور پر بہت نفیس اور عمدہ مضامین آچکے ہیں کتاب گویا کہ علمی دسترخوان ہے جس کی غذائے روحانی سے طلبہ اور علمائے کرام خوب استفادہ کریں گے۔ بندہ عاجز نے کتاب کی چیدہ چیدہ عنوانات دیکھے بالاستیعاب کتاب نہیں پڑھی امید ہے پوری کتاب اطمینان بخش ہوگی۔ اللہ کتاب مقبول بنا دے اور طلبہ کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے معاونین کے لیے صدقہ جاریہ بنادے۔

(رضاء الحق شاہ منصوری

مدرس دارالعلوم زکریا جنوبی افریقہ)

تقریظ

شیخ القرآن والحدیث فیلسوفِ اسلام مولانا قاضی فضل اللہ صاحب!

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔

حضرت آدم کو اللہ کریم نے پیدا کرنا چاہا اور فرشتوں کے سامنے اس کا اظہار فرمایا تو انہوں نے ایک تحفظ پاس کیا کہ یہ تو عقل کو شہوات کا مقتدی بنا کر خون خرابہ اور فساد پیدا کرتا رہیگا تو کریم نے فرمایا جو پوشیدہ حکمتیں ہیں اس کی تخلیق میں وہ آپ لوگوں کو معلوم ہی نہیں اور وہ ہے استنباط کہ یہ اپنی فطرت میں موجود شہوت اور عقل کی آمیزش کی وجہ سے اشیاء کی حکم واسرار اور آراء کیلئے استدلال اور براہین سے کام لیتا رہیگا فرشتوں کا علم فطری اور انسان کا علم اکتسابی ہے۔ فرشتوں کا علم نہ تو پھیلتا ہے اور نہ وہ استنباط کا ملکہ رکھتے ہیں کہ وہ صرف عقل ہیں اور حرکت اور حیات جس طرح دو ضدین کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتے ہیں اسطرح استنباط اور ترایدِ علم بھی شہوت وعقل کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتے ہے جس طرح مادی عناصر کے ٹکراؤ سے ترقی آتی ہے علم اور جہل اور اس طرح حق اور باطل کے ٹکراؤ سے مزید راز آشکارا ہو جاتا ہے ترقی کا راز ٹکراؤ میں مضمر ہے۔ کسی استاد کو بھی اگر یہ خدشہ نہ ہو کہ کل درس میں کوئی ذی استعداد طالب علم سوال کریگا تو سرے سے وہ مطالعہ ہی نہیں کریگا اور یوں علم میں اضافہ نہ ہو سکے گا "ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضهم ببعض لفسدت الأرض" کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ ٹکراؤ نہ ہو تو نظام دنیا بھی فاسد ہوگا اور ناکارہ ہو جائے گا۔

بہیمیت سے ملکیت کا ٹکراؤ ہو جایے تو عفت اور شیطان کی ٹکراو ہو تو تدبیر گویا علم اور انسان کا علاقہ اتنا قدیم ہے جتنا کہ خود انسان اور اسکی تخلیق ، اور یوں انسان ہمیشہ سے سیکھتا رہتا ہے۔ اگر کوئی با قاعدہ طالب علم نہ بھی ہو پھر بھی وہ سیکھتا رہتا ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں وہ حواس کی استعمال بھی کرتا ہیں اور عقل کا بھی۔ تب ہی تو حضرت امام بخاری نے کہا العلوم تتزاید یوما فیوما اور ہر انسان کا ارتقاء اور اس کی مسائل مختلف ہے تب ہی تو انسانوں میں

اختلافات ہوتے رہتے ہے ﴿ولو شاء اللہ ما اختلفوا ﴾ تو اللہ نے چاہا کہ اسطرح ہو تاکہ ترقی ہوتی رہے۔

لہذا اپنے موقف کو حق ثابت کرنے کیلئے بندے کو استدلال و برہان کا سہارا لینا پڑتا ہے احوال وظروف کے مطابق ہر دور میں ذی علم لوگوں نے طریقہائے تعلیم وتعلم کو سدھارا سنوارا۔ درس نظامی اور اس میں شامل مختلف علوم آلیہ وعالیہ اور ان علوم کے کتب سے مختلف کتب کا انتخاب برائے نصاب بھی اس قسم کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔اور صرف کوشش نہیں بلکہ اس انتخاب میں تائید ایزدی بھی شامل ہے کہ انتخاب کرنے والے لوگ مخلصین اھل اللہ قسم کے لوگ تھے۔اور بعد از ان اھل اللہ قسم کے لوگوں نے اس طریقہ کو اپنایا جس کی وجہ سے اس انتخاب کو مزید تائید ایزدی مل گئی کہ ان کے خلوص اور تقوی کے اثرات بھی ان پر پڑتے رہے اور اس مقبولیت ہی کا ثمرہ ہے کہ اس نظام ونصاب نے رجال کار پیدا کیے۔

منطق نطق سے ہے اور نطق کا ایک معنی تو ہے گویائی اور تکلم جبکہ اسکا دوسرا معنی ہے کلیات کا ادراک جو دراصل عقل ہی سے ہوتا ہے یوں منطق عقل وفکر کو جگا دیتا ہے۔اور نطق واستدلال کی قوت پیدا کرتا ہے جبکہ علم کلام شریعت ووحی کی دی ہوئی تصورات کو برہان اور استدلال سے ثابت کرتا ہے اور فلسفہ کیوں کا جواب ڈھونڈتا رہتا ہے۔

لہذا جب تک استدلال کا صغری اور کبری صحیح ہو تو پھر اس سے صحیح نتیجہ نکلتا ہے قرآن کریم بھی خود بھی عقلی دلائل سے کام لیتا ہے یعنی خلق سے خالق کے وجود وحدانیت، ربوبیت اور قدرت پر استدلال۔اب اگر ایک منطقی بھی کسی چیز پر استدلال کریں تو اسے جو نتیجہ نکلے تو یا تو وہ خود قرآن اور حدیث کے موافق اور مطابق ہوگا تو پھر اسمیں حرج کیا۔اور اگر مخالف نکلتا ہے تو وہاں یا تو استدلال کے مقدمات میں کوئی خطا ہے یا پھر مستدل کی فہم یا پھر نیت میں کچھ فتور ہے اب دیگر علوم آلیہ کے ساتھ تو کسی کو بھی اختلاف نہیں جیسے صرف، نحو، معانی، بدیع وغیرہ لیکن مسئلہ منطق فلسفہ اور علم کلام کا ہے جسکے ائے دن کچھ نہ کچھ کٹوتی راتی ہے ایک تو یہ

کہ زندگی اتنی تیز ہو چکی ہے کہ ہر بندہ بشمول مدرسے کے طلبہ کے یہ چاہتے ہے کہ جتنا جلدی ہو سکے میں عملی زندگی میں شامل ہو جاؤں کہ دنیا ترقی کر چکی ہے اور یوں دولت کے حصول میں دیوانے ہو رہے ہیں تو وہ چاہتے ہے کہ زیادہ وقت نہ لگے اور زندگی بن جائے تو مدارس کے وفاق اور بورڈز بھی اس چیز کو محسوس کرتے ہے اور دن بدن کٹوتی کرتے ہیں اس طرح جو فاضل پیدا ہوتے ہے جن میں علم کی پختگی بھی نہیں ہوتی اور ان کا قوت استدلال قوی نہیں ہوتا ایسے لوگ بقول شاہ ولی اللہ کے اخطر الناس ہوا کرتے ہے دین وایمان کیلئے۔ کہ سمجھ اور فہم محدود لیکن احساس ہے برتری کا اور دین کے حوالے ایسے ایسے باتیں کرتے ہیں کہ اللہ کا پناہ۔ وہ سنتے بھی نہیں کسی اور کے کہ انہوں زندگی بھی جدت اور جدیدیت کے ماحول میں گزاری ہیں۔ اور مدارس کے نصاب کے حوالے سے ان کا زعم ہے کہ ہم نے کچھ تھوڑا جنرل سائنس کچھ انگلش کی بھی تھوڑی بہت تاریخ اور کچھ تھوڑا سا میتھس بھی پڑا ہے جبکہ ماضی میں ایسے چیزیں مدارس میں نہیں تھی ہم کیوں دقیانوسی علماء کی بات مانے خالانکہ ان ہی دقیانوسیوں میں علم وفن کی پختگی ہے جو آجکل نہیں پیدا ہوتے اب دنیا تو آگے کی طرف چلتی ہے کوئی نہ اس کے سفر کو روک سکتا ہے نہ اس کو واپس لیجا سکتا ہے لہذا یہ مسئلہ اس طرح گھمبیر ہوتا جائے گا، البتہ ارباب مدارس سے دست بستہ عرض ہے کہ مدارس کو کمیت سے واپس کیفیت پر جتنا کہ ممکن ہو لیجائے رہی بات عصری علوم کی جو کہ علوم نہیں بلکہ فنون ہیں لیکن بدقسمتی سے ان علوم کو سائنس جسکا لغوی معنی علم رکھا گیا ہے اور جو سائنس نہیں اس کو فنون کہا جاتا ہے جبکہ مادی علوم در حقیقت فنون ہے اور الہامی علوم علوم ہیں۔ مادی علوم مجازی علوم ہے۔ اور اس کا تعلق مادہ سے ہے جو سفلی ہے۔ اور الہامی علوم حقیقی ہے اور اس کا تعلق اللہ سے ہے جو علوی ہے۔ تو اگر مدارس نے بھی عصری علوم یعنی فنون کا دخل زیادہ ہوا تو ایک تو الہامی علوم کا حصول بہت کمزوریوں تک جا پہنچے گا۔ اور دوسرا یہ الہامی علوم سے جو روحانیت پیدا ہوتی ہے وہ نہیں ہوگی۔ جب کہ اس قسم کے محدود قسم کی سائنسی علوم نہ صرف یہ کہ لا حاصل ہونگے بلکہ اس محدود حصول کو بندہ بھی

سائنس وغیرہ کے حوالے سے اخطر الناس ہوگا ایسے فاضل کا نہ دنیا بنے گا اور نہ دین ﴿لا الٰی هؤلاء و لا الیٰ هؤلاء﴾ ہوکر ﴿مذ بذبین بین ذلک﴾ کا مصداق ہوجائیگا۔ اور پھر وہ ہر دو کو کھوتا رہیگا اور اگر دینی علوم کو کھوتا رہے تو اس کے تو ایمان کا بھی خطرہ ہوگا۔

تو محترم مولوی رشید احمد صاحب جو ایک ذی استعداد عالم ہے تدریس کا عملی تجربہ رکھتے ہے فنون میں کتب اعلیٰ کا درس دیتے رہتے ہیں اس نے درد محسوس کرتے ہوئے یہ کتاب لکھی ہے اور عرق ریزی کی ہے جسکا حاصل ہے ترغیب دینا اس نظام اور نصاب کی طرف جس نے رجال کار پیدا کئے اور ایسے رجال کار جن کے نام پر مدارس نہیں بلکہ یونیورسٹیاں بھی ایم فل ,پی ایچ ڈی کے مقالے لکھے جاتے ہے اور جیسا کہ پشاور یونیورسٹی نے علامہ شمس الحق اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کو اعزازی ڈگریاں دی پی ایچ ڈی کی۔ تو یہ نظام اور نصاب نہ ہوتو پھر اس کا کوئی روگ نہیں بنتا تھا کہ ہر دو حضرات نے تو کبھی بطور طالب علم کالج اور یونیورسٹی کا منہ تک نہیں دیکھا تھا۔ مولانا مفتی محمود کے نام پر مولوی صاحب عبدالحکیم نے مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری لے لی۔ ابھی ابھی ایک صاحب میرے پاس آئے تھے جو مولانا عبدالہادی صاحب شیخ التفسیر پر مقالہ لکھ رہا تھا یونیورسٹیز جب اس قسم کے مقالات کی اجازت دیتے ہے تو وہ ان مدارس کے نظام ونصاب کی توثیق ہے۔ بہرصورت مولوی صاحب رشید احمد سواتی نے اس نصاب درس نظامی کی بہت اچھی وکالت کی ہے۔ اور اسکی افادیت واضح کی ہے لیکن مسئلہ پھر وہی کہ لوگوں کے پاس وقت نہیں وہ جلدی فارغ ہونا چاہتے ہے تو وفاق نے بھی لوگوں کی جلدی کو مدنظر رکھا اور نصاب میں کٹوتی کی۔ رہی بات حافظ ابن تیمیہ کی تو ہر بڑے عالم کے تفردات ہوتے ہے جس سے اتفاق کرنا لازمی نہیں۔ جس طرح ہر مجتہد اجتہاد کا مکلف ہے لیکن کبھی اسکا اجتہاد خطاء بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیت دے۔

از قاضی فضل اللہ امریکا شالیہ

تقریظ

حضرت مولانا القاری المقری عمر علی صاحب دامت برکاتہم العالیہ مہتمم جامعہ تحسین القرآن حکیم آباد نوشہرہ

یارب لک الحمد کما ینبغی لجلال وجھک وعظیم سلطانک ، اللّٰھم صل وسلم وبارک علی حبیبک محمد وانزله المقعد المقرب عندک یوم القیامة

بفضل اللہ وکرمہ ہمارے اساتذہ ومشائخ ، رجال اللہ تھے ، اخلاص اور حصول رضائے الٰہی ان کا شعار تھا ، انہوں نے تاقیامت اپنی روحانی اولاد اور شاگردوں کے لیے اپنی روحانی قوت وفراست سے ایسی کتابیں نصاب میں شامل کیں جو معرفت الٰہی وراثت رسول کا ذریعہ ہونے کے ساتھ ہر دور میں اعدائے اسلام کو (دلیل اور حکمت سے) دندان شکن جواب دینے کے لیے سلاح المؤمن تھیں ، علم کلام ، بلاغت اور منطق کے قدیم نصاب نے دارالعلوم دیوبند میں رجال اللہ تیار کئے ۔ شیخ الاسلام سیدی حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا ، قال اقول ، مرقاۃ ، زنجانی ، میر قطبی ، تہذیب ، شرح عقائد ، حاشیہ خیالی ، جیسے دقیق کتابیں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ سے دارالعلوم دیوبند میں پڑھنا "من اقوی الحجج ہے"

رب ذوالجلال نے اکابر کا ورثہ اپنے خاص فضل سے برادر مکرم جامع المعقول والمنقول مولانا رشید احمد زیدت معالیہ مؤلف ہذا الکتاب (دفاع درس نظامی) اور سفیر اسلام مولانا قاضی فضل اللہ لاہوری ۔۔۔ ترجمان احناف مولانا مفتی مجیب الرحمٰن خیرہ میر گرہ اور مفتی اعظم مفتی تقی عثمانی زیدت معالیہم کو خصوصی طور پر عطا فرمایا ، جن کی ایک علمی مجلس میں مختلف موضوعات پر تشفی وتسکین نصیب ہو کر قدیم نصاب پڑھنے کا ولولہ اور اکابر سے عقیدت بڑھ کر تعلق مع اللہ نصیب ہو جاتا ہے ، مقبول اور مقرب عند اللہ وارثین انبیاء کا تعارف بھی نبی علیہ السلام نے یوں فرمایا "من ذکرکم اللہ رؤیته ، وزاد فی علمکم منطقه ، وذکرکم بالآخرة عمله" الحدیث ۔ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم سے کسی نے پوچھا : حضرت ! جو کتابیں (قدیم نصاب کی) آپ نے پڑھی ہیں وہ دیگر فضلاء نے بھی پڑھی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ رب کریم نے آپ سے نمایاں خدمات لے کر آپ کو ممتاز کر دیا ، حضرت

نے فرمایا، بھائی میرا کمال نہیں، صرف اتنی بات ہے کہ جو کتاب (خواہ حدیث کی تھی یا علم کلام ومنطق وغیرہ کی) مطالعہ کرتا تو ادب سے اٹھا کر ہاتھ اُٹھاتا، یا اللہ اس کتاب کو اپنی معرفت، اور مخلوق خدا کی نفع رسانی کا ذریعہ بنادے۔ اور سب سے قیمتی چیز (جس کو عقل مند ایک پیسہ پر نہ خریدے) شہرت پسندی اور ریا رہ کاری سے پناہ مانگتا۔

زیر نظر کتاب میں قدیم نصاب کی عظمت اور غلبہ اسلام کا ذریعہ ﴿لیظھرہ علی الدین کلہ﴾ کا مصداق اور جدید نصاب ترمیم در ترمیم کے نقصانات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جو اہل اسلام کے لئے مشعل راہ ہے، جدید ترمیم شدہ نصاب سے وہ خطرات ظاہر ہو رہے ہیں جو خطرات حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے عصری اداروں سے ظاہر ہونے کی پیشگوئی فرمائی تھی، علی گڑھ کے خطبہ صدارت میں حضرت نے فرمایا "بلاشبہ مسلمانوں کی درسگاہوں میں جہاں علوم عصریہ کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے اگر طلبہ اپنے مذہب کے اصول وفروع سے بے خبر ہوں اور اپنے قومی احساسات اور اسلامی فرائض کو فراموش کردیں اور ان میں قوم وملت کی حمیت (غیرت) نہایت ادنیٰ درجہ پر رہ جائے، تو یوں سمجھوں کہ وہ درسگاہ (عصری ادارے) مسلمانوں کی قوت کو ضعیف بنانے کا ایک آلہ ہے" اللہ جل شانہ جملہ اہل اسلام کی طرف سے حضرت مولانا رشید احمد مدظلہ کو اپنی شایان شان اجر عظیم عطا کرے اور انکے تلامذہ واولاد اور محسنین کو صالحین مقبولین کے زمرہ میں شامل کردے، جنکی رفاقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے طلب فرمائی ﴿رب ھب لی حکما و الحقنی بالصالحین﴾ صالحین وہ جن پر نبی علیہ السلام نے سلام بھیجا اور تاقیامت مؤمنین بھی ہر نماز میں سلام بھیجتے رہیں گے السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین

اللھم ادخلنا برحمتک فی عبادک الصالحین آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

محمد عمر علی سلمہ الغنی فاضل المعقول مع التحریر

... سلوی الشریف المدینۃ المنورۃ زادہا اللہ شرفا

... مدرس جامعہ تحسین القرآن لوشرہ چھاؤنی

تقریظ

جامع المعقول والمنقول جامعہ دارالعلوم حقانیہ حضرت مولانا فیض الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ امابعد!

شیخ الحدیث حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی کتاب "دفاع درس نظامی" دیکھ کر یہ محسوس ہوا کہ مولانا صاحب نے فرض کفایہ ادا کر کے بہت زیادہ علمائے کرام کے دلوں کی ترجمانی کی ہے۔

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے
دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

جاننا چاہیے کہ ہمارے اکابرین علمائے دیوبند بیک وقت منقولات و معقولات کے ماہرین تھے، اور علم کے نکتہ عروج تک پہنچ چکے تھے، اگر ان کے علمی کارناموں پر گہری نظریں دوڑائی جائیں تو ان کے تصانیف اتنے زیادہ آپ کے سامنے آئینگے کہ آپ حیرانی کے عالم میں انگشت بدندان رہ جائینگے کہ یااللہ! آجکل سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور بھی ان کے سامنے بے بسی کا لبادہ اوڑھ کر اندھیر میں چھپنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر اکابرین کی زندگی ایام اور تصانیف کے اوراق کا موازنہ کریں تو حیات سے لے کر ممات تک کی زندگی کا ہر دن ۶۰،۵۰ صفحات کا مرہون منت بنے گا، ہمارے اسلاف کی علمی ذوق وشوق اور استعداد کے بارے میں مشہور ہے کہ اگر ان کی اُردو کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا جائے اور مصنفین کے نام صیغہ راز میں رکھے جائیں تو کوئی محقق عالم بھی یہ نہ پہچان سکے گا کہ یہ علامہ فخر الدین رازیؒ کی کتابیں ہیں یا علامہ سیوطیؒ کی" وغیرہ۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

اب ہم انشراح قلب کو ملحوظ خاطر رکھ کر سوچ کا زاویہ علمائے دیوبند و دیگر اسلاف

کی علمی پختگی، اتقان وجودت، فہم فراست، دانائی وزیرکی کی طرف گھمائیں گے کہ ان حضرات کے علوم میں یہ پختگی وغیر صفات کہاں سے آگئیں اور جب ہم اس حقیقت کو جان لینگے تو ہمارا حقیقی مسئلہ حل ہو جائیگا۔

(۱) نصاب تعلیم کا مقصود اصلی:

جاننا چاہیے کہ نصاب تعلیم کا مقصد صرف معلومات کو جمع کرنا نہیں بلکہ معلومات جمع کرنے کے لیے ایک مضبوط استعداد کو بنانا ہوتا ہے تا کہ اس کو بروئے کار لا کر علم کے سمندروں سے موتی نکال سکیں۔ اور یقیناً کسی بھی صاحب علم پر یہ بات بھی مخفی نہیں کہ نصاب تعلیم کی غرض اصلی کامل استعداد کی ایجاد و بقاء ہے ورنہ بصورت دیگر کامیابی کی بجائے ناکامی ہمارا مقدر بنے گی اور ہم زوال کے شکار ہو کر علمی ورثہ سے ایسے محروم ہو جائینگے جیسا کہ "سراب" سے پیاس تھکا ماندہ شخص محروم رہ جاتا ہے۔

(۲) کامیابی کا سہرا نصاب تعلیم کی عمدگی پر ہے:

نصاب جتنا اعلیٰ وارفع، (دقیق) معیاری، پختہ ومشکل ہوگا اس کے متعلمین کی استعدادیں بھی مثلاً بمثل ہونگی، ناقص نصاب کا نتیجہ بھی ناقص رہے گا، اس میں لازم وملزوم کا اصول کارفرما ہے، ویسے بھی نتیجہ اخص وارذل کے تابع ہوتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ عصری علوم میں بھی نصاب کمیٹی، نصاب تعلیم کو معیاری ومشکل بناتا ہے تا کہ طلبہ محنت کریں اور ان کی استعدادوں میں مضبوطی آسکے ورنہ آسان اور محنت کے بغیر حاصل شدہ چیز آخر کار بچوں کا کھلونا بن جاتا ہے۔

(۳) جدت پسندوں کی خوش فہمی:

بعض جدت پسند لوگوں کا خیال ہے کہ آج کل جدید خیالات وافکار نے پرانے عقائد وخیالات کی جگہ لے لی ہیں، لہذا اپنی تمام تر توانائیاں قدیم علوم کی بجائے جدید علوم پر صرف کی جائیں اور ان کے خیالات کی تردید کی جائیں اور اب قدیم علم کلام پڑھنے کی

ضرورت نہیں، اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ان کے مثبت مدعیٰ کو ماننے کی گنجائش ہے لیکن ان کے منفی مدعیٰ کا جواب نفی میں ہے، اس لیے کہ قدیم علم کلام کے سمجھنے سے ذہن میں باریک بینی، سوال و جواب کا ملکہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے دیگر متعدد فوائد ہیں، اس لیے ان دونوں نظریات میں یوں تطبیق دی جائے ''کہ نہ سانپ بچے اور نہ لاٹھی ٹوٹے'' کہ بقدر ضرورت علوم جدیدہ سے بھی اپنے آپ کو تہی دامن نہ رکھے اور علوم قدیمہ کو بھرپور طریقہ سے حاصل کریں تاکہ کامل استعداد حاصل ہو سکے اور یہ حقیقت ہے کہ علم کلام میں جو شخص جتنا ماہر ہوگا، اتنا ہی اس میں کلام کا ملکہ، استدلال پیش کرنے کا طریقہ اور عوام الناس اور خواص کو مطمئن کرنے کا سلیقہ پایا جائیگا۔

اور یہی وہ بنیادی وجہ ہے کہ جب ہمارے اکابرین حضرات نصاب تعلیم سے فارغ ہوئے تو وہ تمام مسائل کے جواب دینے میں معمولی جھجک محسوس نہ کرتے اور نہ ماڈرن لوگوں سے مرعوب رہتے جیسا کہ یہ بیماری آجکل کے طلبہ میں وافر مقدار میں پائی جاتی ہیں، جو لوگ اس نصاب تعلیم میں تبدیلی کے خواہاں ہیں، ان کے لیے یہ بڑا لمحہ فکریہ ہے۔

اسی طرح بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اب منطق و فلسفہ کی کتابوں کا پڑھنا بے سود ہے، چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس کو مقصود اصل بنایا جائے جیسا کہ گزشتہ ادوار میں ایک دور گزر چکا ہے کہ سات، آٹھ سال تک صرف یہی کتابیں پڑھتے تھے، یہ مناسب نہیں لیکن ایک بار تو ان کتابوں کا پڑھنا از حد ضروری ہے تاکہ متقدمین کی کتابوں کے اصطلاحات سے واقف ہو کر ہم اسلاف کی علمی موتیوں سے محروم نہ رہ جائیں۔

(۴) نصاب تعلیم کی مظلومیت:

آج اگر دنیا میں مظلوم ہے تو وہ نصاب تعلیم ہے، ہر شخص ان میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے قدیم نصاب تعلیم میں وہ کونسی غلطی تھی جس کی بناء پر اس کو مسترد کیا جا رہا ہے، کیا اس کی بدولت عظیم مفسرین، محدثین، مصنفین وغیرہ معرض وجود میں نہ آئے ہیں؟ اگر اصل استعداد کے حاملین

حضرات کو پیدا کرنا مقصود نہ ہو بلکہ ایسے حضرات کی پیداوار مقصود ہو کہ اردو شروحات سے بھی کتاب کو حل نہ کرسکے تو اس کے بارے میں ناظرین ہی فیصلہ کرینگے۔

محترم حضرات! یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ نصاب تعلیم کوئی منصوص چیز نہیں ہے لیکن تبدیلی کے خواہاں پر کوئی الہام وغیرہ تو وارد نہیں ہوا کہ اس میں ضرور تبدیلیاں لائیں گے اور جب سابقہ نصاب کی افادیت مسلم ہے تو ہٹ دھرمی اور تعصب کا کیا فائدہ؟ ہاں یہ مسلم ہے کہ جب سے جدت کا دور آیا ہے اسی وقت سے انحطاط کا دور بھی شروع ہوا ہے۔

لہذا ہمیں چاہیے کہ اسلاف کے نقش قدم پر چلیں تا کہ استعداد کی مضبوطی دوبارہ لوٹ آئے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کی سعی کو قبول فرمائیں اور مستقبل میں مزید علوم اسلامیہ کی خدمت کی توفیق نصیب فرمائے۔۔۔۔ (آمین ثم آمین)

اندکے پیش تو گفتم وبدل ترسیدم کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

فیض الرحمٰن حقانیہ

تقریظ

مولانا حافظ عرفان الحق اظہار حقانی مدرس جامعہ دار العلوم حقانیہ فرزند الحاج مولانا اظہار الحق دامت برکاتہم؛

دینی علوم کی دو قسمیں ہیں علوم اصلیہ مقصودہ علوم الیہ قران پاک علوم تفسیر علوم حدیث ؛اصول حدیث ؛اصول فقہ ؛اور علم عقاید وغیرہ بنیادی واصلی علوم ہیں؛ جبکہ فلسفہ منطق وحکمت وغیرہ علوم آلیہ ہیں جنہیں معقولات کے نام سے یاد کیا جاتا ہیں مقصود علوم کے لے یہ خدام کی حثیت رکھتے ہیں ؛اس کے بغیر علوم دینیہ رسوخ اور گہرائی بصیرت ناممکن ہیں دوسرے الفاظ میں اس کے بغیر علم سطحی ہوتا ہے آج کل ان علوم سے صرف غفلت ہی نہیں برتی جارہی ہے بلکہ اسے بیکار اور اشتغال اور فضول بمالا یعنی قرار دیا جاتا ہیں درس نظامی جو کہ علمی تعمق اور کمال کی معراج سمجھی جاتی ہیں اس پر نظر ڈالے اس میں منطق ؛فلسفہ حکمت وغیرہ علمی درجات کے ہر خانے میں پیروے ہوے نظر آئیں گے۔ ہمارے اکابرین درس نظامی کے انہی مدارج کو طے کر کے علمی عظمتوں کے امین ٹھہرے؛ آج بھی اگر حضرت شاہ ولی اللہؒ جو کہ حدیث کا سرچشمہ ہے؛ اس کی کتابوں کو اٹھا کر پڑھیں تو ان علوم کے بغیر کسی کو سمجھنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہوگا پھر حجت الاسلام امام غزالیؒ اسرار اور رموز سے لبریز تصانیف سے کما حقہ فائدہ لینا بھی دشوار ہے امام رازیؒ کی تفسیر کبیر کا دقیقہ سنجی کا فہم اور ادراک بھی نہیں ہوسکتا ہے بہر صورت اس زمانے میں ان علوم کو پڑھانا اور زندہ رکھنا از حد ضروری ہے؛ جامعہ دار العلوم حقانیہ میں یوم تاسیس سے ہی ان علوم پر خصوصی توجہ دی گئی خود بانی دار العلوم دادا جان شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحقؒ کو معقولات میں اللہ تعالی نے جس عظیم ملکہ سے نوازا تھا؛ اسی کی بنیاد پر دیو بند میں بطور استاذ تقرر ہوا اور چھ برس تک دیگر علوم کے ساتھ ساتھ ان فنون سے بھی وہاں تشنگان علوم کی پیاس کو بجھاتے رہے۔ ہر دور میں اس کے ماہرین فن مادر علمی حقانیہ میں اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ آج کل یہاں حضرت مولانا رشید احمد سواتی صاحب ان فنون کی ترویج

میں اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔ان علوم کی اہمیت موصوف نے اپنی فکر ونظر کی دلائل کے ساتھ ثابت کرنے کے لے دفاع درس نظامی کے موضوع پر زیر نظر کتاب لکھ کر قارئین کو گنج گرانمایہ ہاتھ میں تھمادیا ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے ہمیں علمی میدانوں میں ان فنون میں زندہ رکھنے کی توفیق سے نوازے۔اور مؤلف محترم کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔

حافظ عرفان الحق اظہار حقانی مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ

باعث تالیف اور اظہار تشکر:

حامداً و مصلیاً

بندہ کا علم منطق، کلام اور حکمت پڑھنے اور پڑھانے میں ایک زندگی گزر گئی اور کافی عرصہ تک ان علوم کی تعلیم اور تعلم سے وابستگی رہی۔ اور اسی طویل تعلق کے وجہ سے اللہ تعالی نے ان علوم کے فوائد اور استعداد دینے میں تاثیر مجھ پر منکشف فرمایا۔ اسی وجہ سے نصاب سے ان علوم کی کتابوں کے اخراج کا منظر اور علما کی طرح میرے لیے بھی تکلیف دہ اور باعث پریشانی تھا، اس لیے ارادہ کیا کہ اس موضوع پر کچھ لکھا جائے اللہ تعالی کرے کہ میری یہ آواز ایک موثر آواز ثابت ہو جائے اور لوگوں کے دلوں میں اتر جائے اور وہ علمی بہار پھر لوٹ آئے جو کہ دیوبند اور اس سے قبل تھی۔

اندازِ بیاں گر چہ میرا شوخ نہیں ہے ✱ شائد کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

چونکہ علم منطق کے رد میں ابن تیمیہ نے دو کتابیں لکھی تھیں "الرد علی المنطقیین" اور "نقض المنطق" جن کے ناموں سے ان کا موضوع واضح ہے۔ ان کتابوں سے لوگ بھی متاثر تھے لہذا ان کے اعتراضات کا رد لکھا، اور چونکہ عقائد کے باب میں مسئلہ اسماء وصفات انتہائی اہم مسائل میں سے ہے اور اکثر لوگ اس سے ناواقف ہیں اس لیے اس مسئلہ کے بیان میں قدرے تفصیل سے کام لیا گیا۔

ہمارا مقصد اور موضوع اس کتاب میں علم منطق (Logic) علم کلام (Scholastic)Theology فلسفہ (Philosophy) اور فلسفہ کے اقسام طبعیات (Physics)، الہیات (Theology)، فلکیات (Astronomy) اور انکی اہمیت کا بیان اور ان پر اعتراضات کے جوابات ہیں، ضمنی طور پر مسئلہ صفات زیر بحث آیا اور اس سے بہ حیثیت ایک علمی مسئلہ کے بحث کی ہے۔ کسی کی مخالفت مقصود نہیں۔ ہم فرقہ پرستی یا فرقہ واریت کے شدید مخالف ہیں میرا عقیدہ ہے کہ کلمہ گو مسلمان میں اگر عقیدے یا عمل کے

لحاظ سے کچھ کمی ہے تو ایک مسلمان بھائی سمجھ کر اس کی اصلاح کے لیے فکرمند ہونا چاہئے اگر وہ غیر دانستہ طور پر کسی مسئلہ میں حق بجانب نہیں، لیکن اگر اس سے نرمی والا سلوک وبرتاؤ کیا جائے اور وہ تمہارا جذبہ محبت واخوت دیکھے تو وہ آپ کے جذبہ اُخوت سے متاثر ہو جائے گا اور اس کے اصلاح کا امکان باقی رہے گا۔

اور فتوئی کفر کی کاری ضرب کا مارا ہوا سرگردان تو یہ کہے گا کہ تم تو مجھے اپنی اخوت سے نکال چکے ہو اب مجھ سے کیا مانگتے ہو اس طرح اس کی اصلاح کا کوئی امکان باقی نہ رہے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور تشریف لے گئے اور یہاں سامری نے ان کی قوم کو بچھڑے کی عبادت پر ڈال دیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے اور اپنی قوم کا یہ حال دیکھا کہ بچھڑے کی عبادت کر رہے ہیں تو انتہائی غصہ ہو گئے، اور حضرت ہارون علیہ السلام کو سر اور داڑھی سے پکڑ لیا، اور ان کو کچھ تنبیہ کی تو حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو جو جواب دیا وہ ہمارے لیے نمونہ عبرت ہے ﴿یا بن ام لاتاخذ بلحیتی ولا براسی انی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرائیل﴾ یعنی مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ بنی اسرائیل میں تفریق پڑجائے گی اور آپ کہیں گے کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفریق کیوں ڈالی، حضرت ہارون علیہ السلام کے اس جواب میں ہمارے لیے یہ عبرت ہے کہ حتی الامکان تفریق سے بچنا چاہیے۔

اور "من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ" کے تحت میں ان ساتھیوں کا انتہائی مشکور ہوں اور ان کے لیے دل سے دعا گو ہوں جنہوں نے میرے ساتھ اس کار خیر میں کسی بھی لحاظ سے تعاون کیا جن میں مولانا عصمت اللہ صاحب سرانان پشین، مولانا عبد الواحد ادیزئی (تنی) صاحب، مولانا فضل مولیٰ مردان، مولانا سجاد حجابی صاحب، مولانا نصر اللہ صاحب، مولانا فضل الرحمان صاحب، مولانا نعمان صاحب، مولانا عزیز الرحمان صاحب، مولانا ابراهیم صاحب، مولانا فضل اللہ صاحب مردان، مولانا برہان احمد صاحب، مولانا شاہد الدین صاحب، مولانا تحسین اللہ صاحب، مولانا نظام صاحب تخت آباد، آفتاب مرحوم شامل ہیں۔ اور بالخصوص مولانا محمد ارشد صاحب ساکن تخت بھائی جنہوں نے اس کتاب میں ہر لحاظ سے شبانہ روز معاونت کی اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

اعتذار

دفاع درس نظامی پیش خدمت ہے قدیم درس نظامی سے راقم الحروف کا تعلق گزشتہ تیس سال کے عرصے پر محیط ہے۔ ابتداء سے انتہاء تک تقریباً اکثر کتابیں پڑھنے اور پڑھانے کی توفیق اللہ تعالی نے عطا فرمائی۔ بلکہ ایک وقت تو ایسا آیا کہ ایک دن میں بیس اور بائیس اسباق پڑھاتا رہا۔ اس وجہ سے درس نظامی سے میرا لگاؤ جنونی حد تک رہا۔ درس نظامی کے حوالے سے ارباب حل وعقد کے تبدیلیوں کا جائزہ لیا وقتاً فوقتاً اکابر علماء سے مشاورت رہی اور بالآخر قدیم درس نظامی کی بحالی اور موافقت میں چند صفحات سیاہ کیے۔ وطن سے ہجرت کے بعد مختلف مدارس "جامعہ افضل العلوم ترنگزی"، "جامعہ تحسین القرآن" اور "جامعہ دار العلوم حقانیہ" میں تدریس کے مواقع میسر ہوئے اسلئے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب کسی خاص مدرسے یا ادارے کا موقف اور ترجمان نہیں بلکہ غاروں، کوہساروں، پہاڑوں اور ریگزاروں میں چھپے ہوئے چٹائی پر بیٹھنے والے قدیم اکابر کے طرز پر قدیم نصاب پڑھانے والوں کو پہلا تحریری موقف ہے جو ان کے جذبات کی ترجمانی اور قدیم فکر کی غمازی پر مشتمل ہے۔ جس کو عصر حاضر کے ارباب حل وعقد کی خدمت میں بطور مقدمہ پیش کیا جارہا ہے۔

اردو زبان وادب سے ناواقفیت کی وجہ سے شاید اس کتاب میں املائی اور قواعد کی غلطیاں ضرور ہونگی مگر اس میں پیش کیا گیا مقدمہ ہر طرح سے لائق اعتنا اور قابل التفات ہے۔ یہ ان ربانی علماء کا پہلا تحریری موقف ہے جو نام ونمود سے دور بلکہ گوشہ نشینی، خاموشی سے اپنی قدیم علمی روایت کو نئے نسلوں تک منتقل کر رہے ہیں۔ جن کا نہ کسی ادارے یا تنظیم سے الحاق ہے نہ تعارف!

لیکن بزبان حال عصر حاضر کے اصحاب حل وعقد، چیخ چیخ کر پکار رہی ہے۔

نہ سوال وصل نہ عرض غم نہ حکایتیں نہ شکایتیں

تیرے عہد دل زار کے سب اختیار چلے گئے

یہ ہم ہی تھے جن کے لباس پر سرراہ سیاہی لکھی گئی

یہی داغ تھے جو سجا کے ہم سر بزم یار چلے گئے

تمام قارئین اکابر علماء کرام اور اداروں کے بزرگوں سے پیشگی معذرت خواہ ہوں۔ کیونکہ اس کاوش سے کسی ادارے یا تنظیم پر تنقید وتحقیر مقصود نہیں، بلکہ نظام میں وقتاً فوقتاً نصابی تبدیلیوں کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے

امید ہے اہل علم ودانش اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ اور اپنی مثبت تجاویز واصلاحات سے رہنمائی فرمائیں گے۔

والسلام رشید احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ اولیٰ

مولانا سجاد الحجابی دارالعلوم تخت بھائی، مردان

الحمد للّٰہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد!

برصغیر پاک وہند میں مسلمان کی آمد سے پہلے ہندو اپنے تعلیمی درس گاہیں بہت اہتمام کے ساتھ قائم کئے ہوئے تھے، ان کے ہاں عام تعلیم کے لئے گروکل (۱) اور پاٹھ شالائیں (۲) مذہبی ادارے تھے، جہاں ہندو دھرم اور فلسفہ کی تعلیم دی جاتی تھی، ہندوؤں کے ہاں اگر چہ ان فنون کا مقصد اصلی فن تعمیر، علم نجوم، اور ادب تھا لیکن مسلمانوں کی آمد کے بعد روایت علم، تہذیب، تربیت اور سلیقہ مندی کی ایک توانا خیز لہر سے آشنا ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ پورا برصغیر مسلمانوں کی اس مذہبی تعلیم سے اس حد تک متاثر ہوا کہ جگہ جگہ اس کی مدح سرائی کی گئی، یہ اسلامی تعلیمات کے پراثر اور ترقی یافتہ ہونے کی ایک واضح دلیل ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے تعلیمی نظام کی ابتداء قطب الدین ایبک (م: ۱۲۱۰ء) کے عہد سے ہوئی اس دور میں سیکڑوں مساجد تعلیم وتدریس کا مرکز تھیں، جن میں دینی علوم کے علاوہ دوسرے دنیوی علوم کی بھی تعلیم دی جاتی تھی، اس زمانے میں تعلیم وتدریس کے لئے الگ عمارات کی کوئی قید نہ تھی، یہ کام مسجدوں کے علاوہ حجروں میں بلکہ بعض امراء کی حویلیوں اور صوفیائے کرام کی خانقاہوں میں سرانجام دیا جاتا تھا۔

سلطان ایبک کی جانب سے علما کی سرپرستی ضرب المثل تھی، پھر ان کے بعد سلطان التمش

(۱) گروکل (ک کے پیش کے ساتھ) مرشد یا استاد کے رہنے کا وہ مقام جہاں وہ اپنے مریدوں اور شاگردوں کو ساتھ رکھ کر تعلیم دیتا ہے (اردو لغت تاریخی اصول پر ۱۵/۶۱) گروکل کی مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے "ہندوستان ... کے عہد وسطیٰ" از مولانا مناظر احسن گیلانی، ناشر مکتبہ رشیدیہ کراچی (۲) پاٹھ شالا درسگاہ، مطالعہ، فیروز اللغات، مادہ پ ت ...

(م: ۱۲۳۶ء) نے کئی مدارس قائم کیے، وہ خود علم نواز اور اہل علم کے زبردست قدر دان تھے،
جب محمد معزالدین غوری (م: ۱۲۰۶ء) نے اجمیر فتح کیا تو وہاں پر دینی علوم کی درس گاہ قائم کی
محمد بن تغلق (م: ۱۳۵۱ء) کے دربار میں علما کی کثیر تعداد تھی، فیروز شاہ تغلق نے
(م: ۱۳۸۸ء) اعلیٰ تعلیمی ادارے قائم کیے، اور پہلے سے قائم مدارس کی مرمت اور روزمرہ
اخراجات کے لئے خصوصی فنڈز مختص کیے۔

خلجی سلاطین کے زمانہ حکومت (۱۴۳۶ء سے ۱۵۳۱ء) میں بھی تعلیم وتدریس
سے مسلمانوں کی دلچسپی برقرار رہی۔ ان کی علم پروری کا سبھی مؤرخین نے اعتراف کیا ہے۔
تغلق دور بھی اسلام، تعلیم وتدریس اور مدارس کے قیام کے حوالے سے خصوصی شہرت رکھتا ہے
۔اسی طرح سلطان سکندر لودھی کا عہد (۱۴۸۹ء ۱۵۱۰ء) اسلامی تعلیم وتدریس کی سرپرستی
کے ذیل میں بڑا قابل فخر تھا۔ بعد میں مغلیہ دور میں تو علمی ترقی کو چار چاند لگ گئے۔ مغل
حکمران شاہ جہان بادشاہ کے عہد میں دیار پورب علما محققین کی آماجگاہ بن گئے تھے، بلکہ شاہ
جہان بادشاہ تو بسا اوقات فخراً کہتا "پورب شیراز ما است" یعنی دیار پورب کی علمی سرسبزی
وشادابی کی تشبیہ شیراز سے دیا کرتا،

سلطان اورنگزیب عالمگیر (م فروری، ۱۷۰۷ء) بذات خود عالم دین تھے اس نے
متعدد مدارس قائم کیے وہ تعلیم وتدریس کے باب میں وسیع نقطۂ نظر رکھتے تھے، اپنے زمانے
میں باقاعدہ طلبا کے لئے وظائف جاری کیے تھے، اس عظیم علم دوست حکمران نے لکھنؤ میں
ایک ڈچ تاجر کی کوٹھی "فرنگی محل" خرید کر ایک مدرسے کی بنیاد رکھی اور علامہ نظام الدین
سہالوی (م مئی ۱۷۴۸ء) کو بلا کر استاذ مقرر کیا۔ [1]

علامہ سہالوی نے اس زمانے میں ایک ٹھوس قسم کا نظام تعلیم رائج کیا، جو بعد میں
درس نظامی کے نام سے مشہور ہوا اور بعض جزوی تبدیلیوں کے ساتھ آج بھی وہ مدارس دینیہ

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: دینی مدارس میں تعلیم، ... ص ۴۹، ناشر: عالمی ادارہ فکر اسلامی اسلام آباد

کے ماتھے کا جھومر ہے۔ تعلیم کے اس منہج کو اتنی شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی کہ بعد میں ہر مدرسہ میں یہی درس نظامی پڑھایا جانے لگا، کیونکہ اس میں ایک خاص قسم کی خوبی تھی اور وہ یہ کہ ہر علم سے بنیادی اور پختہ وتحقیقی متون وحواشی کو لیا گیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام سے پہلے اور بلاد ہند پر انگریزوں کے یلغار سے قبل اور بعد میں مبالغہ نہ ہوگا کہ تمام مدارس میں درس نظامی رائج تھا، رامپور کی درس گاہ لیجئے یا خیر آباد، لکھنؤ لیجئے یا ریاست ٹونک، دلی کا ذکر لیجئے یا سندھ کا غرض تمام مشہور درس گاہوں میں درس نظامی رائج تھا اور دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد اسی طرح مظاہر العلوم سہارنپور میں بھی یہی درس نظامی رائج تھا اور ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ درس نظامی میں ایسی بنیادی اور مضبوط کتابیں داخل نصاب کی گئی ہیں جو طالب علم کی بنیاد کو نہایت پختہ بنا کر زمانے کے ہر قسم کے فتنوں کے سامنے سینہ سپر ہوکر کھڑا رہنے کی قوت فراہم کرتی ہیں، ان مشکل متون وعمیق کتابوں کے پڑھنے ہی کی برکت سے ماضی اور عصر قریب تک جہابذۂ علم پیدا ہوتے رہے۔

ایک زمانہ تھا کہ علمی مباحثے ومناظرے تحقیقات وتدقیقات مساجد سے لے کر بادشاہوں کے درباروں میں ہوتے تھے، غرض یہ کہ ایک ذوق وشوق بلکہ بعضوں کے لئے جنون تھا، اس بات کا اندازہ آپ اس واقعے سے لگا سکتے ہیں جس کو مؤرخ ہند وسندھ حضرت مولانا اطہر مبارکپوریؒ نے اپنے کتاب "دیار پورب میں علم وعلما" میں علامہ محمود جونپوریؒ(۱)

(۱) علامہ محقق مدقق امام کبیر محمود جونپوری (جیم اور واو کے ضمہ اور نون کے سکون کے ساتھ) اپنے دور کے قابل یگانہ شخصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی ولادت سلطان پور ۹۹۳ھ میں اور وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۶۲ھ میں ہوئی۔ منطق، ادب عربی، حکمت وفلسفہ میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ ان کی مشہور کتابوں میں (الشمس البازغہ) اب بھی درس نظامی کا حصہ ہے۔ ادب وبلاغت میں الفرائد (شرح الفرائد) فلسفہ میں الدوحۃ المیادۃ فی حدوث الصور والمادۃ، رسالۃ فی وحدۃ الوجود، رسالۃ فی الکلی، [illegible] العلمین، رسالہ تحقیق قضا وقدر اور رسالہ اقسام الاسماء تصنیف کیے۔ دیکھیے تفصیلی حالات کے لیے "دیار پورب [illegible]" ص ۲۰۵ سے ۲۱۵ تک، ناشر ابلاغ پبلیکیشنز نئی دہلی، بھارت۔

کے حوالے سے نقل کیا ہے، جس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ علما کی بادشاہوں کے ہاں کتنی قدر دانی تھی، جیسا کہ ان کے تبحر علمی کا اعتراف بھی کرنا پڑتا ہے، چنانچہ مولانا اطہر مبارک ایک عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

شاہی دربار میں ملا محمود جونپوری صاحب کے مقابلے میں ایک ایرانی فاضل کی شکست: صبح صادق کے حوالے سے تذکرۃ العلما میں لکھا ہے کہ شاہ ایران کی طرف سے ایلچی (ارگچ) نامی شاہجہان کے دربار میں آیا وہ مادرزاد اندھا تھا، مگر اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے اس کی چشم باطن کو زبردست بصیرت بخشی تھی عقلی ونقلی علوم وفنون کے اہم وادق مسائل اس کو ازبر تھے ہندوستان کے علما سے بحث ومناظرہ کی خواہش کی۔ چناچہ اکبرآباد وغیرہ کے علما بلائے گئے مگر مجلس مناظرہ میں ارگچ کے مقابلے میں وہ ٹھہر نہ سکے، شاہ جہاں کو اس مقابلے میں اپنے علما کی بے مائیگی پر بڑا تعجب ہوا، اس نے ارکان دولت سے کہا کہ ہماری قلم رو میں بڑے بڑے علماوفضلا موجود ہیں ان میں سے کسی ایسے عالم کو بلایا جائے جو ارگچ سے مناظرہ کر سکے۔ وزیر سعید اللہ جس نے ملا محمود جونپوری کے سامنے زانوائے تلمذ طے کر چکا تھا اور ان کی ذکاوت وذہانت سے اچھی طرح واقف تھا، ناظم جونپور کے نام سے شاہی فرمان لکھا کہ علامہ کی خدمت میں خود حاضر ہو کر شاہی فرمان پیش کر کے کسی طرح ان کو دارالخلافہ آنے پر راضی کریں، چنانچہ ملا صاحب بڑے کروفر کے ساتھ دہلی روانہ ہوئے، جب دہلی کے قریب پہنچے تو وزیر سعد اللہ خان، آصف خان اور دوسرے ارکان دولت نے بڑھ کر استقبال کیا اور کمال تعظیم وتوقیر کے ساتھ ان کو شاہی دربار میں پہنچایا اور شاہ جہان کے حکم سے مناظرہ منعقد ہوا جس میں ہیولی کی بحث چھڑ گئی۔

ارگچ نے اثبات ہیولی پر بھاری بھاری دلائل پیش کیے جو اس کو یاد تھے ملا صاحب نے اس کی ہر دلیل کا ایسا کافی وشافی جواب دیا کہ تمام حاضرین ان کی تعریف وتحسین کرنے لگے آخر میں ارگچ نے ملا صاحب سے کہا اچھا اگر آپ کے پاس اثبات ہیولی پر کوئی دلیل ہو تو بیان

کیجئے ملا صاحب نے اثبات ہیولی پر اپنا ایک رسالہ "الذ وحد السیادۃ فی حدیقۃ الصورۃ والمادۃ" پیش کیا اس کے علاوہ اثبات ہیولی پر چند خاص دلائل بیان کیے ان کو سن کر اکھ نے بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کر ملا صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنی کمر کا خنجر ان کی کمر میں باندھ دیا اور ان الفاظ میں ملا صاحب کے علم وفضل کا بھری مجلس میں اعتراف کیا۔

(جوانے بایں فہم وفراست از ولایت ایران تا ہندوستان کمتر یافتہ)

ترجمہ: اس فہم وفراست کے جوان عالم ایران سے لے کر ہندوستان تک بہت کم نظر آئے ہیں شاہ جہان نے ملا صاحب کی کامیابی پر زر وجواہر سے بھرے ہوئے طبق ان کی خدمت میں پیش کئے۔ کچھ دنوں کے بعد جب اکھ ایران واپس جانے لگا تو اس نے درخواست کی کہ ملا صاحب کی تصنیف بھی شاہی تحائف میں شامل کی جائے اور شاہ ایران کی خدمت میں یہ قیمتی تحفہ بھی بھیجا جائے، ملا صاحب خود بھی بڑے غیور وحساس تھے اور علما وفضلا کی غیرت وحمیت سے واقف تھے انہوں نے شاہ جہان سے کہا کہ یہ عالم حد درجہ غیور ہے اور معقولات میں کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتا اس مناظرہ میں ناکامی وشکست سے غالباً زندہ نہ رہ سکے گا۔ ملا صاحب کا یہ اندازہ صحیح نکلا اور اکھ دار الخلافہ اکبر آباد سے ایران جاتے ہوئے تیسری منزل پر فوت ہو گیا (۵)

قارئین! آپ نے اس داستان دلپذیر کو ملاحظہ کیا کہ یہ انہی فنون کی برکت تھی جس نے ہندوستان میں علم وعلما کا چرچا ودبدبہ قائم رکھا، چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ ایسے نصاب تعلیم ہی سے کھرے اور باستعداد فضلا پیدا ہوتے چلے آئے ہیں، جو دقیق وعمیق مضامین پر مشتمل ہو۔ امام شافعیؒ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

"من تعلم علما فليدقق فيه ،لئلا يضيع دقيق العلم "[٦]

(۵) دیکھئے مورخ ہند وسندھ مولانا اطہر مبارک پوری کی دیار پورب میں علم وعلماء (ص ۳۳۰ ـ ۳۳۱)۔

(٦) دیکھئے شیخ عوامہ کی کتاب معالم ارشادیہ لصناعۃ طالب العلم صفحہ نمبر ۳۱۸، ناشر: دار المنہاج، جدۃ۔

یعنی جو علم سیکھنے لگے تو گہرے و دقیق علم کو سیکھے کہ کہیں یہ علم ضائع نہ ہو۔ غرض یہ کہ درس نظامی ہی ایک ایسا کامل نصاب ہے جس کو پڑھ کر اس نے بڑے بڑے سپوت اسلام جنم دئے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالی کے حوالے سے ان کے سوانح نگاروں نے نقل کیا ہے جس کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی اپنی مصنفہ کتاب "تحذیر الناس" کی اشاعت کے بعد جب کہ عام طور پر علمائے بریلی حجۃ الاسلام کے خلاف زھر اگل رہے تھے، رام پور پہنچے تو باوجود اخفا کے آپ کی آمد کی شہرت ہوگئی، شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ علیہ کے شاگرد حجۃ الاسلام کے استاد بھائی مولوی ارشاد حسین اور ایک منطقی مشہور عالم مولوی عبدالعلی ملنے آئے، مولوی ارشاد حسین صاحب نے زینے پر چڑھتے ہوئے اپنے شاگردوں اور دیگر علما سے کہا: ''اگر رامپور کی عزت رکھنا چاہتے ہو، تو اس شخص کو مت چھیڑنا'' ادھر خود حجۃ الاسلام بھی بعض حضرات سے ملنے کے لیے شہر میں نکلے، مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاگردوں نے مولانا احمد حسن صاحب کو جو حجۃ الاسلام کے شاگرد تھے، اور آپ کے ساتھ تھے، تحذیر الناس کے مسائل میں چھیڑا، مولانا احمد حسن صاحب نے ہلکی آواز میں انہیں جواب دیا حضرت حجۃ الاسلام نے سن لیا اور فرمایا اپنے استاد کو بلا لو ان سے بات ہو جائے گی۔ پھر اہل شہر نے وعظ کی درخواست کی حضرت نے منظور کر لی۔ منشی حمید الدین سنبھلی کہتے ہیں، اہل شہر نے وعظ کی درخواست کی حضرت نے منظور فرمالی شب کو مجلس وعظ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی شہر کے امراء، روساء، علما، عمائد شہر، طلباء غرضیکہ ہر طبقے کے لوگ بھر گئے تھے اور لوگوں کا ایک میلہ سا لگ گیا حضرت مولانا نے تقریر فرمائی۔ بس اس دن شاید بچے اور عورتیں گھروں میں رہ گئی ہوں گی ورنہ کل شہر مجلس وعظ میں آ گیا تھا اس آیت کا وعظ فرمایا۔ ﴿اذا وقعت الواقعة ليس لوقعتها كاذبة﴾ (۷) اور اس آیت کے تحت فلسفہ کے ان تمام مسائل کا جن پر منطقیوں کو ناز تھا رد فرمایا اور اسی آیت سے ''جزء لایتجزیٰ'' کا اثبات

(۷) سورۃ الواقعۃ!

،قیامت کا ثبوت حدوث عالم وغیرہ امور مہمہ ثابت فرمائے۔ مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی نے (جو مولانا محمد قاسم صاحب کے رشتے کے تایا بھی تھے) اقلیدس [۸] کا ایک ترجمہ کیا تھا جس پر مولوی عبدالحق خیرآبادی (مشہور منطقی مولانا فضل حق خیرآبادی کے بیٹے) نے اس ترجمے پر رکیک الفاظ میں اعتراضات کیے تھے ان سب کا جواب بھی اس تقریر میں ارشاد فرمایا اور نہایت جوش میں فرمایا کہ "یہ کیا بات ہے کہ لوگ گھر میں بیٹھ کر اعتراض کرتے ہیں اگر کچھ حوصلہ ہے تو میدان میں آجائیں مگر ہرگز یہ توقع نے کرنا آئیں کہ وہ قاسم سے عہدہ برآ ہو سکیں گے، میں کچھ نہیں ہوں مگر میں نے جن کی جوتیاں سیدھی کی ہیں وہ سب کچھ تھے۔ [۹]

یہ واقعہ صرف اس لیے نقل کیا گیا کہ اندازہ ہو سکے کہ درس نظامی نے کن کن عباقرہ و جبال العلم کو میدان میں لا کھڑا کر دیا۔ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ خیرآبادی مناطقہ کتنے بڑے علم کے مالک تھے ان کے درمیان علم کا لوہا منوانا کارے دارد۔ شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اپنے رسالہ "احسن التفہیم لمسئلۃ التعلیم" میں اپنی بیش قیمتی رائے لکھتے ہیں، جس میں ہم جیسے طالب علموں کے لیے مقام عبرت ہے، وہ فرماتے ہیں "تعلیم دین کے نصاب میں امور ذیل کا ہونا ضروری ہے:

ا۔ نصاب میں ایسی کتابیں داخل کی جائیں کہ ان کے مصنفین کا علم اور تقویٰ امت میں مسلم

۱۔(۸) اقلیدس (EUCLIDE) (ہمزہ و دال کے زیر کے ساتھ) یا اقلیدس (ہمزہ کے پیش اور واو کے ساتھ) علم الہندسہ کی مشہور اصل کتاب، دراصل اقلیدس ایک شخص کا نام ہے جو ۳۰۶ قبل مسیح ۲۸۳ قبل مسیح کے درمیانی عرصے میں فوت ہوئے۔ انہوں نے فن ہندسہ میں (الاصول) کے نام سے کتاب لکھی۔ جو بعد میں اقلیدس سے مشہور ہوئی۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے کتاب [illegible] والکتاب: [illegible] مستشرق [illegible] ناشر [illegible]

(۹) دیکھئے مقدمہ: قاسم العلوم مع ترجمہ انوار النجوم ص ۲۵ [illegible] قرآن مجید [illegible] لاہور۔ یہ کتاب حضرت امام قاسم نانوتوی کے قیمتی مکتوبات کا مجموعہ ہے۔

ہوتا کہ ان کی برکات بھی تعلیم میں معین اور مددگار ہو۔(۱۰) ۲۔ کتابیں مختصر اور جامع ہوں جس سے ٹھوس اور مضبوط استعداد پیدا ہو جائے۔

۳۔ ایسی سہل اور سلیس کتابیں نصاب تعلیم میں نہ رکھی جائیں کہ جن کو طلبہ خود مطالعہ سے حل کر سکیں ایسی کتابوں سے نہ تو استعداد پیدا ہوتی ہے اور نہ طلبہ ایسے اسباق میں حاضری کا التزام کرتے ہیں طلبہ اپنے آپ کو اساتذہ سے مستغنی سمجھتے ہیں جس سے ایک طرف تو ان کی غیر حاضری سے استاد کی دل شکنی ہوتی ہے تو دوسری طرف مدرسے کا وقت ضائع اور بے کار جاتا ہے۔

۴۔ جدید فلسفہ اور سائنس جغرافیہ اور تاریخ بھی اگر داخل نصاب کر لی جائے تو شرط یہ ہے کہ اس کی تعلیم کے تابع ہو۔ دوم یہ کہ اس کتاب کی زبان مغضوب علیہم اور ضالین کی زبان نہ ہو یعنی یہود و نصاریٰ کی زبان نہ ہو۔ سوم یہ کہ اس جدید فلسفے کے استاد کا رنگ اسلامی ہو ’صبغة الله و من أحسن من الله صبغة‘ اس لیے قرآن و حدیث کافروں کے تشبیہ کی ممانعت سے بھرا پڑا ہے(۱۱)

حضرت کاندھلویؒ کی اس آخری بات سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ درس نظامی میں اگر نئی

(۱۰) اکابر نے عملاً بھی ایسا ہی کیا، چنانچہ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی کے حوالے سے العنایۃ شرح الہدایۃ بتالیف: امام اکمل الدین بابرتی کے مقدمہ (ناشر: دارالکتب العلمیہ) میں لکھا ہے کہ امام مرغینانی نے ہدایہ کو تیرہ سال کے طویل عرصے میں لکھا، ان تیرہ سالوں میں صاحب ہدایہ مسلسل حالت روزہ سے ہوتے تھے اور اخفا کا اتنا اہتمام کرتے کہ جب ان کے پاس کھانا آجاتا تو خادم کو کھانا رکھنے کے لیے فرما دیتے، جب وہ چلا جاتا تو کوئی طالب علم یا کسی اور کو بلا کر وہ کھانا کھلا دیتے۔ یہی حال یا اس سے بڑھ کر امام بخاریؒ اور کئی دیگر حضرات کا بھی تھا۔ غرض ایسے واقعات کیلیے ایک دفتر چاہیے۔ علاوہ اس موضوع پر طلبہ ساتھیوں کو استفادہ کیلیے تین کتابوں کی طرف رہنمائی کرنا چاہتا ہوں جن کا مطالعہ انشاء اللہ مفید ہوگا۔ (۱) صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم و تحصیل [illegible] شیخ عبدالفتاح ابوغدہ (۲) [illegible] فی مسائل العلم والدین (۳) [illegible] آخر الذکر کتابیں [illegible] شائع ہو چکی ہیں۔

(۱۱) دیکھیے احسن التفہیم لمسئلۃ التعلیم، ص ۱۵، ناشر دار العلوم۔

اور مفید کتابیں داخل نصاب کی جائیں، تو اس کا فائدہ ہے، بشرطیکہ ان کتابوں میں وہ اصول ملحوظ رکھے گئے ہوں جن کا ذکر انہوں نے اپنے کلام میں کیا ہے۔ درس نظامی کا پڑھنا پڑھانا ہمارے لیے خوش قسمتی ہے، اگر ہم اس نعمت عظیمہ کا شکر ادا نہ کریں تو بعید نہیں کہ یہ نعمت ہم سے چھین جائے، درس نظامی اور اس کے اندر بعض اہم کتابوں کے پڑھانے کے حوالے سے شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے سفرنامہ عراق میں ایک واقعہ سے بخوبی اندازہ لگا لیجیے، جس کو حضرت نے جہان دیدہ میں ذکر فرمایا ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں: "مدرسہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (عراق، بغداد) میں ایک مقدس بزرگ شیخ محمد عبدالکریم المدرس (حفظہ اللہ) کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ وہ حضرت شیخ امجد الزہاویؒ کے رفقا میں سے ہیں اور انہوں نے عصری جامعات کے "ڈگری زدہ" طریقے کے بجائے قدیم طریقے پر ماہر اساتذہ وشیوخ سے علوم دینیہ کی تکمیل فرمائی ہے۔ 'ماجستیر اور "دکتوارہ" کے اس دور میں ایسے علما کی قدر و قیمت پہچاننے والے بہت کم ہیں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ علم دین کی جو خوشبو اور شریعت وسنت کی جو مہک ان بوریہ نشینوں کے پاس محسوس ہوتی ہے، وہ عموما یونیورسٹیوں کی عالیشان عمارتوں اور ان کے پر تکلف ماحول میں نظر نہیں آتی۔ اس لیے جہاں کہیں جانا ہوتا ہے، ایسے علما کی تلاش رہتی ہے۔ شیخ موصوف مدرسے کے پہلو میں ایک سادہ سے فلیٹ میں مقیم ہیں۔ قدیم عربی طرز کی نشست، آس پاس کتابوں کے ڈھیر، دروازہ ہر آنے والے کے لیے کھلا ہوا، چہرہ ہمہ وقت گلاب کی طرح متبسم، باتوں میں بلا کی معصومیت، برجستگی اور بے تکلفی، تصنع اور دکھاوے سے کوسوں دور، پہلی ہی نظر میں زیارت سے دل باغ باغ ہو گیا۔ ڈاکٹر محمد شریف صاحب (مستشار وزارۃ الأوقاف) نے شیخ کو پہلے سے فون پر ہمارے آنے کی اطلاع کر دی تھی، اور شیخ یہ سن کر بہت مسرور تھے کہ ناچیز کو انہی پرانے طرز کے دینی مدارس اور ان کے علما سے خادمانہ نسبت حاصل ہے، چنانچہ ابتدائی سلام وکلام کے بعد ان کا پہلا سوال ہمارے مدارس کے نصاب ونظام سے متعلق

تھا۔اور جب میں نے اپنی درسی کتب میں سے کافیہ،شرح جامی،شرح تہذیب،نورالانوار اور توضیح جیسی کتب کا نام لیا،تو تقریباً چیخ پڑے،اور وصیت فرمائی کہ اس قسم کی ٹھوس استعداد پیدا کرنے والے نظامی تعلیم کو آپ کبھی نہ چھوڑیئے،کیونکہ ہم اس نظام کو چھوڑنے کے نتائج بچشم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ (۱۲)

خلاصہ کلام یہ ہے اگر نصاب ٹھوس اور بنیادی مضامین پر مشتمل ہو اور سمجھنے کا حق ادا کیا جائے،تو اس کے ثمرات بہتر سے بہتر نکل آتے ہیں لیکن افسوس اپنی نصابی کتابوں کا کماحقہ حل کرنا تو درکنار،طلبہ کا حال یہ ہے کہ کتاب کے حل لیے سراسر اردو شروح سے امداد لیتے ہیں،بلکہ پورا کا پورا انحصار بجائے اپنی محنت و جستجو کے اردو شروحات پر ہوتا ہے،یہ بات ظاہر ہے کہ "العلم لا یطلب براحۃ الجسد" حالانکہ حضرات سلف صالحین کی علمی لگن کی کیفیت یہ تھی کہ علم کا ایک بڑا ذخیرہ اپنے سینوں میں محفوظ کیا کرتے تھے،حفظ حدیث کے حوالے سے دیکھیئے۔توضیح احادیث تو درکنار حفاظت دین کی غرض سے موضوع اور من گھڑت احادیث بھی از بر کی جاتی تھیں۔

امام خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب "الجامع الاخلاق الروی وآداب السامع" میں ایک واقعہ نقل کیا ہے: (۱۳)

"ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل صنعاء (یمن کے ایک شہر) میں امام یحییٰ بن معین سے جا ملے،وہ ایک صحیفہ حدیثیہ تحریر کر رہے تھے جس میں تمام احادیث "عن معمر،عن آبان،عن انسؓ" کے سند سے مروی تھیں۔(واضح رہے کہ اس سند سے احادیث روایت کرنا موضوع اور جھوٹ ہے) مکالمہ کے دوران جب کوئی شخص آجاتا تو امام یحییٰ بن معین اس صحیفے کو چھپا دیتے تھے۔امام احمد بن حنبلؒ نے برجستہ فرمایا: "یحییٰ! تم بخوبی جانتے ہو کہ یہ صحیفہ من گھڑت ہے۔ پھر بھی اسے لکھ کر از بر کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے احمد اللہ تعالیٰ آپ پر رحم

(۱۲) دیکھیے جہانِ دیدہ،(بیس ملکوں کا سفرنامہ) از شیخ الاسلام مفتی تقی [illegible] ص ۳۰۰،ناشر: مکتبہ معارف القرآن،کراچی ۱۴ (۱۳)
دیکھیے الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ج ۲ [illegible] مکتبۃ المعارف [illegible]

فرمائے: میں اس صحیفے کو لکھ کر یاد کرنا چاہتا ہوں، تاکہ کل مجھے اس کے موضوع ہونے کا پتہ چل سکے۔ مجھے ڈر ہے کہ کوئی شاطر کہیں "آبابن" راوی کی جگہ 'ثابت' کو نہ رکھے اور پھر 'عن ثابت عن انس' کے سند سے نقل کرکے پھرتا رہے اور موضوع احادیث کو روایت کرتا جائے۔ میرے استحضار کی وجہ سے میں اس کی غلطی پکڑ سکوں گا۔ امام خطیب بغدادی اپنے کتاب 'الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع'،(۱۴) میں تھوڑا آگے جا کر امام یحییٰ بن معین کے ایک ہم زلف وہم زمانہ محدث امام اسحاق بن راھویہ کا اسی طرح ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں، چنانچہ امام اسحاق نے فرمایا: "مجھے ایک جگہ معلوم ہے، جہاں ایک لاکھ احادیث کا بھی میں حافظ ہوں کسی نے امام اسحاق سے عرض کیا کہ من گھڑت احادیث کے حفظ کرنے کا کیا مقصد؟ تو امام اسحاق نے فرمایا کہ صحیح احادیث کے درمیان ان چار ہزار احادیث میں کوئی حدیث ذکر کی جائے تو میں اس کو ایسے تحقیق کے ساتھ نکالتا ہوں جیسا کہ بالوں میں جوئیں تلاش کی جاتی ہیں"۔

قارئین کرام اندازہ لگائیے کہ ہمارے اسلاف نے اسلام کی حفاظت کے لیے من گھڑت احادیث بھی درخور اعتناء سمجھے تاکہ کوئی ان احادیث موضوعہ کے ذریعے اسلام پروار نہ کر سکے۔ اور یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام نے فلسفہ یونانی کو پڑھا اور اس میں مہارت حاصل کی تاکہ فلاسفہ کے باطل عقائد پر مضبوط وار کر سکے اور ترکی بہ ترکی جواب دے سکیں، بلکہ جو فوائد ان فلاسفہ کے ہاں موجود ہیں ان سے فائدہ بھی اٹھایا جائے۔

صاحب نبراس علامہ عبدالعزیز فرہاریؒ علوم فلسفیہ کے حوالے سے بہت مفید بات کہہ گئے ہیں وہ لکھتے ہیں: (۱۵) "مما یجب ان یعلم ان علوم الفلسفة من العلمية والعملية نيف وسبعون علما، جمعناها في الياقوت ..... إذا جردت علوم الفلاسفة عن زلاتهم، كان فيما بقي فوائد عظيمة لم يستنكف المحققون من علماء

(۱۴) دیکھیے الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع، ۲/۲۵۲۔

(۱۵) دیکھیے نبراس شرح شرح العقائد (ص ۳۲-۳۳) مکتبہ حقانیہ پشاور

السنة عن استنباطها، فخذ ما صفا ودع ما كدر، ومن اعرض عن الفلسفة رأسا لم يستطع التكلم في دقائق العلوم اللّٰهم إلا أصحاب القوة القدسية وقليل ماهم فعليك بالاعتدال والانصاف."

ترجمہ: یعنی یہ بات جاننا ضروری ہے کہ یونانی فلسفہ کے علمی وعملی علوم کے ستر اقسام ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب "الیاقوت" میں جمع کیا ہے۔

پھر ذرا آگے علامہ لکھتے ہیں: اور اگر ان علوم کو فلاسفہ کے ضلالت وگمراہیوں سے صاف کیا جائے تو یہ علوم فوائد عظیمہ پر مشتمل ہیں، چنانچہ علمائے اہل السنۃ نے ان علوم کے پڑھنے سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی، بلکہ "خذ ما صفا ودع ما کدر" پر عمل کرتے ہوئے اسے سیکھنا چاہئے اور جس شخص نے ان علوم کو نہیں سیکھا تو وہ علوم دقیقہ میں بالکل بحث ہی نہیں کر سکتا، الا یہ کہ وہ اولیائے کاملین وارباب صوفیا کے گروہ سے ہو اور یہ طبقہ بہت ہی قلیل ہے پس انصاف واعتدال کو لازم رکھیے۔ علامہ عبدالعزیز فرہاری اپنے وقت کے مایہ ناز محدث، فقیہ، متکلم، مفسر، جامع العلوم، متبحر اور نابغۂ روزگار تھے۔ آپ ان کی باتوں سے خوب جان سکتے ہیں کہ علوم وفنون میں مہارت کتنی ضروری ہے۔

ایک اور امر ذکر کرتا چلوں کہ اکابر کے ہاں متون کے یاد کرنے کا بہت اہتمام ہوتا تھا، چنانچہ یہ کہاوت مشہور ہے: "من حفظ المتون نال الفنون" فنون وعلوم کے متون منظوم ہو یا منثور اکابر اس کو یاد کرنے کا اہتمام فرماتے تھے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے نام نامی سے کون ناواقف ہوگا، ان کے متعلق ہمارے شیخ محدث عوامہ حفظہ اللہ نے یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ حضرت کشمیری کو صرف منظوم متون کے تقریبا پچیس ہزار اشعار مستحضر تھے اور جو نثر والے متون ہیں وہ ان سے الگ ہیں۔ (١٦)

آج کل طلبہ میں کتابوں کے حفظ کرنے کا . . . ن تو تقریبا معدوم ہے، حتیٰ کہ

(١٦) دیکھئے معالم ارشادیہ صفحات طالب العلم (ص ٢٩٨)

مطالعہ و تکرار کا رجحان بھی ختم ہوتا جارہا ہے ارباب حل وعقد کے لیے یہ لحۂ فکریہ ہے کہ آئندہ دور میں صرف کمپیوٹری نسل ہی ہوگا جو کمپیوٹر کے بٹن کو دبا کر حوالہ نکال سکے گی اور خود کتاب سے لگاؤ، محبت، کتاب کا تصفح و مطالعہ ایک عنقا بن جائے گا۔ اور کچھ یہی حال موبائل کے استعمال بے جا کا ہے، جس نے ہمارے طلبہ کے مستقبل کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔

اسی حوالہ سے ہمارے استاد محترم جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا رشید احمد سواتی حفظہ اللہ نے اس درد دل کو ارباب حل وعقد کے سامنے رکھا ہے کہ ایک جانب تو طلبہ کی خستہ حالی ایسی موڑ پر پہنچی ہے تو دوسری طرف نصاب سے ٹھوس مواد نکالنے کی سعی کی جارہی ہے جن کی افادیت ہر دور میں مسلم رہی ہے۔

حضرت الاستاذ نے اس کتاب میں معقولات کی اہمیت کو اکابر کی نقول سے اجاگر کرنے کی ایک کامیاب کوشش فرمائی ہے اہل علم حضرات سے دلی التجاء واستدعا ہے کہ اس تحریر کو ضرور پڑھیں، ہاں بعض جگہ چند اکابر کے متعلق، ادب ہی کے دائرے میں علمی ردود ونقود بھی سامنے آتی ہیں۔ ایسے علمی ردود کو تعصب کے زاویے سے قاری بالکل نہ پڑھے، بلکہ ایسے علمی مناقشوں سے علوم میں جلاء اور پختگی و ترقی پیدا ہوتی ہے اور مسئلہ سے متعلق مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آتے ہیں، نیز یہ مناقشات اس بات کی دلیل ہیں کہ ہمارے ہاں جمود و تحنث نہیں ہے، اگر ان علمی مناقشوں کو نقطۂ اعتدال پر رکھا جائے تو ہر ذی عقل کو معلوم ہے کہ اس کے ثمرات کافی حد تک نفع بخش ہیں۔

ہمیں الحمد للہ! اس بات پر فخر ہے کہ پاکستان میں 'درس نظامی' کی بقاء وفاق المدارس ہی سے وابستہ ہے، کیونکہ وفاق المدارس ہی اس نظام تعلیم کا محافظ و نگہبان ہے۔ وفاق المدارس العربیہ ہمارے ہاں مستند و باعتماد اور قابل فخر اکابر کی زیر سرپرستی ایک مثالی ادارہ ہے۔ جس کی قیادت وسیادت روز اول سے لے کر آج تک پاکستان کے نامور علمی وروحانی شخصیات کے مبارک ہاتھوں میں رہی ہے۔ آج بھی عالم اسلام کے مایہ ناز

فرزند، استاذ المحدثین، یادگار اسلاف، پیکر علم و عمل، سراپا اخلاص، شیخنا المحدث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ جیسی مبارک و نامور ہستی اس کی قیادت فرما رہی ہے، یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ وفاق المدارس سے ہمارے ہزاروں دینی مدارس وابستہ ہیں جن سے ہر سال لاکھوں تشنگانِ علوم دینیہ استفادہ کرتے ہیں۔ دینی علوم وفنون کے فروغ کے لیے 'وفاق المدارس' کی گرانقدر خدمات ہمارے لیے سرمایہ فخر ہیں۔

لہٰذا امید کی جاتی ہے کہ وفاق المدارس سے وابستہ اکابر اس کتاب کے مندرجہ نصابی تجاویز سے سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔ بعید نہیں ہے کہ نصاب میں اکابر دیوبند کے زمانے کے وہی ٹھوس مضامین اور بنیادی کتابیں دوبارہ داخل درس کی جائیں اور پہلے سے زیادہ آب و تاب کے ساتھ درس گاہوں کی زینت بن سکیں۔

کتاب کے دوسرے حصے میں حافظ ابن تیمیہؒ پر کچھ علمی وعقدی تنقیدات کی گئی ہیں درخواست ہے کہ ان مباحث کو بھی علمی مکالمے کے تناظر میں دیکھنا چاہئے، اگر کسی صاحب بصیرت کو کسی سے علمی اختلاف ہو تو انہیں یہ حق حاصل ہے۔ حضرت الاستاذ مولانا رشید احمد صاحب حفظہ اللہ ایک فاضل یگانہ شخصیت ہیں، علوم معقولیہ اور درسیہ کے کتابوں پر اجتہادی نظر رکھتے ہیں۔

ان کی درسی اسباق ٹھوس، علمی مواد اور فنی نکات وضابطوں سے بھرپور ہوتی ہیں، ان کے اساتذہ اپنے وقت کے اونچے معقولی علما تھے، جو بیک وقت تقویٰ وخشیت الٰہی اور تحقیق وتدقیق کے پہاڑ شمار کیے جاتے تھے۔

حضرت الاستاذ کی اس کاوش کو راقم مشہور شاعر اور ادیب عربی، امام اللغۃ شیخ المعرۃ ابو العلاء المعری(۱۷) کے ان دو شعروں میں سے پہلے شعر کا مصداق سمجھتا ہے:

(۱۷) ابو العلاء المعری کے کلام ... [illegible] (تحقیقات)

من الناس من لفظه لؤلؤ یبادره اللقط اذ یلفظ

وبعضهم قوله کالحصا یقال فیلغی ولا یحفظ

یعنی بعض لوگوں کی باتیں ہیرے جواہرات ہوتے ہیں، منہ سے نکلتے ہی لوگ اس کو حرزِ جاں بنالیتے ہیں اور بعض لوگوں کی باتیں کنکریوں کی طرح ہوتی ہیں منہ سے نکلتی ہیں اور ضائع کردی جاتی ہیں، حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کیا جاتا (کیونکہ لایعنی باتیں ہوتی ہیں) اللہ جل شانہ اس تحریرِ متین کو امت کے لیے نافع بنائے اور حضرت الاستاذ کی زندگی میں برکت عطا فرمائے اور ہمارے ان چند سطور کو باعث عافیت ونجات آخرت بنائے۔

حررہ سجاد الحجابی فی جمعۃ المبارک ۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

قبیل العصر جامعہ ابدارہ الغانیہ، مدینہ، مردان

وفات پائی، ان کا دیوان سقط الزند کے نام سے مشہور ہے جس کی کئی بڑے اہل لغت نے شاندار شروح لکھیں، جو مشہور ادیب طہ حسین اور دیگر ادباء کی تحقیق کے ساتھ پانچ جلدوں میں مصر سے شائع شدہ ہیں، ابوالعلاء کے دیگر کتابوں میں مشہور رسالۃ الغفران وغیرہ ہیں ابوالعلاء پر زندقہ کا الزام بھی لگا ان کے حوالے سے علامہ عبدالعزیز میمنی کی کتاب 'ابوالعلاء وما الیہ' قابل مطالعہ اور خاصے کام کی چیز ہے ایک دفعہ ابوالعلاء شریف مرتضیٰ کی ملاقات کے لیے ان کے گھر روانہ ہوئے چونکہ وہ نابینا تھے گھر کے قریب پہنچ کر سامنے آتے ہوئے شخص سے لاعلمی میں ٹکرا گئے اس نے بڑے بدزبان لہجے میں کہا "اخس الکلب" (دور ہو جاؤ کتے) ابوالعلاء نے برجستہ جواب دیا: الکلب من لا یعرف للکلب سبعین اسما" کتا تو وہ ہے جسے کتے کے ستر نام یاد نہ ہوں۔ بعد کے زمانے میں یہ بحث چلی کہ واقعی عربی زبان میں کتے کے ستر نام ہیں؟ چنانچہ اس کے اثبات اور ابوالعلاء کی دفاع کے لیے امام جلال الدین سیوطیؒ نے ایک ارجوزہ (قصیدہ) پڑھا، جس میں کتے کے ستر سے کچھ کم نام ذکر کیے، اور ابھی حال ہی میں ایک محقق نے امام سیوطی کے ارجوزہ پر شرح لکھی اور کتے کے ناموں کو ستر تک پہنچا دیا۔ فو اعجبا! امام سیوطی کا یہ قصیدہ مع شرح "التبری من معرۃ المعری" کے نام سے دار المنہاج، جدہ نے بڑے [illegible] سے شائع کر دیا ہے، ابوالعلاء کے حالات کے لیے دیکھیے (ابناء الرواۃ فی ابناء النحاۃ للقفطی، ج ا ص ۲۹۵، وفیات الاعیان ابن خلکان، ج ا ص ۱۱۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ ثانیہ

مولانا محمد ارشد مدرس دارالعلوم فاروقیہ شریف آباد تخت بھائی

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد!

اللہ تعالیٰ اپنے دین کامل کی حفاظت کے لئے ہر زمانہ میں اہل حق کی ایک جماعت پیدا فرمائی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے استقامت علی الدین و صبر علی المصائب اخلاص، للہیت، امت کی غمخواری جیسے قیمتی جواہر عنایت فرمائے ہیں اور ساتھ ساتھ علم اور عمل کا بھی ایک وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔

دشمنان دین کو ہمیشہ موقع اور فرصت کی تلاش رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو یا تو ختم کردیں یا صورت کو بگاڑ دیں۔ مگر بحمد اللہ تعالیٰ دین محمدی دشمنوں کی ہزار کوششوں کے باوجود علمی، عملی اعتقادی ہر باب میں صحیح وسالم اور کامل و مکمل ہے۔

دین کی حفاظت کا یہ کام اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے لیا جن کو دھکیلا گیا پر وہ آگے ہی بڑھتے رہے، راہ حق میں ہر قسم کی اذیت اور تکلیف دی گئی پر وہ آخری سانس تک اذان حق دیتے رہے اور ان ہی لوگوں کے مساعی اور صبر علی التکالیف کی برکت سے دین حق آج تک اپنی صحیح اور سالم صورت میں موجود ہے۔

امام رازیؒ کے زمانے میں کرامیہ کا زور تھا انہوں نے اپنی تقاریر اور اساس التقدیس اور تفسیر کبیر جیسی تصانیف سے اس عظیم فتنہ کو شکست دی۔

علامہ کوثریؒ السیف الصقیل کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: " (هو الإمام فخر الدين الرازی سيف الله المسلول علی المجسمة وهو من ابغض اهل العلم إليهم

لأنه تمكن ببيانه الواضح وبرهانه الدامغ من إزالة شرور المجسمة من بلاد الشرق كما أجهز على المجسمة اللذين أووا إلى الشام بكتابه (أساس التقديس)وهو كتاب يحق أن يكتب بماء الذهب وأن يجعل من كتب الدراسة في بلاد تشيع فيها مخازي المشبهة وهو كاف في قمعهم ، والله سبحانه بكافيه على ذلك ، وتفسيره الكبير من اهم الكتب في الرد على الحشوية)"

عزالدین بن عبدالسلام کے دور میں صوتیہ کا فتنہ اٹھا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام کے حرف وصوت ہونے کے قائل تھے علامہ عزالدینؒ نے اس کے خلاف آوازِ حق بلند کی اس وقت کا بادشاہ مبتدعین کا ہمنوا تھا اس نے علامہ عزالدینؒ پر فتویٰ دینا بند کردیا۔ پھر امام کبیر جمال الدین حصیریؒ نے بادشاہ کو سمجھایا کہ عزالدین جو کہہ رہے ہیں وہی اہل حق اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے، اور حرف وصوت کے قائل مبتدعین ہیں سو اس کے بعد علامہ عزالدینؒ سے یہ پابندی ختم کردی گئی۔

امام کبیر محقق و مدقق علامہ کوثریؒ تو عہد قریب کے آدمی ہیں ان کی ساری زندگی دین حق کے لئے جہاد کرتے ہوئے گزری ترک پر مصطفیٰ کمال اتاترک جیسے ملحد کا دورِ حکومت آیا تو امام کوثریؒ کو بیانِ حق تو ہر صورت میں کرنا تھا اب ان کے پاس دو ہی راستے تھے ایک یہ کہ جیل جا کر ساری عمر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی جائیں اس صورت میں دین حق کے خدمت کی راہیں مسدود ہو جائیں گی۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کی جائے اور جب تک زندگی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کی جائے چنانچہ انہوں نے دوسری راہ کو ترجیح دی اور ہجرت کر گئے۔

اہل حق پر عقائد کے باب میں حملہ ہوا تو انہوں نے السیف الصقیل کا تکملہ اور دیگر مقالات لکھ کر دفاع کیا امام ابوحنیفہؒ کی ذات کو مجروح کرنے کی کوشش کی گئی تو تانیب

الخطیب، النکت الطریفہ اور احقاق الحق جیسی تصانیف لکھ کر عظیم کارنامے سرانجام دیئے اور مرتے دم تک مختلف قسم کے مقالات اور رسائل کے ذریعے سے دین حق کا دفاع کرتے رہے۔

موجودہ دور میں بھی دین حق کو بہت سے فتنوں کا سامنا ہے ایک فتنہ یہ ہے کہ صدیوں سے جو نصاب مدارس دینیہ میں رائج رہا ہے اور جو دین حق کے لئے سپاہی اور محافظین تیار کرتی آرہی ہے اس نصاب کو مختلف قسم کے حربے استعمال کرکے ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جن کتابوں کو پڑھنے کا یہ اثر دیکھا گیا کہ حجۃ اللہ فی الارض مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جیسے عظیم متکلم، امام العصر شاہ انور شاہ کشمیریؒ جیسا عظیم محدث، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانیؒ ، مولانا حسین احمد مدنی جیسے عظیم مفکر اور مجاہد پیدا ہوئے۔ آج اسی نصاب میں قطع و برید کی جارہی ہے اور اس کی بہت سی مفید کتابوں کو غیر ضروری خیال کیا جاتا ہے بلکہ بہت ساری کتابوں کو غیر مفید سمجھ کر نصاب سے خارج کر دیا گیا ہے۔

ترمیم اس شے کے اندر کی جاتی ہے جو کلا یا بعضا مضر ہو، ایک چیز ایسی جس کے فوائد بے شمار اور نقصان کوئی نہیں تو اس کو ختم کرنے اور اس میں ترمیم کرنے کا کیا مقصد ہے ؟ اسی ترمیم شدہ نصاب کی برکت ہے کہ طالب علم دورۂ حدیث تک تو پہنچ جاتا ہے لیکن یہ پتہ نہیں ہوتا کہ امام ابو الحسن اشعریؒ اور امام ابو منصور ماتریدیؒ کون ہیں؟ اور عقائد کے باب میں اللہ تعالی کے اسماء وصفات کے متعلق میرا کیا عقیدہ ہے؟ وہ کون سی چیز ہے جن کا اللہ تعالی کے لئے اثبات محال ہے اور کن چیزوں کا اللہ تعالی کے لئے ثبوت جائز اور ممکن ہے؟

دوسرا فتنہ بعض لوگوں کا توحید کے نام پر ایک تکفیری مہم ہے۔ یہ حضرات توحید کو چند اقسام کی طرف تقسیم کرتے ہیں، جن میں سے ایک قسم توحید فی الاسماء والصفات ہے اور اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ قرآن اور احادیث میں اللہ تعالی نے جن الفاظ کی نسبت اپنی طرف کی ہے مثلا استواء، ید، وجہ وغیرہ ان کو ظاہری و حقیقی معنی پر محمول کیا جائے اور جو شخص ان

الفاظ پر ایمان تو رکھتا ہے لیکن ان کے معانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کرتا ہے یا اس کی قواعد کے موافق کوئی مناسب تاویل کرتا ہے تو وہ اہل حق سے خارج اور توحید فی الاسماء والصفات کا منکر ہے۔ اہل التفویض کو یہ لوگ اہل التجہیل کہتے ہیں اور اہل التاویل کو اہل التعطیل کہتے ہیں۔

اس قسم کے خیالات میں ان لوگوں کا امام تقی الدین احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ ہے اس عقیدہ کی بنیاد اسی نے ڈالی اور ان خیالات کو توحید کا نام دے کر مختلف قسم کے رسائل اور کتابیں لکھتا رہا۔ یہاں تک کہ جو مسائل اہل السنۃ کے ہاں متفقہ طور پر بدعت یا کفر میں داخل تھے ان کو عین توحید اور سنت قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے حد اور مکان، اللہ تعالیٰ کا عرش پر بیٹھنا ، اللہ تعالیٰ کا اترنا چڑھنا، اٹھنا بیٹھنا، حرکت وسکون کرنا اور اس کے لئے حد اور مکان کا ہونا ان سب باتوں کی اشاعت کرتا رہا۔ ان عقائد سے متعلق ابن تیمیہ کی چند عبارات ملاحظہ فرمائے

"ولو قد شاء لاستقر علی ظهر بعوضة فاستقلت به بقدرته ولطف ربوبيته فكيف على عرش عظيم أكبر من السموات والأرض" (بیان تلبیس الجہمیۃ) ۱/۵۶۸ ترجمہ: "اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو مچھر کی پشت پر استقرار کر لیتے تو وہ مچھر اللہ کی قدرت اور لطف ربوبیت سے اس کو قابو کر لیتا، تو اس عرش عظیم کے بارے میں کیا خیال ہے جو آسمانوں اور زمینوں سے بڑا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا عرش پر بیٹھنے سے متعلق علامہ ابوحیان کی یہ نقل ملاحظہ کیجئے

"وقرأت فی كتاب لأحمد بن تيمية هذا الذی عاصرنا وهو بخطه سماه كتاب العرش" أنّ الله تعالىٰ يجلس على الكرسى وقد أخلى منه مكاناً يقعد فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم "تحيل عليه التاج محمد بن علی بن عبد الحق البار نباری وكان أظهر انه داعية له حتى اخذه منه وقرأنا ذلك فيه "

(بحوالہ مجموع رسائل السقاف) (ج ۱ ص ۲۳)

اوراللہ تعالیٰ کیلئے جہت اورمکان کااثبات کرتے ہوئے لکھتے ہیں(والبـــاری سبحانہ وتعالیٰ فوق العالم فوقیة حقیقیة لیست فوقیة الرتبة) الرد علی اساس التقدیس ۱/۱۱۱

اللہ تعالیٰ کیلئے حرکت کااقراران الفاظ سے کرتے ہیں،موافقہ(ج۲ص۴)(أئمة السنة والحدیث علی إثبات النوعین وهو الذی ذکره عنهم من نقل مذهبهم کحرب الکرمانی وعثمان بن سعید الدارمی وغیرهما"بل صرح هؤلاء بلفظ الحرکة وأن هذا هو مذهب أئمة السنة والحدیث من المتقدمین والمتأخرین "

آگے لکھاہے 'وقال عثمان بن سعید وغیره أن الحرکة من لوازم الحیاة کل حی متحرک وجعلوا نفی هذا من أقوال الجهمیة نفاة الصفات الذین إتفق السلف والائمة علی تضلیلهم وتبدیعهم "

یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے حرکت کااثبات کیاہے،حیاۃ خالق کوحیاۃ مخلوق سے تشبیہ دی،ہےاوران کے منکرکوابن تیمیہ گمراہ اوربدعتی قراردےرہے ہیں۔

اوراللہ تعالیٰ کے لیے حدکااثبات کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔موافقہ(ج۲ص۲۹)

"فهذا کله وما أشبه شواهد ودلائل علی الحد ومن لم یعترف به فقد کفر بتنزیل الله وجحد آیات الله "

اس عبارت میں ابن تیمیہ نے تصریح کردی کہ جواللہ تعالیٰ کیلئے حدکاقائل نہ ہووہ کافرہے۔اوراللہ تعالیٰ کاحداورمکان سے منزہ ہونے کاعقیدہ جمہورامت کاہے۔لہذاآپ ہی فیصلہ کریں؟

حرکت وسکون،قعودوقیام،صعودونزول کااللہ تعالیٰ کیلئے اقراراس عبارت سے کیا ہے "لأن الحی القیوم یفعل مایشاء ویتحرک إذاشاء ویهبط ویرتفع إذاشاء

ويقبض ويبسط إذا شاء ويقوم ويجلس إذا شاء لأن أمارة ما بين الحي والميّت المتحرك وكل حي متحرك وكل ميّت غير متحرك لامحالة"

(موافقه ج۲ ص ٦٢)

یہ عقیدہ ابن تیمیہ اور انکے ہمنواوں نے اپنایا اور جو بھی اس عقیدہ بدعیہ کی راہ میں رکاوٹ آتا رہا اس پر کفر کی مہر لگاتے رہے یہاں تک کہ سلف کو اہل التجسیل اور خلف امام رازیؒ وغیرہؒ کو اہل التعطیل کے القابات سے نوازا یہ صرف دعویٰ ہی نہیں ابن تیمیہ کہ کتابیں اس پر بیّنی شاہد ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ صفات متشابہات سے متعلق سلف کا مسلک تفویض ہے اور خلف کا مسلک تاویل ہے چنانچہ ملا علی القاریؒ مرقاۃ (ج ۳) میں حدیث النزول کی شرح میں امام نووی کا کلام نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں "قال النووی فی شرح مسلم: فیهذا الحدیث (حدیث النزول) وشبهه من أحادیث الصفات وآیاتها ملهبان مشهوران: فملهب جمهور السلف وبعض المتكلمين الإيمان بحقيقتها على ما يليق به تعالىٰ وأن ظاهرها المتعارف فی حقنا غیر مراد ولانتكلم فی تأويلها مع اعتقادنا تنزيه الله سبحانه عن سائر سمات الحدوث، والثاني ملهب اكثر المتكلمين وجماعة من السلف وهو محكي عن مالک والاوزاعی انما يتأول على ما يليق بها بحسب مواطنها فعليه الخبر مؤول بتأويلين الی المذكورين"

امام نوویؒ مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث نزول اور اسی طرح دیگر احادیث الصفات اور آیات الصفات سے متعلق دو مشہور مذہب ہیں۔

پہلا مذہب جمہور سلف اور بعض متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ انکی حقیقت پر ایمان رکھا جائے جب کہ اللہ تعالیٰ کی جلال کے لائق ہو اور ان کے جو ظواہر ہمارے حق میں متعارف ہیں وہ قطعاً مراد نہیں ہیں اور ہم انکی تاویل بھی نہیں کرتے اس عقیدہ کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ

علامات حدوث سے منزہ ہے۔

دوسرا مذہب اکثر متکلمین کا ہے اور سلف کی ایک جماعت کا ہے۔ اور یہ مذہب امام مالک اور امام اوزاعیؒ سے بھی منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ انکی مناسب تاویل کی جائی۔ سو اس اعتبار سے اس حدیث میں دو تاویلیں ہوگی۔

یہ تھا سلف اور خلف کا مسلک ان میں کسی کا بھی یہ مذہب نہیں ہے کہ ان کو اپنے ظاہر پر حمل کیا جائے اور معنیٰ حقیقی جو ہمارے حق میں مراد ہے وہی اللہ تعالیٰ کے حق میں مراد لیا جائے۔ ان دونوں مذہبوں سے متعلق ابن تیمیہ کیا کہتے ہیں اس کیلئے انکی کتاب الاسماء والصفات (ج ۲ ص ۲۵ سے ص ۲۸) تک عبارت ملاحظہ فرمائیں

انکی شاگرد ابن قیم ان تمام شواذ میں حرف بحرف انکے تابع تھے انکی چند عبارات نمونہ کے طور پر ملاحظہ فرمائیں۔ اجتماع الجیوش الاسلامیۃ (ص ۱۱۶) میں لکھتے ہیں "ولکنا نقول :استوی من لامکان إلی مکان ولانقول انتقل ، وإن کان المعنی فی ذلک واحداً کما نقول : له عرش ولا نقول له سریر ، ونقول :هو الحکیم ولانقول :هو العاقل ونقول :خلیل إبراهیم ولانقول :صدیق إبراهیم ، و إن کان المعنی فی ذلک کله واحداً) یعنی اللہ تعالیٰ انتقال بھی کرتا ہے۔ اس کیلئے مکان بھی ہے جو کہ سریر یعنی چارپائی کی شکل میں ہے۔ البتہ ہم انتقال سریر کا اطلاق نہیں کرتے ،استواء اور عرش کا اطلاق کرتے ہیں کیونکہ یہی الفاظ قرآن کریم وارد ہیں ورنہ مقصد اور مطلب ایک ہی ہے ص ۱۴۸ میں ابن جریر طبریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے (وقال فی قوله تعالیٰ "عسیٰ أن یبعثک ربک مقاماً محموداً" [فصلت: ۱۱] قال: یجلسه معه علی العرش) حالانکہ ابن جریر طبریؒ نے مقام محمود کے متعلق دو قول نقل کئے ہیں (۱) مقام محمود سے مراد شفاعت کبریٰ ہے (۲) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ کو عرش پر بٹھانا ہے۔ اور ترجیح پہلے قول کو دی ہے لیکن ابن قیم نے اپنے مطلب کے متعلق قول نقل کردیا اور خاموش ہوگئے۔

یہی لوگ ہیں جنکو غیر مقلدین نے اپنا امام ٹھہرایا ہوا ہے۔ جمہور علماء ایک طرف اور ابن تیمیہ اور ابن قیم دوسری طرف جمہور سلف وخلف کی کوئی حیثیت نہیں جو بات ابن تیمیہ اور ابن قیم نے کہی ہے، وہی ان کیلئے حرف اخیر ہے۔

اب اللہ تعالیٰ کے دین کو دونوں جانبوں سے نقصان پہنچایا جارہا تھا، اول یہ کہ اکابر کے نصاب اور ان کے علوم سے طلباء کو محروم کردیا جائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکابر کی باتیں کسی کو سمجھ نہ آئیں اور جو ان کو جس راہ لے جانا چاہے لے چلے، دوسرا یہ کہ جمہور امت اشاعرہ اور ماتریدیہ کے عقیدہ کو مجروح کردیا جائے اور انکو کافر ومبتدع ضال ومضل قرار دیا جائے اور کرامیہ اور مجسمہ کا باطل عقیدہ لوگوں پر مسلط کردیا جائے، اب وہ وقت تھا جس میں امت مسلمہ کو ایسی ذات کی ضرورت تھی جو ایک طرف اکابر کا پورا نصاب پڑھا ہوا ہو اور ان کے علوم سے اچھی طرح واقف ہو اور دوسری طرف علم کلام اور عقائد کے باب میں اہل السنۃ والجماعت کا صحیح ترجمان ہو سو اللہ تعالیٰ نے اس خدمت عظیمہ کیلئے حضرت علامہ شیخ الحدیث عالم باعمل رازی الوقت غزالی العصر کوثری الزمان استاد محترم رشید احمد سواتی صاحب دامت براکاتھم کو منتخب فرمایا جنھوں نے اولاً تو بذات خود معقولات کے عظیم مراکز مارتونگ اور چکیسر جاکر ان علوم کو حاصل کیا۔ علم حدیث کے امام مولانا فضل محمد سواتیؒ سے علم حدیث کا کسب فیض کیا۔ اور فراغت کے بعد شب وروز ان علوم کی تدریس اور تصنیفی خدمت میں لگے رہے اور انتہائی اخلاص اور جذبے سے ان علوم کو پڑھاتے رہے۔

اس دوران وہ متعدد بار جیل بھی گئے۔ اور ایک عرصہ جیل میں گزارا اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں مگر یہ مشقتیں اور تکالیف ان کی ہمت کو ذرا بھی کم نہ کرسکی اور جس جذبے اور اخلاص سے وہ پہلے درس دیا کرتے تھے جیل ... سی پر بھی ویسے ہی محنت اور لگن سے درس دیا۔

اسکے تدریسی محنت کی برکت ہے کہ انکے تلامذہ پاکستان، ١٩٩٤ ...

ہوئے ہیں اہوئے اوران میں سے ہرایک علم العقائد اور معقولات کے باب میں ایک شان کے مالک ہیں۔

دوسری طرف حضرت مولانا صاحب نے تصنیف کے میدان میں لازوال خدمات سرانجام دی ہیں۔ علم النحو کی عظیم الشان اور بے مثل و بے بدل کتاب شرح الجامی کی شرح "(معارف الکافیہ وعوارف الجامی)" کے نام سے تصنیف فرمائی جو کہ فوائد عظیمہ پر مشتمل ہے۔ یہ شرح ہر سال ہزاروں کی تعداد میں چھپتی ہے۔ پاکستان کے علاوہ افغانستان، ایران، تاجکستان، کرغستان، وسط ایشاء، اور سعودی عرب ممالک میں مشہور و معروف ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ شیخ عوامہ دامت برکاتہم نے اس شرح کو مطالعہ کیا تو انتہائی پسند فرمایا۔ اس کی تصنیفی خدمات میں سے ان کی یہ کتاب (دفاع درس نظامی) بھی ہے۔ اس کتاب میں حضرت شیخ صاحب نے اکابر کے نصاب کا دفاع کیا ہے اور جن لوگوں نے اس نصاب کی تنقیص کی ہے اور اس پر اعتراضات کئے ہیں ان کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے۔ ابتداء میں اکابر کی زندگی سے کچھ نمونے پیش کئے ہیں جن سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے اکابر دیوبند اور دوسرے اکابر کو ان علوم عقلیہ، علم کلام، منطق، فلسفہ سے کتنا شغف اور شوق تھا۔

دوسری سعی جو اس کتاب میں کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ علم کلام کو مجروح کرنے کے لئے بعض لوگ جو حربے استعمال کر رہے ہیں اور جو اعتراضات وشکوک پیدا کر رہے ہیں، شرح مواقف اور تبیین کذب المفتری کے حوالے سے ان اعتراضات کے کافی شافی جوابات اس کتاب میں موجود ہیں جس سے ان لوگوں کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ اور اس بات کو واضح طریقے سے ثابت کیا ہے جس شخص کو لوگ عقائد میں امام بنا رہے ہیں اور اس کے ہر حق و ناحق کا تقلید کرتے ہیں اور اسے سلف کے علوم کا امین ہونے کا دعویٰ کر رہے دوسرے سے عقائد کے باب میں اہل حق میں سے ہے ہی نہیں۔ سلف کا امین ہونا تو در کنار وہ

سلف کے مذہب کا سخت مخالف ہے اور کرامیہ وحشویہ کے مذہب کا ترجمان ہے۔

(دفاع درس نظامی) کسی ناتجربہ کار مدرس اور ناواقف عالم کی تصنیف نہیں بلکہ یہ ایک ایسے عالم کی تصنیف ہے جس نے بچپن سے اپنی زندگی علم کے لئے وقف کردی ہے اور ۱۹۸۶ سے اب تک (جو تقریبا ۲۸ سال کا عرصہ بنتا ہے) ان علوم کا درس دے رہے ہیں۔

مولانا عنایت اللہ چکیسری صاحبؒ اور مولانا رشید احمد صاحب مارتونگیؒ جیسے معقولات کے اماموں سے معقولات کو سیکھا، اور مولانا فضل محمد سواتیؒ جیسے علم حدیث کے امام سے علم حدیث کو سیکھا اور اس کے بعد ۲۸ سال تک مسلسل ان علوم وفنون کا انتہائی عرق ریزی اور جانفشانی سے درس دیا۔

اللہ تعالی حضرت شیخ کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور تا حیات علم کے اس عظیم چشمے سے ہمیں اور طلبہ وعلما کو سراب ہونے کی توفیق دے، اور علم دین کی خدمت کرنے کے لئے ان کو اور ان کے آل واولاد کو صحت اور عافیت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

درس نظامی میں تبدیلی کے بارے میں اکابرین کا طرز عمل جو ہماری اس کتاب کے لئے بمنزلہ تقریظ ہے.

ابتداء ہم ایسے اکابر علماء کرام کی چند عبارات پیش کرتے ہیں جن کے مبارک کلمات قدیم نصاب پر اعتماد اور توثیق کے بارے میں باعث تسکین واطمینان ہے اور جن کی باتوں پر ہم کو اعتماد ہے ان اکابر کے زمانہ میں بھی درس نظامی کے اندر تبدیلی کی کوشش شروع ہو چکی تھی لیکن چونکہ علم کے غمخوار اکابر موجود تھے اسی لئے ان حضرات نے تقریراً تحریراً درس نظامی کا دفاع کیا چونکہ ان کی بات چلتی تھی اور ہر کسی کے نزدیک مسلم تھی لھذا ان کی موجودگی میں درس نظامی میں مداخلت کامیاب نہ ہوسکی۔ یہی کچھ صورت حال ہمیں بھی درپیش ہے کہ آئے دن اطلاع ملتی ہے کہ درس نظامی کے اندر فلاں تبدیلی کا اعلان ہوا ہے ہم آواز اٹھائے بھی تو بے سود۔ ستم ظریفوں نے جو کرنا ہوتا ہے وہ ہر حال کر ہی جاتے ہیں۔ اور یوں آہستہ آہستہ درس نظامی کا یہ حال ہو گیا ہے کہ بے حد مفید اور کارآمد کتابیں اس سے نکال دی گئی ہیں۔ اور اسکے منفی اثرات کسی سے مخفی نہیں کہ زور مطالعہ کی حالت اتنی ابتر ہوگئی اور استعداد اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ مدرسے کا ایک مدرس ابتدائی درجات کی کوئی کتاب اردو شرح کے بغیر حل نہیں کرسکتا۔ اور طلباء اتنے ناواقف ہو گئے کہ جن لوگوں نے سلف صالحین کے اعتقادات کو انتہائی محفوظ طریقے سے ہم تک پہنچایا اور ہم پر احسان عظیم فرمایا ان کے متعلق تخصص کا ایک طالب العلم یوں سوال کرتا ہے کہ یہ اشعریہ اور ماتریدیہ کیسے لوگ ہیں اور ان کے کیا عقائد ہیں؟ اور درس نظامی کے فارغ التحصیل عالم کے سامنے جب ان کتابوں مثلاً خیالی، میبذی، امور عامہ وغیرہ کے نام لئے جاتے ہیں تو انتہائی معصومانہ انداز میں سوال کرتے ہیں کہ اس کتاب میں کیا ہوتا ہے؟ بہر کیف مقصد یہ ہے کہ چونکہ ہماری اور ان کی اکابر کی ایک ہی بات ہے اور جو فریاد ہم کررہے ہیں یہی فریاد ان اکابر نے اپنے زمانے میں کی تھی۔ اسی

قدر اشتراک مضمون کی بناء پر ہم ان اکابر عظام کی عبارات کو اس کتاب کی ابتدا میں رکھتے ہیں اور اس کے بعد اپنے شکوے اور فریاد آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ گویا ان اکابر کی عبارت بمنزلہ متن کے ہے۔ اور ہماری یہ کتاب اس کیلئے بمنزلہ شرح ہے۔ ابتدا علامہ کوثریؒ کے ایک واقعے سے کرتے ہیں جو ان کے زمانے میں نصاب کے متعلق پیش آیا تھا۔

علامہ زاہد کوثریؒ کا اپنے زمانے میں نظام تعلیم کے خلاف ایک تحریک کا مقابلہ

نصاب کے اندر تغیر وتبدیل کے سلسلے میں ہمیں جن حالات کا سامنا ہے آج سے تقریبا ایک صدی قبل یہی صورت حال ایک محقق ومدقق عالم علامہ زاہد کوثری رحمہ اللہ کو بھی پیش آئی تھی انہوں نے اس وقت کیا طرز عمل اختیار فرمایا تھا اسکے بارے میں احمد خیری رحمہ اللہ علامہ کوثری کے ترجمہ میں ارشاد فرماتے ہیں، احمد خیری کی عبارت یہ ہے..

"ولما نال اجازته العلمية سنة ۱۳۲۵ اشتغل بالتدريس في جامع الفاتح الى أوائل الحرب العظمىٰ الماضية التي بدأت في سنة ۱۳۳۲، ولما كان ممن قاوموا التغيير الذي أراد أن يقوم بـه الاتحاديون القائمون بالحكومة العثمانية وقتئذ، ذلك التغيير الذي ارادوا به القضاء على العلوم الدينية تحت ستار الاصلاح، فقد اصبح عرضة لاضطهادهم.

وتفصيل الامر أن النظام القديم كان يقضي بأن الطلبة يختارون شيخا يحضرون عليه العلوم جميعا من مبدئها الى غايتها لمدة خمس عشرة سنة، فأراد أصحاب النظام الجديد ادخال العلوم الحديثة الغربية وتخصيص المدرسين بأن يدرس كل منهم مايختار له من العلوم لعدة فصول، وجعلوا مدة الدراسة ثماني سنين، وعقدوا لذالك مجمعا، وكان شيخنا من اعضائه، فرأى في ذلك قضاء على الدين لقصر مدة الدراسة

وكثرة العلوم خصوصا،وان الطلبة أتراك ، والعلوم الدينية تستلزم دراسة اللغة العربية ، فما زال يحتال ويمكر حتى جعل مدة الدراسة التى عشرة سنة غير البلد بسنتين لتحضيريتين ،وبعد ذلك ثلاثة سنوات للتخصص فاصبحت المدة سبع عشرة سنة ،وذلك بمعاونة بعض الصلحاء من اعضاء اللجنة مما أثار حفيظة صنائع الاتحاديين من أعضاء اللجنة ، فسعوا فى عزل شيخ الاسلام فى ذلك العهد محمد اسعد بن النعمان الأخخوى وتعيين خيرى افندى الأركوبى الذى كان على بغضه للقديم وصرامته ذا ورع ودين الى حد ما ، فلم ينل الاتحاديون مشتهاهم .

اس عبارت کا حاصل یہ ہے، جب علامہ کوثری رحمہ اللہ ۱۳۲۵ھ کو فارغ ہوئے اور جامع الفاتح میں تدریس کا مشغلہ اختیار فرمایا اور یہ سلسلہ پہلی جنگ عظیم جو کہ ۱۳۳۲ھ کو ہوئی تھی جاری رہا۔اس زمانے میں اتحادیوں نے اصلاح کے نام سے مدت دراسات کو کم کرنے اور نظام کو بدلنے کی ایک تحریک شروع کر رکھی تھی، چونکہ علامہ کوثری رحمہ اللہ نے اس وقت ان کا سخت مقابلہ کیا،اس لئے وہ ان اتحادیوں کے اعتراضات کا نشانہ بنے رہے،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسباق کے قدیم نظام کی ترتیب یہ تھی کہ طلباء کرام ایک شیخ کو اختیار کرتے تھے اور پھر وہ ابتدائی کتابوں سے لے کر انتہائی کتابوں تک اس کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے،اور یہ سلسلہ ۱۵سال تک جاری رہتا،نظام جدید کے حامیوں کی کوشش یہ تھی کہ جدید مغربی علوم کو نصاب میں شامل کرلیں اور مدرسین میں سے ہر مدرس کسی ایک فن کا کوئی حصہ پڑھاتا ہو،اور انہوں نے مدت دراسات ۸ سال کردی اور اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے انہوں نے ایک انجمن بنالی،اور علامہ کوثری بھی اس جماعت اور انجمن کے ایک رکن تھے۔امام کوثری رحمہ اللہ پر یہ بات منکشف ہوئی کہ ان لوگوں کے اس نظام جدید میں دین کو سخت نقصان ہے کیوں کہ علوم تو بہت ہیں اور مدت دراست بہت کم ہے،اور خاص کر

طلبہ کرام عرب نہیں بلکہ ترک ہیں اور علوم دینیہ کے سیکھنے کے لئے لغت عربیہ پر عبور حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ سوامام کوثری رحمہ اللہ نے مختلف تدابیر شروع کردیں تاکہ نظام جدید نافذ نہ ہو یہاں تک کہ مدت دراسات ابتدائی دو سال کے علاوہ ۲۱ سال کردی، اور اس کے بعد تین سال تخصص کے لئے بھی مقرر کیے، سو پڑھائی کی کل مدت ۲۷ سال ہوگئی اس کار خیر میں بعض صلحا نے بھی علامہ کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ کی معاونت فرمائی تھی، جس کے باعث اتحادیوں کی غیرت اور حمیت کو جوش آیا اور انہوں نے اس زمانے کے شیخ الاسلام محمد اسعد ابن النعمان النحوی کو معزول کرنے اور ان کی جگہ خیری افندی کو شیخ الاسلام مقرر کرنے کی سعی کی۔ خیری آفندی باوجود اس کے کہ نظام قدیم سے بغض رکھتے تھے، ایک حد تک صاحب دین اور صاحب تقویٰ تھے سو ہر چند کوشش کے باوجود اتحادی اپنی کوشش میں ناکام رہے۔

حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی تبدیلی نصاب کے بارے میں رائے

اسی طرح یہ ناکارہ تبدیلی نصاب کا بھی سخت مخالف ہوگیا۔ میں اپنی طلب علم کی تفصیلات میں لکھوا چکا ہوں کہ میں نے درس نظامی کو پابندی سے نہیں پڑھا۔ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ تدریس میں خود مجتہد تھے اس لیے اپنی مدرسی میں تو تبدیل نصاب کا خبط مجھ پر بھی خوب سوار تھا ۳۵ھ سے ۳۸ھ تک ساری دنیا کے نصاب ڈھونڈ کر منگائے تھے ندوہ کا، اہل حدیث کے مدارس کا، حرمین کے مدارس کا اور نصاب مرتب کیے، ایک مطول، ایک مختصر۔ اول نصاب آٹھ سالہ ان لوگوں کے لیے جن کو پڑھنے کے بعد پڑھانے کے اسباب میسر ہوں، مالی اور گھریلو حالات سے مثلاً یہ کہ ان کے خاندان میں اوپر سے علم کا ذوق وشوق چلا آرہا ہو۔ دوسرا مختصر نصاب، سہ سالہ، ان لوگوں کے لحاظ سے جن کے متعلق یہ معلوم ہو کہ یہ پڑھنے پڑھانے کے کام کے نہیں بلکہ یہ پڑھنے پڑھانے کے بعد طبیب یا کاشت کار بنیں گے۔ شطرنج کے کھلاڑیوں کی طرح سے میرا دماغ دن رات ان ہی میں گھومتا رہتا تھا، اور بہت ہی غور وخوض سے میں نے یہ نصاب مرتب کیا تھا۔ اس وقت تو ایک مختصر سا رسالہ لکھ کر

شائع کرنے کا بھی ارادہ تھا لیکن جوں جوں تدریس کا زمانہ تجربہ بڑھتا رہا تبدیلی نصاب کا خبط میرے دماغ سے نکلتا رہا۔ (**فليصحح**) کے تغیر کا بالکل قائل نہیں ہوں جس کی بہت سی وجوہ ہیں۔

(۱) بڑی وجہ تو یہ ہے کہ انگریزی نصاب کے آئے دن کے تغیرات کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوا کہ اگر مدارس عربیہ میں بھی یہ سلسلہ شروع ہو گیا اور ہر دس بارہ برس کے بعد نئی نسل اپنی جولانیاں دکھائی شروع کرے گی اور کیوں نہیں کرے گی تو یہ نصاب رفتہ رفتہ وہ شیر بن جائے گا جس کی تصویر اپنی کمر پر کھچوائی چاہی تھی لیکن دم، ہاتھ، پاؤں، کان، ناک ہر ایک کے بنانے میں جب تکلیف ہوئی تو وہ یہ کہہ کر انکار کرتا رہا کہ بغیر دم کا بھی تو شیر ہوتا ہے اور بغیر ہاتھ کا بھی شیر ہوتا ہے۔

(۲) درس نظامی کی ابتداء کی طرح سے ہر محقق اور ہر بااثر یہ چاہے گا کہ اس کی تصنیف ضرور داخل نصاب ہو۔ جس کی نظیریں اپنی ابتداء مدرسی سے لے کر اب تک بارہا خوب دیکھیں، لیکن درس نظامی کو اللہ نے وہ مقبولیت عطا فرما رکھی ہے کہ اس میں عمومی کھپت کی گنجائش نہیں رہی، اس لیے لوگوں کی مساعی اس کے خلاف ناکام ہوتی آرہی ہیں۔

(۳) مروّجہ نصاب کی اتنی خدمت ہو چکی ہے۔ شروح و حواشی ضرورت سے زیادہ لکھے جا چکے ہیں جن کا حال اہل علم کو خوب معلوم ہے۔ متبادل نصاب کی اتنی خدمت کرنے والے میرے خیال میں اب پیدا نہ ہوں گے اور اگر کچھ ہمت والے آ[illegible]ن چڑھائیں گے بھی تو جتنی شروح و حواشی درس نظامی کی کتب کی سو برس میں لکھی گئی ہیں، اس سے آدمی کے لیے کم از کم پچاس برس چاہیے اور اتنی مدت میں اگر یہ سلسلہ جاری ہو گیا تو نہ معلوم کتنی تبدیلیاں اور پیدا ہوں گی۔

(۴) میں دوسروں کو تو نہیں کہوں گا مگر [illegible]پنے شاگردوں کو جرأت کر کے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی استعدادیں جیسی ہیں وہ موجودہ نصاب کی کتب کو تو شروح و حواشی کی مدد سے کسی نہ

کسی درجہ میں پڑھالیں گے لیکن کوئی نئی کتاب جس کی نہ شرح ہو نہ حاشیہ تو نوے فیصد ایسے ہیں جو نہیں پڑھا سکتے۔ایک شرح جامی کو لے لو کہ اس جگہ اگر ابن عقیل رکھ دی جائے جو مجھے بھی یاد ہے کہ میں نے اپنے خبط کے زمانے میں نصاب میں تجویز کی تھی تو اس کا پڑھانے والا، اگر علماء زمانہ کی توہین نہ ہو، تو میرے خیال میں بہت دشواری سے ملے گا۔اس لیے کہ اس کی کوئی شرح نہیں ملے گی، اور شرح جامی کی اردو، عربی، فارسی بے حد شروح ملیں گی جو مدرسین حضرات سے دیکھی بھی نہیں جائیں گی۔نسائی، ابن ماجہ کی جگہ اگر تیسیر الوصول رکھ دی جاوے تو ان دونوں کے شروح بکثرت موجود نہ ہونے کے باوجود مختلف مطابع، مختلف حواشی اس قدر کافی ہیں کہ شروح کی ضرورت نہیں، اور تیسیر الوصول کا ایک بھی حاشیہ نہیں ملے گا۔ابن ماجہ شریف کے لیے انجاح الحاجۃ کافی سے زیادہ۔ایک انجاح الحاجۃ ہی ایسا معتبر حاشیہ ہے کہ اس جیسا تیسیر الوصول کے لیے ملنا بھی مشکل ہے۔یہ مدرسین کی نئی پود جن میں سے بہت سے تو اپنی وجاہت اور سفارشوں سے مدرس ہو گئے اور ان کے پڑھنے کا زمانہ ہماری نگاہوں میں ہے، اردو کی شرح اور حواشی دیکھ کر کچھ والی دلیہ کر سکتے ہیں مگر جن کی کوئی شرح نہ ہو اس کو اپنی تقریر کے زور سے اڑا دیں تو ممکن ہے جس کے متعلق میرا خود ذاتی تجربہ بھی ہے کہ بعض تو مدرسین جن کی تقریر شستہ ہو آج کل جس کا خوب رواج ہے وہ اپنے اس زور سے چلا تو دیتے ہیں مگر جب خود نہیں سمجھے تو طالب علم کیا سمجھے گا"۔ (آپ بیتی نمبر۳ ص۴۴)

تبصرہ:

جیسے تمام ظاہری و باطنی علوم میں حضرت مولانا زکریاؒ کا یہ تبصرہ ہمارے لیے مشعل راہ ہیں اور ہندی زبان کے داخلہ کی مخالفت اور اسی طرح حرفت وصنعت کے بارے میں ان کا سوچ ہمارے لیے بہت کچھ سیکھنے کا ذریعہ ہے، اسی طرح نصاب کے بارے میں ان کے گوہر نایاب اور مبارک کلمات قابل تقلید ہیں۔

حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوریؒ کی رائے گرامی:

"یہ بھی ظاہر ہے کہ نصاب قدیمی جو مروج ہے ہمارے اکابر و اسلاف اس کے فارغ شدہ حضرات تھے اور موجودہ اکابر اور مشہور ہستیاں جن کی استعداد مسلم الثبوت ہے، وہ بھی اسی نصاب کے فارغ شدہ ہیں اور اسی سے مستفیض ہوئے ہیں۔ اس نصاب کی مخالفت بھی آج سے نہیں بلکہ پچاس سال سے موجود ہے۔ لوگوں نے بہت سے نصاب پیش کیے مگر قبولیت کا مقابلہ کوئی چیز نہیں کر سکتی۔ حضرت تھانوی ﷫ نے بڑی نیک نیتی اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے خیال سے بہت جدو جہد سے ایک نصاب مرتب فرمایا اور محض تجویز ہی نہیں بلکہ اس کو چھپوا کر شائع کروایا اور محض اشاعت ہی نہیں بلکہ اپنے حلقہ اثر میں مستقل مکاتیب میں معمول بہا کرا دیا۔ میرٹھ میں ایک مدرسہ خادم العلوم تھا جس میں محض یہی نصاب پڑھایا جاتا تھا۔ خانقاہ امدادیہ میں بھی یہی نصاب تعلیم دیا جاتا تھا وغیرہ وغیرہ مقامات حلقات زیر اثر میں جاری فرمادیا مگر کیا اس نصاب مجوزہ کا ایک فرد بھی فارغ شدہ عالم میں موجود ہے۔ اس قبولیت کا کیا ٹھکانہ ہے کہ مخلصین کی سعی بھی نہ چلی کہ صورت کے اعتبار سے اسی نصاب معمول بہا کا مقابلہ تھا اور مولانا ﷫ کا حلقہ اثر کس قدر وسیع تھا، جو مخفی نہیں ہے۔ سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ قبولیت میں اس نصاب کا مقابلہ کوئی نصاب نہیں کر سکتا، خواہ مخالفانہ طرز ہو یا مخلصانہ، یہ امر غیر اختیاری ہے، اب حکومتیں اس طرف متوجہ ہیں وہ بھی منہ کی کھائیں گی، کیوں کہ قبولیت عنداللہ کا مقابلہ ناممکن ہے۔ یوں مجموعی حیثیت سے ضروری تغیرات اداروں میں حسب اقتضاءِ مصلحت ہوتے رہتے ہیں۔ نہ اس کا انکار ہے نہ وہ متنازع فیہ ہے۔

یونیورسٹیوں کے نصاب آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ جن کا مقصد نہ اخلاص ہے اور نہ مفادِ استعداد ہے بلکہ خود غرضی اور تجارت کے مفادات ہیں۔ اگر باپ کوئی ڈگری حاصل کرلے تو بیٹا بھی اس نصاب سے مستفید نہیں ہوسکتا کہ اس قدر جلدی نصاب بدل جاتا ہے۔ ایک نصاب قدیم مروجہ ہے خدا جانے کتنی نسلیں مستفید ہوئیں اور ہوتی رہیں۔

یونیورسٹیوں کے امتحانات اور تجاویز سے البتہ قدیم اداروں کو یہ نقصان پہنچا کہ بامید ملازمت یا مناصب فارغ شدہ ان اداروں کے اس طرف متوجہ ہو گئے اور اب ان اداروں کو مدرسِ قابل ملنا محال نہیں تو دشوار اور حسر ضرور ہو گیا۔ باوجودیکہ ان اداروں سے ایک خاصی تعداد اور کافی، سالانہ فارغ ہو کر نکلتی ہے"۔

(ماہِ فضل وکمال، سوانح مولانا فضل محمد فقیر والی رحمۃ اللہ علیہ ص: ۳۶۲)

آگے لکھتے ہیں "تعجب ہے کہ جو ہستیاں آج دنیا میں برسر اقتدار ہیں اور اسی نصاب قدیمہ کے خوشہ چین ہیں انہیں کے ہاتھوں اس کی بیخ کنی ہو رہی ہے۔ یا للعجب لضیعة الأدب. عالم کے عجائبات سے ایک یہ بھی ہے کہ جس بنی نوع کے ہاتھوں کسی چیز کی بنیاد رکھی جاتی ہے انہی کے ہاتھوں اسی چیز کی بیخ کنی ہوتی ہے"۔ فیاحسرة علی العباد

(ایضاً: ۳۶۴)

نوٹ: جس سوال کے جواب میں مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ بالا مضمون لکھا ہے اور اپنے دستخط ثبت فرمائے ہیں، شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے تھی۔ چنانچہ انہوں نے اسی کاغذ پر اپنے دستخط کرنے کے بعد لکھا ہے "از زکریا عفی عنہ، بعد از سلام مسنون، مضمون واحد۔" اور اسی کے نیچے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے ناظم مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے۔ "یہ مضمون جس خیال ونظر کے ماتحت سپردِ قلم فرمایا گیا ہے، وہ دور بین حضرات کے لیے بہت زیادہ اہم اور واجب العمل ہے۔ واقعات شاہد ہیں کہ اقوام میں ذہنیت بدلنے کے لیے تبدیلِ نصاب کو ضروری قرار دیا ہے اور اس وقت جو تبدیلی ہو گی، وہ مذہب سے دور لے جانے والی ہو گی۔ محمد اسعد اللہ ۱۳۶۶/۵/۵ھ

(ایضاً: ص: ۳۶۷)

تبصرہ:

شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری کے ان مبارک کلمات میں یہ کہ "تحویلِ

میں اس نصاب کا کوئی نصاب مقابلہ نہیں کر سکتا اور آخر میں لکھا کہ تعجب ہے.....الخ

فیا حسرۃ علی العباد بار بار پڑھنے کی قابل ہے اور آخر میں عبدالرحمٰن کامل پوریؒ کی تبصرہ پر مولانا ذکریاؒ اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے ناظم محمد سعداللہ کے دستخط اس مضمون کے قابل اعتبار ہونا ایک اور دلیل ہے۔

ان علوم کے متعلق شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علیؒ استاذ دارالعلوم دیوبند کی رائے

نصاب کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ نصاب کی کہانی پھر میری زبانی اچھا خاصا طویل قصہ ہے۔ بہت دفعہ چاہا کہ اس کو لکھ کر اپنے دوستوں میں شائع کر سکوں تا کہ اس کو دیکھ کر "خذ ما صفا و دع ما کدر" پر عمل کر سکیں۔ میرے نزدیک موجودہ نصاب تعلیم کی ترمیم کا شور مچانے والے تھ صرف صد ایسے لوگ ہیں جنہوں نے تحصیل علم کی خاطر ہلکی سے ہلکی تکلیف برداشت کرنے کا بھی ارادہ نہیں کیا۔ اور اس شخص کی طرح پر ہیں، جس کو جنت کی، تقرب خداوندی کی تمنا تو ہو لیکن اور تو کیا، دو رکعت نفل پڑھنا بھی دشوار ہو۔ یہ حضرات اپنی نااہلیت پر پردہ ڈالنے کے لیے عدم کمال کا ذمہ دار موجودہ نصاب کو ٹھہراتے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کیا آپ نے شروع سے آخر تک ایک دن بھی دو چار گھنٹے کسی کتاب کو یاد کیا تھا یا علم ایسا ہی حلوائے بے دود ھ ہے جو حلق سے جلدی اتر جائے۔ غور تو کیجیے کہا تو یہ جاتا ہے کہ ہمارے اندر ابو حنیفہؒ، بوعلی سینا نہ پیدا ہونے کی ذمہ داری اس ناقص نصاب پر ہے۔ لیکن کبھی اس پر توجہ نہیں فرمائی گئی کہ یہ حضرات ایک ایک مسئلہ کے لیے دنیا بھر کی خاک چھانتے پھرے ہیں اور علم کو اس طرح ڈھونڈتے پھرے ہیں جیسے کوئی گم کردہ صحت اپنی تلف کردہ صحت کو ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ پھر آپ نے علم کو تلاش ہی کب کیا تھا کہ وہ آپکا ناخریدہ غلام بن کر آپ کے سامنے حاضر ہو جاتا۔

میں اس قصے کو مختصر کر کے عرض کرتا ہوں کہ اس کے باوجود بھی موجودہ نصاب کی

ترمیم کا حامی ہوں، تنسیخ کا نہیں۔ میرے نزدیک درسِ نظامی کا ہیولیٰ یہ ہے کہ اس کے ذریعے معلّمین میں احادیث وشروح احادیث، قرآن وتفاسیر قرآن کے سمجھنے کی اچھی خاصی استعداد پیدا ہو جائے۔ اسی طرح میرے نزدیک موجودہ نصاب کی غرض وغایت یہ نہیں ہے کہ اہل مصر کی طرح پر عربی بولنا آ جائے۔ اس ہیولیٰ کو باقی رکھ کر اگر موجودہ نصاب میں ترمیم ہوگی تو صورت کی ترمیم ہوگی نصاب کی حقیقت نہ بدلے گی۔

ذرا آگے جا کر مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میری ہرگز یہ رائے نہیں ہے کہ کنز الدقائق یا کافیہ جیسی کتابیں درسِ نظامی سے کم کی جائیں۔ میں سمجھتا ہوں اور میرا تجربہ ہے کہ ان کتابوں کے اغلاق اور مضامین کی دشواری سے طلبہ کے اذہان پر صیقل ہو جاتی ہے اور ان کو عادت ہو جاتی ہے کہ غور کر کے کسی مضمون کو نکال سکیں اور مسائل کے فروق میں غور کر سکیں۔ گویا جس طرح جسمانی طاقت کے لیے ورزش کرائی جاتی ہے اسی طرح ذکاوت حاصل کرنے کے لیے یہ کتابیں دماغی ورزش کا ذریعہ ہیں۔ اس میں کمی کرنے سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ" کا ترجمہ یوں کریں گے، "مسلمان وہ ہے جو مسلمانوں کو ہاتھ اور زبان سے سلام کرے"۔

اس کے بعد تھوڑا آگے فرماتے ہیں: میری یہ رائے قطعاً نہیں ہے کہ منطق، ہیئت، ریاضی، فلسفہ درسِ نظامی سے قطعاً خارج کر دیا جائے۔ میری خواہش یہ ہے کہ ان کی تعلیم اس طرح پر ہو کہ کامل الفن لوگ پیدا ہوں۔

(ماہ فضل وکمال سوانح مولانا فضل محمد نقیر والی ص: ۳۵۴ سے ۳۵۶) علمی اور مطالعاتی زندگی صفحہ نمبر 36

تبصرہ:

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے بیان سے دو باتیں معلوم ہوتی ہے۔ اول یہ کہ آج کل علم میں کمزوری کا سبب تحصیل علم میں محنت کا فقدان ہے، امام ابو حنیفہؒ اور ابن سینا ہونا پیہم عمل اور جہد مسلسل کا نام ہے، دوسری اہم جس کی نشاندہی کی ہے وہ یہ کہ کتابوں

کے اغلاق اور مضامین کی دشواری کے وجہ سے ان کتابوں کو داخل نصاب کیا گیا تھا کہ اس سے استعداد پیدا ہوتا ہے اور اس دماغی ورزش کی تشبیہ جسمانی ورزش سے دی کہ ان سے ذہن کی ذکاوت میں ترقی حاصل ہوتی ہے، آخر میں ریاضی اور ہیئت فلسفہ کو نصاب سے نکالنے کی ممانعت فرمائی۔

جامع المعقول والمنقول شیخ رسول خان صاحب ہزارویؒ

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ منقولات ومعقولات اور قدیم وجدید علوم کے بحر ذخار تھے۔ بہت بڑے عالم اور متقی انسان تھے۔ ایک جامع عالم تھے۔ معمولات ومنقولات میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اب ان کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ تمام عمر درس وتدریس اور خدمت دین میں صرف کردی۔ بڑے بڑے علما ان کے شاگرد ہیں۔ مرحوم کو دارالعلوم حقانیہ اور اس میں پڑھائے جانے والے معقولات کے نصاب سے بے حد مسرت ہوتی تھی کہ دارالعلوم حقانیہ نے اکابر علمائے دیوبند کے علوم و معارف اور درس نظامی کے علوم عالیہ کو جوں کا توں محفوظ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمتوں سے نوازیں اور درجات عالیہ عطا فرمائیں۔ (صفحہ ۳۶ علماء دیوبند کی علمی اور مطالعاتی زندگی مؤلفہ مولانا عبدالقیوم حقانی)

مولانا عبدالقیوم حقانی اس کتاب صفحہ نمبر ۴۰ پر مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کا ایک اور ارشاد نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہمارے اکابر نے درس نظامی جو علم منطق اور علم فلسفہ کی کتابوں کو بطور نصاب باقی رکھا ہے اور پڑھاتے چلے آرہے ہیں، وجہ یہ ہے کہ ان کے پڑھنے سے اجتہادی ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ سوال وجواب، اشکال واعتراض، مقابلہ ومناظرہ اور اساتذہ کی طویل بحثیں، سوال در سوال اور جواب در جواب کا سلسلہ چلتا ہے تو طلبہ کو تشحیذ اذہان حاصل ہوتی ہے اور جو طلبہ اس میں رغبت نہیں کرتے اور شوق سے نہیں پڑھتے ان کے علوم سطحی رہتے ہیں، ذکاوت کی تیزی

اور علوم میں عمق حاصل نہیں رہتا"۔ (ص ۳۶/علماء دیوبند کی علمی اور مطالعاتی زندگی۔ مرتبہ مولانا عبدالقیوم حقانی)

ایک دوسرے مقام پر شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب مولانا رسول خان صاحب کا نصاب کے متعلق وفاق المدارس کے طرز عمل کے بارے میں حد درجے کے رنج وقلق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مولانا رسول خان مرحوم ہمارے پاک وہند کے اکابر علماء دیوبند کے استاذ ہیں۔ ایک مرتبہ وفاق المدارس کا اجلاس تھا، میں بھی اجلاس کے سلسلے میں لاہور گیا تھا تو حضرت مرحوم کی خدمت میں بھی حاضری ہوئی، تو انہوں نے وفاق کے طرز عمل (نصاب میں منطق کی کتابوں کو اہمیت نہیں دی جارہی تھی) پر حد درجہ رنج وقلق کا اظہار کیا اور فرمایا "اس طرح علوم و معارف کی جڑیں کاٹ دی جائیں گی"۔ میں نے عرض کیا کہ الحمدللہ دارالعلوم حقانیہ میں منطق اور فلسفہ کی تمام کتابیں بدستور پڑھائی جارہی ہیں، تو بے حد مسرت کا اظہار فرمایا۔

غالباً حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا کہ اگر منطق اور فلسفہ کی کتابیں نصاب سے خارج کردی گئیں تو امام رازی رحمہ اللہ کی تصنیف سمجھنے اور سمجھانے والا کوئی بھی نہیں ملے گا۔

قاضی محمد زاہد الحسینی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مدارس عربیہ کے نصاب میں ہرگز تبدیلی نہ کی جائے۔ اسی نصاب سے تو اکابر علمائے حق شیخ الہند، حضرت مدنی، حضرت تھانوی، انور شاہ کشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبدالحق، مولانا شمس الحق اور دوسرے تمام اکابر بن چکے اور راہنما بنے۔ موجودہ نصاب کے مرتب وہ لوگ تھے جو نہ صرف علماء تھے بلکہ اپنے اپنے دور کے اہل اللہ میں سے تھے۔

(صفحہ نمبر ۱۷۸)

تبصرہ:

اس مذکورہ بیان کے بار بار پڑھئے اور سوچئے کہ ہمارے یہ چار اولیائے وقت بزرگان دین مولانا رسول خانؒ، مولانا عبدالحق صاحبؒ، مولانا محمد شفیع صاحبؒ اور قاضی محمد زاہد الحسینیؒ کیا فرمارہے ہیں کیا اس میں ہمارے لئے ہدایت نہیں ہے؟

﴿فبای حدیث بعدہ یؤمنون﴾

مولانا لطف اللہ سواتی جامعہ اسلامیہ بہاولپور

میرے نزدیک علمی زندگی کے میدان میں کتب اور مصنفین کے تاثر کے سلسلہ میں صرف ان حضرات کے نام لیے جاسکتے ہیں جن کی کتابوں سے درس نظامی کا حاوی اور ہمہ گیر خاکہ تیار کیا گیا تھا جن پر دست ستم دراز ہے، یعنی ایک ایک کر کے سب کو نصاب تعلیم سے یا تو خارج کیا گیا ہے یا خارج کرنے کے منصوبے اور تجاویز بن رہی ہیں۔ آگے اس مفید اور بنیادی نصاب تعلیم میں کس کس کا نام لیا جائے؟ مثلاً علم حدیث میں صحت وقوت اور عظیم تر مقبولیت کے لحاظ سے محدث جلیل امام المحدث محمد بن اسماعیلؒ کی جامع صحیح سے لے کر درس نظامی کی ابتدائی کتابوں علم الصیغہ، فصول اکبری، نورالایضاح، تہذیب اور ایساغوجی وغیرہ تک کون سی کتاب ہے جس کے بغیر نصاب تعلیم کو مفید کہا جاسکے؟

پھر اس ہدایت ونہایت کے درمیان عرض عریض میں قاضی ناصرالدین بیضاویؒ کی تفسیر "انوار التنزیل فی اسرار التاویل" کا ذکر کیا جائے جو کشاف کی محتویات کو صاف اور سلیس کر کے مناسب اور ضروری حذف وترمیم اور جرح وتعدیل کے بعد مرتب کی گئی ہے۔ یا فن بلاغت اور تعبیر وعبارت کے سلاست وجودت میں علامہ سعدالدین تفتازانیؒ کا اور فن منطق میں علامہ جلال الدین دوانی اور حمد اللہ سندیلی کا۔ جن کا کلام نہایت صاف ستھرا، مطلب خیز اور جامع ومانع ہے۔ یا سید السند ؒ کا نام لیا جائے جن کے علم کا بحر زخار تمام علوم وفنون پر حاوی ہے اور جن کی کتابیں شرح ... سے لے کر حواشی میر تک تمام افیدہ

انفع ہیں اور اس قدر سنجیدہ اور نقاد ذہن کے مالک ہیں کہ خطیب قزوینی کی شرح مفتاح دیکھ کر فرماتے ہیں: "إنه کلحم بقر علیه ذباب" اسی طرح سید زاہد کی دقیقہ سنجی، نکتہ رسی اور علمی وقت اور غموض قابل داد ہے، جن کا ایک حاشیہ دفتر علوم قرار دیا جاسکتا ہے۔ یا علامہ ابن حاجب رحمہ اللہ کی اختصار پسندی اور وہ بچے تلے جملے جن میں ہال برابر حک و فک کی گنجائش نہیں ہے اور متعلقہ قواعد و ضوابط پر مخالب عقاب کی طرح منعطف اور مرتکز ہیں۔ یا عبدالرحمٰن جامی رحمہ اللہ کی قیود و احترازات یا صدر الشریعہ رحمہ اللہ کا وہ بارعب اور باوقار طرز بیان تحریر کیا جائے جن میں کچھ شوشے نکالنے کے لیے علامہ تفتازانی رحمہ اللہ جیسوں کی کوشش ناکام ہے۔ یا محب اللہ بہاری رحمہ اللہ کی دونوں درسی کتابوں کو لے لیا جائے جن میں "سلم العلوم" تو منطق کی کلیات، مسلمات، خلافیات اور بلند و بالا تحقیقات کا ایک شاہکار ہے اور اصول فقہ میں "مسلم الثبوت" بھی مسلم الثبوت ہے، جس میں محب اللہ رحمہ اللہ نے مسائل خلافیہ، عقلیہ، نقلیہ، کلامیہ، اصولیہ کو تقلید و اتباع سے بالا بالا ہو کر "تعادلھم أولاً و ثانیاً و ثالثاً و رابعاً و فصاعداً" کہہ کر طرز استدلال کا ایک عمدہ اور مختصر ڈھنگ نکالا ہے۔

تھوڑا سا آگے فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ اب ہمارے سامنے فجر الاسلام سے لے کر مساء الاسلام تک جدید فکر کی تمام علمی، معلوماتی کتابیں موجود ہیں، لیکن مذکورہ بالا سلسلہ درس نظامی کی کتابوں کی قوت و پختگی، جودت وافادیت کا مقابلہ ہرگز نہیں کرسکتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وقت اور معلومات کے لحاظ سے یہ سلسلہ بجائے خود مفید اور نافع ہے۔ (ص: ۱۸۰)

آگے فرماتے ہیں: نصاب درس کے سلسلے میں میرا موقف واضح ہو گیا ہے، وہ یہ کہ میں مدارس عربیہ کے نصاب کے لیے صرف اور صرف پرانے مجوزہ درس نظامی کا قائل ہوں، اسی کو مفید تر اور اتم و احکم سمجھتا ہوں اور اسی میں فنی، کتابی، کلی، جزوی کسی طرح کے رد و بدل اور حذف و ترمیم کا روادار نہیں ہوں۔ پھر میں اپنے اس موقف کے ہوتے ہوئے نصاب تعلیم کی تبدیلی کا مشورہ کیونکر دے سکتا ہوں۔ مذکورہ بالا نصاب میں کی گئی تبدیلیوں کے خلاف بھی میرا

سخت احتجاج ہے، مگر کون سنتا ہے؟ چنانچہ اسی سلسلے میں ایک روز حضرت الاستاذ جناب افغانی صاحب دامت برکاتہم محکمہ اوقاف کی طرف سے اس کمیٹی میں لاہور بلائے گئے جو ہر سال درسِ نظامی میں قطع و برید اور حذف وتخفیف کرتی ہے۔ تو میں نے حضرت کو ایک مسٹر صاحب کی پتلون کا قصہ سنایا، جبکہ وہ مناسب مقدار سے کچھ لمبی بنی ہوئی تھی اور صبح کو جب مسٹر صاحب دفتر جانے لگے تو اہلیہ صاحبہ سے کہا کہ یہ میری نئی پتلون کچھ لمبی ہے میں اس کو آج چھوڑ رہا ہوں، گھر کی مشین سے اس کو چار انگل کم کر دیجئے گا۔ اہلیہ صاحبہ نے انکار کیا اور کہا کہ میرے پاس وقت نہیں۔ گھر سے نکلتے وقت اپنی ایک لڑکی سے کہا، اس نے بھی انکار کیا۔ راستہ میں ایک نوکر ملا وہ بھی مشین پر کام کرنا جانتا تھا لیکن اس نے بھی بہانہ بنا کر ٹال دیا۔

خیر مسٹر صاحب مایوس ہو کر چلے گئے، واپسی پر شام کو کسی سے بات بھی نہ ہوئی۔ آئندہ صبح جب دفتر کو جانے لگا تو سوچا نئی پتلون ہے، کچھ لمبی ہی سہی، کم کرنے کی تو کسی نے زحمت نہ کی، چلو پہن کر دفتر چلتا ہوں۔ جب پہننے لگا تو گھٹنوں تک چڑھ چکی تھی، کیونکہ جس جس سے کم کرنے کو کہا تھا ان میں سے ہر ایک نے انکار کے باوجود چار چار انگل کی کمی کر دی تھی اور ایک دوسرے سے بے خبر تھے۔

حضرت الاستاذ خود بھی فرما رہے تھے کہ یہ تو علم کو ختم کرنا ہے، بلکہ بعد میں فرمایا کہ میں نے نصابِ تعلیم سے علمی بنیادی کتابوں کے نکالنے کی سخت مخالفت کی تھی۔

بہر صورت قصہ یہ ہے کہ علم ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا ہے جن کا مقصد نیست علم کا حلیہ ہی بگاڑنا ہے۔ فالی اللّٰہ المشتکی۔

میرا یہ احتجاج اس وجہ سے ہے کہ اگر مدارسِ عربیہ کے طلباء کو نصابِ تعلیم کے ذریعے وقتِ حاضر کے تمام مذہبی اور مادّی ومعاشی علوم سے مکمل طور پر روشناس کرانا ہے تو یہ تو تقریباً ناممکن ہے۔ نیز ان علوم کے ہر ہر شعبہ کے لیے جداگانہ درس گاہیں موجود ہیں، پھر یہ کہ بعض علوم کے کسب وتحصیل کی راہیں بعض دوسروں سے مختلف بلکہ کسی حد تک متضاد ہیں۔

چنانچہ اس لحاظ سے مدارسِ عربیہ کے طلبہ کو اگر بیک وقت اچھا مدرس، مصنف، عالم اور ساتھ ہی مسائلِ حاضرہ وفنونِ رائجہ کا پورا ماہر اور سٹیج کا بھی بادشاہ بنانا ہو جو زمین وآسمان کے قلابے ملاسکتا ہو تو یہ تو ـ ایں خیال است ومحال است وجنون

اور اگر ان درس گاہوں کی روایات اور بنیادی مزاج کے تقاضوں میں علماء، مدرسین، مصنفین، مبلغین، مقررین، متقین اور صالحین تیار کرنے ہیں تو پھر نصابِ تعلیم کے لیے وہی درس نظامی صرف مناسب نہیں بلکہ لازم اور ضروری ہے۔

دراصل درسِ نظامی کا مجوزہ قدیم خاکہ ہی تمام علوم وفنون کی ان بنیادی کتابوں سے تیار کیا گیا ہے جن کے بغیر عالم کامل بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

میرے اس جمود وقدامت کی تائید وتقویت دارالعلوم دیوبند کی اس نصاب تعلیم سے بھی ہوتی ہے جو میرے سن فراغت یعنی ۱۳۵۷ھ میں تراسی (۸۳) عدد کتابوں پر مشتمل تھا اور روزانہ ان کتابوں کا درس ہوا کرتا تھا ان میں شفاء، شرح اشارات، تحریر اقلیدس، خلاصۃ الحساب، سبع شداد، بست باب، شمس بازغہ، عروض المفتاح، رسم المعلّی، میر قطبی، رشیدیہ، مناظرہ وغیرہ ہر قسم کی چھوٹی موٹی کتابیں داخل نصاب تھیں جبکہ اس وقت پاکستان کے بالائی مدارس کے نصاب میں پڑھائی جانے والی کتابوں کا شمار شاید تیس (۳۰) تک بمشکل پہنچتا ہو۔

ـ ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا (علماء دیوبند کی علمی اور مطالعاتی زندگی ص: ۱۷۷)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ وأصحابہ أجمعین أما بعد:

یہ کتاب ایک ایسے موضوع پر لکھی گئی ہے جو سب سے اہم ہے؛ کیوں کہ موضوع اس میں نصاب ہے، اور نصاب ہی علم کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے ہر دور میں اس کو اہم سمجھا گیا۔ ایک وقت ایسا بھی گزرا کہ دینی علوم کے لیے بڑی سوچ وبچار کے بعد ایک نصاب تیار کیا گیا، جو درسِ نظامی کے نام سے معروف ہے جسے اس وقت کے اجلہ علما نے ترتیب دیا۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں ایسے علما نے اس نصاب کو دارالعلوم کا نصاب بنایا جو برگزیدہ اولیائے امت تھے جن کی کرامت، عظمت، علمیت، جلالتِ شان، علمی رسوخ، تصوف بلکہ ہر لحاظ سے مسلّم تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا دینی علم کے حفاظت کے لئے دارالعلوم دیوبند کو ایک آخری عظیم قرارگاہ بنانا جس طرح دارالعلوم دیوبند کے عظمت اور تقدس کا دلیل ہے اسی طرح اس نصاب کے کمال کا بھی ایک بیّن اور واضح ثبوت ہے۔ الحاصل مختلف قرارگاہوں سے گزر کر اس دینی علم نے ہندوستان کو اپنا قرارگاہ بنایا؛ کیوں کہ اس علم نے اپنے پہلے قرارگاہ مکہ مکرمہ میں دارِ ارقم سے ابتداء کر کے دوسری قرارگاہ مدینہ منورہ کے مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طرف نقل مکانی کی۔ پھر ایک دور آیا، جس میں کوفہ علم کا مرکز اور تیسرا قرارگاہ بنا۔ پھر اس سے منتقل ہو کر ماوراء النہر، بلخ وبخارا، تاشقند اور سمرقند نے اس کے چوتھے مسکن اور قرارگاہ کی حیثیت اختیار کی۔ وہاں حالات بگڑے تو مصر میں جامعہ ازہر وغیرہ اسکا پانچواں مرکز وقرارگاہ بنے۔ وہاں سے چلا تو ہند وپاک میں دارالعلوم دیوبند اور اس سے متعلقہ مدارس اس کے لیے آخری مرکز بنے۔ اگرچہ عالم اسلام کے دوسرے کئی ملکوں میں بھی علم کا چرچا رہا لیکن جو مرکزی حیثیت مندرجہ بالا جگہوں کو حاصل ہوئی ،،،، دوسرے مواضع کی قسمت میں نہیں آئی۔ کوئی دور تک چونکہ دین کو محفوظ کرنے اور اس میں موجودہ مسائل کو مستنبط کرنے کی

ضرورت تھی، اس لیے اس وقت قرآن وحدیث اور فقہ کی ضرورت رہی۔ اس کے بعد بقیہ علوم کی ایجاد اور اس کے قواعد وضوابط کو جمع کرنے اور آنے والے دور میں اس کے مزید کمال وتہذیب پر کام ہوتا رہا۔ خیر القرون کے دور کے قریب میں بقیہ علوم بھی وجود میں آئے لیکن ایک منظم نصاب (جس میں ہر فن کے مناسب درجہ وار کتابیں رکھی گئی ہوں) موجود نہ تھا۔

یہ غیر منظم تعلیمی نظام ایک زمانہ چلتا رہا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک منظم نصاب کی ضرورت محسوس ہوتی رہی۔ جب استاذ اساتذۃ الہند مولانا نظام الدین سہالوی رحمہ اللہ کا دور آیا تو انہوں نے اپنے زمانے کے علماء سے مل کر ایک تعلیمی نصاب ترتیب دیا، جو ان کے نام کی طرف منسوب ہو کر "درسِ نظامی" کے نام سے معروف ومشہور ہوا۔ اس نصاب میں ہر فن کے مناسب درجہ وار کتابیں رکھی گئیں۔ جو علوم وفنون اس کے اجزائے ترکیبی بنے، اس میں ہر علم وفن کے اپنے اپنے اغراض ومقاصد تھے، جن کے حصول کے لیے وہ علوم اس نصاب کا حصہ بن گئے تھے۔

﴿باب اول درس نظامی میں تغیر سے متعلق چند گزارشات﴾

نصاب کے تغیر وتبدل کی بعض افسوسناک کوششیں

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم ۔۔۔ کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

دینی مدارس کے نصاب ونظام کی مخالفین کی اولاً کوشش یہ ہیں کہ دینی علم کوئی حاصل نہ کرے۔ دوسرے نمبر پر اس کوشش میں ہے کہ پورے علم کو حاصل نہ کرے۔ دوسرے نمبر میں کامیابی کے دو طریقے ہیں: پہلا یہ کہ نصاب سے بعض فنون کو نکال دیا جائے، دوسرا یہ کہ پورا فن نہ نکالا جائے بلکہ کسی فن کی بعض کتابیں نکال دی جائیں۔

وفاق المدارس سمیت دیگر تنظیم ہائے مدارس کے قیام سے پہلے کوئی خاص منظم ادارہ موجود نہیں تھا جس کے ذریعے سے یہ اخراج ممکن ہو، اس لیے درسِ نظامی کے قیام سے

پہلے اور اس کے بعد بھی ان اداروں کے قیام تک تمام علوم کی معتبر اور استعداد بڑھانے والی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں اور ان علوم کا فارغ التحصیل ایک جامع اور بااستعداد عالم ہوتا۔ بعض اوقات ایک آدھ طالب عالم اپنے کسی پسندیدہ فن کی تمام کتابیں پڑھ کر محدود علمی استعداد حاصل کر لیتا اور اسی مخصوص فن کا عالم بن جاتا۔ ہر پڑھنے والا آزاد تھا چاہے ایک جامع اور کامل عالم بنے یا کسی ایک فن میں مہارت حاصل کرے۔ اگر کوئی دینی علوم عالیہ یا آلیہ میں کسی ایک فن کو نہ پڑھتا یا کسی فن میں بعض کتابیں چھوڑتا اور نہ پڑھنا چاہتا تو اس کی کا صرف وہی شخص شکار ہوتا اور اسکا اثر اس ایک شخص تک محدود رہتا اور اس سے پورا نظام تعلیم متاثر نہ ہوتا۔ لیکن ان اداروں کے دائرے کار میں آتے ہوئے مدارس نے اپنا قدیم نظام تعلیم کی بساط لپیٹنا شروع کیا۔ محدود درجہ بندی اور وقت کی تحدید اور نصاب میں تبدیلی کا سلسلہ شروع کیا تو میرے ناقص خیال کے مطابق اس نظام و نصاب سے علمی گہرائی و گیرائی کے اعتبار سے ایسے نابغہ روزگار شخصیات پیدا نہیں ہونگے جو پہلے زمانے میں امام رازیؒ، غزالیؒ، جرجانیؒ، تفتازانیؒ، دوانیؒ، محب اللہ بہاریؒ، سیف الدین آمدیؒ اور بعد میں مولانا نانوتویؒ، شیخ الہندؒ، رسول خانؒ، غلام رسول خانؒ، ابراہیم بلیاویؒ اور نافع گل رحمہم اللہ اجمعین جیسے متبحر اور دور اندیش علماء ہوتے تھے۔

نصاب پر دست درازی کا آغاز

ان اداروں کے قیام کے بعد بھی جب تک مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جیسے نابغۂ روزگار علماء کے ہاتھوں میں قیادت تھی تو انہوں نے پہلے سے موجود درس نظامی کا وہ نصاب جو دیوبند میں نظام تعلیم رہا، جوں کا توں رکھا۔ لیکن بعد والے ادوار میں ان اداروں نے اس نصاب کے اندر تبدیلی شروع کی جس سے نظام و نصاب گہری طرح متاثر ہوا۔

نصاب کی تبدیلی کا درد گداز داستان

اس تبدیلی کی دل گداز داستان یوں ہے کہ منطق کی چھوٹی کتابوں سے لے کر بڑی

کتابوں تک یعنی صغریٰ کبریٰ، میزان المنطق، بدیع المیزان، ایساغوجی، میر ایساغوجی، شرح تہذیب کا بعض حصہ، قطبی کا اکثر حصہ، میر قطبی، سلم کا حصہ تصورات وتصدیقات، میرزاہد، ملا جلال، میرزا قطبی، قاضی مبارک، حمد اللہ، ملا حسن، غلام یحییٰ، ملا مبین، بحر العلوم، اسی طرح علم کلام کی شرح عقائد کبھی پوری داخل، کبھی پہلا حصہ اور کبھی دوسرا حصہ یعنی مسئلہ عذاب قبر سے آگے۔ (البتہ اس وقت پوری کتاب داخل نصاب ہے جو خوش آئند بات ہے) اسی طرح اس کا بہترین علمی حاشیہ خیالی اور شرح مواقف، شرح المقاصد، شرح عقائد جلالی، علم حکمت میں میبذی، صدرا، شمس بازغہ، اقلیدس، بیست باب، التصریح شرح چغمینی، السبع الشداد اور اصولِ فقہ میں اصولِ بزدوی، مولوی یعقوب، مسلم الثبوت اور علم معانی میں مطول وغیرہ، علم صرف میں مراح الارواح، شافیہ، فصول اکبری وغیرہ یہ کتابیں جو درسِ نظامی میں تھیں سب کے سب نکال دیے گئے۔ شرح ملا جامی کے ساتھ تو مذاق کا معاملہ کیا گیا کہ بس اس کا مقدمہ تا مرفوعات (جس پر ساری کتاب کے مسائل کا توقف اور دارومدار ہے) اور حصہ مبنی کو کاٹ دیا گیا۔

مدارس کا ان اداروں سے الحاق کے وجہ سے انکے اتباع میں پورے پاکستان کے مدارس سے سابقہ درسِ نظامی (جو دارالعلوم دیوبند کا نظامِ تعلیم رہا) کا صفایا ہو گیا جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے جن لوگوں نے اس بوجھ کو اپنے کندھوں پر ڈالا ہے، یقیناً ساری امت کے سامنے علم میں باعتبار کم وکیف کمزور کرنے کے جواب دہ ہیں انہوں نے پوری امت کو علمی طور پرنا قابل تلافی نقصان پہنچایا۔

اس موجودہ نصاب سے مطلوبہ استعداد حاصل نہ ہونے کی وجہ سے آیندہ پیدا ہونے والی مسلمان نسل اس علمی ورثہ سے محروم ہوئے جس سے صحیح استفادہ حاصل کرنے کے لیے مطلوبہ اہلیت واستعداد صرف سابقہ نصاب سے حاصل ہو سکتی تھی۔

اور یہ کام چند گنے چنے افراد نے کیا۔ کیا یہ لوگ اس بات کے مجاز ہیں کہ جو علمی

ورثہ جو تمام امت کی ملکیت اوران کی میراث تھی اور ہمارے اکابر اور سلف نے جس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اسکو تحفظ دیا اور اپنے مدارس میں اسکو رواج عام دیا حتی کہ علمائے دیوبند بلکہ آزادی پاکستان کے بعد پاکستان میں بھی بہت عرصہ تک ان علوم کو محفوظ رکھا گیا۔ ان افراد نے مل کر تمام امت کے اس کے اس ملوکہ شے کے اندر ان ورثاء کے اجازت کے بغیر تصرف کیا۔ کیا شریعت اس بات کی اجازت دے گی کہ مثلاً ایک شخص فوت ہو گیا اسکے دس بیٹے اسکے ترکہ کے وارث ہیں ان دس میں دو مل کر ان باقی بھائیوں کی اجازت کے بغیر اس مال متروکہ میں تصرف کریں اور اسکو استعمال کریں۔ ظاہر ہے شرعا یہ بات بالکل ناجائز اور حرام ہے۔ یہ تو ایک گھر اور خاندان والی بات ہوئی اور ایک مال فانی کے متعلق بات ہوئی جسکا نقصان بھی فانی اور زائل ہے تو کیا علم جو باقی اور لازوال ہے جسکا محافظ درس نظامی تھا ۔ یہ علم ایک گھر اور خاندان کی میراث نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کے وہ لوگ جو علم کے طالب ہیں اسکے وارث اور حقدار ہیں۔ اب ان کے اس علمی ورثہ کے اندر چند افراد مل کر ان ورثاء کی اجازت کے بغیر تصرف کریں اور اس میراث کو اتنا عظیم نقصان پہنچائے کر آدھے کے قریب حصے اسکا بالکل ضائع کریں کیا شریعت ایسے تصرف کی اجازت دے سکتا ہے ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں دے سکتا ان چند افراد کا اس میراث علمی کے اندر اس بلا اذن تصرف ہی کا نتیجہ ہے کہ اکثر موجودہ مشائخ اور طلبائے کرام سے سننے میں آیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ اتحاد اور اتفاق نہیں بلکہ نفاق ہے۔ اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ یہ علماء نصاب کو نقصان پہنچائے اس میں ضرور اغیار کا ہاتھ ہے۔ آخر ان لوگوں کو کس بات نے اس جملہ کے کہنے پر مجبور کیا۔ بس اسی ایک بات نے کہ انکا میراث برباد کیا گیا اور انکو ایک اچھے اور پختہ استعداد بخشنے والے نصاب سے محروم کیا گیا۔ اب اس جدید مرا ج نصاب نے ایک منظم شکل اختیار کرلیا ہے اور ظاہر ہے کہ طلباء ان ہی کتابوں کو پڑھنے پر مجبور ہیں جو داخل نصاب ہو اور جو کتابیں نصاب سے خارج کردی گئی اس سے طلباء محروم ہو گئے لھذا یہ بات بھی کہنا بے جا

ہے کہ ہم نے تو طلبہ پر کوئی پابندی نہیں لگائی طلبہ کو جن کتابوں کے پڑھنے کا شوق ہوا انہیں پڑھیں۔ موجودہ نصاب میں وہ تاثیر کہاں ہے جو کہ پچھلے نصاب میں تھا کیونکہ وہ تاثیر جن علوم وفنون و کتب کی مرہونِ منت تھی، وہ اب نصاب میں نہ رہے۔ اس سے گلوخلاصی کے لیے مختلف بہانیں تراشے جاتے ہیں۔ کبھی یہ کہ اس زمانے میں اسکی ضرورت نہیں یا یہ قرآن وحدیث کی کتابیں نہیں ہے اور کبھی یہ کہ یہ علوم یعنی منطق، حکمت وکلام کی کتابیں مشکل ہیں اور اب طالب علموں میں وہ استعداد نہ رہی جوان کو برداشت کر سکے۔

نصاب کے اندر تبدیلی کے لیے اہلیت

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نصاب کے اندر قطع وبرید کے لیے کوئی خاص قسم کی اہلیت شرط ہے؟ یا ہر وہ شخص جو تھوڑے بہت علم اور اختیار کا مالک ہے تو وہ نصاب کے اندر تبدیلی کر سکتا ہے۔ چاہے وہ داخل نصاب کتابوں کو پڑھا ہوا ہو یا نہ ہو اور ان کتابوں کی افادیت سے واقف ہو یا نہ ہو؟

یہ بات تو بدیہی طور پر ہر کسی کو معلوم ہے کہ ایک نصاب پڑھنا اور پڑھانا ہے اور ایک نصاب بنانا ہے۔ نصاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ نصاب بنانے والا داخل نصاب علوم کی تمام کتابوں کو پڑھا ہوا ہو۔ اور ان کتابوں میں سے ہر کتاب کی افادیت سے واقف ہو کہ کون سی کتاب کتنی نافع ہے۔ اور کتنی استعداد دینے والی ہے۔ چنانچہ اسی استعداد کے مختلف مراتب کے پیش نظر درس نظامی کے اندر شامل کتابوں کو علمائے کرام نے ایک خاص ترتیب سے رکھا تا کہ ہر ایک فن کی ابتدائی مسائل کی کتابیں اولاً طالب علم پڑھتا ہے جس سے اس فن کے مسائل سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ اس فن کی ٹھوس کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جس سے انتہائی عالی استعداد حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً علم النحو میں ابتداءً نحو میر اور ہدایۃ النحو اور کافیہ میں طالب علم مسائل نحویہ سے مناسبت پیدا کر لیتا ہے۔ پھر اس کے بعد ہر نحوی مسئلے کی دلیل اور اس کا [illegible] کے لیے اور ہر مسئلے کی گہرائی

کے لیے شرح جامی پڑھتا ہے۔تو ایسے طالب علم کے اندراتنی استعداد پیدا ہوتی ہے کہ فن نحو کے کسی بھی کتاب کو باآسانی سمجھ کر حل کرسکتا ہے۔اب ایک شخص ہدایۃ النحو اور کافیہ کا تو قائل ہے اوراس کو پڑھا ہوا بھی ہے لیکن شرح جامی کی افادیت سے واقف نہیں۔اور کسی سے اس کا ایک آدھ مسئلہ مثلاً حاصل محصول وغیرہ سن کر کہتا ہے کہ جناب اس کو نکالو کیونکہ یہ فن نحو نہیں بلکہ فلسفہ اور معقولات کی کتاب ہے۔تو بتایئے اس پوری کتاب کو یا اس کے بعض حصہ کو نکالنے سے طلباء کرام کا کتنا شدید نقصان ہوگا۔شرح جامی کے مقدمہ کے اندر ایسے مباحث ہیں جس پر صرف فن نحو ہی نہیں بلکہ عربی کلام کا سمجھنا بھی موقوف ہے۔اگر اس کو طالب علم نہ پڑھے یا اسے پڑھنے سے محروم کیا جائے تو اس سے اس طالب علم کے استعداد کو کتنا نقصان ہوگا۔اسی طرح اصول الفقہ میں اصول الشاشی نورالانوار اور حسامی وغیرہ تو طالب علم پڑھ لیتا ہے۔لیکن مسلم الثبوت کو کبھی دیکھا تک نہیں اوراس کے اندر مذکورہ مسائل اصول الفقہ سے بالکل واقف ہی نہیں وہ یہ عذر کرے کہ جناب مسلم الثبوت کے اندر اصول فقہ نہیں بلکہ منطق ہے۔تو مسلم الثبوت کو خارج کرنے سے طلبہ کرام کے استعداد پر کتنا برا اثر پڑے گا۔آپ خود غور فرمایئے کہ جو مسائل مسلم الثبوت کے اندر ہیں وہ اصول الفقہ ہی سے متعلق ہیں کیا وہ مسائل نورالانوار اور حسامی میں موجود ہیں؟ میں بطور نمونہ مسلم الثبوت کے چند مسائل کے عنوانات ذکر کئے دیتا ہوں۔

(۱) مسألة:۔ لا یشتمل القرآن علی اللهو والحشو (۲) مسألة فیه مالایفهم (۳) مسألة: اذاتساوی اطلاق لفظ لمعنیً والمعین فهو لمحمل (٤) مسألة: یصح البیان بالفعل کالقول (٥) مسألة الجمهور علی جواز النسخ لاالی بدلٍ (٦) مسألة لنسخ القرآن ممتنع اجماعا

اوراسی طرح اور بھی بیسیوں مسائل ہیں آپ خود غور فرمایئے کیا یہ مسائل نورالانوار اور حسامی میں پڑھائے جاتے ہیں؟ اب جو طالب علم مسلم الثبوت نہیں پڑھتا تو وہ ان

مسائل کو آخر کہاں پڑھیگا۔ اسی طرح علم الصرف کی طرف آیئے ارشاد الصرف کے اندر طالب علم صیغہ حل کرنے اور اسکے اندر تعلیلات سمجھ لیتا ہے۔ اور علم الصیغہ کے اندر تو کوئی نئی شے ہے ہی نہیں بلکہ وہی مباحث ارشاد الصرف ہیں، ہاں صرف خامیات ہیں جو کہ الگ کتاب سے پڑھائے جاتے ہیں۔ اب علم الصرف کے جو عالی مباحث ہیں مثلاً جموع التکسیر کے قواعد کہ کونسے لفظ کی کیا جمع آتی ہے یا قلب والا قاعدہ کہ اگر کسی لفظ کے اندر قلب مکانی ہوا ہو تو اس کو کیسے پہچانا جائے۔ یا نسبت کے مسائل یہ مباحث شافیہ ہی میں پڑھائے جاتے ہیں اس کو نصاب سے خارج کر دیا گیا تو طالب علم ان مباحث کو کہاں پڑھیگا۔ اور وہ ادبی استعداد جس سے طالب علم محروم ہو گیا یہ وہ کہاں پر حاصل کریگا۔

اسی طرح علم کلام پر نظر ڈالئے شرح عقائد میں طالب علم کو علم کلام سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن علم کلام کے تمام مباحث اور مسائل شرح العقائد میں نہیں ہے مثلاً امور عامہ کی بحث جو کہ مرزا امور عامہ میں پڑھائی جاتی ہے۔ وہ شرح عقائد میں کہاں ہیں۔ اس کے علاوہ علم الکلام کے سینکڑوں مسائل جو کہ شرح المقاصد اور شرح المواقف میں تو ہیں اور انکا جاننا ایک مسلمان اور سُنی کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ شرح عقائد ان مسائل سے خالی ہے۔ تو طالب علم ان مسائل کو کہاں سیکھے گا۔ اور ان مسائل کے اندر اہل السنۃ کے عقیدے اور معتزلہ، مجسمہ، مشبھہ وغیرہ کے درمیان فرق کیسے کریگا۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حسامی کے بعد مسلم الثبوت جو کہ اصول فقہ کے ایک مشکل حصے پر مشتمل ہے اس کی اشد ضرورت ہے۔ اسی طرح فصول اکبری اور مراح الارواح کے بعد شافیہ جو کہ علم الصرف کے عالی مسائل پر مشتمل ہے۔ اس کی کتنی ضرورت ہے۔ اسی طرح کافیہ کے بعد شرح جامی اور عبد الغفور کا پڑھنا اہم ہے۔ ان کتابوں کو چھوڑنے سے اصول الفقہ کا کتنا بڑا حصہ سقوط کر جاتا ہے۔ اور علم الصرف و علم النحو کے کتنے اہم مسائل سے طالب علم محروم ہو جاتا ہے۔

درس نظامی میں شامل علوم وفنون کہ ابتدائی وانتہائی دونوں حصوں کے پڑھنے کے اہمیت کا بیان:

گویا ابتدائی کتابیں ان علوم وفنون کا ایک حصہ ہے اور انتہائی کتابیں علوم وفنون کا ایک اور مشکل حصہ ہے اس دوسرے بڑے حصے کو ساقط کرنے سے علم کے ایک عظیم حصے سے ہم محروم ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان میں علمائے دیوبند اور پاکستان کی آزادی کے بعد ایک عرصہ تک جب یہ علوم پڑھے اور پڑھائے جاتے تھے اور ان کے فوائد سے وہ لوگ واقف تھے تو ان علوم کو ختم کرنا ان کو ایک سنگین غلطی اور گمراہی نظر آتا تھا۔ لیکن جب ہم عروج سے زوال کی طرف آنے لگے تو الٹا ان علوم کا پڑھنا نقصان نظر آنے لگا۔ اور رفتہ رفتہ ان علوم کو ساقط کر دیا گیا۔

توضیح کے لیے ایک مثال

اس بات کی وضاحت ہم ایک مثال سے کرتے ہیں۔ نصاب کے اندر دخل اندازی کرنا دل کے آپریشن کرنے کی مانند ہے۔ آپ خود بتایئے کہ کیا دل کا آپریشن وہ ڈاکٹر کرے گا جو امراض قلب میں ماہر ہو اور ایک تجربہ کار سرجن ہو یا ایک عام ایم بی بی ایس یا کمپاؤنڈر کرے گا؟

لہٰذا نصاب میں رد وبدل ایک ایسے عالم کا کام ہے جس نے تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھی ہوں اور ان کے اندر مہارت اور تبحر رکھتا ہو۔ جس نے منطق کی صرف ابتدائی کتابوں پر اکتفا نہ کیا ہو بلکہ سلم العلوم اور قاضی حمد اللہ تک درس نظامی میں شامل کتابوں کو پڑھا ہوا ہو۔ اسی طرح اصول الفقہ میں مسلم الثبوت اور علم الصرف میں شافیہ علم نحو میں شرح الجامی وغیرہ کتابوں کو اچھی طرح پڑھا ہوا ور ان کے فوائد سے خوب واقف ہو۔

نصاب کے اندر دخل اندازی ایسے شخص کا کام نہیں جس نے اصول الفقہ کے صرف پہلے حصے کو پڑھا ہو اور دوسرے انتہائی حصے کو دیکھا تک بھی نہ ہو اسی طرح صرف ونحو کی چھوٹی

کتابیں تو پڑھ رکھی ہوں اور باقی کتابوں کو نہ پڑھنے کی وجہ سے ان کے فوائد سے واقف نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دیوبند کی تاریخ شاہد ہے کہ قاسم نانوتویؒ کے دور سے لے کر قاری طیب صاحبؒ کے دور اہتمام کے اختتام تک جب لوگ پورا نصاب پڑھے ہوئے تھے اور اس کی خوبیوں سے پوری طرح واقف تھے۔ تو انہوں نے نہ قاضی مبارک کو نکالنے کی سوچی نہ حمد اللہ کے بارے میں یہ کوشش کی نہ مسلم الثبوت کے بارے میں لیکن اس مبارک دور کے اختتام اور ان بزرگوں کے جانے کے بعد مختلف طریقوں سے اس نصاب میں دخل اندازی شروع ہونے لگی جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان میں ایسے کتابیں شامل کی گئیں جو صرف مطالعہ سے حل ہو جاتی ہیں انہیں استاذ سے پڑھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

مفتی محمودؒ کے دور قیادت میں ان علوم کے اندر کوئی تبدیلی نہ ہو سکی۔ لیکن صد افسوس کہ اس کے بعد سے اب تک نصاب کے ساتھ یہ کاروائی شروع ہوئی کہ آئے دن کوئی نہ کوئی کتاب یا کسی کتاب کا کوئی نہ کوئی حصہ کاٹ دیا جاتا ہے۔ اب اس کاروائی کا انجام کیا ہوگا۔ جب طلباء اپنے اکابر کے نصاب سے محروم ہو گئے۔ اور استعداد میں پختگی پیدا کرنے والی کتابیں ختم کر دی گئیں تو اب اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ تو انجام اور نتیجہ دیکھنے کے لیے جامع ازہر ہمارے سامنے نمونہ ہے۔ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ علامہ کوثریؒ کے زمانے میں اتحادیوں نے نصاب کو کم کرنے کی کوشش شروع کر رکھی تھی علامہ کوثری نے اپنی حیات میں تو ایسا نہ ہونے دیا لیکن ان کے بعد جامعہ ازہر کا کیا حال ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس کی ایک دینی مدرسہ کی حیثیت بالکل باقی نہ رہی۔ اسی طرح ہمارے دینی مدارس کا بھی یہی انجام ہونے والا ہے۔

ایک اہم وضاحت

مذکورہ گزارشات کو عرض کرنے کا مقصد ان اداروں سے جن کا اصل حیثیت ایک امتحانی بورڈ کا تھا اس حیثیت سے ان کا فائدہ شک وشبہ سے بالا تھا اور اس حیثیت سے بھی کہ یہ ادارے مدارس کے مابین اتحاد کا نام ہے اور دینی مد... ؛ موثر پلیٹ فارم ہے۔ تو ان کے

اس مثبت پہلو سے کسی کو کسی قسم کا اختلاف نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس کا ایک منفی پہلو ہے ہم اس کے مخالف ہیں اور وہ ہے درس نظامی کے اندر تبدیلیاں اور اکابر کے منتخبہ نصاب کے اندر قطع برید کرنا۔ بہت سارے علماء ان کے اسی منفی پہلو کا واویلا کر رہے ہیں۔ اور ان کے تبدیلیوں کی دبے لفظوں میں مخالفت کرتے ہیں اور ان کے اس کام کو بُرا جانتے ہیں لیکن ان کے اس واویلا کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ان کے اس فریاد اور واویلا کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک شخص ہے سخت بیمار ہے باقی لوگ اس سے کہتے ہیں کہ تم بہت سخت بیمار ہو ہمیں تمہارے بیمار ہونے کا سخت دکھ ہے۔ لیکن کوئی اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی فکر نہیں کرتا۔ بتایئے ان کا اس مریض کے سامنے اظہار غم اور افسوس کرنے کا کیا فائدہ اور اس سے اس مریض کے حال میں کیا تبدیلی آئے گی۔ نصاب کے اندر اس بار بار تبدیلی نے اس کو ایک کھیل تماشہ بنادیا ہے نصاب ایک اہم شے ہے۔ جس طرح خانہ کعبہ کو کئی بار ڈھا کر دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ پھر جب امام مالکؒ کے دور میں خانہ کعبہ کو ڈھانے اور دوبارہ تعمیر کرنے کا قصد کیا گیا تو امام مالکؒ نے ممانعت کردی کہ اس سے تو خانہ کعبہ کی تعظیم لوگوں کے دلوں سے جاتی رہے گی۔ اور کہا کہ خانہ کعبہ کو کھلونا نہ بناؤ۔ پھر اس کے ڈھانے پر پابندی لگادی گئی۔ تو اس کا ایک ہی حل ہے۔ کہ اسی قدیم نصاب کے طرف رجوع ہو۔

ایک مخلصانہ گزارش

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم ان چند علمائے کرام میں سے ہیں جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کے اکابر و مشائخ سے استفادہ کیا ہے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کا شرف آپ کو حاصل ہے جو کہ انتہائی قابل فخر منقبت ہے۔ آپ دامت برکاتہم نے دارالعلوم دیوبند کے اندر بذات خود ان علوم مجورہ یعنی منطق و حکمت وغیرہ کو پڑھا ہے اور ان علوم کی افادیت اور اہمیت سے آپ اچھے طرح واقف ہیں۔ ایک عرصے سے آپ وفاق المدارس کے صدر ہیں۔ ان علوم کی افادیت

سے واقفیت اور دارالعلوم دیوبند کے مشائخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ ان علوم کے کتابوں کی تو کیا اس کے ایک ایک مسئلہ کے حفاظت کرتے مگر قابل افسوس بات ہے کہ آپ کی موجودگی میں ان مفید علوم جن کو اکابر دیوبند نے پڑھا اور پڑھایا ان میں تبدیلی کی گئی۔ چونکہ آپ وفاق المدارس کے ایک بااختیار صدر ہیں اور جو بھی قطع وبرید ہوئی آپ کی نگرانی ہی میں ہوئی۔ لہذا ہمارا شکوہ اور گلہ آپ سے اور آپ کے رفقاء سے ہے۔ آپ بحمداللہ ہمارے مشائخ میں سے ہیں اور نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے علم دین کی تدریسی اور تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں یقیناً آپ کے نامہ اعمال میں یہ سارے حسنات عنداللہ محفوظ ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ درس نظامی سے ان مفید اور استعداد پیدا کرنے والی کتابوں کو نکالنا بھی آپکے اعمال کی فہرست میں مندرج ہوگا اور تاریخ کا حصہ رہے گا۔

کتابوں میں قطع برید کی عدم صحت کے چند وجوہ

(۱) اولاً تو یہ کہ اکابر علمائے کرام نے بالاجماع نظام الدین سہالویؒ کی قیادت میں جو نصاب مرتب کیا تھا وہ جامع عالم بننے کے لیے نسخہ کیمیا اور جہل کے بیماری سے نجات کے لیے نسخہ شفا تھا جو مختلف علوم سے متعدد درجات کے لئے ہر درجے کے مناسب کتابوں کے اجزاء سے تیار کردہ ایک نسخہ تھا جس سے بااستعداد اور باکمال علما تیار ہوتے تھے۔ اب اس نسخہ شفاء کے اجزاء بدلنا ایسا ہے کہ فلاسفہ نے ایک معجون تیار کر رکھا تھا جس کو معجون فلاسفہ کہا جاتا ہے ان لوگوں نے اس کے لیے خاص اجزاء تجویز کر رکھے تھے، اب اس نسخہ سے جو فوائد مقصود تھے وہ تب ہی حاصل ہونگے کہ ان تمام اجزاء کو اکھٹا کیا جائے، اب ان اجزاء میں کوئی کمی کرے تو کون عاقل اسے معجون فلاسفہ کہے گا اور اس سے ان فوائد کی امید لگائے رکھے گا۔ اسی طرح مرض جہل سے شفا کے لئے درس نظامی کی مثال بھی ایک نسخہ کیمیا کی طرح ہے جس کے اندر کمی کرنا اور اس کے اجزاء بدلنا معجون فلاسفہ کے اجزا کے بدلنے سے زیادہ بدتر ہے کیونکہ اس کے بدلنے سے بدن کی دوا میں تبدیلی آئیگی اور دوا الٹی موثر یا مضر بن جائیگی۔

جبکہ اس معجون تعلیم (نصاب) کے بدلنے سے مرض جہل کے دوائے شفا غیر مؤثر یا مضر بن کر نور علم کے استعداد کو متاثر کریگا۔

(۲) ثانیا یہ کہ یہ ادارے ایک نیک مقصد کے لئے بنائے گئے تھے اب انہیں اپنا ایک بادشاہت سمجھنا ان اداروں کے اصل مقاصد تاسیس سے انحراف ہے۔ جس میں ایک مخصوص طبقہ نصاب تعلیم میں آزادانہ طور پر تصرف کر رہا ہے۔ جس طرح ایک بادشاہ اور اسکے متبعین اپنی سلطنت میں خالص اپنی مرضی سے عوام کے پروا کئے بغیر سب کچھ کرتے ہیں۔ یہی کچھ معاملہ یہاں بھی ہے کہ یہ لوگ ہزاروں علماء کے پرواہ کئے بغیر اپنا کام کر رہے ہیں۔

کتنی علما ایسے ہیں جو کہ نصاب کے تبدیلی پر خون کے آنسو روتے رہیں مگر ان کا سننے والا کوئی نہ تھا۔ اور کتنے اکابر ایسے تھے جو کہ یہ آرزو کرتے کرتے وفات پا گئے کہ کوئی ہے جوان کو سمجھائے کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔

(۳) ثالثا یہ کہ اکابر کے منتخب شدہ نصاب کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا ان اکابر پر عدم اعتماد کا اظہار ہے۔ درس نظامی بہت سارے اکابر اولیائے کرام کا منتخب شدہ نصاب تھا اس نصاب میں تبدیلی لانا ان پر عدم اعتماد نہیں تو اور کیا ہے۔

کاش نصاب مقرر کرنے کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے پاس ہوتی جو ایسے علما ہوتے کہ علم کے ایک ایک مسئلہ کے نگہبان اور قدر دان ہوتے اور ایسے اہل دل ہوتے کہ ایک نکتہ کے ضیاع پر بھی پریشان اور بے قرار ہوتے۔ نہ کہ ایسے ناقدر شناس جنہیں کتابوں پر کتابوں کے جانے سے نہ کچھ پرواہ ہوتی ہے نہ پریشانی اور نہ کسی کا خوف۔

قدر زر زرگر شناسد قدر جوہر جوہری قدر گل بلبل شناسد قدر دلدل شاہ علی

مادی علوم میں نظر عبرت

غیر مسلم اپنے علوم میں مزید آگے بڑھے اور سائنسی ایجادات میں اس مقام پر پہنچ گئے کہ وہ اوپر فضاؤں میں سیارات بھیج رہے ہیں اور وہاں اپنی کامیابی کے جھنڈے لہرا رہے

ہیں۔ لاسلکی مواصلات کی مدد سے اوپر والی دنیا نیچے والی دنیا سے ہمکلام ہے، اور گھر بیٹھے اپنے دشمن کو نشانہ بناسکنے والے میزائل تیار کیے۔ ایٹم بم بنایا اور بغیر پائلٹ کے جہاز بنا کر ڈرون حملے کر رہے ہیں۔ یہ ہے غیر مسلموں کا حال کہ وہ اپنے مادی علم میں آگے بڑھ رہے ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ ہمارے ذہن کمزور ہیں لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم عام درس وتدریس کی کتابیں چھوڑ رہے ہیں، یہ بہانہ بناتے ہوئے کہ ہمارے ذہن کمزور ہیں۔

جب تک علم منطق، علم کلام اور علم حکمت علوم وفنون کا حصہ ہیں نصاب سے ان کا نکالنا سخت مضر ہے:

جو حضرات نصاب سے علم منطق، علم کلام اور علم حکمت کو نکالنے کے خواہش مند ہیں، ان سے ہم ایک مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ مسلم الثبوت، توضیح وتلویح، تلخیص المفتاح، شروح المفتاح، شرح المواقف، شرح المقاصد، شرح العقائد نسفی، شرح العقائد جلالی، مطول حواشی کے ساتھ، تفسیر کبیر اور ان جیسی کتابوں سے ان علوم ثلاثہ کو نکال دیں تا کہ آئندہ نسلوں کے لیے ان مذکورہ بالا کتابوں کا سمجھنا آسان ہو؛ کیوں کہ منطق، کلام اور حکمت بقیہ علوم وفنون خصوصاً اصول فقہ، معانی وبلاغت کی کتابوں میں اس طور پر داخل ہو گئے ہیں کہ ان علوم ثلاثہ کو پڑھے بغیر ان کتابوں کا سمجھنا مشکل ہے۔ پس اگر ان کتابوں کو پڑھنا ہے تو پھر وہی نصاب برقرار رکھنا ہوگا جس سے یہ استعداد حاصل ہوتی ہے۔

کیا آج بھی علم منطق وحکمت کی وہی ضرورت ہے جو پہلے تھی؟

بعض حضرات کے سامنے جب معقولات کی ضرورت کے بارے میں کچھ کہا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اب زمانہ بدل گیا ہے اور زمانے کے بدلنے سے اس کے تقاضے بھی بدل جاتے ہیں۔ لہٰذا اب اس دور میں ان علوم وفنون کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔

اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ زمانہ اور اس کے تقاضے بدل گئے ہیں لیکن بات غور طلب ہے کہ یہ بدلا ہوا زمانہ اور بدلے ہوئے تقاضے ان علوم و

فنون کی ضرورت اور بھی بڑھا رہے ہیں یا ان کی ضرورت کو کم کر رہے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو گزشتہ دور میں معقولات پڑھ کر ایسے علماء تیار ہوئے، جنہوں نے دین اسلام پر وارد کیے جانے والے ہر شبہ کا ٹھوس اور مسکت جواب دیا اور اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنے کی سرکوبی کی۔ معتزلہ جو ایک زمانے تک عالم اسلام پر مسلط رہے، ان کو صفحۂ ہستی سے کن لوگوں نے مٹایا۔ کرامیہ، مشبہہ کا مقابلہ کن لوگوں نے کیا۔ ان سب فرق باطلہ کے اعتقادات باطلہ یا تو نقلی دلائل پر مبنی تھے اور یا عقلی دلائل پر، ان کے استدلالات کے جوابات اہل سنت والجماعت کے متکلمین حضرات نے دیے ہیں اور بے شمار اٹھتے ہوئے فتنوں کو خاموش کیا ہے۔

اس دور میں گزشتہ فتنوں اور فرق باطلہ کے باقی ماندہ لوگ بھی موجود ہیں اور بے شمار نئے نئے فرقے پیدا ہوئے ہیں، جن کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے جید علمائے کرام کی ایک جماعت ہونی چاہیے جنہوں نے عام فنون کے اندر مہارت حاصل کی ہو۔ اب آپ خود سوچیے کہ زمانہ کی تبدیلی کس بات کا تقاضا کرتی ہے؟ آیا ان علوم وفنون کو ختم کرنے اور مٹا دینے کا تقاضہ کرتی ہے یا کہ ان علوم وفنون پر اور بھی زور دینے اور ترقی دینے کا تقاضہ کرتی ہے۔

غیر تو اتنی ترقی کرے کہ لوہے کو ہوا میں اڑانے لگے اور ہم معقولات کو چھوڑنے کا یہ عذر کر لیں کہ اب وہ استعداد نہ رہی اور نہ ہی اس زمانہ میں ان علوم کی ضرورت ہے۔

درس نظامی میں جتنے بھی علوم وفنون ہیں وہ سب متداخل ہیں۔ یعنی ہر ایک فن میں ایسے مسائل ملتے ہیں، جس کا سمجھنا دوسرے فن کے بغیر سخت دشوار یا ناممکن ہے۔ تفسیر کی کتابوں، حدیث اور شروح حدیث، فقہ اور اصول فقہ، معانی وغیرہ میں بعض مقامات ایسے ہیں جو منطق سے استعداد لیے بغیر حل نہیں ہو سکتے۔ مثلاً بخاری شریف میں کتاب التفسیر باب قوله : **واذ قال ابراهيم رب ارني كيف تحي الموتى** کے تحت ایک حدیث مذکور ہے، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں: نحن احق بالشک من ابراهيم اس حدیث میں جو اشکال ہے، وہ ظاہر ہے۔ اس کو حل کرتے ہوئے علامہ قسطلانی ؒ فرماتے ہیں

استثنائی رفعی کا سہارا لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

أي لو كان الشك متطرقا إلى الأنبياء في القدرة لكنت أنا أحق به و قد علم أني لم أشك فإبراهيم عليه السلام لم يشك.

یعنی اگر انبیائے کرام علیہم السلام قدرت الٰہی میں کچھ شک کرتے تو ہم اس شک کے زیادہ حق دار تھے لیکن تم کو معلوم ہے کہ میں نے شک نہیں کیا، لہٰذا ابراہیمؑ نے بھی شک نہیں کیا۔ یہاں پر قد علم بہ لکن التالي باطل فالمقدم مثله کے قائم مقام ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں کچھ آگے حدیث نمبر ۴۵۵۲ پر یہ حدیث منقول ہے: قال ابن عباس: قال رسول الله ﷺ: لو يعطى الناس بدعواهم لذهب دماء قوم و أموالهم.

یہاں پر حضرت ابن عباسؓ نے قیاس استثنائی رفعی استعمال کرتے ہوئے دو فریقوں کے درمیان فیصلہ کیا ہے۔ علامہ قسطلانیؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لو يعطى الناس بدعواهم أي بمجرد أخبارهم عن لزوم حق لهم على آخرين عند حاكم لذهب دماء قوم و أموالهم و لا يتمكن المدعي من صرف دمه و ماله ووجه الملازمة في هذا القياس الشرطي أن الدعوى بمجردها إذا قبلت فلا فرق فيها من الدماء و الأموال وغيرهما و بطلان اللازم ظاهر لأنه ظلم.

علامہ قسطلانی یہیں وجہ الملازمہ اور بطلان تالی خود بیان فرما رہے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ منطق اور فلسفہ کی ضرورت ختم ہی نہیں ہوئی بلکہ اور زیادہ ہو چکی ہے، لہٰذا ضرورت زمانہ کا عذر کر کے اس کو ختم کرنا ناانصافی ہے۔

مؤسس درس نظامی مولانا نظام الدین شہید سہالویؒ کا مختصر تعارف

چوں کہ اس علم میں بنیادی اہمیت نصاب کو حاصل ہے، جس کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی جیسی ہے۔ نصاب کا تعین ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں بلکہ وہ علما اس کو ترتیب دیں گے جن کو مہارت تامہ اور تمام علوم پر مکمل عبور ہو۔ گزشتہ زمانے میں اس صفت کے مالک ہمارے بعض علما نے اس عظیم فریضہ کو بطریقہ احسن انجام دیا ہے۔ یہ نصاب بنام "درسِ نظامی" مشہور و معروف ہے۔ اس کے مؤسس و بانی حضرت ملا نظام الدین محمد سہالوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کو "استاذ اساتذۃ الہند" کا لقب دیا گیا تھا۔ یہ ایک ایسا مربوط اور منظم نصاب تھا جس پر اس زمانے کے سارے علماء متفق ہو گئے تھے۔ پھر علمائے دیوبند کا اسی نصاب کو دارالعلوم دیوبند میں بغیر کسی قطع و برید کے شرف قبولیت بخشنا اور آخر دم تک اس پر قائم رہنا اس نصاب کی صحت اور مؤثر ہونے کی شہادت ہے۔ ملا نظام الدین سہالویؒ کے زمانے سے لے کر علمائے دیوبند تک جن شخصیات نے اس نصاب کو پڑھا اور سیکھا، انہوں نے علمی دنیا میں ایک نام پیدا کیا۔ ان کی علمی کاوشیں ساری دنیا پر آشکارا ہیں۔ وہ علم کی ایسی بلندیوں پر پہنچے کہ اطرافِ عالم کے بڑے بڑے علما نے ان کی وسعتِ علم، دین فہمی اور قوتِ استدلال کا برملا اعتراف کیا۔ یہ ایک بیّن دلیل ہے کہ یہ نصاب بلاشبہ ایک ایسا نصاب ہے جو نہایت مفید اور مؤثر ہے۔ چناں چہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اپنی کتاب "ہمارا تعلیمی نظام" میں فرماتے ہیں:

> "درسِ نظامی، ملا نظام الدین شہید سہالویؒ (متوفی ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۷ء) کے نام نامی سے منسوب ہے۔ آپ عظیم مسلمان فلسفی، رسائل الارکان، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت اور "شرح سلم العلوم" جیسی بلند پایہ کتب کے مؤلف، بحر العلوم علامہ عبد العلیؒ کے فرزندِ ارجمند تھے۔ آپ لکھنؤ کے ایک مضافاتی قصبہ سہالہ میں ۱۰۸۸ھ میں پیدا ہوئے۔ وحید عصر شیخ غلام نقشبندی

(۱) یہاں یہ بات ملحوظِ نظر رکھنی چاہیے کہ ملا نظام الدین کے والد ملا قطب [illegible] (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۲۶ھ) اور شیخ امان اللہ بنارسی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم اساتذہ اور ماہرین تعلیم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے اور علوم وفنون میں گہری بصیرت حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے والد ماجد علامہ بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ کی مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کی زیر نگرانی اس مدرسہ نے تمام علوم وفنون میں اپنے دور میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام حاصل کر لیا اور ہندوستان میں سب سے بڑا علمی مرکز قرار دیا گیا۔

ملا نظام الدین سہالوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مدرسہ کے لئے تعلیم کا ایک نظام اور نصاب مرتب کر کے اس کو عمل کے تجربہ میں لائے۔ اس نظام تعلیم کی اہم خصوصیات کے پیش نظر ہی ہندوستان کے باقی تمام مدارس نے بھی اسی کو اپنا لیا اور ہندوستان پر انگریزی سامراج کے تسلط تک ہندوستان کے تمام تعلیمی اداروں میں یہی نظام تعلیم بنیادی حیثیت سے نافذ تھا۔

(ص:۷۰)

نسب نامہ اور عام حالات

مولانا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قطب الدینؒ کے تیسرے فرزندِ ارجمند(۱) تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی تھی۔ ملا علی قلی جائسیؒ اور ملا غلام نقشبندیؒ سے استفادہ کیا۔ فارغ التحصیل ہو کر درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ سیکڑوں افراد نے ان سے استفادہ کیا۔ ان کے مجلس درس کے سامنے علاقہ بھر کی مجالس تدریس ماند پڑ گئیں۔ غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے۔

بحر العلوم۔ ملا عبد العلی بلکہ ملا عبد العلی، ملا نظام الدین کے بیٹے تھے جنہوں نے مولانا کی ایک ناتمام کتاب "شرح التحریر فی اصول الدین" (اصول فقہ) کی تکمیل کی۔ یہی بیان محترم مولانا نقی ... سب کو اشتباہ ہوا کہ انہوں نے مولانا نظام الدین سہالوی کو بحر العلوم ملا عبد العلی کا لقب عزت دیا۔

"امروز علمائ اکثر قطر ہندوستان نسبت تلمذ بہ مولوی وارند، وکلاہ گوشہ تفاخرے کنند کہ سلسلہ تلمذ باادمی رسانند بین الفضلا علم امتیازے افروزدومردم بسیاررا دیدہ شدہ کہ تحصیل جاہای دیگر کردندو برائ اعتبار فاتحہ از مولوی گرفتہ".

ملا نظام الدین محمدؒ نے حضرت شاہ عبدالرزاق بانسویؒ م ۵اشوال ۱۱۳۵ھ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی تھی۔ شاہ عبدالرزاق بانسوی انہیں ان لوگوں میں شمار کرتے تھے، جن کے بارہ میں ﴿إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات﴾ کے الفاظ آئے ہیں۔ ملا موصوف کو شاہ عبدالرزاق بانسوی رحمہ اللہ سے خلافت حاصل تھی۔ ملا موصوف علم و فضل وجوم خلائق کا مرجع ہونے کے باوجود سادہ مزاج و متواضع انسان تھے۔ غرور علم سے کوسوں دور تھے۔ یہی سبب تھا کہ اپنے مرتبہ نصاب میں اپنی کوئی کتاب شامل نہیں کی۔ ۹ جمادی الاولی ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء کو درد گردہ کے عارضہ سے لکھنو میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ غلام علی آزاد بلگرامی نے قطعہ تاریخ لکھا ہے۔

عالم کامل امام عصر استاد جہاں — طائر روحش بسیر جنت الماوی شتافت
سال تاریخ وفات او بطور تعمیہ — گفتہ شد ملا نظام الدین دل فردوس یافت

۱۱۶۱=۴-۱۱۵۷ھ

انکی تاریخ وفات یوں بھی کہی گئی ہے۔

ازوفاتش بے سرو پا گشتہ اند — عشق و خیر و فیض و فضل و ہم کمال

۱۱۶۱=۴۱+۸۰۰+۱۰+۱۰+۳۰۰ھ

تصانیف

ملا نظام الدین محمد رحمہ اللہ کثیر التصانیف عالم تھے۔ ان کی کتابوں کے بارے میں فضل امام خیرآبادی نے لکھا ہے: "تصانیف بسیار مختصر واصول دارد"

ان کی تصانیف یہ ہیں:

(۱) رسالہ فی وضوء الرسول (حدیث) (۲) مناقب رزاقیہ

(۳) شرح التحریر فی اُصول الدین (اُصول فقہ) (۴) شرح مسلم الثبوت (اُصول فقہ)

(۵) الصبح الصادق شرح منار الانوار (اُصول فقہ)

(۶) حاشیہ علی حاشیہ قدیمہ علی شرح تجرید دوانی (علم کلام)

(۷) حاشیہ شرح عقائد دوانی (علم کلام) (۸) شرح رسالہ مبارزیہ (علم کلام)

(۹) حاشیہ شمس بازغہ (فلسفہ) (۱۰) حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ (فلسفہ)

(ماخوذ از تذکرہ مصنفین درس نظامی: ص ۱۲ تا ۱۷)

درسِ نظامی میں شامل کتب کا اجمالی جائزہ

چوں کہ ہمارے موضوع کا مرکزی نقطہ درس نظامی ہے، اس لیے مناسب ہے کہ سب سے پہلے یہ بتایا جائے کہ درس نظامی کیا ہے؟ اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ نظام تعلیم علوم عربیہ، تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد وکلام، فلسفہ ومنطق، ریاضی، طب اور ہندسہ وغیرہ تمام علوم کو جامع تھا۔ اس سے کبار علمائے مفسرین، محدثین، فقہا، متکلمین، فلاسفہ، ادباء، مصنفین اور ماہرین قانون پیدا ہوئے۔ یہ لوگ علم وفن کے میدان میں مکمل مہارت رکھتے تھے اور جس طرح اس درس نظامی کو پڑھنے میں تمام دینی علوم کے ماہر تھے ٹھیک اسی طرح دنیاوی علوم میں بھی کمال رکھتے تھے۔ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی کتاب ''ہمارا تعلیمی نظام'' میں درس نظامی کا نقشہ یوں پیش کیا ہے۔

شمار	فن	نصابی کتاب	مؤلف	سنہ تالیف یا سنہ وفات مؤلف
۱	صرف واشتقاق عربی	میزان الصرف	[illegible] بن الحاج حسن [illegible]	م ۹۱۱ھ

۲		منشعب	محمد بن مصطفیٰ بن الحاج حسن رحمہ	م ۹۱۱ھ
۳		پنج گنج	محمد بن مصطفیٰ بن الحاج حسن	م ۹۱۱ھ
۴		صرف میر	میر سید شریف جرجانی	م ۸۱۶ھ
۵		علم الصیغہ	مولانا مفتی عنایت اللہ	م ۱۲۷۷ھ
۶		فصول اکبری	قاضی محمد اکبر	معلوم نہیں
۷	عربی نحو	نحو میر	میر سید شریف جرجانی	م ۸۱۶ھ
۸		شرح مائۃ عامل	ملا محمد صادق	م ۱۱۹۰ھ
۹		ہدایۃ النحو	ابو حیان نحوی	م ۷۴۵ھ
۱۰		کافیہ	علامہ ابن حاجب	م ۶۲۰ھ
۱۱		شرح جامی	مولانا عبدالرحمٰن جامی	م ۸۵۰ھ
۱۲		شرح ابن عقیل	عبداللہ بن احمد ابن عقیل	م ۹۹۷ھ
۱۳	بلاغت عربی	تلخیص المفتاح	علامہ جلال الدین محمد بن عبدالرحمٰن قزوینی	م ۷۳۹ھ
۱۴		مختصر المعانی	سعد الدین تفتازانی	م ۷۹۲ھ
۱۵		مطول	سعد الدین تفتازانی	م ۷۹۲ھ
۱۶	عروض وقوافی	عروض المفتاح	ابو یعقوب سکاکی	م ۶۲۶ھ
۱۷	منطق	صغریٰ وکبریٰ	میر سید شریف جرجانی	م ۸۱۶ھ
۱۸		ایسا غوجی	اثیر الدین ابہری	م ۶۶۱ھ
۱۹		شرح تہذیب تفتازانی	عبداللہ یزدی	م ۹۸۱ھ

۲۰		شرح شمسیہ (قطبی)	قطب الدین رازی	م ۸۶۶ھ
۲۱		سلم العلوم	محب اللہ بہاری	م ۱۱۹۹ھ
۲۲		رسالہ میر زاہد	میر محمد زاہد ہروی	م ۱۱۰۱ھ
۲۳	فلسفہ	شرح میبذی	میر حسین میبذی	م ۱۰۹۶ھ
۲۴		صدرا	محمد بن ابراہیم صدر الدین	م ۱۰۵۰ھ
۲۵		شمس بازغہ	ملا محمود جونپوری	۱۰۶۲ھ
۲۶	ادب عربی	مقامات حریری	ابو محمد قاسم بن علی حریری	م۵۱۶ھ
۲۷		دیوان متنبی	احمد بن حسین ابو الطیب	۳۰۰ھ
۲۸		دیوان حماسہ	ابو تمام طائی	۲۳۲ھ
۲۹		سبعہ معلقہ	زمانے کے مشہور شعراء	
۳۰	تاریخ	تاریخ الخلفاء	علامہ جلال الدین سیوطی	م۹۸۱ھ
۳۱		تاریخ ابی الفداء	ابو الفداء حموی	م ۷۳۱ھ
۳۲	عقائد و کلام	شرح عقائد نسفی	سعد الدین تفتازانی	م ۷۹۲ھ
۳۳		مسامرہ	کمال الدین ابن ہمام	م ۹۰۵ھ
۳۴		خیالی	شمس الدین خیالی	۸۷۰ھ
۳۵	طب	الموجز	ابو الحسن ابن النفیس	م ۶۸۷ھ
۳۶		قانونچہ	محمد بن عمر چغمینی	م۸ھ
۳۷		حمیات القانون	شیخ بو علی ابن سینا	۴۲۷ھ
۳۸		شرح الاسباب	[illegible] نفیس بن عوض کرمانی	۸۲۷ھ

۳۹	ہیئت	التصریح	امام الدین بن لطف اللہ	م ۱۱۴۵ھ
۴۰		شرح چغمینی	موسیٰ بن محمود قاضی زادہ	م ۸۱۴ھ
۴۱	ہندسہ	بست باب	نصیر الدین محقق طوسی	م ۶۷۲ھ
۴۲		اقلیدس	ابوالحسن ثابت بن قرۃ	۲۸۹ھ
۴۳	مناظرہ	رسالہ رشیدیہ	شمس الحق بن شیخ عبدالرشید	م ۱۰۸۰ھ
۴۴	فقہ	نورالایضاح	حسن ابن علی شرنبلالیؒ	م ۱۱۹۶ھ
۴۵		مختصر القدوری	ابوالحسن قدوریؒ	م ۴۲۸ھ
۴۶		کنزالدقائق	ابوالبرکات نسفیؒ	م ۲۷۰ھ
۴۷		شرح وقایہ	عبیداللہ بن مسعودؒ	م ۵۴۳ھ
۴۸		ہدایہ	برہان الدین علی مرغینانیؒ	م ۵۷۳ھ
۴۹	اُصول فقہ	اُصول شاشی	نظام الدین شاشیؒ	م ۷۸۴ھ
۵۰		نورالانوار شرح المنار	شیخ احمد ملا جیونؒ	م ۱۱۰۵
۵۱		مختصر الحسامی	حسام الدین محمد بن محمد بن عمرؒ	۶۴۴ھ
۵۲		التوضیح	عبیداللہ بن مسعودؒ	۵۴۳ھ
۵۳		التلویح	سعد الدین تفتازانیؒ	۷۹۲ھ
۵۴		مسلم الثبوت	محب اللہ بہاریؒ	۱۱۱۹ھ
۵۵	میراث (فرائض)	مختصر السراجی	سراج الدین سجاوندیؒ	معلوم نہیں
۵۶		شریفیہ	سید شریف جرجانیؒ	م ۸۱۶ھ
۵۷	اصول حدیث	شرح نخبۃ الفکر	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	م ۸۵۲ھ

نمبر	فن	کتاب	مصنف	وفات
۵۸	حدیث	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین عراقی	
۵۹	حدیث	جامع البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری	م ۲۵۶ھ
۶۰		صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری	م ۲۶۱ھ
۶۱		جامع ترمذی	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی	م ۲۷۹ھ
۶۲		سنن ابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	م ۲۷۵ھ
۶۳		سنن نسائی	امام احمد بن شعیب نسائی	م ۳۰۶ھ
۶۴		سنن ابن ماجہ	امام ابوعبداللہ محمد بن ماجہ	م ۲۷۳ھ
۶۵		کتاب الشمائل	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی	م ۲۷۹ھ
۶۶		شرح معانی الآثار	امام ابوجعفر طحاوی	م ۳۲۱ھ
۶۷		الموطاء	امام مالک بن انس	م ۱۷۹ھ
۶۸		الموطاء	امام محمد بن حسن شیبانی	م ھ
۶۹	تفسیر	تفسیر جلالین شریف	جلال الدین سیوطی وجلال الدین محلی	م ۹۸۱ھ ۹ھ
۷۰		انوار التنزیل	عبداللہ بن عمر بیضاوی	م ۷۱۲ھ
۷۱		مدارک التنزیل	امام نجم الدین عمر نسفی	م ۷۵۳ھ
۷۲	اصول تفسیر	الفوز الکبیر فی اصول التفسیر	امام شاہ ولی اللہ دہلوی	م ۱۱۷۶ھ

(ہمارا تعلیمی نظام: ص ۱۷۱تا۱۷۳)

دارالعلوم دیوبند میں درس نظامی کے بنائے گئے درجات کی تفصیل

اسی درس نظامی کے دارالعلوم دیوبند میں گیارہ درجات بنائے گئے جن کو گیارہ سالوں پر تقسیم کیا گیا۔ مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ "تاریخ دار العلوم دیوبند" میں فرماتے ہیں:

"دارالعلوم میں درجہ بندی نہیں ہے، بلکہ درجات عربیہ کے پورے نصاب کو گیارہ سال پر تقسیم کر دیا گیا ہے، ایک سال کی مقررہ کتابیں ختم کرنے کے بعد طالب علم دوسرے سال کی مقررہ کتابوں کو پڑھتا ہے، البتہ اس میں فنون وکتب کی ترتیب پیش نظر رکھی گئی ہے تاکہ تمام علوم وفنون ایک خاص تناسب اور ترتیب کے ساتھ اول سے آخر تک زیر تعلیم آتے رہیں اور طالب علم کو تمام علوم کے ساتھ بیک وقت تدریجی مناسبت پیدا ہوتی رہے جیسا کہ ذیل کے سال وار مرتب نصاب سے واضح ہے۔

سال اول	☆صرف (میزان الصرف، منشعب، پنج گنج، علم الصیغہ) ☆نحو (نحو میر، شرح مائۃ عامل) ☆عربی ادب (مفید الطالبین) ☆منطق (صغریٰ، کبریٰ)
سال دوم	☆صرف (فصول اکبری تا بحث مخارج، مراح الارواح) ☆نحو (ہدایۃ النحو کامل، کافیہ کامل) ☆عربی ادب (نفحۃ الیمن دو باب، تحریر عربی) ☆منطق (مرقات، شرح تہذیب تا ضابطہ) ☆فقہ (نور الایضاح، قدوری)

سال سوم	☆نحو (شرح جامی، بحث فعل وحرف وبحث اسم تامنہیات) ☆عربی ادب (نفحۃ العرب، تحریر عربی) ☆منطق (قطبی تصدیقات تا تشکلات) ☆فلسفہ (ہدیہ سعیدیہ) ☆فقہ (کنزالدقائق) ☆اصول فقہ (اصول الشاشی)
سال چہارم	☆علم معانی وبیان (مختصر المعانی فن اول وثانی، تلخیص المفتاح تمام) ☆منطق (قطبی تصورات تمام، میر قطبی تا مفہوم) ☆فقہ (شرح وقایہ تا ختم کتاب العتاق) ☆اصول فقہ (نورالانوار تا باب القیاس) ☆تفسیر (ترجمہ قرآن شریف اول پندرہ پارے) ☆تجوید وقرأۃ (مشق پارۂ عم مع فوائد مکیہ)
سال پنجم	☆عربی ادب (مقامات حریری ۲۰ مقامے، انشاء عربی) ☆منطق (سلم العلوم) ☆فقہ (ہدایہ اولین کامل) ☆تفسیر (ترجمہ قرآن شریف آخری پندرہ پارے)
سال ششم	☆تفسیر (جلالین شریف تمام) ☆اصول تفسیر (الفوز الکبیر تمام) ☆منطق (ملاحسن تا بحث جنس) ☆فلسفہ (میبذی تمام) ☆علم کلام (مسامرہ تمام، شرح عقائد نسفی تمام) ☆علم الفرائض (سراجی) ☆اصول افتاء (رسم المفتی)
سال ہفتم	☆فقہ (ہدایہ اخیرین تمام) ☆تفسیر (بیضاوی: سورہ بقرہ 1¼ پارہ) ☆حدیث (مشکوٰۃ شریف تمام) ☆اصول حدیث (شرح نخبۃ الفکر تمام) ☆اصول فقہ (توضیح تلویح تا بحث حقیقت ومجاز) ☆ہیئت (تصریح تمام)

سال ہشتم دورۂ حدیث	☆ حدیث (نسائی، ابن ماجہ، ترمذی شریف، بخاری شریف، ابوداؤد شریف، مسلم شریف، شمائل ترمذی)
سال نہم دورۂ تفسیر	☆ حدیث (طحاوی شریف، مؤطا امام مالکؒ، مؤطا امام محمدؒ) ☆ تفسیر (بیضاوی شریف، ثلث اول: از ربع ثانی پارہ سیقول تا سورۂ مائدہ۔ بیضاوی شریف، ثلث دوم: از سورۂ یونس تا سورۂ مریم۔ بیضاوی شریف، ثلث ثالث: از سورۂ ق تا ختم قرآن شریف) (ابن کثیر، ثلث اول: از سورۂ آل عمران تا سورۂ یونس۔ ابن کثیر، ثلث ثانی: از سورۂ رعد تا سورۂ روم۔ ابن کثیر، ثلث ثالث: از سورۂ روم تا سورۂ صف)
درجۂ تکمیل سال اوّل	☆ ادب عربی (دیوان حماسہ: باب الحماسہ و باب المراثی، دیوان متنبی: تا قافیہ عین، سبعہ معلقہ: دو معلقہ) ☆ عروض و قوافی (تعلیقۃ الدائرۃ) ☆ علم المعانی (مطول: تا بحث ما انا قلت) ☆ مناظرہ (رشیدیہ) ☆ منطق (میر زاہد رسالہ: تمام، میر زاہد ملا جلال: تا بحث موضوع) ☆ فلسفہ (صدرا: دو فصل، شمس بازغہ: تا بحث اتفاق) ☆ ہیئت: (شرح چغمینی: تا فصل رابع سبع شداد، بست باب: تمام)
درجہ تکمیل سال دوم	☆ اصول فقہ (مسلم الثبوت) ☆ ریاضی (خلاصۃ الحساب اقلیدس) ☆ منطق (حمد اللہ: تا شرطیات، قاضی مبارک: تا ختم امہات المطالب) ☆ علم کلام (خیالی: تا احوال برزخ، امور عامہ: تا بحث وجود ذہنی، جلالی: تا ختم صفات) ☆ حکمت شرعیہ (عوارف المعارف، حجۃ اللہ البالغہ: قسم اوّل)

(تاریخ دارالعلوم دیوبند: ص ۲۴۳تا۲۴۷)

عصری تعلیم کے اسلام کش اثرات

جس طرح یہود ونصاریٰ نے ہم پر یلغار شروع کی ہے۔ مسلم آبادی کو ملیامیٹ کیا جارہا ہے۔ ہر طرف سے مسلمانوں کی چیخوں کی آوازیں آرہی ہیں، اسی طرح ہمارے اوپر اپنے نظام تعلیم کو بھی مسلط کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے ارادوں تک پہنچ گئے۔ ان کے ارادے کیا تھے؟ آیئے! لارڈ میکالے کی زبانی سنیے:

''ہم فی الحال اپنے محدود ذرائع کے ساتھ سب لوگوں کی تعلیم کا بندوبست نہیں کرسکتے۔ ہمیں اس وقت بس ایک طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہیے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض سرانجام دے سکے، جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں۔ ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر ذوق، طرز فکر، اخلاق اور فہم وفراست کے نقطۂ نظر سے انگریز۔ پھر اس کام کی ذمہ داری اس طبقے پر چھوڑ دیں کہ وہ اس ملک کی بولیوں کو سنوارے، مغربی علوم سے سائنسی اصطلاحات لے کر ان زبانوں کو مالا مال کرے اور آہستہ آہستہ انہیں اس قابل بنائے کہ ان کے ذریعہ ملک کی آبادی کو تعلیم دی جاسکے۔''

(میکالے کا نظریہ تعلیم مترجمہ عبدالحمید صدیقی، ص:۶۹)

انگریز کی جو کوشش تھی اس میں وہ کامیاب ہوگئے۔ یہی وجہ ہے آج کل ہمارا معاشرہ مسلم معاشرہ کہلاتا ہے لیکن طرز زندگی اور رسم ورواج کے لحاظ سے یہود ونصاریٰ کے قدم بقدم چلتا ہے۔ اس موضوع پر ''معارف الکافیہ وعوارف الجامی'' کی ابتداء اور ''مغربیت اور صراط مستقیم'' میں تفصیلاً ذکر موجود ہے۔ من شاء فلیرجع الیہما۔

قدیم نصاب کی افادیت کا ذکر

مسلمان اگر ایک طرف اغیار کی طرف سے اس ظلم عظیم کے شکار ہے تو دوسری طرف مسلمانوں ہی میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو دینی علوم کو ہر لحاظ سے کمزور کررہے ہیں۔

درسِ نظامی میں (جو ہماری تعلیمی نظام کا محور تھا اور جس کو ہمارے علمی آباؤ اجداد نے کتنی سوچ وفکر سے بنایا تھا) بعض لوگ خامیاں ڈھونڈنے لگے جس کی وجہ سے اس ٹھوس، مضبوط اور مؤثر نصاب میں سے بہت ہی اہم اور مفید کتابوں کو خارج کیا جانے لگا۔ حالانکہ یہی وہ نصاب ہے جس نے ہمیں ماضی قریب میں حضرت شاہ ولی اللہ، بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی، قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی، محدث العصر مولانا انور شاہ کشمیری، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، ماہر معقولات ومنقولات مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، شیخ العلوم العقلیہ والنقلیہ مولانا رسول خان، استاد دارالعلوم دیوبند بانی ومہتمم جامعہ حقانیہ محدث کبیر عارف باللہ مولانا شیخ عبدالحق اکوڑہ خٹک استاذ الکتب العلیا دارالعلوم دیوبند مولانا نافع گل صاحب، برکۃ العصر مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی، محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری، مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع دیوبندی رحمہم اللہ اور قد یوجد فی الجبال جبال العلوم کے تحت امام معقولات مولانا خان بہادر مارتونگی، ماہر معقولات مولانا محمد نذیر چکیسری، محدث کبیر مولانا واستاذنا فضل محمد سواتی درتھیلوی، شیخ الحدیث مولانا واستاذنا عبدالرحمان سواتی المعروف بیر تھانہ بابا، ومولانا واستاذنا شیخ الحدیث بہرہ مند سواتی کوروی، المجتہد فی علوم المنطق والحکمۃ والکلام مولانا واستاذنا مولانا عنایت اللہ چکیسری رحمہم اللہ، بیک وقت میدان سیاست کے شہسوار بخاری وترمذی کے استاد جامعہ حقانیہ کے مدیر اعلیٰ مولانا سمیع الحق، اور مفتی علی الاطلاق مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی اوران جیسی عظیم ہستیاں دیں، جنہوں نے تشنگان علوم کو سیراب کیا اور علم کے ہر میدان میں وہ لافانی کارنامے سرانجام دیے جن کو دیکھ کر ساری دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض مقتدیانِ دین اپنے پاؤں کو خود کاٹنے لگے اور درس نظامی جو محور علوم تھا اور ہمارے آباؤ اجداد کے عقول کا نچوڑ تھا کے پیچھے لگ گئے اور کتابوں پہ کتابیں نکالتے گئے حتی کہ درسِ نظامی نصف

ہوکر رہ گیا۔

نکالے گئے بعض کتابوں کا تعارف واہمیت:

پھر علمائے دیوبند سے نسبت رکھنے والے بڑے ادارے نے تو رہی سہی کسر پوری کر کے سلم العلوم، میبذی، مطول اور شرح عقائد کو بھی ماضی قریب میں نصاب سے خارج کر دیا، حالانکہ سلم العلوم تو فن منطق کی جامع ترین کتاب ہے جس میں مؤلف نے مسائل فن کو نہایت دلکش انداز میں جمع کیا ہے جس کے حل کے لیے بہت ساری شروح اور حواشی لکھے گئے ہیں۔ چونکہ یہ کتاب متن ہے اور مشہور متون کے بعد لکھی گئی ہے اس لیے انہوں نے مصطلحات منطقیہ کی ایسی جامع ومانع تعریفیں کی ہیں کہ بہت کم اس پر کوئی اعتراض کر سکتا ہے۔ بعض مسائل پر "وھھنا مباحث" جیسے عنوان قائم کر کے اس کے ہر پہلو سے بحث کی گئی ہے اور اس میں تمام اشکالات اور نزاعی مباحث کا احاطہ کیا گیا ہے۔ محب اللہ بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے سلم العلوم کے دیباچہ میں لکھا ہے:

"میری خواہش ہے کہ سلم، درسی کتابوں میں اس طرح چمکے جیسے ستاروں میں سورج"۔

علامہ بہاری کے متعلق صاحب منجد لکھتے ہے محب اللہ بن عبد الشکور کوفی (۱۷۰۷) ولد فی بہار (الهند) قاضی قضاة المغل وعالم۔ من مؤلفاته "سلم العلوم" فی المنطق و"مسلم الثبوت" فی أصول الفقه الحنفی۔ ویتداولهما طلاب المعاهد الدينية فی الهند وباکستان۔

آپ نے سنا ایک عیسائی مصنف سلم العلوم کے متعلق گواہی دے رہا ہے کہ یہ کتاب ہندو پاک کے مدارس میں ہاتوں ہاتھ لیا جارہا تھا مگر اب کیا ایسا ہے؟ علم وعرفان کے حاملین چلے گئے اور مے علم کے میخانے خاموش ہو گئے۔

رفتم واز رفتن ما عالمے تاریک شد من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

میبذی، علم حکمت کی معروف کتاب ہے جو [illegible] یگانہ روزگار شخصیت کی

تالیف ہے جو ہدایۃ الحکمۃ کی شرح ہے۔اس فن کے جاننے کے لیے اہل علم کے پاس اس متن اور شرح کے علاوہ کوئی متداول کتاب نہیں ہے۔ اس کی دیگر خصوصیات کے علاوہ ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ علامہ میبذی متن کے مسائل کی تشریح کرتے ہوئے ان مسائل (جو خلاف عقائد اسلام ہیں) پر اعتراض کرتے ہیں اور اس کا جواب نہیں دیتے۔

مطول (جو صرف "منا انا قلت" تک درسِ نظامی میں داخل ہے) تلخیص المفتاح کی بے مثل شرح ہے۔علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے اس شرح کو مختصر المعانی سے پہلے لکھا تھا لیکن طویل ہونے کی وجہ سے دوسری شرح کے لکھنے کو ضروری سمجھا، جیسا کہ مختصر المعانی کے خطبہ سے واضح ہے۔مطول چونکہ علم بلاغت کے رموز، نکات کے اظہار، حسنِ بیان اور عبارت کے بہترین اسلوب میں اپنی مثال آپ ہے، اس لیے نصاب مرتب کرتے وقت علمائے کرام نے اس کو ان تمام خوبیوں سے بھرپور پا کر نصاب کا حصہ بنا دیا۔اب اس بیش بہا خزانہ کو نصاب سے خارج کر کے طالب علموں کو گویا ایک بہت بڑے علمی ذخیرہ سے محروم کر دیا گیا۔

فالی اللّٰہ المشتکی.

سابقہ اور موجودہ نصابوں کے درمیان تقابلی جائزہ

یہ بات یاد رکھنی چاہئے مدارس کے اندر طلبہ کرام کے پڑھنے کے لیے جو نصاب رکھا جاتا ہے۔اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کرام تمام علوم میں پختہ استعداد حاصل کر لیں تاکہ ہر فن کے اصطلاحات اور اس میں تصنیف شدہ کوئی بھی کتاب بآسانی سمجھ سکیں۔اور یہ بات واضح ہے کہ یہ پختہ استعداد آسان کتاب کی بہ نسبت مشکل کتاب سے زیادہ حاصل ہوتی ہے۔کیونکہ اس کے اندر محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے۔اور ذہن اس کے اندر زیادہ استعمال ہوتا ہے۔پھر یہ علوم وفنون علوم آلیہ ہیں ان کے صحیح طریقے سے حاصل کرنے کا مقصد یہی ہے کہ علوم شرعیہ عالیہ کو سمجھا جا سکے۔کلام الہٰی کی صحیح سمجھ بوجھ اور سنت نبویہ علی صاحبہا الف الف سلام وتحیۃ کا صحیح علم حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔لہٰذا نصاب کی ترتیب ایسی

ہونی چاہئے کہ ابتدائی درجات میں درجہ موقوف علیہ تک صرف ایسی کتابوں کو رکھا جائے جو استعداد دینے والی ہو۔اور ایسی کتاب جو کہ طالب علم خود مطالعہ کر کے سمجھ سکتا ہے اس کو نصاب میں شامل نہ کیا جائے۔اور نہ ہی کسی درجے کے اندر ایک فن کے متعدد کتابیں رکھ کر طالب علم کو پریشان کیا جائے۔اور اس پر زیادہ بوجھ ڈالا جائے۔درجہ اعدادیہ میں صرف،نحو،عربی اور فارسی کے قواعد کی کتابیں شامل کی جائیں۔

صرف	نحو	عربی	فارسی
میزان الصرف، منشعب،صرف میر، ارشاد الصرف	نحو میر	طریقہ جدیدہ	فارسی قاعدہ، کریما، پند نامہ

پھر اسکے بعد درجہ اولیٰ میں مندرجہ ذیل کتابیں ہونا چاہئے جیسا کہ سابقہ نصاب میں تھیں۔

نحو	علم الصرف	منطق	فقہ	ادب عربی
شرح مائۃ عامل شمہ	پنج گنج، زرادی،زنجانی	صغریٰ،کبریٰ	نورالایضاح	طریقہ جدیدہ دوم

نصاب جدید میں اول تو اس ترتیب سے درجہ اعدادیہ ہے ہی نہیں اور درجہ اولیٰ میں بعض غیر ضروری کتابوں کو شامل کیا گیا ہے۔اور ابتدائی درجہ اعدادیہ اور درجہ اولیٰ کو مخلوط کیا گیا ہے۔درجہ اولیٰ میں نحو میر بھی اور طریقہ عصریہ بھی جو کہ عربیت سیکھنے کی ابتدائی کتابیں ہیں گویا اس میں طالب علم عربیت کے حروف ہجاء سیکھتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ شرح مائۃ عامل اور نورالایضاح بھی شامل کیا گیا ہے جو کہ ایک ابتدائی طالب علم کے استعداد کے بالکل بھی مناسب نہیں شرح مائۃ عامل تو عوامل پر لکھی انتہائی ٹھوس کتاب ہے جس کو سمجھنا ابتدائی طالب علم کا کام نہیں اور نورالایضاح عربی میں ہے اس کی عبارت پڑھنا، سمجھنا مطلب نکالنا ابتدائی

طالب علم کیسے کرسکتا ہے۔درجہ ثانیہ میں یہ کتابیں شامل کی جائیں تو مناسب ہیں۔

علم النحو	علم الصرف	علم المنطق	علم الفقہ	ادب عربی
ہدایۃ النحو	دستور المبتدی، مراح الارواح	مرقاۃ، قال اقول	قدوری	نفحۃ الیمن یا کوئی اور ادبی کتاب

ھدایۃ النحو کی افادیت سے ہر کوئی واقف ہے۔دستوری المبتدی سوال وجواب کی شکل میں علم الصرف کی انتہائی بہترین کتاب ہے اسکے ساتھ اور تھوڑی مدت میں ختم بھی ہوجاتی ہے۔اسکے بعد مراح الاوراح ہوجو کہ عربی زبان میں علم الصرف کی مفید کتاب ہے۔منطق میں مرقاۃ اس درجہ میں اگر محنت سے پڑھائی جائے تو کافی ہوجاتی ہے۔اگر ایک ایک مرتبہ ختم ہوجائے اور سال کا کچھ حصہ باقی ہوتو دوبارہ شروع کردی جائے۔

یہاں درجہ ثانیہ میں مرقاۃ سے پہلے تیسر المنطق اور ایساغوجی رکھی گئی ہے۔مرقاۃ محنت اور لگن سے پڑھائی جائے تو ان دو کتابوں کی ضرورت نہیں رہی۔اور طالب علم پر یہ دونوں کتابیں بوجھ بھی نہ ہونگی۔نیز تیسر المنطق میں مسائل منطق اس طرح موجود نہیں جس طرح کے اور منطق کے ابتدائی کتابوں میں مثلا اور کتابوں میں تصور اور تصدیق کی خاص تعریفیں موجود ہیں اور تیسیر المنطق میں ان کی تعریفیں موجود نہیں۔

درجہ ثالثہ:۔

نحو	صرف	اصول فقہ	ادب	منطق	فقہ
کافیہ	فصول اکبری	اصول شاشی	نفحۃ العرب	شرح تہذیب	کنز الدقائق

کافیہ کے افادیت کے بارے میں تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں اگر چہ بعض لوگ اب اس کی افادیت سے بھی منکر ہورہے ہیں۔اور فصول اکبری تو علم الصرف کی اعلیٰ ترین کتاب ہے۔علم الصرف میں ارشاد الصرف او [illegible] کے اندر تو صرف ابتدائی باتیں

ہیں۔ باقی صرف کے مسائل عالیہ فصول اکبری کے اندر طالب علم سیکھتا ہے۔

نصاب وفاقی میں علم الصرف تو بس علم الصیغہ پہ ختم ہو جاتا ہے جیسے علم الصیغہ علم الصرف کا کامل ومکمل فتاوٰی ہے۔ اور صرف کے سارے کے سارے مسائل اس کے اندر سمائے ہوئے ہیں۔ علم الصرف کے مسائل ایسے ہیں جس کی طالب علم کو اشد ضرورت ہے مثلاً جموع التکسیر کے قواعد۔ نسبت کے قواعد، تصغیر کے قواعد تفصیلی طور پر انکا علم الصیغہ میں نام ونشان ہی نہیں۔ آخر علم الصرف کی انتہاء بس علم الصیغہ پر کیوں کی گئی ہے چلو منطق وفلسفہ تو گنہگار اور گمراہ کن علوم ہیں ان کے بقول اس کو تو ختم کر دیا یا ختم کرنے کی قریب کر دیا تو علم الصرف نے کیا گناہ کیا ہے۔ کیا فصول اکبری میں بھی منطق نظر آئی یا شافیہ کے اندر بھی فلسفہ نظر آیا کہ اپنے نصاب کو ان کتابوں سے بالکل ہی صاف کر دیا۔ آخر یہ کونسی سوچ ہے جو اس راہ پر لے جا رہی ہے۔

درجہ رابعہ:۔

نحو	صرف	اصول فقہ	ادب	منطق	فقہ	بلاغت
شرح جامی	شافیہ	نورالانوار	مقامات حریری	قطبی	شرح وقایہ	تلخیص

موجودہ وفاقی نصاب کے درجہ رابعہ میں علم الصرف کی کوئی کتاب نہیں، شافیہ جیسی ٹھوس اور مفید ترین کتاب اسی درجہ کے لئے مناسب ہے۔ شرح جامی کا تو بڑا حشر کیا گیا ہے مقدمہ جو باقی کتاب کے لیے موقوف علیہ کے درجہ میں ہے منطق کی چند اصطلاحات کو بہانہ بنا کر اسے نصاب سے خارج کر دیا گیا ہے،۔ اور باقی کتاب کا بھی صرف حصہ معرب ہی برقرار باقی مبنی بھی نصاب میں داخل نہیں ہے، اور تلخیص المفتاح جیسی کتاب کی جگہ دروس البلاغہ داخل نصاب میں ہے حالانکہ دروس البلاغہ میں بلاغت کے مسائل اتنے سادہ اور آسان انداز میں ہیں جن کو ایک طالب علم با آسانی حل کر سکتا ہے۔ تلخیص المفتاح ایک

ٹھوس اور مشکل کتاب ہے اس کو حل کرنے اور سمجھنے میں محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے اور یہی شئے استعداد بخشتی ہے۔ یہی کتاب اسی درجہ کے لیے مناسب ہے۔

درجہ خامسہ :۔

بلاغت	اصول فقہ	فقہ	منطق	ادب	فلسفہ
مختصر المعانی	حسامی	ہدایہ (اول)	سلم العلوم	سبع المعلقات یا متنبی	ہدایۃ الحکمت

درجہ خامسہ سے سلم العلوم جیسی اہم کتاب خارج کردی گئی ہے حالانکہ سلم العلوم کی افادیت تو مجمع علیہ ہے، اسکی مغلقات عبارات کو حل کر کے اور سمجھ کر طالب علم کی استعداد میں کافی حد تک اضافہ ہوتا ہے۔ ہم نے پہلے بھی کہاں تھا کہ فنون کی یہ کتابیں استعداد پیدا کرنے کیلئے ہوتی ہے۔ اور ان تمام علوم کے پڑھنے سے مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث کو صحیح طریقے سے سمجھا جائے، اس لئے ان درجات میں قوانین اور استعداد پیدا کرنے والے کتابوں پر اکتفاء کرنا چاہیے حدیث کی کوئی کتاب نہیں رکھنی چاہئے موقوف علیہ سے احادیث نبویہ کو بہ خوبی سمجھ سکتا ہے۔

فقہی اختلافات اور انکے تفصیلی دلائل ترمذی شریف اور ابوداود شریف میں ایک طالب علم سیکھ لیتا ہے۔ اس لئے ان درجات میں حدیث کی کوئی کتاب شامل کر کے طالب علم استعداد کی کتابوں میں زیادہ محنت کرنے سے محروم نہ کیا جائے،

درجہ سادسہ :۔

علم کلام	فقہ	اصول فقہ	ادب	بلاغت	عروض	منطق
شرح عقائد	ھدایہ ثانی	توضیح تلویح	دیوان حماسہ	مطول	متن الکافی محیط الدائرہ	ملاحسن

تفسیر جلالین مقاصد میں سے ہے لہٰذا اسے موقوف علیہ میں رکھنا مناسب ہے۔

اور مسند امام اعظم حدیث کی کتاب ہے۔ مشکوۃ دورۃ حدیث میں اور بقیہ کتب احادیث دورۃ

کبریٰ میں پڑھنے کے بعد مسند امام اعظم خود بخود حل ہو جاتا ہے۔اور اختلافی مسائل اور مذہب حنفی کی ترجیحات اور بظاہر متعارض احادیث کے درمیان تطبیق اور دوسرے مذاہب کے دلائل کے جوابات اسی دورۂ کبریٰ میں پڑھائے جاتے ہیں۔جیسے کہ ہم پہلے بھی بات عرض کر چکے ہیں۔کہ عقیدۂ طحاویہ اور شرح عقائد ایک ہی مضمون کی مکرر کتابیں ہے۔اس لیے عقیدۂ طحاوی کی ضرورت نہیں، پہلے ہی درجہ سادسہ میں کافی کتابیں ہیں اس کو نصاب سے ہٹایا جائے علم العروض والقوافی جو کہ علوم ادبیہ میں ایک اہم اور ضروری علم ہے۔اور طالب علم کے اندر کافی حد تک ذوق پیدا کرتی ہے۔اس کا نصاب میں 11 صفحات پر مشتمل ایک چھوٹا سا قاعدہ شامل ہے۔جو چند ایام میں ختم ہو جاتا ہے۔اسکے ساتھ اس فن کی ایک تفصیلی کتاب عروض المفتاح یا محیط الدائرہ شامل کرنا انتہائی ضروری ہے۔خیر الاصول بھی فن حدیث سے متعلق کتاب ہے۔اس درجے میں مناسب نہیں اور الفوز الکبیر تو جلالین کے تابع ہے۔ان متعدد چھوٹے چھوٹے رسائل کو ہٹا کر اگر علامہ تفتازانیؒ کی مایہ ناز کتاب مطول شامل کر لی جائے تو اس سے طالب علم کو کافی استعداد حاصل ہوگی۔

پھر درجہ سادسہ کے بعد تکمیل کے لیے دو سال دیئے جائیں جن میں مندرجہ ذیل کتابوں کو ترتیب وار رکھا جائے۔

تکمیل سال اول:۔

مسلم الثبوت	میرزاہد، ملا جلال	مرزاقطبی غلام یحییٰ	مولوی یعقوب	میبذی	شرح العقائد عضدی	اقلیدس بیس باب

تکمیل سال دوم:۔

قاضی اول وثانی	خلاصۃ الحساب سبعہ شداد	حمداللہ اول وثانی	خیالی	تصریح شرح چغمنی	امور عامہ	شمس بازغہ شرح اشارات

درجہ موقوف علیہ:۔

تفسیر	حدیث	فقہ	اصول حدیث	فقہ	تفسیر
بیضاوی	مشکوٰۃ اول وثانی	ہدایہ ثالث	شرح نخبۃ الفکر	ہدایہ رابعہ	جلالین

موجودہ نصاب میں التبیان بھی داخل درس ہے۔اور سالانہ امتحان میں اسکو جگہ دی گئی ہے حالانکہ تبیان اتنی عام اور آسان کتاب ہے کہ درجہ موقوف علیہ کا ایک طالب علم اسے اپنے مطالعہ سے با آسانی حل کرسکتا ہے۔

اس کے بعد دورۂ حدیث ہو:۔

اب نصاب موجودہ اور سابقہ نصاب کا مقابلہ اور موازنہ فرما کر خود فیصلہ کیجئے کہ مقصد تک پہنچنے سے پہلے کونسا نصاب زیادہ مفید اور کارآمد ہے۔ایسی بے شمار کتابیں اور فنون جن کو ہمارے اکابر نے ضروری سمجھ کر داخل درس کیا تھا وہ موجودہ نصاب سے خارج کردی گئی ہیں اور اس کی جگہ ایسی ایسی کتابیں شامل کی گئی ہیں جن سے مقصود یعنی استعداد حاصل نہیں ہوتا وہ یا تو اردو میں ہیں یا اگر عربی میں بھی ہیں تو اتنی آسان ہیں کہ ان کو سمجھنے اور حل کرنے میں ذرا بھی مشقت اٹھانی نہیں پڑتی۔ایسی کتاب استعداد تو سرے سے پیدا کرتی ہی نہیں بلکہ الٹا طالب علم کے اندر سستی پیدا کرتی ہے۔

یہ لوگ ان مفید کتابوں کو نصاب سے نکالنے کے لیے بہانہ کرتے ہیں۔کہ اب طلباء کی وہ استعداد نہیں رہی کہ ان مشکل کتابوں کو پڑھ سکیں۔ان کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ ہم کونسے ہزاروں سال پرانے نصاب کی بات کررہے ہیں۔موجودہ نصاب کا ابتدائی نصاب دیکھ لیجئے اس میں یہ سب کتابیں شامل ہیں۔اور علمائے دیوبند کو گزرے ہوئے کونسی صدیاں گزر گئی اس صدی کے ہی تو لوگ ہیں۔کیا چند ہی سالوں میں استعدادات میں اتنا فرق آگیا کہ ان کی پڑھی ہوئی کتابیں آج طالب علم نہیں پڑھ سکتا ہے۔

غیروں کے استعداد نے اتنی ترقی کر لی کہ لوہے کو ہوا میں اڑانے لگے اور چاند پر چڑھ گئے اور ہمارے پاس اتنی استعداد بھی باقی نہیں رہی کہ اپنے اکابر کے ورثہ کو باقی رکھ سکیں آخر علمائے دیوبند کے منتخب نصاب میں کون سی خرابی اور کمزوری ہے کہ آپ اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور اس کو مختلف طریقوں سے مٹا رہے ہیں۔ کیا اس نصاب کے اندر یہ خرابی تھی کہ اس نے قاسم نانوتوی شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی، شیخ الاسلام حسین احمد مدنی، علامہ شبیر احمد عثانی، علامہ شاہ انور شاہ کشمیریؒ جیسے افراد پیدا کئے۔

کیا اس نصاب کے اندر یہ خرابی تھی کہ اس نے ہر میدان میں اسلام کے لیے لڑنے مناظر، مجاہد اور بے مثل مصنف اور مدرس پیدا کئے۔ اگر اس نصاب میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ تو کیوں اس کے اندر مختلف طریقوں سے تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔

ہماری عاجزانہ التماس یہ ہے کہ تمام علوم وفنون کی ٹھوس کتابوں پر مشتمل اس نصاب کو دوبارہ بحال کیا جائے۔ (واللہ ھو الموفق)

﴿باب دوم﴾

علم منطق، علم حکمت اور علم کلام کی حقیقت کیا ہے؟

جن علوم کے خلاف بڑے پیمانے پر منفی پروپیگنڈہ ہو رہا ہے ان میں بڑے علوم تین ہیں: علم منطق، علم حکمت اور علم کلام۔ سب سے پہلے ان تین علوم کی حقیقت واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ نیز ہر ایک کے فوائد کا بیان بھی ضروری ہے تا کہ اصل حقائق سامنے آ کر غلط پروپیگنڈے سے کوئی متاثر نہ ہو۔ ابتداء علم منطق سے کرتے ہیں اس کے بعد علم حکمت اور پھر آخر میں علم کلام کا ذکر کریں گے۔

﴿فصل اول﴾

علم منطق کی حقیقت اور اس کے فوائد

علم منطق اور فلسفہ پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کی بنیاد بعض وہ مسائل ہیں جو

علم الہیات کا حصہ ہیں لیکن بعض کم فہم اور منطق سے ناواقف اور ناسمجھ لوگ یہی اعتراضات علم منطق پر کرتے ہیں، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ منطق سے ناواقف ہیں۔ محض بعض لوگوں کی اندھی تقلید کی بنا پر اعتراضات کر رہے ہیں؛ کیوں کہ علم منطق میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جو عقائد اسلام کے خلاف ہو بلکہ منطق میں جو مرکزی بحث ہوتی ہے وہ معرف اور حجت سے ہوتی ہے جس کی تھوڑی سی وضاحت بعد میں ذکر کی جائے گی۔ چنانچہ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأما المنطقيات فلايتعلق شيء منها بالدين نفيا ولا إثباتا بل هو النظر في الأدلة والمقاييس، وشروط مقدمات البرهان وكيفية تركيبها، وشروط الحد الصحيح وكيفيته وترتيبه، وأن العلم إما تصور: وسبيل معرفته الحد، وإما تصديق: وسبيل معرفته البرهان. وليس في هذا ماينبغي أن ينكر بل هو من جنس ماذكره المتكلمون وأهل النظر في الأدلة وإنما يفارقونهم في العبارات والاصطلاحات لابزيادة الاستقصاء في التعريفات والتشعيبات. ومثال كلامهم فيها قولهم: إذا ثبت أن كل "ا ب" لزم أن بعض "ب ا" أي إذا ثبت أن كل إنسان حيوان لزم أن بعض الحيوان إنسان، ويعبرون عن هذا بأن الموجبة الكلية تنعكس موجبة جزئية. وأي تعلق لهذا بمهمات الدين حتى يجحد وينكر، فاذا أنكر لم يحصل من إنكاره عند أهل المنطق إلا سوء الاعتقاد في عقل المنكر بل في دينه الذى يزعم أنه موقوف على هذا الإنكار". (المنقذ من الضلال، ص: ٢٤)

ترجمہ: بہر حال علم منطق میں کوئی مسئلہ بھی دین سے متعلق نفیاً پایا جاتا ہے نہ اثباتاً، بلکہ منطق تو قیاسات اور ادلہ کے طرق، دلیل کے مقدمات کی شروط، ترکیب مقدمات کی کیفیت، حد صحیح کی شروط اور اس کی ترتیب کی کیفیت میں نظر و فکر (کا نام) ہے۔ علم منطق یا تو تصور ہے اور اس کی معرفت کا ذریعہ حد ہے یا (علم منطق) تصدیق ہے اور اس کی معرفت کا

سبب برہان ہے۔ منطق میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کا انکار مناسب ہو بلکہ متکلمین اسلام اور اہل نظر نے ان علوم میں اس کو شمار کیا ہے جن کا تعلق دلیل سے ہے۔ مناطقہ، متکلمین اور اہل نظر سے عبارات اور اصطلاحات میں تو جدا ہیں مگر تعریفات اور تشبیہات میں زیادت استقصاء (کسی چیز کی غایت تک پہنچنے) میں کوئی جدائی نہیں۔ ان کے کلام کی مثال ان کا یہ قول ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ "کل اب" تو اس کے ساتھ لازماً یہ بھی ثابت ہو گا کہ "بعض ب ا" یعنی جب یہ ثابت ہوا کہ "کل انسان حیوان" تو لزوماً یہ بھی ثابت ہوا "بعض الحیوان انســـــان" مناطقہ اس کو یوں تعبیر کرتے ہیں کہ موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ آتا ہے۔ (لہٰذا مناطقہ اور متکلمین کا آپس میں صرف اصطلاحات وتعبیرات کا فرق ہے باقی تعریفات، ان کی تفریعات اور مثالوں میں دونوں متفق ہیں) ان جیسے مسائل کا مہمات دین کے ساتھ کونسا تعلق ہے کہ اس کی وجہ سے دین کو نقصان پہنچتا ہو یہاں تک کہ اس کا انکار کیا جائے۔ جب کوئی مسائل منطق کا انکار کرے گا تو اہل منطق کے نزدیک اس کے انکار سے کچھ حاصل نہ ہوگا سوائے اس کے کہ مناطقہ، منکر کی عقل کے بارے میں سوئے اعتقاد رکھیں گے بلکہ اس کے دین کے متعلق بھی سوئے اعتقاد رکھیں گے کہ اس منکر کے بزعم دین کی حفاظت اس انکار پر موقوف ہے۔

(الغرض مسائل منطقیہ کے انکار پر اہل منطق پر کوئی قدغن نہیں آئے گا، بلکہ الٹا اس منکر کی عقل پر سوء اعتقاد کا ذریعہ بنے گا۔ اور عقل کیا بلکہ اس کی دین پر سوئے اعتقاد کا ذریعہ بن جائے گا کہ یہ بے چارہ دین کی حفاظت کو انکار منطق پر موقوف سمجھتا ہے، جس کا مسائل منطقیہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں)

امام غزالی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت کی طرف ان لوگوں کو بار بار توجہ کرنی چاہیے جو علم منطق پر اعتراضات کو ایک فریضۂ دین سمجھے ہوئے ہیں اور ان کو اس سے عبرت لینی چاہیے۔

منطق کا اجمالی خاکہ

منطق کا خلاصہ پیش کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اس میں جو مسائل بیان ہوتے ہیں، ان میں آخر کون سی خرابی ہے، جس کی وجہ سے علم منطق کی مذمت بیان کی جاتی ہے۔

علم منطق کے دو حصے ہیں: ایک حصہ تصورات کا اور دوسرا حصہ تصدیقات کا۔ تصورات کا موضوع معرف اور تصدیقات کا موضوع حجت ہے۔ چونکہ تصور، تصدیق پر طبعاً مقدم ہے اس لیے علم منطق میں تصورات کو تصدیقات پر مقدم کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی پہلے تصورات کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔

بحث تصورات

ویسے تو تصورات کی بحث میں مقصود بالذات معرف ہے۔ لیکن چونکہ معرف کلیات خمسہ پر موقوف ہے کیونکہ ان ہی کلیات خمسہ سے معرف کی ترکیب ہوتی ہے اور جزئی کو معلوم اداکر کرتے ہیں اور کلی جزئی معانی کے قبیل سے ہے اور معانی کے تفہیم اور تفہم الفاظ پر موقوف ہے اس لئے بحث کلی و جزئی سے پہلے الفاظ کی بحث کی جاتی ہے، اور کلیات خمسہ کا سمجھنا الفاظ پر موقوف ہے۔ اس لیے عام طور پر کتب منطق میں معرف سے پہلے الفاظ اور کلیات خمسہ کو بیان کیا جاتا ہے۔

دلالت

بحث الفاظ سے پہلے دلالت کی بحث ہوتی ہے کیوں کہ لفظ اور معنی کے درمیان واسطہ دلالت ہے لہٰذا دلالت کی تعریف اور اس کی اقسام بیان کی جاتی ہیں۔

دلالت کی دو قسمیں ہیں: لفظیہ اور غیر لفظیہ باعتبار دال کے: پھر ان میں سے ہر کی تین قسمیں ہیں سبب دلالت کے تعین کے اعتبار سے: وضعیہ، طبعیہ اور عقلیہ۔ پس دلالت کی کل چھ قسمیں بن گئیں۔ ان میں مقصود بالذات [illegible]ت لفظیہ وضعیہ ہے؛ کیوں کہ علوم اور محاورات میں یہی دلالت معتبر ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں: مطابقی، تضمنی اور التزامی۔

لفظ اور اس کی قسمیں

مفہوم تک پہنچنے کے لیے ضرورت کی بنیاد پر لفظ سے بحث ضروری ہے اگرچہ منطق کا مقصود الفاظ نہیں ہیں۔ اس وجہ سے مفہوم سے پہلے الفاظ سے بحث کی جاتی ہے۔

لفظ کی دو قسمیں ہیں: مفرد اور مرکب: مفرد میں چند تقسیمات بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) تقسیم باعتبار استقلال معنی اور عدم استقلال معنی یا باعتبار اقتران زمان اور عدم اقتران زمان۔ اس اعتبار سے مفرد کی تین قسمیں ہیں: اسم، کلمہ اور اداۃ۔

(۲) تقسیم باعتبار وحدت معنی۔ اس اعتبار سے بھی تین قسمیں ہیں: علم، متواطی اور مشکک۔

(۳) باعتبار کثرت معنی۔ اس اعتبار سے چار قسمیں ہیں: مشترک، منقول، حقیقت اور مجاز۔

مرکب کی دو قسمیں ہیں: تام اور غیر تام۔ تام دو قسم پر ہے: خبر اور انشاء۔ اسی طرح غیر تام بھی دو قسم پر ہے: تقییدی اور غیر تقییدی۔ پھر تقییدی دو قسم پر ہے اضافی، توصیفی اور غیر تقییدی کی تین قسمیں ہیں، تعدادی صوتی، منع صرف

کلی اور جزئی

مفہوم (ما حصل في العقل) کا نفس تصور امور کثیرہ پر صادق ہونے سے مانع ہوگا یا نہیں۔ اگر مانع ہوگا تو اس کو جزئی کہتے ہیں اور اگر مانع نہیں ہے تو اس کو کلی کہتے ہیں۔

کلیات خمسہ:

چونکہ تصورات میں مقصود بالذات معرف ہے اور ہر چیز کی معرفت اس کے اجزاء کی معرفت سے ہوتی ہے اس لیے معرف کی معرفت بھی اس وقت حاصل ہو سکے گی جب اس کے اجزاء کو پہچانا جا سکے۔ معرف کے اجزاء کلیات خمسہ ہیں: جنس، فصل، نوع، خاصہ اور عرض عام۔ اس لیے ان کا پہچاننا بھی ضروری ہے۔

معرّف:

معرِّف وہ معلومات تصوریہ مرتبہ ہے جن سے ایک مجہول تصور معلوم کیا جاتا ہے جس کو معرَّف کہا جاتا ہے۔ ترتیب کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً حیوان اور ناطق معلومات تصوریہ ہیں ان کو یوں ترتیب دی جاتی ہے کہ حیوان کو بوجہ جنس ہونے کے مقدم اور ناطق کو بوجہ فصل ہونے کے مؤخر کیا جاتا ہے۔ پس مجموعہ حیوان ناطق بن جاتا ہے جو ہمیں مجہول تصور یعنی انسان تک پہنچاتا ہے یعنی انسان کی حقیقت ہمیں واضح کر دیتا ہے۔ اس میں حیوان ناطق معرِّف اور انسان معرَّف ہے۔

پھر معرف کی چار اقسام ہیں۔ وجہ حصر یہ ہے کہ معرف میں ممیز کا ہونا چونکہ ضروری ہے اس لیے ممیز یا معرَّف کی حقیقت میں داخل ہوگا (جس کو فصل کہا جاتا ہے) یا خارج (جس کو خاصہ کہا جاتا ہے) اب دیکھیں گے کہ فصل کے ساتھ جنس قریب ہے کہ نہیں۔ اگر ہے تو حد تام ہوگا مثلاً انسان کی تعریف حیوان ناطق سے ہو، اور اگر نہیں تو حدِ ناقص ہوگا جیسے انسان کی تعریف جسم ناطق سے کی جائے یا اکیلے ناطق سے کی جائے کہ دونوں صورتوں میں فصل کے ساتھ جنسِ قریب نہیں ہے۔ اسی طرح خاصہ کے ساتھ جنس قریب ہوگا یا نہیں۔ اگر ہوگا تو رسم تام ہے جیسے انسان کی تعریف حیوانِ ضاحک کے ساتھ، اگر نہیں تو رسم ناقص ہے جیسے انسان کی تعریف جسم ضاحک کے ساتھ یا اکیلے ضاحک کے ساتھ۔ اس وجہ سے کہ دونوں صورتوں میں خاصہ کے ساتھ جنسِ قریب نہیں ہے۔

منطق کے علاوہ علوم میں معرف کا تصور

چونکہ علم کی حقیقت مجہولات کو معلومات سے حاصل کرنا ہے اور تصورات میں اس کا واحد ذریعہ یہی معرِّف ہے۔ مثلاً "کلمہ" کو علی وجہ البصیرۃ اس وقت پہچانا جا سکے گا جب طالب علم یہ پہچان لے کہ لفظ جنس ہے موضع فصل اول لمعنی فصل ثانی اور مفرد فصل ثالث ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نحو کے طالب علم کو معرف اور اس کی اقسام کی پہچان کی ضرورت ہے۔

اس طرح ہر علم کے تمام مصطلحات معرفات ہی کے ذریعہ سے پہچانے جاتے ہیں۔

کتب منطق کے پہلے حصے میں معرف کی پہچان ہو جاتی ہے

اسی معرف سے ایساغوجی اور مرقات میں بحث کی جاتی ہے۔ مزید معلومات شرح تہذیب سے حاصل ہو جاتی ہیں۔ اس سے زیادہ وضاحت قطبی میں ملتی ہے۔ آخر میں سلم معرف کے مباحث کے لیے بہترین کتاب ہے، جس کی شروح میں ملاحسن اور قاضی مبارک اس کی مغلق عبارات کو حل کرنے کے لیے بہترین کتابیں ہیں۔ اس لیے ان کا پڑھنا انتہائی ضروری ہے۔

بحث تصدیقات

منطق کا دوسرا حصہ تصدیقات ہے۔ تصدیقات میں مقصود بالذات حجت اور اس کی اقسام ہیں۔ لیکن چونکہ حجت کا سمجھنا قضیہ کی تعریف، اس کی اقسام اور اس کے احکام پر موقوف ہے، اس لیے عام طور پر قضیہ کی تعریف وغیرہ کو پہلے بیان کیا جاتا ہے۔

قضیہ کی تعریف اور اقسام

قضیہ وہ مرکب ہے جو صدق اور کذب کا احتمال رکھے۔ پھر اس کی ابتداءً دو قسمیں ہیں: حملیہ اور شرطیہ۔

حملیہ میں چھ تقسیمات بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) تقسیم باعتبار ایجاب وسلب (موجبہ، سالبہ)

(۲) تقسیم باعتبار حال موضوع (شخصیہ، طبعیہ، محصورہ، مہملہ)

(۳) تقسیم باعتبار وجود موضوع در خارج وذہن (ذہنیہ، خارجیہ، حقیقیہ)

(۴) تقسیم باعتبار حرف سلب کا جزء قضیہ ہونے یا نہ ہونے کے (معدولہ، محصلہ)

(۵) تقسیم باعتبار جزئیۃ حرف السور للموضوع و المحمول (منحرفہ، وغیر منحرفہ)

(۶) تقسیم باعتبار اشتمال الجہۃ (موجہہ، مطلقہ)

پھر موجہہ کی دو قسمیں ہیں: بسیطہ اور مرکبہ۔ عام طور پر مناطقہ جن موجہات سے بحث کرتے ہیں، اس کے مطابق بسیطہ کی چھ یا آٹھ اور مرکبات کی سات قسمیں ہیں۔

بسائط یہ ہیں: ضروریہ مطلقہ، مشروطہ عامہ، وقتیہ مطلقہ، منتشرہ مطلقہ، دائمہ مطلقہ، عرفیہ عامہ، مطلقہ عامہ اور ممکنہ عامہ۔

مرکبات یہ ہیں: مشروطہ خاصہ، عرفیہ خاصہ، وقتیہ، منتشرہ، وجودیہ لا دائمہ، وجودیہ لاضروریہ، ممکنہ خاصہ۔

شرطیہ کی دو قسمیں ہیں: متصلہ اور منفصلہ۔ پھر متصلہ کی دو قسمیں ہیں: لزومیہ اور اتفاقیہ۔ اسی طرح منفصلہ کی تین قسمیں ہیں: حقیقیہ، مانعۃ الجمع اور مانعۃ الخلو۔ پھر ان تینوں میں سے ہر ایک دو قسم پر ہے عنادیہ اور اتفاقیہ۔

قضیہ کے احکام

قضیہ کے چار احکام ہیں: تناقض، عکس مستوی، عکس نقیض اور تلازم شرطیات۔

حجت کی تعریف اور اقسام:

حجت وہ معلومات تصدیقیہ ہیں جن کو ترتیب دینے سے ایک مجہول تصدیق حاصل ہو جاتی ہے۔ مثلاً العالم حادث معلوم کرنے کے لیے ہمارے پاس دو معلومات تصدیقیہ ہیں: (۱) العالم متغير (۲) و كل متغير حادث. ان کو یوں ترتیب دی جاتی ہے کہ پہلے صغریٰ اور بعد میں کبریٰ ذکر کر کے العالم متغير و كل متغير حادث کا مجموعہ حاصل ہو جاتا ہے جو کہ حجت کہلاتا ہے۔ اس سے جب حد اوسط "متغیر" گرانے سے مجہول تصدیق "العالم حادث" حاصل ہو گئی۔

حجت کی تین قسمیں ہیں: قیاس، تمثیل اور استقراء۔ ان میں سب سے افضل قیاس ہے! کیوں کہ اس سے یقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے بخلاف تمثیل اور استقراء کے کہ وہ ظن کا فائدہ دیتے ہیں۔

علم منطق کا اجمالی خاکہ بیان ہوا۔ نہ تو اس میں کوئی ایسی بات ہے جو قرآن وسنت سے متصادم ہو اور نہ اس میں کوئی ایسا مسئلہ ہے جو سمجھ سے بالاتر ہو بشرطیکہ استاد پڑھانے میں محنت کرے اور دل لگی سے پڑھائے اور طلبہ سیکھنے میں محنت کریں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نہ استاد فن منطق سکھانے کی طرف توجہ دیتا ہے اور نہ طلباء سیکھنے کی طرف مائل ہوتے ہیں، پھر کہتے ہیں منطق بہت مشکل ہے۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجیے کہ قصور ہمارا ہے یا منطق کا؟ ظاہر ہے قصور ہمارا ہے! کیوں کہ ایسی بے رخی جو منطق سے اختیار کی گئی ہے، اگر ایک آسان ترین فن سے بھی ایسی بے رخی اختیار کی جاتی تو یقیناً وہ بھی مشکل بن جائے گا۔

علم منطق ایک ایسا فن ہے کہ اگر اس کو سیکھا جائے تو باقی فنون اس کی وجہ سے حل ہو جاتے ہیں۔ پھر نہ تو شرح جامی کے مقدمہ سے حاصل محصول کی وجہ سے جان چھڑانے کی ضرورت ہوگی اور نہ باقی کتب کو بعض مشکل مقامات کی وجہ سے نصاب سے خارج کرنا پڑے گا۔

منطق پڑھے بغیر علوم عربیہ کا فہم ناممکن ہے

اگر کسی طالب علم نے علوم عقلیہ کو اچھی طرح نہ پڑھا ہو تو وہ علوم عربیہ جیسے نحو، معانی، بیان وغیرہ کو بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا؛ کیونکہ انہی علوم میں بعض ایسے مقامات ہوتے ہیں جن کا سمجھنا منطق پر ہی موقوف ہوتا ہے۔ مثلاً صاحب تلخیص المفتاح لکھتے ہیں:

وقيل: قد يقدم إلى قوله "السالبة الجزئية المستلزمة"

اب اس مقام کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے بعض منطقی اصطلاحات مثلاً قضیہ، موجبہ، سالبہ، کلیہ، جزئیہ، حملیہ، معدولۃ المحمول وغیرہ کا جاننا ضروری ہے۔ نیز منطق کے اس اصول کا جاننا بھی ضروری ہے کہ موجبہ مہملہ معدولۃ المحمول، سالبہ جزئیہ کی قوت میں ہوتا ہے۔ پس جب تلخیص المفتاح کی عبارت علی وجہ البصیرۃ سمجھنے کے لیے منطق کی ضرورت واہمیت ثابت ہوگئی تو اس سے ہر ذی عقل اس بات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہے گا کہ علم منطق کا پڑھنا ضروری ہے۔ باقی جن لوگوں کو ایک چیز کے ساتھ خدا واسطے کا بیر ہوتا ہے تو ان کا علاج کسی کے پاس

بھی نہیں ہوتا۔

علم منطق کا سے متعلق ابن قیم کی الزام تراشی کی تردید

ان ہی علوم میں علم حکمت اپنی اقسام سمیت، علم منطق اور علم کلام بھی شامل تھا۔ مرتبِ درسِ نظامی سے پہلے بھی ان کو اہلِ علم پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔ چوں کہ ان علوم سے حاصل ہونے والے اغراض و مقاصد ان ہی سے حاصل ہو سکتے تھے، اور دیگر علوم ان کا متبادل نہیں ہو سکتے تھے، اسی لیے ان کو پڑھایا جاتا رہا۔

مثلاً علم منطق، علمِ استدلال ہے۔ دلیل پہچاننے کے لیے علما نے اس کے قوانین وضع کیے ہیں۔ اس علم کے دو حصے ہیں، ایک تصورات: جس کا موضوع معرّف ہے اور دوسرا حصہ تصدیقات: جس کا موضوع حجت ہے۔ پہلے حصے سے مقصود، مجہول تصور کو حاصل کرنا ہے جب کہ مجہول تصدیق کا حصول دوسرے حصے کا مقصود ہے۔ یعنی حجت اور دلیل، کسی مدعا پر تصدیق حاصل کرنے کے لیے ہیں، جس کے لیے علم منطق میں تصدیق والا حصہ پڑھایا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ عقائد اسلامیہ کو عقلی و نقلی انداز میں دلائل کے ساتھ مزین کر کے پیش کرنا اور ان کو مرتب انداز میں مخاطب کے سامنے پیش کر کے آسان اسلوب میں اس کو ذہن نشین کرانا یہ علم منطق کا مرہونِ منت ہے۔

اب ایک انسان جب دلیل کی پہچان حاصل کر لیتا ہے تو اس کے لیے اپنا مدعا ثابت کرنا آسان ہوگا۔ چوں کہ ایک مسلمان عالم کو اپنے اسلامی عقائد (جو اس کے لیے سب سے اعلیٰ اور ارفع مقصد ہے) کے اثبات کے لیے دلائل کی ضرورت ہے، تو علم منطق کے ذریعے نہ صرف اس کو دلیل کی پہچان ہوگی بلکہ اپنے مخاطب کو بھی اچھی طرح مطمئن کر سکے گا۔ پس یہ علم منطق علمی جنگ و جدال میں اس کے لیے ایک کارآمد ہتھیار ثابت ہوگا۔ نیز اسلامی عقیدہ کا باطل عقیدہ کے ساتھ امتیاز اور فرق اسی کے ذریعہ ہوتا ہے۔

اب جو یہ کہے:

ـ واعجبا لمنطق الیونان کم فیہ من إفك و من بھتان

تو یہ شعر کہنے والا خواہ کتنا ہی بڑا علمی مقام کیوں نہ رکھتا ہو پھر بھی وہ علم منطق کی حقیقت سے ناواقف سمجھا جائے گا۔ آخر منطق میں کس پر افک اور بہتان لگایا گیا ہے، جس کا معنی کسی پر ایک ایسی چیز کا الزام لگانا ہے جو واقع میں اس الزام سے پاک اور بری ہو جیسا کہ واقعہ افک میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ایک ایسا الزام لگایا گیا جو فی الحقیقت اس سے بری اور پاک تھیں۔

مکرر عرض ہے کہ بتایا جائے کہ آخر اس علم میں کسی پر کیا الزام لگایا گیا ہے، جس کو شاعر اپنے شعر میں بیان کر رہا ہے کہ ـ کم فیہ من إفك و بھتان

کم خبریہ استعمال کر کے کہہ رہا ہے کہ اس علم منطق میں کتنا زیادہ افک اور بہتان ہے۔ یہ شاعر ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ ہے جو ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ ان دونوں کے خیالات ایسے ہی تھے کہ وہ ان علوم کے پیچھے اوران کی تصنیف و تدوین میں لگے ہوئے تھے۔ شاگرد "واعجبا لمنطق الیونان" کے اشعار گنگنا رہا ہے، اور یہ استاد "نقض المنطق" اور "کتاب الرد علی المنطقیین" تصنیف فرما رہے ہیں۔ انکے بارے میں امام ذہبی "معجم المختص" کے اندر لکھتے ہیں لکنہ معجب برایہ جرئ علی الأمور، انکی انہی دوصفات کا نتیجہ ہے کہ ایک مسلم اور مفید علم کی تردید کر رہے ہیں اور اس علم سے واقفیت کے بغیر یا واقفیت کے باوجود ایسے بات کر رہے ہیں جو کہ حقیقت کے موافق نہیں۔ ان کے بعد ان کے معتقدین، جمہور امت کے برخلاف اس قسم کے خیالات کے تسلسل کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ہر زمانے میں ان سے متاثر علماء، جو اگر چہ ان کے عقائد مخصوصہ میں ان کے ہم نوا نہ تھے، اسی روش پر چل کر ان علوم کی تردید میں اپنا حصہ ڈالتے رہے، جن کے الزامات مع جوابات کے بالتفصیل آ رہے ہیں۔

یہ علم منطق کے بارے تفصیلی گفتگو تھی۔ آیندہ سطور میں علم حکمت کے بارے میں معلومات پیش

خدمت ہیں تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ اس سے جان چھڑانے والے لوگ کیا حق پر ہیں؟

﴿فصل ثانی﴾

مسائل حکمت کا اجمالی جائزہ

علم منطق کے بارے میں بیان کردہ اجمالی خاکہ سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ مناطقہ عقائد اسلام سے بحث نہیں کرتے، اس لیے اس علم پر اس وجہ سے رد کرنا کہ یہ شرع یا عقائد اسلامیہ کا مخالف ہے، قطعاً غیر معقول ہے۔ جہاں تک علم فلسفہ وحکمت کا تعلق ہے تو اس کا اجمالی خاکہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

فن حکمت کے پانچ حصے ہیں: ریاضیات، طبعیات، سیاسیات، اخلاقیات اور الٰہیات۔

ریاضی کے پھر تین حصے ہیں: حساب، ہندسہ اور ہیئت۔ ریاضی کے ان تینوں اقسام کا عقائد دینیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے ان کا انکار کرنا اور ان کو خلاف شرع سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أما الرياضية فتتعلق بعلم الحساب، والهندسة، وعلم هيئة العالم، وليس يتعلق شيء منها بالأمور الدينية نفيا و إثباتا، بل هي أمور برهانية لا سبيل إلى مجاحدتها بعد فهمها و معرفتها". (المنقذ من الضلال: ۲۱)

امام غزالی رحمہ اللہ کا ریاضی کے بارے میں تحفظات کا تحقیقی جائزہ:

اس کے بعد امام غزالی رحمہ اللہ نے ریاضی کے کچھ آفات بیان کیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ جو اس علم کو دیکھے گا تو اس کے دقائق اور مضبوط دلائل کے جاننے سے فلاسفہ کے بارے میں اس کے دل میں اچھی عقیدت پیدا ہوگی حتی کہ الٰہیات میں ان کے عقائد فاسدہ کو بھی صحیح سمجھے گا۔ لیکن اس کا آسان جواب یہ ہے کہ ایک فن میں مہارت اور مہارت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس

کی ساری باتوں کو صحیح تسلیم کیا جائے۔

دوسری آفت امام غزالی رحمہ اللہ نے یہ بیان کی ہے کہ بعض جاہل محبِ اسلام لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ فلاسفہ کا ہر قول خلافِ شریعت ماننا ضروری ہے حتیٰ کہ ایسے لوگ فلاسفہ کے بعض صحیح موافقِ حقیقت باتوں سے بھی انکار کرتے ہیں جیسے کہ کسوفِ شمس، خسوفِ قمر وغیرہ۔ پھر جب فلسفہ کا حامی ایک دوسرا شخص یہ دیکھتا ہے کہ درست حقائق سے بھی انکار کیا جا رہا ہے تو وہ العیاذ باللہ اسلام ہی کو جہل پر مبنی قرار دے کر فلسفہ سے محبت اور اسلام کے ساتھ بغض کرنے لگتا ہے۔ لیکن اس کا آسان جواب یہ ہے کہ یہ اسلام پسند جاہل کی بے خبری ہے، اس سے اس کے اسلام پر کوئی قدغن نہیں آتی۔

حکمت کا دوسرا حصہ علم طبعیات پر مشتمل ہے۔ اس کو خلافِ شرع اور مخالفِ اسلام سمجھنا بھی جہل ہے؛ کیوں کہ اس علم میں آسمان، ستاروں، پانی، ہوا، مٹی، آگ، حیوانات، نباتات، معادن وغیرہ سے بحث ہوتی ہے۔ جس طرح علمِ طب میں انسان کے بدن سے بحث ہوتی ہے اور اس میں خلافِ شرع کوئی چیز نہیں ہے، اس طرح علمِ طبعیات میں بھی اس جہان کے اجزاء سے بحث ہوتی ہے اور اس میں بھی مخالفِ شریعت کوئی بات نہیں ہے۔ چنانچہ امام غزالی رحمہ اللہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"وأما علم الطبيعات فهو يبحث عن عالم السموات، وكواكبها، وما تحتها من الأجسام المفردة كالماء، والهواء، والتراب، والنار، ومن الأجسام المركبة كالحيوان، والنبات، والمعادن، وعن أسباب تغيرها، واستحالتها وامتزاجها. وذلك يضاهي بحث الطب عن جسم الإنسان، وأعضائه الرئيسة والخادمة، وأسباب استحالة مزاجه، كما أنه ليس من شرط الدين إنكار علم الطب، فليس من شرطه أيضاً إنكار ذلك العلم إلا في مسائل معينة، ذكرناها في كتاب "تهافة الفلاسفة"..."

فيها فعند التأمل يتبين أنها مندرجة تحتها.

وأصل جملتها: أن تعلم أن الطبيعة مسخرة لله تعالى، لا تعمل بنفسها، بل هي مستعملة من جهة فاطرها. والشمس، والقمر، والنجوم، والطبائع مسخرات بأمره، لا فعل لشيء منها بذاته عن ذاته". (ایضا:۲۵)

تیسرا علم الٰہیات ہے۔اس کے متعلق امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأما الإلهيات ففيها ... إلى قوله ... وأما السياسيات.[4] (ایضا:۲۷)

امام غزالی رحمہ اللہ کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ الٰہیات میں بعض چیزیں غلط ہیں۔ فارابی اور ابن سینا نے نقل کیا ہے کہ الٰہیات میں ارسطو کا مسلک اسلامیین کے مذہب کے قریب ہے لیکن جن مسائل میں فلاسفہ غلطی کے مرتکب ہوئے، وہ بیس ہیں۔ان میں تین ایسے ہیں کہ جن سے ان کا کفر لازم آتا ہے اور سترہ ایسے ہیں جن کی وجہ سے بدعت کی طرف ان کی نسبت ہوتی ہے۔انہی مسائل کے ابطال کے لیے ہم نے اپنی کتاب "التہافۃ" کو تصنیف کیا ہے۔وہ تین عقائد کفریہ یہ ہیں۔

(۱) سزا و جزا کا تعلق صرف روح سے ہے، بدن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کلیات پر عالم ہیں، جزئیات پر نہیں۔اس کا غلط ہونا بالکل واضح ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لا يعزب عنه مثقال ذرة في السمٰوٰت ولا في الارض﴾

(۳) عالم قدیم اور ازلی ہے، حالانکہ مسلمانوں میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔

بعض مسائل اور بھی ہیں جن میں وہ غلطی پر ہیں مگر اس سے کفر لازم نہیں آتا، جیسا کہ معتزلہ اپنے مسائل اعتزالیہ میں غلطی پر ہیں مگر ان کو کسی نے کافر نہیں کہا۔

یہاں تک علم حکمت کے بارے میں پیش کردہ بحث سے آپ یہ جان چکے ہوں گے کہ علم حکمت کی کون سی قسم ممنوع ہے اور کون سی نہیں۔ آگے علم کلام کے بارے میں بحث کی جاتی ہے تا کہ پتہ چلے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔

﴿فصل ثالث﴾

علم کلام اور اس کی اہمیت اور اس پر وارد شدہ اعتراضات کے جوابات

علم کلام کیا ہے؟ یہ وہ علم ہے جو اہل سنت والجماعت کے عقیدے کا محافظ ہے اور ان کے مخالفین کی تردید کر کے ان کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب دیتا ہے۔ جب دنیا میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے شیطان کے وسوسوں کی بنیاد پر اہل حق کے دل میں ان کے حق عقیدے کے متعلق شکوک وشبہات ڈالے تو علمائے اسلام میں حضرات متکلمین آگے بڑھے اور ان کے اعتراضات وتلبیسات کا جواب دیا۔ علم کلام کی حقیقت بس اتنی ہی ہے کہ دلائل کے ساتھ عقیدہ اہل سنت والجماعت کو ثابت کرتا ہے۔ چنانچہ امام غزالی فرماتے ہیں:

"إنما مقصوده حفظ عقيدة أهل السنة و حراستها عن تشويش أهل البدعة. فقد ألقى الله تعالى إلى عباده على لسان رسوله ﷺ عقيدة هي الحق على ما فيه صلاح دينهم و دنياهم كما نطق بمعرفته القرآن والأخبار. ثم ألقى الشيطان في وساوس المبتدعة أموراً مخالفة للسنة فلهجوا بها، و كادوا يشوشون عقيدة الحق على أهلها. فأنشأ الله تعالى طائفة المتكلمين و حرك دواعيهم لنصرة السنة بكلام مرتب، يكشف عن تلبيسات أهل البدعة المحدثة على خلاف السنة المأثورة. فمنه نشأ علم الكلام وأهله. فلقد قام طائفة منهم بما ندبهم الله تعالى إليه فأحسنوا الذب عن السنة و النضال عن العقيدة المتلقاة بالقبول من النبوة." (المنقذ من الضلال: ۱۳)

ترجمہ: ''علم کلام سے مقصود عقیدہ اہل سنت والجماعت کی حفاظت اور اہل بدعت کی تشویش سے اس کو بچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبان مبارک پر حق وصحیح عقیدہ اپنے بندوں کی طرف نازل فرمایا جس میں ان کی دنیا وآخرت کی کامیابی ہے، جیسا کہ قرآن و

احادیث اس کی معرفت پر ناطق ہیں۔ پھر شیطان نے مبتدعہ کے وسوسوں میں مخالف سنت امور کو ڈال دیا پس وہ اس میں مشغول ہو گئے اور اہل حق پر ان کے حق عقیدہ کو مشکوک کرنے لگے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے متکلمین کی جماعت کو پیدا کیا اور ایسے کلام مرتب کے ساتھ سنت کی نصرت کے لیے ان کے دواعی کو محرک کیا جو اہل بدعت کی ان تلبیسات کا پردہ چاک کر دے جو سنت منقولہ کے خلاف ایجاد کیے ہوئے ہیں۔

پس علم کلام اور متکلمین اسی وجہ سے وجود میں آئے جن میں سے ایک جماعت ان تحقیقات میں لگ گئی جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان کو مدعو کیا۔ اس جماعت نے سنت کا بہترین دفاع کیا اور اس عقیدے کے دفاع کے لیے اہل بدعت پر تیر پھینکے جس کو نبوت سے تلقی بالقبول حاصل ہے"۔

علم کلام کا خلاصہ

شرح عقائد نسفی کو سامنے رکھ کر علم کلام کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ حقیقتِ حال واضح ہو جائے کہ آخر اس میں کون سی ایسی بات ہے جو صحیح نہیں ہے۔ حقیقت کے انکشاف کے بعد بآسانی یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ علم کتنی اہمیت رکھتا ہے اور اس کے ایک ایک مسئلے کو جاننا اور اس پر عقیدہ رکھنا کتنا ضروری ہے۔

مصنف رحمہ اللہ سب سے پہلے صانع عالَم (اللہ تعالیٰ) کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے تمہیدی طور پر دو باتیں ذکر کرتے ہیں:

(۱) اشیاء کی حقیقت، نفس الامر اور واقع میں ثابت ہے۔

(۲) ہم اشیاء کی حقیقت کو جانتے بھی ہیں۔

پہلی بات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک اشیاء کی کوئی حقیقت نہیں۔ مثلاً زمین، پہاڑ، دریا، آفتاب، ستارے، سیارے اور انسان وغیرہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ ایسے لوگوں کو "عنادیہ" کہا جاتا ہے۔ دوسرے بعض لوگوں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اشیاء کی حقیقت بس

وہی ہے جو آپ کے خیال میں ہو۔ مثلاً درخت کو اگر کوئی پتھر خیال کرے تو وہ درخت نہیں بلکہ پتھر ہوگا۔ اس فرقہ کو "عندیہ" کا نام دیا گیا ہے۔ ان دونوں جماعتوں پر رد کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ اشیاء کی حقیقتیں واقع میں پائی جاتی ہیں، نہ یہ کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ نیز جس چیز کی حقیقت خارج میں جس طرح ہے وہ چیز بس اسی طرح ہی ہے، نہ یہ کہ انسان کے خیال کے مطابق اس کی حقیقت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔

دوسری بات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ اگرچہ واقع میں اشیاء کی حقیقتیں تو پائی جاتی ہیں، لیکن ان کا کسی کو علم نہیں ہے بلکہ ان کے متعلق صرف شک ہے۔ ایسے لوگوں کو "لاادریہ" کہتے ہیں۔ ان پر رد کرنے کے لیے علامہ نسفی رحمہ اللہ "والعلم بها متحقق" فرما رہے ہیں، جیسا کہ پہلے دو فرقوں کی تردید اپنے قول "حقائق الأشياء ثابتة" کے ذریعے کی۔ ان تینوں فرق باطلہ کا مشترک نام "سوفسطائیہ" ہے۔

یہ ثابت کرنے کے بعد کہ علم ایک حقیقت ہے، علم کے اسباب بیان کیے کہ وہ تین ہیں: حواس سلیمہ، خبر صادق اور عقل سلیم۔ پھر ان اسباب ثلاثہ کی تفصیل بیان کی کہ حواس پانچ ہیں۔ دوسرے سبب یعنی خبر صادق کی دو قسمیں ہیں: خبر متواتر اور خبر رسول ﷺ۔ اس کے ساتھ ان دونوں قسموں سے جو علم حاصل ہوتا ہے، اس کا بھی بیان ہے۔ تیسرے سبب یعنی عقل سے حاصل کیے گئے علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا: علم ضروری اور علم اکتسابی۔ آخر میں الہام کے متعلق کہا کہ یہ علم کے اسباب میں سے نہیں ہے۔ یہ بحث علامہ نسفی رحمہ اللہ اور علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے شرح عقائد میں صفحہ ۷۷ سے لے کر صفحہ ۸۸ تک بارہ صفحات میں بیان کی ہے۔

اشیاء کی حقیقت اور اس کے معلوم ہونے کو ثابت کرنے کے بعد مصنف رحمہ اللہ نے اصل مقصد کو بیان کیا کہ نفس الامر میں ثابت اشیاء حادث ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "العالم بجميع أجزائه محدث" تمام اشیاء کے حدوث کو اس لیے ثابت کیا تاکہ ان کے لیے ایک محدِث اور خالق کے وجود کو ثابت کیا جاسکے۔ پس یوں صانع عالم یعنی اللہ تعالیٰ کا وجود جو عقائد

کی خشت اول ہے، ثابت ہو جائے گا۔ پھر علامہ نسفی رحمہ اللہ نے عالم کے حدوث کو دلیل اقترانی کی شکل اول سے ثابت کیا اور فرمایا: "إذ هو أعيان و أعراض"۔ اسی شکل اول کی تفصیل و تکمیل تفتازانی رحمہ اللہ نے کی۔

حدوث عالم پر دلیل قائم کرنے کے بعد علامہ نسفی رحمہ اللہ اور تفتازانی رحمہ اللہ نے عین مقصد یعنی اثبات وجود باری تعالیٰ کو بیان کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ محدَث کا وجود اور عدم برابر ہوتا ہے۔ پس اس کے وجود کو اس کے عدم پر راجح کرنے کے لیے کسی محدِث کا ہونا ضروری ہے، وگرنہ تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس کے لیے ایک مرجح ہے، جو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ یوں صانع عالم کے وجود کو ثابت کیا جاتا ہے اور ان لوگوں کے عقیدے کو باطل کیا جاتا ہے جو عالم کو بلا موجد کے مانتے ہیں۔

بد قسمتی سے چند سال پہلے شرح عقائد کا یہ اہم حصہ نصاب سے خارج کر دیا گیا تھا۔ اگرچہ اب دوبارہ یہ حصہ داخل نصاب ہے۔ آپ خود غور کریں کہ اگر علم عقائد کا مبتدی طالب علم اللہ تعالیٰ کی ذات کو بطور صانع عالم ثابت کرنے کے لیے مذکورہ بحث پڑھنے سے محروم رہے تو منکرین کے ساتھ بحث و مباحثہ کی صلاحیت اس میں کہاں سے آئے گی۔

علامہ نسفیؒ نے اثبات باری تعالیٰ کے بعد مسئلہ صفات باری تعالیٰ کو بیان کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ میں واحد، قدیم، حی، قادر، علیم، سمیع، بصیر، شائی، اور مرید ہونا ہیں۔ اسی طرح بعض صفات سلبیہ ہیں، جو یہ ہیں: عرض، جوہر، جسم، ذی صورت، محدود، معدود، ذو ابعاض، ذو اجزاء، مرکب، متناہی، موصوف بالماہیۃ والکیفیۃ، متمکن فی المکان اور زمانی سے منزہ و پاک ہونا۔ اسی طرح صفات سلبیہ میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مشابہ نہیں اور اس کے علم و قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔ پس ان تمام باتوں کے متعلق عقیدہ رکھنا فرض ہے۔ ان میں سے کسی چیز کے انکار سے کوئی مسلمان باقی نہیں رہ سکتا۔ ان تمام عقائد کو شرح عقائد میں براہین قاطعہ کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے۔

اس کے بعد اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ درج ذیل بارہ صفات (علم، قدرت، حیات، قوت، سمع، بصر، ارادہ، مشیت، فعل، تخلیق، ترزیق، کلام) اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ یہ نہ ذات باری تعالیٰ کا عین ہیں اور نہ غیر ہیں۔ ان بارہ صفات میں قدرت وقوت ایک ہے، اسی طرح ارادہ ومشیت بھی ایک ہے، جب کہ فعل، تخلیق اور ترزیق کا مرجع تکوین ہے۔ پس یہ کل آٹھ صفات بن جائیں گی۔ ان کا سمجھنا بھی انتہائی اہم ہے۔

علامہ نسفی رحمہ اللہ نے تین صفات کلام، تکوین اور ارادے کے متعلق قدرے تفصیل بیان کی ہے؛ کیوں کہ بعض لوگوں نے ان میں اختلاف کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز میں اختلاف واقع ہو جائے اس میں آدمی کے شک میں پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ پس ازالۂ شک کے لیے مزید توضیح کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ بات صاف ہو جائے اور مخالفین کے دلائل سے تاثر نہ لیا جائے۔ اس تفصیل کو علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے بہترین انداز میں سمجھایا ہے۔

ناظرین کرام! یہ شرح عقائد سے ماخوذ بڑے بڑے مسائل کا خلاصہ ہے جو ہم نے بالاختصار آپ کے سامنے بیان کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ آخر اس کتاب میں وہ کون سی خرابی ہے جس کی وجہ سے اس کو نصاب سے خارج کیا جا رہا ہے۔ فی الواقع اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو دین سے متصادم ہو بلکہ اس کے ذریعہ سے تو عقیدہ اہل سنت کی حفاظت ہو جاتی ہے اور اہل باطل کے باطل نظریات کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کو نکالنے کی بجائے اس کو اور زیادہ ترویج دینا چاہیے۔

علم کلام پر کیے گئے اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

چونکہ علم کلام، عقائد اہل سنت کا محافظ علم ہے۔ متکلمین اہل سنت نے عقائد حقہ کے اثبات اور عقائد باطلہ کے ابطال کے لیے اتنے دلائل مہیا کیے ہیں کہ بقول مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے کہ یہ دلائل قیامت تک اسلام پر کیے جانے والے ہر شبہ کے لیے کافی ہیں۔ باوجود اس کے کہ ہر زمانہ میں اس کے بعض مخالفین بھی پیدا ہوتے رہے، اور متکلمین اسلام کے علوم نافعہ

سے لوگوں کو متنفر کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کی یہ کوشش مسلسل جاری ہے۔ موجودہ زمانے میں بھی علم کلام کے متعلق مختلف قسم کے اعتراضات سننے میں آرہے ہیں اور "السکل ساقطة لاقطة" کے تحت دورِ حاضر کے طلبائے کرام اور اہلِ علم ان اعترضات سے متاثر ہو کر علم کلام سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ مستقبل قریب میں کہیں یہ علم بالکل اجنبی اور مجبور نہ ہو جائے۔ پس ضروری ہے کہ ان معترضین کے سوالات و اعتراضات کا جواب دیا جائے۔ ماضی میں جب بھی معترضین نے سر اٹھایا ہے، اسی زمانہ کے اہل حق نے ان کا دندان شکن جواب دیا ہے۔

علم کلام پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات ابن عساکرؒ کی تبیین کذب المفتری کے حوالہ سے

چنانچہ ابن عساکر الدمشقی رحمہ اللہ اپنی کتاب "تبيين كذب المفتري فيما نسب إلى الإمام أبي الحسن الأشعري" ص ۳۳۳ پر فرماتے ہیں:

"فإن قيل: غاية ما تمدحون به أبا الحسن أن تثبتوا أنه متكلم و على أنه بالمعرفة برسوم الجدل متوسم و لا فخر في ذلك عند العلماء من ذوي التسنن والاتباع؛ لأنهم يرون أن من تشاغل بذلك من أهل الابتداع و قد حفظ عن غير واحد من علماء الإسلام عيب المتكلمين و ذم الكلام، و لو لم يلمهم غير الشافعي لكفى؛ فإنه قد بالغ في ذمهم و أوضح حالهم و شفى، وأنتم تنتسبون إلى مذهبه فهلا اقتديتم في ذلك به؟

فما جاء في ذلك فما أخبرنا الشيخ أبو عبد الله الحسين بن عبد الملك ابن الحسين الخلال بأصبهان قال أخبرنا أبو طاهر أحمد بن محمود بن أحمد الثقفي قال أخبرنا أبو بكر محمد بن إبراهيم بن المقرئ قال ثنا مفضل بن محمد الجندي قال حدثنا إسحق بن إبراهيم الطبري قال ثنا أبو يوسف

القاضي عن مجالد عن الشعبي أنه قال : من طلب الدين بالكلام تزندق، و من طلب المال بالكيميا أفلس، و من حدث بغرائب الحديث كذب۔

ترجمہ: اگر کوئی (بطور اعتراض) کہے کہ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ قابل مدح اس وجہ سے ہیں کہ وہ متکلم ہے اور علم مناظرہ کے طریقوں کو جانتے ہیں تو یہ ان علماء کے نزدیک فخر کی بات نہیں جو سنت نبوی ﷺ کے متبعین ہیں؛ کیونکہ متبعین سنت، علم کلام میں مشغول ہونے کو اہل بدعت کا شیوہ سمجھتے ہیں۔ بہت سارے علمائے اسلام سے متکلمین کی عیب جوئی اور علم کلام کی مذمت منقول ہے۔ اگر ایک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کوئی اور اس کی مذمت نہ کرتا تو وہ بھی کافی ہو جاتی؛ کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے علم کلام کی مذمت میں بہت کچھ کہا ہے اور احوال متکلمین کی وضاحت میں کافی کام کیا ہے۔ تم بھی ان کی مذہب سے نسبت رکھتے ہو تو اس بارے میں ان کی اقتداء تم نے کیوں نہ کی؟

بعض لوگوں کی غلط فہمی

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ علم کلام ایک الگ علم ہے اور قرآن وحدیث کے مخالف ہے۔ ان لوگوں نے اس کی مذمت میں بعض علمائے کرام کی طرف ایسی من گھڑت باتیں منسوب کی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ چنانچہ اس بارے میں ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ شیخ ابوعبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے سند کے ساتھ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا ہے کہ جس نے دین کو علم کلام سے طلب کیا وہ زندیق ہوا، اور جس نے غرائب الحدیث کو بیان کیا اس نے جھوٹ کہا۔ اس کے بعد ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے اس روایت کو اس متن کے ساتھ نقل کیا ہے لیکن اس کے علاوہ دوسرے راویوں نے بھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دوسرے متن کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا ہے اور وہ روایت اس سے زیادہ قوی ہے۔ چناں چہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اپنے دو استاذوں ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوالقسم جرجانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی سند بشر بن ولید رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا کر فرماتے ہیں کہ بشر بن ولید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

کہ میں نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ جس نے دین کو علم کلام کے ذریعہ حاصل کیا وہ زندیق ہوا۔ انہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس نے غریب حدیث کو طلب کیا اس نے جھوٹ کہا اور جس نے کیمیا کے ذریعہ مال طلب کیا وہ مفلس ہوا۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ مضمون امام مالک ابن انس رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے۔

یہاں ابن عساکر رحمہ اللہ نے ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں علم کلام کی مذمت ہے۔ پہلی روایت امام شعبی رحمہ اللہ سے، دوسری امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور تیسری امام مالک رحمہ اللہ سے جن سے بظاہر مطلق علم کلام کی مذمت معلوم ہوتی ہے۔ جو لوگ علم کلام کے خلاف ہیں وہ ان کو ظاہر پر حمل کرتے ہیں۔

اس اعتراض کا پہلا جواب:

ابن عساکر رحمہ اللہ اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں کہ ان روایات کو مطلق علم کلام کی مذمت پر حمل کیا جائے، بلکہ ان روایات میں علم کلام سے مراد اہل بدعت کا کلام ہے۔ پس علم کلام دو قسم پر ہے: ایک اہل السنۃ والجماعۃ کا، دوسرا مبتدعین کا۔ جو علم کلام اہل سنت کا ہے، وہ عقائد صحیحہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور جو اہل بدعت کا ہے وہ صحیح نہیں۔ ان ائمہ سے جو مذمت منقول ہے، اس سے مراد اہل بدعت کا کلام ہے۔ چنانچہ ص ۳۳۴ میں امام بیہقی رحمہ اللہ کا قول ذکر کر کے فرماتے ہیں:

"قال و إنما يريد -والله أعلم- بالكلام كلام أهل البدع؛ فإن في عصرهما إنما كان يعرف بالكلام أهل البدع، فأمّا أهل السنة فقلما كانوا يخوضون في الكلام حتى اضطروا إليه بعد؛ فهذا وجه في الجواب عن هذه الحكاية و ناهيك بقائله أبي بكر البيهقي رحمه الله فقد كان من أهل الرواية و الدراية".

ترجمہ: بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم کلام سے مراد اہل بدع کا کلام ہے؛ کیوں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے زمانہ میں کلام سے اہل بدع کا کلام مراد لیا جاتا تھا۔ اہل

السنۃ بوجہ مجبوری علم کلام میں مشغول ہو گئے۔اس کے بعد ابن عساکرؒ فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ بیہقیؒ نے کی ہے اور ان جیسے جلیل القدر شخصیت کی توجیہ ہمارے لیے کافی ہے؛ کیوں کہ وہ اہلِ درایہ اور روایہ میں سے تھے۔

دوسرا جواب:

ابن عساکرؒ ان روایات کا جن میں ائمہ کرام سے علم کلام کی مذمت منقول ہے، ایک اور جواب دیتے ہیں کہ ان اعتراضات کا مصداق وہ شخص ہے جو علم کلام پر ہی اکتفا کرے اور علم فقہ کو چھوڑ دے،جس سے حلال وحرام پہچانے جاتے ہیں۔اسی طرح ان شرعی احکامات کو چھوڑ دے جن پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان کو بجالانے کا التزام نہ کرے اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان کو ترک نہ کرے۔

اس کے بعد ابن عساکرؒ نے اس علم کلام کی اہمیت میں بعض روایات نقل کی ہیں کہ علم کلام، دین کی اصل ہے، علم فقہ اس کا چراغ ہے اور عمل، علم کلام کی شرح ہے۔جس نے علم فقہ اور عمل کو چھوڑ کر صرف علم کلام پر اکتفا کی وہ زندیق ہوا، اور جس نے عمل پر اکتفا کر کے علم کلام اور فقہ کو خیر باد کہا وہ مبتدع ہوا، اور جس نے فقہ پر اکتفا کر کے کلام اور عمل کو چھوڑ دیا وہ فاسق ہوا، اور جس نے ان سب کو پڑھا وہ بچ نکلا۔یہی مضمون ابوبکر وراقؒ کی ایک دوسری روایت میں بھی ملتا ہے۔

یہ ان روایات کے جوابات تھے جو امام شعبی، امام ابو یوسف اور امام مالکؒ سے منقول ہیں جن سے بظاہر علم کلام کی مذمت معلوم ہوتی ہے۔

آگے صفحہ ۳۳۵ پر ابن عساکرؒ ان روایات کا جواب دے رہے ہیں۔جو امام شافعیؒ سے علم کلام کی مذمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔چنانچہ لکھتے ہیں:

"وأما قول الشافعي ﷫ فيه فأخبرنا الشيخ أبو الأعز قراتكين بن الأسعد

الأزجي قال: أخبرنا أبو محمد الحسن بن علي بن محمد الجوهري قال: أنا أبو الحسن علي بن عبد العزيز بن مردك قال: أنا أبو محمد عبد الرحمان بن أبي حاتم الرازي قال: حدثنا يونس بن عبد الأعلى المصري قال: سمعت الشافعي رحمه الله يقول: لأن يبتلى المرء بكل ما نهى الله عنه سوى الشرك خير له من الكلام، و لقد اطلعت من أهل الكلام على شيء ما ظننت أن مسلما يقول ذلك.

و أخبرنا أبو الحسن علي بن الأسعد قال: أنا الحسن بن علي قال: أنا علي بن عبد العزيز قال: أخبرنا عبد الرحمان بن أبي حاتم قال: حدثنا أحمد بن أصرم المزني من ولد عبدالله بن المغفل قال: قال: أبو ثور سمعت الشافعي يقول: ما تردى أحد في الكلام فأفلح.

و أخبرنا الشيخ الفقيه أبو الفتح نصرالله بن محمد بن عبد القوي المصيصي بدمشق قال: أنا أبو البركات أحمد بن عبدالله بن علي بن طاووس المقرئ البغدادي بدمشق قال: أخبرنا أبو القاسم عبيدالله بن أحمد بن عثمان الصيرفي قال: ثنا أبو علي الحسن بن الحسين بن حمكان الفقيه قال: حدثني الزبير بن عبد الواحد قال: حدثني أبو عبد الله محمد بن يوسف الهروي بدمشق قال: رأيت في كتاب عن أبي بكر محمد بن الجنيد صاحب أبي ثور قال: سمعت أبا ثور يقول: سمعت الشافعي رحمه الله يقول: من ابتلي بالكلام لم يفلح.

و أخبرنا الفقيه أبو الفتح قال: أنا أبو البركات البغدادي قال: أنا أبو القاسم الأزهري قال: أنا أبو علي بن حمكان قال: حدثني الزبير بن عبد الواحد قال: حدثني محمد بن يحيى بن آدم الجوهري بمصر قال: ثنا محمد بن عبد الله بن

عبد الحكم قال : سمعت الشافعي يقول : لو علم الناس ما في الكلام في الأهواء لفروا منه كما يفر من الأسد.

و أخبرنا الشيخ أبو الأعز الأزجي قال : أنا أبو محمد الجوهري قال : أنا أبو الحسن بن مردك قال: أنا أبو محمد بن أبي حاتم الرازي قال : ثنا الربيع بن سليمان المرادي قال : رأيت الشافعي و هو نازل في الدرجة وقوم في المجالس يتكلمون بشيء من الكلام، فصاح فقال : إما أن تجاورونا بخير و إما أن تقوموا عنا فإنما عنى الشافعي ﷺ بذلك كلام المبتدعي المخالف عند اعتباره الدليل الشرعي فقد بين زكريا بن يحيى الساجي في روايته هذه الحكاية عن الربيع أنه أراد بالنهي عن الكلام قوما تكلموا في القدر و لذلك حكم بالتبديع و يدل عليه ما أخبرنا الشيخ أبو عبد الله محمد بن الفضل الفراوي الخ.

خلاصہ یہ ہے کہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے چار روایات نقل کی ہیں:

پہلی روایت یونس بن عبدالاعلیٰ کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ شرک کے ماسوٰی کسی بھی ایسی چیز میں مبتلا ہونا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، علم کلام میں مبتلا ہونے سے بہتر ہے۔ مجھے علم کلام کے ایسے مسائل پر واقفیت حاصل ہوئی ہے جن کے بارے میں میرا خیال ہے کہ کسی مسلمان کا ایسا عقیدہ نہیں ہوگا۔

دوسری اور تیسری روایت ابوثورؒ کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ سے سنا کہ جو آدمی علم کلام میں مبتلا ہو جائے وہ کامیاب نہیں ہوگا۔

چوتھی روایت محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ سے سنا ہے کہ علم کلام میں جو خواہش پرستی کی باتیں ہیں اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے تو لوگ اس سے اس طرح بھاگ جائیں گے جس طرح شیر سے آدمی بھاگتا ہے۔

ان سب روایات کا ابن عساکرؒ یہ جواب دیتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ ان روایات میں اس علم کلام پر رد فرما رہے ہیں جو عقائد حقہ کے مخالف مبتدع کا کلام ہے۔ اسی طرح ابن عساکرؒ نے صفحہ ۳۳۶ اور صفحہ ۳۳۷ پر کچھ ایسی روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ نے فرقہ قدریہ کے ایک عالم سے بحث کی جس کا نام حفص الفرد تھا۔ پس امام شافعیؒ کی علم کلام سے مراد حفص الفرد جیسے غلط عقیدہ رکھنے والے لوگوں کا علم کلام ہے۔ نیز ابن عساکرؒ نے مزید ایسی روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ اہل ہوا اور اہل بدعت کے علم کلام پر رد فرما رہے ہیں، اہل سنت کے علم کلام پر نہیں۔ نیز ابن عساکرؒ نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ ائمہ اربعہ مطلق کلام پر رد کریں، بلکہ مقصود اس علم کلام پر رد ہے جو اہل بدعت اور اہل ہوا کا ہے۔ چنانچہ ابن عساکرؒ صفحہ ۳۳۹ میں فرماتے ہیں:

والكلام المذموم كلام أصحاب الأهواء و ما يزخرفه أرباب البدع المردية. فأما الكلام الموافق للكتاب والسنة الموضح لحقائق الأصول عند ظهور الفتنة فهو محمود عند العلماء و من يعلمه و قد كان الشافعي ﷺ يحسنه و يفهمه و قد تكلم مع غير واحد ممن ابتدع وأقام الحجة عليه حتى انقطع.

صفحہ ۳۴۱ میں فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا مقصد کبھی بھی مطلق علم کلام پر رد نہیں تھا بلکہ اہل ہوا حفص الفرد جیسے غلط عقیدہ رکھنے والے لوگوں کے علم کلام پر رد مقصود تھا۔ چناں چہ ابن عساکرؒ فرماتے ہیں:

"فهذه الروايات تدل على مراده بما أطلق عنه فيما تقدم و فيما لم يذكر ههنا و كيف يكون كلام أهل السنة و الجماعة مذموما عنده و قد تكلم فيه و ناظر من ناظره و كشف عن تمويه من ألقى إلى سمع بعض أصحابه من أهل الهواء شيئاً مما هم فيه و قد ذكرنا قبل هذا مناظرته مع حفص في زيادة

الإيمان ونقصانه"۔

اسی طرح ابن عساکرؒ اس موضوع پر مزید بحث کر کے صفحہ ۳۵۱ پر لکھتے ہیں:

"و في كل ذلك دلالة على أن استحباب من استحب من أئمتنا ترك الخوض في الكلام إنما هو للمعنى الذى أشرنا إليه وأن الكلام المذموم إنما هو كلام أهل البدع الذي يخالف الكتاب والسنة فاما الكلام الذى يوافق الكتاب والسنة و يبين بالعقل والعبرة فإنه محمود مرغوب فيه عند الحاجة تكلم فيه الشافعي و غيره من أئمتنا عند الحاجة كما سبق ذكرنا له"۔

صفحہ ۳۵۵ میں علم کلام کے منقبت میں امام ابومحمد عبداللہ بن یوسف الجوینیؒ کا خواب نقل کرتے ہیں جس میں انہوں نے حضرت ابراہیم ﷺ کو دیکھا ہے۔ حضرت ابراہیم ﷺ فرماتے ہیں کہ علم کلام تو وہ علم ہے جس میں شبہات اور اباطیل کو دفع کیا جاتا ہے۔ عبارت یہ ہے:

"أخبرنا الشيخ أبو القاسم عبد الرحمٰن بن الحسن بن أحمد الجرجاني الصوفي المعروف بالشعر بنيسابور قال: سمعت أبا الحسن علي بن أحمد المديني يقول: سمعت الإمام أبا محمد عبد الله بن يوسف الجويني ﷺ يقول: رأيت إبراهيم الخليل في المنام فاهويت لأن أقبل رجليه فمنعني من ذلك تكرماً لي فاستدرت فقبلت عقبيه فأولت الرفعة والبركة تبقى لي عقبي ثم قلت: يا خليل الله! ماتقول في علم الكلام، فقال: يدفع به الشبه والأباطيل"۔

نیز صفحہ ۳۵۵ پر فرماتے ہیں:

"أخبرنا الشيخ الإمام أبو نصر عبد الرحيم بن عبد الكريم بن هوازن إجازة قال: سئل أبي الأستاذ أبو القاسم القشيري ﷺ فقيل له أرباب التوحيد: هل

يتفارقون فيه؟ فقال: إن فرقت بين مصل و مصل و علمت أن هذا يصلي و قلبه مشحون بالغفلات و ذاك يصلي و قلبه حاضر فرق بين عالم و عالم هذا لو طرأت عليه مشكلة لم يمكنه الخروج منها و هذا يقاوم كل عدو للإسلام و يحل كل معضلة تعز في مقام الخصام و هذا هو الجهاد الأكبر فإن الجهاد في الظاهر مع أقوام معينين و هذا جهاد مع جميع أعداء الدين و هو آيات بينات في صدور الذين أوتوا العلم و للعراج في البلد قانون معروف إذا أشكل عراج بقعة رجع الناس إلى ذلك القانون و قانون العلم بالله قلوب العارفين به. فرولة الأحبار خزان الشرع، والقراء من الخواص، و الفقهاء حفظة الشرع، و علماء الأصول هم الذين يعرفون ما يجب و يستحيل و يجوز في حق الصانع و هم الأقلون اليوم.

[1] رمى الدهر بالفتيان حتى كأنهم ... بأكناف أطراف السماء نجوم

و قد كنا نعدهم قليلا ... فقد صاروا أقل من القليل.

قلت عناية الناس بعلم الأصول إذ ليس فيه وقف ورزق يأكلونه فميلهم إلى ما يقربهم من الدنيا و يوليهم الأوقاف و القضاء و الطريق أيضاً مشكل فهو علم عزيز و الطريق إلى الأعزة عزيز و قد يرى بعض الجواهر أثبت له درة من العز فلا توجد إلا عند الخواص فهو و إن كان حجراً غير مطلق فما فطن بجوهر المعرفة[2].

نیز صفحہ ۲۵۷ پر علم کلام کی صفت میں بعض علما کا یہ شعر نقل کیا ہے:

[3] أخبرنا الشريف أبو القاسم علي بن ... العلوي و أبو الحسن علي بن أحمد الغساني قالا: ثنا أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت الخطيب قال: أنا أبو طالب عمر بن إبراهيم الفقيه الزهري ... بن الحسين القاضي

الهمذانی قال: أنشدني أبو عبد الله بن محاهد المتكلم لبعضهم:

أيها المقتدي! ليطلب علما كل علم عبد لعلم الكلام

تطلب الفقه كي تصحح حكما ثم اغفلت منزل الأحكام.

اسی طرح صفحہ ۲۵۹ پر اس بحث کے اختتام میں فرماتے ہیں:

"و في الجملة لايجحد علم الكلام إلا أحد رجلين، جاهل ركن إلى التقليد و شق عليه سلوك طرق أهل التحصيل و خلا عن طرق أهل النظر و الناس أعداء لما جهلوا فلما انتهى عن التحقق بهذا العلم نهى الناس ليضل كما ضل أو رجل يعتقد مذاهب فاسدة فينطوي على بدع خفية يلبس على الناس عوار مذهبه و يعمي عليهم فضائح عقيدته و يعلم أن أهل التحصيل من أهل النظر هم الذين يهتكون الستر عن بدعهم و يظهرون للناس قبح مقالاتهم و القلاب لايحب من يميز النقود و الخلل فيما في يده من النقود الفاسدة كالصراف ذي التميز و البصيرة و قد قال الله تعالى: ﴿هل يستوي الذين يعلمون و الذين لايعلمون﴾ فهذا ما حضر في مدح الكلام و المتكلمين و ذكر بعض من كان نعلمه من علماء المسلمين".

مطلب یہ ہے کہ علم کلام کارد دو قسم کے لوگ کر سکتے ہیں: ایک وہ جو جاہل ہیں اور اس علم کو نہیں جانتے۔ یہ لوگ اگر علم کلام کی مذمت نہ کریں تو کیا کریں؛ کیوں کہ مشہور مقولہ ہے: "الناس أعداء لما جهلوا" دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جن کے عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے خلاف ہیں۔ ایسے لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کے عقائد فاسدہ کا پردہ چاک نہ ہو اور ان کے عقائد لوگوں سے پوشیدہ رہیں کیوں کہ علم کلام وہ علم ہے جس کے حاصل کرنے سے ان جیسے لوگوں کے عقائد فاسدہ کا نقاب اٹھ سکتا ہے۔

علم کلام پر اعتراضات اور ان کے جوابات علامہ عضد الدین الایجی کی

مواقف سے

علامہ عضد الدین ایجی رحمہ اللہ نے مواقف (ج ۱ص ۲۶۹) میں اس دعوی (کہ اللہ تعالی کی ذات کی معرفت اوراس کے صفات وافعال کے ثبوت میں نیز سارے مسائل کلامیہ اور عقائد اسلامیہ کے ثبوت میں دلائل ونظر کا استعمال واجب ہے) معترضین کے تین اعتراضات نقل کیے ہیں اوران کے مفصل جوابات دیے ہیں۔

پہلا اعتراض:

پہلے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ذات وصفات اورافعال اور سارے عقائد دینیہ اور مسائل کلامیہ میں نظر سے کام لینا اور دلائل سے ان کو ثابت کرنا بدعت ہے؛ کیوں کہ اس میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشغول نہیں ہوئے۔ اور ہر وہ چیز جس میں اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے اشتغال منقول نہیں وہ بدعت ہے۔ یہ اعتراض علم فقہ پر وارد نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے اندر اشتغال کیا ہے۔

اس اعتراض کا جواب علامہ عضد الدین رحمہ اللہ نے جو دیا ہے اس کا حاصل سید شریف جرجانی رحمہ اللہ کی شرح کے ساتھ یہ ہے کہ آپ کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان باتوں میں اشتغال منقول نہیں، تسلیم نہیں؛ کیوں کہ تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ اسی دور نبوت میں بھی توحید، نبوت اور جو باتیں ان کے متعلق ہیں ان سے یہ لوگ بحث کرتے تھے اور منکرین پر ان مسائل کو دلیل سے ثابت کرتے تھے تا کہ وہ مان لیں؛ کیوں کہ منکرین مسئلہ توحید اور نبوت پر اعتراضات کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالی ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ﴿بل هم قوم خصمون﴾ نبی کریم ﷺ آیات قرآنیہ اور دلائل ظاہرہ سے ان کو جوابات دیتے تھے۔ قرآن کریم ان مباحث سے بھرا ہوا ہے۔

علم کلام کی کتابوں میں جو دلائل ذکر کیے جاتے ہیں یہ تو اس سمندر میں سے ایک قطرہ کی مانند ہے، جس کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت میں غور کیجیے:

﴿لو کان فیھما آلھۃ الا اللّٰہ لفسدتا﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ﴾ اسی طرح فرمایا ہے: ﴿او لم یر الانسان انا خلقناہ من نطفۃ﴾ اس آیت کریمہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کی ابتداء کو بیان کیا ہے۔ منکرین یہ شبہ کرتے تھے کہ ہڈیاں بوسیدہ اور ختم ہو جانے کے بعد کس طرح زندہ ہو سکتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا: ﴿قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ﴾ متکلمین نے صحت اعادہ کے بارے میں اسی دلیل کو اپنایا ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے۔ انہوں نے اس کی توضیح اس طرح کی ہے کہ دوبارہ زندہ کرنا اسی طرح ہے جس طرح اول بار پیدا کرنا ہے۔ یعنی اعادہ مثل ایجاد کے ہے۔ اور اصل شیء کی خلقت پر قادر ہونا اس کے مثل پر قادر ہونے کی دلیل ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اعادہ پر بھی قادر ہے۔

چوں کہ ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے سے عدم اعادہ پر ان منکرین نے دو طریقوں سے استدلال کیا ہے۔

ا۔ پہلا یہ کہ بوسیدگی کی صورت میں بدن کے اجزاء اور اعضاء ایک دوسرے کے ساتھ خلط ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے ایک بدن کے اجزاء کو دوسرے بدن کے اجزا سے جدا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک عضو کے اجزاء کو باقی اعضا کے اجزا سے جدا کرنا ممکن نہیں رہتا، حالانکہ اعادہ کے لیے تمیز ضروری ہے۔ لہٰذا اعادہ متصور نہیں۔

۲۔ دوسرا یہ کہ بوسیدگی کی وجہ سے ان اجزاء سے رطوبت ختم ہو جاتی ہے، حالانکہ نئی زندگی کی طرف رجوع کے لیے اس رطوبت کا ہونا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سوالوں کے جواب کی طرف ان آیات کریمہ میں اشارہ فرمایا ہے: ﴿قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم ٥ الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارا فاذا انتم منہ توقدون ٥﴾ پہلے سوال کے جواب کی طرف وھو بکل خلق علیم سے اشارہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ہر مخلوق کا علم ہے۔ پس وہ بدن

کے اجزاء و اعضاء کو ایک دوسرے سے جدا کرنے پر قادر ہے۔

دوسرے سوال کے جواب کی طرف الذی جعل لکم الخ سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر محسوسات میں تم دیکھتے ہو کہ سبز درخت سے آگ نکلتی ہے۔ (ایک درخت جس کا عربی نام مرخ ہے اور دوسرے درخت کا نام عفار ہے۔ مرخ کو بطور نر اور عفار کو بطور مادہ کے استعمال کرتے ہیں۔ ان دونوں کو آپس میں رگڑنے سے آگ جلتی ہے حالانکہ ان دونوں سے پانی ٹپکتا ہے) پس جب محسوسات میں اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام بنایا ہوا ہے کہ دو متضاد چیزیں جمع ہو رہی ہیں اور اس کو تم تسلیم کر رہے ہو تو اس چیز کو ماننے سے کیوں انکاری ہو جس میں ضدیت اس سے بھی کم ہے؛ کیوں کہ بوسیدہ ہڈیوں اور حیات کے درمیان ضدیت برودت اور حرارت کی ضدیت سے کم ہے۔

اب اس مسئلہ اعادہ میں فلاسفہ کی طرف سے ایک اور شبہ ہے۔ (وہ شبہ ان کے ایک باطل عقیدہ یعنی قدم عالم اور امتناع خرق سماوات پر مبنی ہے۔ فلاسفہ خرق سماوات کو ممتنع کہتے ہیں اور عالم کو قدیم مانتے ہیں۔ امتناع خرق سماوات کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس آسمان کا اسی شکل پر رہنا ضروری ہے۔ اس کے اندر تغیر اور ٹوٹ پھوٹ ناممکن ہے۔ قدم عالم کا مطلب یہ ہے کہ یہ عالم ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس سے پہلے نہ یہ معدوم تھا اور نہ کبھی اس پر عدم آئے گا)

اس شبہ کا حاصل یہ ہے کہ اعادہ ممکن نہیں؛ کیوں کہ اعادہ میں دو امر ضروری ہیں۔ عالم اول کا فنا اور عالم ثانی کا وجود۔ یعنی اعادہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم اول کو ختم کرے اور عالم ثانی کو پیدا کرے، حالانکہ عالم قدیم ہے اور اس پر عدم اور فنا طاری نہیں ہوگا۔

متکلمین نے آیت کریمہ: ﴿قل یحییها الذی انشاها اول مرة﴾ کی روشنی میں اس شبہ کا جواب دیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ منکرین اعادہ نے جب یہ بات تسلیم کر لی کہ آسمانوں اور زمینوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے تو لامحالہ ان کو دو اور باتیں بھی ماننی پڑیں گی۔

پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعدام پر ایسا ہی قادر ہے جس طرح کہ اس کے ایجاد پر قادر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز پر کسی وقت بھی عدم کا آنا صحیح ہو تو اس پر ہر وقت میں عدم کا آنا صحیح ہوگا؛ کیونکہ اگر کسی چیز پر کسی وقت عدم کا آنا ممکن نہ رہے تو ظاہر ہے کہ پھر ممتنع ہوگا، حالانکہ یہ چیز اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن تھی اور اس پر عدم کا آنا ممتنع نہیں تھا۔

دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ دوسرے عالم کے ایجاد پر قادر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عقل یہ بات تسلیم کرتی ہے کہ ایک امر پر قادر ہونا اس کی مثل پر بھی قادر ہونا ہے۔ اب مثل کی ایجاد سے عجز کی صورت میں عقل یہ پوچھے گی کہ اصل پر وہ کیسے قادر ہوا؟ حالانکہ اصل اور مثل دونوں ایک ہی طرح کی ہیں۔

پس جب یہ دونوں باتیں تسلیم کر لی جائیں تو اب اس بات کا امکان بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ اس عالم کو ختم کر کے دوسرے عالم کو وجود بخشینگے۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کے اندر ایسی آیات بکثرت ہیں، جو باری تعالیٰ کے وجود وصفات اور نبوت کے اثبات پر دلالت کرتی ہیں اور منکرین پر رد کرتی ہیں۔ پس یہ بات کیسے صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ اس میں مشغول نہیں ہوئے۔ اور آج ہمارے لیے اس کے اندر اشتغال بدعت ہے۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ چلو مان لیا کہ یہ اشتغال دور نبوت میں تھا مگر اس میں تدوین کتب، تحریر اصطلاحات، تقریر مذاہب، تبویب مسائل اور تفصیل دلائل وغیرہ یہ چیزیں نہیں تھی۔ پس معلوم ہوا کہ اس صورت میں یہ موجودہ اشتغال بدعت ہے۔

اس کا جواب صاحب مواقف ؒ اور میر سید شریف جرجانی ؒ نے کچھ اس طرح دیا ہے کہ یہ درست ہے کہ تدوین علم کلام، تبویب مسائل اور تفصیل دلائل وغیرہ یہ چیزیں دور نبوت میں نہیں تھیں، اور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ اس میں مشغول نہیں ہوئے لیکن اس کی ایک خاص وجہ ہے جس کی وجہ سے ہمارا یہ اشتغال بدعت کے زمرے میں نہیں آتا۔ وہ یہ ہے

کہ یہ ترک تدوین وغیرہ اس بنا پر تھا کہ ان مقدس ہستیوں کے نفوس صاف تھے اور اذہان قوی تھے۔ وہ براہ راست اس وحی کا مشاہدہ کررہے تھے جو ان کے پاک قلوب پر نور افشانی کررہی تھی۔ ایسی مقدس ہستیوں کی موجودگی کی وجہ سے کسی درپیش شک وشبہ کا علاج بھی بآسانی میسر تھا۔ نیز معاندین کی قلت کی وجہ سے شکوک وشبہات بھی کم تھے۔

بعد کے ادوار میں جب نئے نئے شکوک وشبہات جنم لیتے رہے اور وقتاً فوقتاً ان میں اضافہ ہوتا رہا، تو اس بنا پر علم کلام کی تدوین کی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ خیر القرون کے زمانہ میں اس علم کی تدوین کا ایسا کوئی داعیہ پیدا نہیں ہوا تھا، جو بعد میں پیدا ہوا۔ اس وجہ سے اس پر بدعت کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے؟

اس کے بعد علامہ عضدالدین رحمہ اللہ نے ان لوگوں پر اعتراض کیا ہے کہ یہ بدعت والا اعتراض علم کلام پر کرتے ہیں تو علم فقہ پر کیوں نہیں کرتے ،حالانکہ فقہ کے بارے بھی ایسی بات کہی جاسکتی ہے کہ خیر القرون میں علم فقہ مدون نہیں ہوا تھا؛ کیوں کہ فقہ کو بھی اسی دور میں مدون نہیں کیا گیا تھا اور اس کے مضامین کو ابواب وفصول میں تقسیم نہیں کیا گیا تھا۔ پس جس طرح خیر القرون کے بعد علم کلام کی تدوین بدعت ہے، اسی طرح علم فقہ کی تدوین بھی بدعت ہونی چاہیے۔ پس ایک کی تدوین کو بدعت قرار دینا اور دوسرے کی تدوین کو بدعت قرار نہ دینا یہ تو ترجیح بلا مرجح ہے۔

پہلا اعتراض:

آگے صاحب مواقف رحمہ اللہ نے معترضین کے اس کلیہ "کل بدعة رد" پر اعتراض کیا ہے۔ اس کا حاصل سید جرجانی رحمہ اللہ کی شرح کے ساتھ یہ ہے کہ یہاں قیاس بنمط شکل اول ہے یعنی الاشتغال بالکلام بدعة و کل بدعة رد فالاشتغال بالکلام رد. شکل اول کے انتاج کے لیے کبریٰ کی کلیت ضروری ہے، جب کہ یہاں کبریٰ کل بدعة رد کی کلیت تسلیم نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ چلو مان لیا کہ علم کلام کی اصطلاحات اور تفاصیل جو بعد میں ظہور

پذیر ہوئی ہیں، بدعت ہیں، لیکن اس طرح کی بدعت مردود نہیں بلکہ مقبول اور حسن ہے، جیسا کہ علم فقہ کی تدوین کہ اس کی پسندیدگی پر سب کا اتفاق ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہر بدعت مردود نہیں۔

دوسرا اعتراض:

متکلمین پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جدل سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ نکلے۔ دیکھا کہ لوگ تقدیر کے بارے میں بحث کر رہے ہیں تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا۔ پھر فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں کے لوگ اسی میں جھگڑنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔ میرا حکم یہ ہے کہ تم اس میں کبھی بھی مشغول نہ ہونا۔ نیز یہ فرمایا کہ جب تقدیر کا ذکر ہو تو تم اپنے آپ کو روکے رکھو یعنی اس میں بحث نہ کرو۔ پس نبی کریم ﷺ کا جدل سے منع کرنا نظر واستدلال سے منع کرنا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال اور سارے عقائد دینیہ اور مسائل کلامیہ میں نظر کا استعمال اور استدلال سے کام لینا جائز نہیں ہے۔

ج: اس کے جواب میں علامہ عضد الدین رحمہ اللہ اور شارح سید شریف جرجانی رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ نہی جو جدل کے بارے میں آئی ہے وہ جدل کی ذات کے لحاظ سے نہیں کہ جدل من حیث الجدل ممنوع ہو بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس میں تعنت اور لجاج ہوتا ہے۔

تعنت کا معنی ہے کسی کے پھسلنے کی کوشش کرنا اور لجاج کا معنی ہے، جھگڑنا۔ یعنی تین طریقوں سے جھگڑنا اور لغزش میں ڈالنا۔

۱۔ باطل خیالات کی ترویج کے لیے شبہات اور شکوک پیش کرنا۔

۲۔ عقائد حقہ کو دفع کرنا۔

۳۔ تلبیس اور تدلیس سے باطل کو بصورت حق ظاہر کرنا۔

پس حدیث میں جس جدل سے نہی آئی ہے، یہ وہ ہے جو مذکورہ بالا تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کے ذریعے ہو۔ اس قسم کے جدل کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وجادلوا بالباطل ليدحضوا به الحق﴾ دوسری جگہ فرمایا: ﴿بل هم قوم خصمون﴾ نیز ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿ومن الناس من يجادل في الله بغير علم﴾

اس حدیث کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ نفس جدل ممنوع ہے، بلکہ حق کے ساتھ جدل محمود اور مطلوب ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وجادلهم بالتي هي احسن﴾ دوسری جگہ فرمایا: ﴿و لا تجادلوا أهل الكتاب الا بالتي هي احسن﴾ نیز مطلقاً مجادلہ کس طرح ممنوع ہوسکتا ہے جب کہ خود نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن الزبعری سے مجادلہ کیا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ جب یہ آیت کریمہ ﴿انكم و ما تعبدون من دون الله حصب جهنم﴾ نازل ہوئی تو ابن زبعری نے کہا کہ وما تعبدون میں ملائکہ اور عیسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں؛ کیونکہ ان کی بھی عبادت ہوئی تھی، تو کیا ان کو بھی عذاب دیا جائے گا؟ نبی کریم ﷺ نے جواباً فرمایا: ما اجهلك بلسان قومك! "ما" لما لا يعقل. یعنی تو اپنی قوم کی زبان سے کتنا جاہل ہے۔ تو نہیں جانتا کہ "ما" غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔

اسی طرح حضرت علیؓ نے ایک قدری کے ساتھ مناظرہ کیا۔ اس شخص نے کہا کہ میں اپنی حرکات وسکنات، اپنی بیوی کی طلاق اور اپنی باندی کے عتاق کا مالک ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تو اکیلا مالک ہے یا تو اور اللہ تعالیٰ دونوں مالک ہیں؟ اگر تو یہ کہتا ہے کہ میں اکیلا مالک ہوں تو تو نے اللہ کے علاوہ مالک مانا۔ اور اگر تو نے یہ کہا کہ میں اللہ کے ساتھ مالک ہوں تو تو نے اللہ کے لیے شریک مانا۔ پس جب نبی کریم ﷺ اور حضرت علیؓ نے مجادلہ کیا تو مطلقاً مجادلہ کیسے ممنوع ہوسکتا ہے۔

نیز اصل سوال کا ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چلو مان لیا کہ جدل ممنوع ہے لیکن جدل کے ممنوع ہونے سے نظر واستدلال کا ممنوع ہونا لازم نہیں آتا؛ کیونکہ دونوں میں فرق

واضح ہے۔ اور وہ فرق یہ ہے کہ جدل اس بحث کا نام ہے جس کے ذریعے خصم کو ہرانا مقصود ہو بخلاف نظر کے کہ وہ فکر کو کہتے ہیں۔ اور فکر نام ہے معلومات کو ترتیب دینے کا تاکہ اس کے ذریعے مجہول کا علم ہو جائے۔ الغرض دونوں میں فرق ہے، اسی لیے نظر و فکر ایک امر محمود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی فکر کی تعریف کی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا﴾

تیسرا اعتراض:

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: علیکم بدین العجائز یعنی بوڑھی عورتوں کے دین کو لازم پکڑو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم محض اعتقاد سے کام لو جس طرح بوڑھی عورتوں کا اعتقاد محض ہوتا ہے، نظر و استدلال سے ان کو کوئی واقفیت نہیں ہوتی۔ اسی طرح تم بھی محض اعتقاد سے کام لو اور نظر و استدلال سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

جواب: اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں بلکہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب عمرو بن عبید (جو کہ معتزلہ کے رؤسا میں سے تھے) نے کہا کہ کفر اور ایمان کے درمیان بھی ایک منزلہ ہے۔ اس کے جواب میں ایک بوڑھی عورت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿هو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن﴾ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی دو قسمیں بنائی ہیں: مومن اور کافر۔ پس ثابت ہوا کہ تیسری قسم نہیں ہے۔ اس موقع پر سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم بوڑھی عورتوں کے دین کو لازم پکڑو۔

دوسرا جواب تنزیلی ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ یہ فرمان رسول اللہ ﷺ کا ہے تو پھر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بوڑھی عورتوں میں تفویض الی اللہ، انقیاد اور فرمان برداری کی صفات ہوتی ہیں، یہ صفات تم بھی اختیار کرو۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ نظر و استدلال سے اپنے آپ کو روکے رکھو اور صرف تقلید اختیار کرو۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ حدیث ہے، لیکن یہ خبرِ واحد ہے، جبکہ استدلال اور نظر کا استعمال قواطع سے ثابت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اخبارِ آحاد قواطع کا معارضہ ہرگز نہیں کرسکتیں۔

لمحۂ فکریہ

اب ہم آگے علم کلام کے دو مشہور کتابوں "شرح المواقف" اور "شرح المقاصد" سے بعض مباحث کلامیہ کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں۔ چونکہ یہ مباحث عقائد سے تعلق رکھتے ہیں جس کا علم ہمارے لیے بے حد ضروری ہیں، اس لئے اس کا یہ حل نکالنا کہ ان مباحث کو پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں ایک غیر معقول سوچ ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ان مباحث کلامیہ کا سمجھنا ان علوم (علم منطق وعلم حکمت) کے بغیر مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ مضامین عقلی وفلسفی پیرائے میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اس اجمالی تذکرہ ایک طالب العلم کا شعور ضرور بیدار ہوگا اور پوچھے گا کہ یہ مباحث بوجہ عقیدہ سے متعلق ہونے کے میرے لیے سب سے زیادہ اہم تھے بلکہ صرف ونحو کو بھی میں نے بطورِ وسیلہ کے ان مقاصد کو سمجھنے کے لیے پڑھے تھے تو آخر مجھے ان علوم (علم منطق وحکمت) سے کیوں محروم کیا گیا جو ان مباحث کلامیہ کے فہم کے لئے جو مطلوبہ استعداد مہیا کرتی تھی؟

مباحث کلامیہ کا اجمالی خاکہ

(۱) بحث: تقسيم العلم الى تصديق وتصور (۲) بحث في التصورات الضرورية (۳) بحث النظر (۴) بحث التصور وتعريفه (۵) تقسيم النظر الى صحيح وفاسد (۶) شرائط النظر (۷) التوصل بالنظر إلى معرفة الله تعالىٰ (۸) بحث أول الواجبات (۹) انقسام العلم الى التصور والتصديق (۱۰) الأمور العامة (۱۱) بحث الوجود والعدم (۱۲) تصور الوجود بديهي بالضرورة (۱۳) التصديق ببداهة تصور الوجود (۱۴) الوجود نفس الماهية أو زائد

عليها(١٥) أن الوجود مفهوم مشترك بين الموجودات (١٦) زيادة الوجود على الماهية(١٧) أدلة المتكلمين على زيادة وجود الواجب على الماهية(١٨) منع تساوى وجودى الواجب والممكن فى الماهية (١٩) أدلة القائلين بكون الوجود نفس الماهية (٢٠) التوفيق بين الآراء المتنازعة (٢١) الوجود زائد على الماهية ذهنا فى الممكن(٢٢) حقيقة الواجب هو مطلق الوجود (٢٣) اختلاف العقلاء فى الوجود هو جزئى أو كلى؟ (٢٤) تقسيم الوجود عينيا وذهنيا ولفظيا وخطيا (٢٥) الاستدلال على إثبات الوجود الذهنى (٢٦) اتصاف الذهن بالحرارة والبرودة بديهى الاستحالة (٢٧) الوجود يرادف الثبوت (٢٨) نفى ثبوت المعدوم ونفى الواسطة بينه وبين الوجود(٢٩) أدلة القائلين بشيئية المعدوم والرد عليهم (٣٠) الاختلاف إذا كانت الشيئية بعض الثبوت العينى (٣١) الأدلة على ثبوت الحال(٣٢) نقص أدلة اثبات الحال(٣٣) من أدلة اثبات الحال(٣٤) ذكر تفريعات المثبتين لشيئية المعدوم والحال (٣٥) أدلتهم على ثبوت الحال تقسيمه (٣٦) أدلة بطلان ثبوت المعدوم والحال(٣٧) تمايز الأعدام فى العقل وما يتعلق بذلك (٣٨) لا حجر على تصورات العقل فقد يجمع بين متنافيين(٣٩) الوجود والعدم كل منهما يكون محمولا ورابطة (٤٠) دفع توهم فى حمل الوجود والعدم على الماهية (٤١) إثبات صحة الحكم (٤٢) تعريف الماهية وما يتعلق به(٤٣) تحقيق الماهية باعتبار تميزها عن العوارض(٤٤) تقسيم الماهية باعتبار ثبوت العوارض أو نفيها (٤٥) ما نقل عن أفلاطون يفيد ظاهره وجود الماهية (٤٦) لا يعتبر فيه خلط ولا تجريد(٤٧) تقسيم الماهية باعتبار وجود الشرطية أو عدمها (٤٨) الماهية بسيطه ومركبة (٤٩) المشارك دليل تركيب الماهية (٥٠) يشترط فى المركبة تقدم أجزائها ذهنا وخارجا (٥١) تقسيم أجزاء المركب إلى

متداخلة ومتباينة (٥٢) الماهيات مجعولة أم لا (٥٣) لواحق الوجود والماهية

(٥٤) التعين (٥٥) التعين اعتباري (٥٦) احتجاج المخالف لمدعي اعتبارية

التعين (٥٧) الاختلاف في عدمية التعين ووجوده لفظيا (٥٨) الوجوب والامتناع

والإمكان (٥٩) المعقولات تحصل من نسبة المفهوم (٦٠) في تقسيم الوجوب

والامتناع والإمكان (٦١) الموصوف بالذات إما واجب أو ممتنع (٦٢) الوجود

رابطة وتوابعه مواد للقضايا (٦٣) اعتبارية الوجوب وما يجري مجراه (٦٤)

الاستدلال على اعتبارية الامكان والوجوب (٦٥) احتجاج المخالف في نفي

عدمية الوجوب والامكان (٦٦) احتياج الممكن الى المؤثر (٦٧) الاستدلال

على احتياج الممكن إلى المؤثر (٦٨) شبه المنكرين على عدم الاحتياج (٦٩)

موجب احتياج الممكن إلى المؤثر (٧٠) تساوي طرفي الممكن بالنسبة إلى

ذاته (٧١) التقدم والحدوث (٧٢) تفسيرهما وأقسامهما وما يتعلق

بذلك (٧٣) القديم بالزمان يمتنع استناده إلى المختار (٧٤) القديم يمتنع عدمه

(٧٥) المبحث الثاني: في زعم الفلاسفة أن الحادث له مادة ومدة وجوب سبق

المدة لكل حادث (٧٦) معقولية السبق بالاشتراك أو التشكيك (٧٧) الوحدة

والكثرة (٧٨) الوحدة والكثرة من الاعتبارات العقلية (٧٩) الوحدة غير مرادفة

للوجود ولا الماهية (٨٠) الدليل على وجودية الوحدة والكثرة (٨١) معرض

الوحدة والكثرة (٨٢) الاثنينية لا تتحد في معروضها (٨٣) التغاير من خواص

الكثرة (٨٤) الغيرية نقيض الهوية (٨٥) التغاير يكفي فيه الإنفكاك

(٨٦) الاشتراك في الصفات النفسية (٨٧) اشتراط التغاير مختلف فيه (٨٨)

التضاد من خواص الكثرة (٨٩) كل التعين غيران عند الفلاسفة (٩٠)

التضاد الحقيقي (٩١) التقابل عام بالمعروض خاص بالعارض (٩٢) من أحكام

المقابل متوليه على ماتحته (٩٣)مرجع الإيجاب والسلب(٩٤)أحكام السلب والإيجاب(٩٥)أحكام التضاد (٩٦)التضاد الحقيقي يوجد بين نوعين (٩٧)لا التقابل بين الوحدة والكثرة (٩٨) العلية والمعلولية(٩٩) تعريف العلة (١٠٠) العلة التامة والناقصة (١٠١) تقسيم أقسام العلة (١٠٢) وجود المعلول يجب عند تمام الفاعل (١٠٣)افتقار عدم المعلول إلى عدم العلة (١٠٤) المؤثر في الوجود مؤثر في البقاء(١٠٥)وحدة المعلول توجب وحدة الفاعل(١٠٦) دليل المخالف بامتناع تعدد العلة (١٠٧) جواز صدور الكثرة عن الواحد الحقيقي (١٠٨)أدلة الفلاسفة على صدور الكثرة عن الواحد(١٠٩)الواحد لا يكون قابلاً وفاعلاً عند الفلاسفة (١١٠)لاتأثير للقوى الجسمانية(١١١)استحالة ترقي عروض العلية والمعلولية(١١٢) الأدلة (السبعة) على استحالة التسلسل (١١٤)المادة للصورة محل وقابل وحامل (١١٥) بحث الأعراض(١١٦) بحث الكيفية (١١٧) بحث الموجود (١١٨) بحث الأجناس العالية والمقولات العشر(١١٩) صفات الباري ليست من المقولات (١٢٠) العرض لا يقوم بنفسه (١٢١) العرض لا ينتقل من محل إلى آخر (١٢٢) لا يجوز قيام العرض بالعرض(١٢٣) بحث الكم (١٢٤) الأحكام الكلية (١٢٥) انقسام الكم إلى الذاتي والعرضي (١٢٦) المقادير جواهر مجتمعة عند المتكلمين (١٢٧)بحث الزمان (١٢٨) أدلة الفلاسفة على وجود الزمان (١٢٩) اختلاف المتكلمين والفلاسفة في حقيقة الزمان(١٣٠)نقض أدلة الفلاسفة (١٣١) الزمان جوهر مستقل عند قدماء الفلاسفة (١٣٢) بحث المكان (١٣٣)المكان هو السطح أو البعد(١٣٤) الخلاء ممكن أو ممتنع(١٣٥)بحث الكيف (١٣٦) الكيفيات المحسوسة (١٣٧) الملموسات (١٣٨) الملموسات أصولها الحرارة (١٣٩) بحث في من يجعل

علمــاد نـفـس الـمـدافـعـة (١٤٠) الـمبصرات (١٤١) البيـاض والسواد طرفـان للون(١٤٢) لا حقيقة لـلـون عـنـد بعض الناس(١٤٣) السواد والبياض أصل الألوان(١٤٤) الـضـوء(١٤٥) هـل الـضـوء نـفـس الهواء أوما يخالطه؟(١٤٦)الظل حاصل من الهواء الـمـقـابل للمضيء (١٤٧) الضوء قد يكون شعاعا وقد يكون بريقا (١٤٨) حدوث الـضـوء في الـمسـتـضـيء من مضيء(١٤٩) الضوء مغاير للون(١٥٠)المسموعات(١٥١) الصوت خلق الله(١٥٢)رأي الفلاسفة في إدراك وصول الصوت بالهواء(١٥٣) تمايز الصوت بكيفية عما يماثله (١٥٤) الحروف تنقسم الى صامتة ومصوتة (١٥٥) تقسيم آخر للحروف إلى متماثلة ومختلفة (١٥٦)تـعـريف الـمـقـطـع الـمـقـصـور والمقطع الممدود (١٥٧) الحروف ومكونات اللفظ والكلام والمفرد والمركب(١٥٨) اللفظ من قبيل الكم (١٥٩) المذوقات (١٦٠) الـمـشـمـومـات وهي الـروائـح(١٦١) الكيفيات النفسانية كالإدراك(١٦٢) الحياة مبدأ لقوة الحس والحركة (١٦٣)اعتدال المزاج ووجود البنية ليسا شرطًا لإيـجـاد الـحـيـاة (١٦٤) الـمـوت كيفية تـضـاد الـحـيـاة (١٦٥) حـقـيـقـة الإدراك(١٦٦)الـمدرك لايتصف بما يدركه لتغاير الصورة والهوية(١٦٧)الإدراك امــا إضـــافة أوصــفة لهـــا (١٦٨)أنـواع الادراك(١٦٩)الـفـــرق بيـــن السهو والنسيان (١٧٠) انقسام الـعـلـم إلى قديم وحادث (١٧١) انقلاب العلم النظري إلى ضروري (١٧٢)اختـلاف الـعـلـمـاء في استناد الضروري إلى النظري (١٧٣) اختـلاف الـعـلـمـاء فـي تـعـدد العـلـم الـحـادث بتـعـدد المعلوم(١٧٤)العلمان يتعلقان بمعلوم واحد(١٧٥)محل العلم هو القلب(١٧٦) العقل مناط التكليف(١٧٧)الارادة(١٧٨) تعريف الإرادة(١٧٩) إرادة الشيء كراهة ضده (١٨٠)القدرة (١٨١) تعريف القدرة (١٨٢) القدرة الحادثة لاتوجد الفعل

الفعل (۱۸۳) العجز ضد القدر (۱۸۴) الصحة والمرض (۱۸۵) الواسطة بين الصحة
والمرض (۱۸۶) الكيفيات التابعة من انفعالات النفس (۱۸۷) الكيفيات المختصة
بالكميات (۱۸۸) الشكل من الكيفيات (۱۸۹) الزاوية من الكم (۱۹۰) الكيفيات
الاستعدادية (۱۹۱) بحث الأين (۱۹۲) حقيقة الأين (۱۹۳) العرض لايقوم بمحلين
(۱۹۴) للمتحرك حصولات على الاستمرار دون الاستقرار (۱۹۵) الباطن من
أجزاء المتحرك متحرك (۱۹۶) أقوال الفلاسفة في الأين (۱۹۷) الأين الحقيقي
(۱۹۸) الحركة الخروج من القوة الى الفعل (۱۹۹) أحوال الحركة ولوازمها (۲۰۰)
اختلاف الحركات بالماهية والعوارض واتحادها بالشخص (۲۰۱) لوازم الحركة
الكيفية (۲۰۲) السكون بين الحركتين المستقيمتين عند بعض الفلاسفة (۲۰۳)
للجسم حركتان الى جهة أوجهتين (۲۰۴) باقي الأعراض النسبية (۲۰۵)
الجواهر (۲۰۶) ما يتعلق بالأجسام (۲۰۷) الجسم القابل للانقسام (۲۰۸) اقوال
العلماء في قابلية الجسم البسيط للانقسام (۲۰۹) أقوال العلماء في قابلية
الجسم البسيط للانقسام (۲۱۰) طريقة المتكلمين في كون الجسم يتركب من
اجزاء لاتتجزأ (۲۱۱) إثبات جوهر في الجسم لايقبل الانقسام (۲۱۲) الاحتجاج
على أن أجزاء الجسم متناهية (۲۱۳) طرق نفي الجوهر الفرد عند الفلاسفة
(۲۱۴) تفاوت الحركتين دليل على نفي الجزء الذي لايتجزأ (۲۱۵) أدلة هندسية
على نفي الجزء الذي لايتجزأ (۲۱۶) تفاريع المذاهب (۲۱۷) أحكام الأجسام
(۲۱۸) الجهات غير محصورة في عدد (۲۱۹) أقسام الجهات علو وسفل وأربعة
وضعية (۲۲۰) العلو في الجهات لا ... أن يكون مضافا إلى المحل
(۲۲۱) الأجسام محدثة بذواتها وصفاتها عند المتكلمين (۲۲۲) الأدلة على أن
الأجسام لا تخلو من الحوادث (۲۲۳) أدلة امتناع تعاقب الحوادث لا الى نهاية

أهل القبلة (۲۷۰)حکم المؤمن والکافر الکفر (۲٦۹)حکم مخالف الحق من أهل القبلة (۲۷۰)حکم المؤمن والکافر والفاسق(۲۷۱) الامامة (۲۷۲) نصب الامام (۲۷۳) الشروط التی تجب فی الامام(۲۷۴) بماتثبت الإمام (۲۷۵) هل نص علیه السلام علی إمام بعینه ومن هو؟ (۲۷٦)الإمام بعد رسول اللہ ﷺ (۲۷۷)الأفضیلة بین الخلفاء الراشدین (۲۷۸)وجوب تعظیم الصحابة

حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ کی کتاب ’’آب حیات‘‘ سے اقتباسات

ان علوم ثلاثہ کلام، منطق حکمت کے پڑھنے اور سمجھنے پر ہمارے اکابر کی کتابوں کا سمجھنا موقوف یہاں حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ کی کتاب ’’آب حیات‘‘ سے ہم چند عبارات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں ان کو آپ پڑھ کر غور کریں کہ کیا علم منطق، فلسفہ اور علم کلام پڑھے بغیر اکابر کے ان کتابوں کو سمجھا جاسکتا ہے؟

چنانچہ صفحہ ۸۲ میں فرماتے ہیں ’’وجود مطلق تو حضرت واجب الوجود ہی کا وجود ہے۔ وجودات ممکنات وجودات مقیدہ اور وجودات خاصہ ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ واجب الوجود بھی وجود خاص ہو تو عدم اس کو محیط ہو۔ کیونکہ تخصیص الشئی بنفسہ تو محال ہے۔ ہو نہ ہو غیر سے ہو، سو سوائے وجود کے بجز عدم اور کیا ہے جس سے تخصیص کی امید رکھئے، لیکن وجود خاص اور وجود مقید جن کے ایک ہی معنٰی ہیں بے اختصاص وتقیید متصور نہیں اور تقیید اور اختصاص کو تناہی لازم ہے۔‘‘

اور اسی طرح صفحہ ۸۵ میں فرماتے ہیں ’’اس صورت میں وہ دوسرا مرتبہ اس کی نسبت موجود محقق ہوگا جیسے فرض کیجئے سطوح اقتران جسم، بعدم جسم سے پیدا ہوتے ہیں، یا یوں کہئے اقتران اجسام سے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ یہ بھی ایک جسم کا اقتران اس کے عدم کے ساتھ ہے۔ آخر دوسرے جسم پر ’’لولا ہذا الجسم‘‘ صادق آتا ہے۔ بہر حال یہ سطوح جو اقتران مذکور سے پیدا

ہوتے ہیں بہ نسبت اجسام کے امور انتزاعی ہیں پھر ان سطوح کو جو اپنے اعدام کے ساتھ اقتران حاصل ہوتا ہے اور خطوط پیدا ہوتے ہیں تو وہ بہ نسبت ان سطوح کے انتزاعی ہیں"۔

اور اسی طرح آگے صفحہ ۹۲ پر فرماتے ہیں" لیکن پہلے معلوم ہو چکا کہ کلی طبعی کے سب احکام سوا اطلاق کے اقسام میں ہونے چاہئیں ورنہ پھر اس کی قسم ہی کیوں ہوگی۔ قسم کو تو قسم جب ہی کہتے ہیں کہ احکام مقسم اس میں موجود ہوں قطرہ میں اگر پانی کے آثار ولوازم مثل سیلان وتبرید نار وغیرہ نہ ہوتے تو اس کو پانی اور پانی کی قسم کوئی نہ کہتا"۔

اب ان مندرجہ بالا مباحث کو اور حجۃ الاسلام قاسم نانوتوی کے عبارات کو مد نظر رکھ کر طالب علم کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ آیا یہ موجودہ نصاب مجھے وہ استعداد دے سکتا ہے جس کے ذریعہ میں ان مباحث کے متعلقہ کتابوں کو سمجھ سکوں یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقینا نفی میں ہوگا تو پھر کچھ قدم پیچھے (قدیم درس نظامی کے طرف) جا کر اپنے سفر علمی کے لئے زاد راہ تیار کر کے منزل کے جستجو کے لئے جہد مسلسل میں لگا رہے۔

اب جس کی جی میں آئے تو وہی پائے روشنی ہم نے تو دل جلا کے سر عام رکھ دیا!

شرح ابن ابی العز کا تحقیقی جائزہ

"عقیدہ طحاویہ" جو مذہب حنفی کے عظیم محدث علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ اس میں چونکہ عقائد کا اجمالی بیان ہے جو شرح کا محتاج ہے اس لیے اس کی متعدد شروح ہیں جن میں ایک شرح بنام "شرح الطحاویۃ فی العقیدۃ السلفیۃ" "سلفی العقیدہ صدر الدین علی بن علی بن محمد بن ابی العز الحنفی نے لکھی ہے جس کی احادیث کی تخریج علامہ ناصر الدین البانی غیر مقلد نے کی ہے۔

آگے آنے والے ابحاث میں ہم نے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعض عقائد جو کہ اہل السنۃ والجماعت کے اجماعی عقائد کے خلاف ہیں، کو ذکر کیا ہے۔ ابن ابی العز ان ہی عقائد کا ترجمان ہے۔ اس نے بالکل وہی عقائد شاذہ باطلہ اپنی شرح کے اندر بیان کیے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ کی الاسماء والصفات اور ابن ابی العز کی شرح کا تقابلی مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ جو ابحاث علامہ ابن تیمیہ نے ذکر کیے ہیں، مثلاً متقدمین کی تفویض اور متاخرین کی تاویل کی مذمت کرنا، اللہ تعالیٰ کے لیے جہت اور مکان کا اثبات، قدم عالم کا قول اور تسلسل الحوادث فی جانب الماضی کا اثبات، یہ تمام ابحاث ابن ابی العز کی شرح میں آپ کو ملیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن ابی العز اہل السنۃ والجماعت کا ترجمان نہیں بلکہ ابن تیمیہ کے عقائد کا ترجمان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عقیدہ طحاویہ کے اندر جو بات ابن تیمیہ کے مسلک کے خلاف ہو اس کی ایسی تاویل کرتا ہے کہ مسلک ابن تیمیہ کے موافق ہو جائے۔ مثال کے طور پر امام طحاوی رحمہ اپنے قول: و لاتحیط به الجهات الست کسائر المبتدعات میں اللہ تعالیٰ سے جہات کی نفی کر رہے ہیں۔ اب آپ اس قول کے تحت ابن ابی العز کی شرح کا مطالعہ کیجیے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ کیسے پرزور طریقے سے اللہ تعالیٰ کے لیے جہت کو ثابت کر رہے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابن ابی العز کا عقیدہ اہل السنۃ کے موافق نہیں، بلکہ وہ اس میں ابن تیمیہ کے پیرو ہیں۔

اسی طرح ان کی حنفیت بھی مشکوک ہے؛ کیونکہ انہوں نے ہدایہ کی شرح لکھی ہے جو کہ دراصل ہدایہ پر اعتراضات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین اس شرح کو کافی توجہ دیتے ہیں اور اس کی ترویج کی کافی کوشش کرتے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں اسے چھاپ کر طلباء اور مدارس میں مفت تقسیم کرتے ہیں۔ دور حاضر کے طلباء کو اہل سنت کے اجماعی عقائد سے پوری واقفیت نہیں ہوتی۔ وہ جب ابن ابی العز کے نام کے ساتھ "الحنفی" کا لاحقہ دیکھتے ہیں تو دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں اور یوں لاشعوری طور پر عقائد باطلہ کی طرف مائل ہو کر اس کو اپنا لیتے ہیں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ ہمارے بعض ایسے علماء جو دیوبند کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں، انہوں نے اپنے مدارس سے شرح عقائد کو نکال کر ابن ابی العز کی اس شرح کو داخل درس کر رکھا ہے۔ لہٰذا ضروری سمجھا گیا کہ ابن ابی العز کے بعض عقائد باطلہ کا بیان

کیا جائے اور اس کے متعلق علمائے کرام کے تنقیدی کلمات بھی ذکر کیے جائیں تا کہ علماء اور طلباء اس سے باخبر ہوں۔

اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جہاں علو کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اس سے علو باعتبار مرتبہ مراد ہے نہ باعتبار مکان۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

"و اما علوه تعالى على خلقه المستفاد من نحو قوله تعالى: ﴿و هو القاهر فوق عباده﴾ فعلو مكانة و مرتبة لاعلو مكان كما هو مقرر عند أهل السنة والجماعة وسائر طوائف الإسلام من المعتزلة و الخوارج وسائر أهل البدعة". شرح الفقه الاكبر: 137 المطبوع في المطبع الحنفي)

ترجمہ: بہرحال اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿وهو القاهر فوق عباده﴾ میں فوقیت کی نسبت جو اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، اس سے فوقیت حسی اور علو مکانی مراد نہیں، بلکہ اس سے فوقیت اور علو باعتبار مرتبت اور منزلت مراد ہے۔ یہی اہل السنۃ والجماعۃ بلکہ تمام فرق اسلامیہ جیسے معتزلہ، خوارج اور تمام اہل بدعت کا مذہب ہے۔

ابن ابی العز، ابن تیمیہ وغیرہما کا عقیدہ اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت و مکان ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ ایسے لوگوں کی تردید میں آگے لکھتے ہیں:

إلا طائفة من المجسمة و جهلة من الحنابلة القائلين بالجهة لله تعالى عن ذلك علوا كبيراً.. و قد أطرب الشارح حيث قال في قوله تعالى: ﴿نزل به الروح الأمين على قلبك﴾ في ذلك اثبات العلو لله تعالى انتهى، و غرابته لايخفى إذ النزول و التنزيل تعديتهما بعلى، و المراد بنزوله هنا من جهة السماء على أن الكلام في علو الكلام على قلب الرسول ﷺ و لانزاع في عدم المقام، و لاتلازم من ذلك علو المكان للملك العلام، و اما قوله: و كلام السلف في إثبات صفة العلو كثير

جداً بعد ما ذكر بعض الآيات والاحاديث الدالة على صفة الفوقية و نعت العلوية فمسلم إلا أنه مؤول كله بعلو المكانة. (شرح الفقہ الاکبر: ۱۲۷)

ترجمہ: ہاں مجسمہ اور حنابلہ میں بعض جاہل اللہ تعالیٰ کے لیے جہت ثابت کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ جہت سے بہت عالی و برتر ہے۔ شارح (ابن ابی العز) نے عجیب کام کیا ہے؛ کیوں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿نزل به الروح الامين على قلبك﴾ کے متعلق کہا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے صفت علو باعتبار مکان کے ثابت ہے۔ ابن ابی العز کی غرابت مخفی نہیں ہے؛ کیوں کہ نزول اور تنزیل دونوں علی کے ذریعے متعدی ہیں، اس لیے آیت کی مراد یہ ہے کہ روح الامین ؑ آسمان کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ (دوسری بات یہ ہے کہ) بحث اس مقام میں علو کلام کے متعلق ہے، مگر ابن ابی العز پر تعجب ہے کہ اس نے آیت کو صفۃ العلو کی اثبات کے لیے دلیل بنایا اور (اس آیت کی مذکورہ) توجیہ میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے علو المکان بالکل لازم نہیں آتا۔ بعض آیات و روایات (جن سے صفت الفوقیت اور نعت العلویت کا بیان ہے) کے بعد یہ کہنا کہ "وكلام السلف في إثبات صفة العلو كثير جدا" سو یہ مسلمات میں سے ہے لیکن اس جیسی تمام عبارات علو مکانۃ و مرتبۃ کے ساتھ مؤول ہیں"۔

ملا علی قاری مزید فرماتے ہیں:

"و الحاصل أن الشارح (ابن أبي العز) يقول بعلو المكان مع نفي التشبيه و وقع فيه طائفة من أهل البدعة وقال أيضا: "ومن الغرائب أنه استدل على مذهبه الباطل برفع الأيدي إلى السماء". (شرح الفقہ الاکبر ص: ۱۳۸، المطبوع فی المطبع الحنفی)

ابن ابی العز پر دوسرے علماء نے بھی تنقید کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إن العلماء بالديار المصرية أنكروا ذلك عليه خصوصاً أهل مذهبه من الحنفية.

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

"إن ممن أنكر على ابن أبي العز من الحنابلة زين الدين ابن رجب و تقي الدين ابن مفلح و أخوه".

(انباء الغمر ج:۲، ص:۹۷)

ہم نے بعض معتمد علماء کے اقوال سے بطور نمونہ کے آپ کے سامنے ابن ابی العز کا نظریہ واضح کیا اور اس پر تفصیلی بحث ہم دوسری کتاب میں کریں گے۔ واضح رہے کہ عقیدہ طحاویہ اہل سنت والجماعت کا مسلّم متن متین ہے اور متداول ہے، جس کی اچھی شروح بھی دستیاب ہیں۔ یہاں کلام صرف شرح ابن ابی العز کی ہو رہی ہے۔

﴿فصل چہارم﴾

علمائے دیوبند اور ان سے ماقبل علماء کا علوم عقلیہ کے ساتھ تعلق اور عشق اور ہمارا جدید تعلیمی نصاب

اب آیندہ سطور میں اسی نصاب (جو علم منطق، سمت اور کلام پر مشتمل ہے) کو پڑھ کر درجہ کمال پانے والے علمائے دیوبند اور ان حضرات کا ان علوم کے ساتھ محبت، وارفتگی اور والہانہ تعلق کا ذکر کرتے ہیں؛ کیوں کہ محاورہ ہے: "قصص الأولين مواعظ الآخرين".

یہ مضمون جہاں ایک طرف درس نظامی کی سابقہ شکل (جس میں پورے علوم وفنون موجود ہیں) کے کمال پر بین اور ٹھوس ثبوت ہے تو دوسری طرف ان علمائے کرام کا اس نصاب کو اختیار کرنے کا سبب بھی واضح ہو جائے گا۔ شومئی قسمت کہ ہم نے اس نصاب کو ترک کر دیا ہے اور اس کی بجائے ایسی کتابوں کو داخل درس کر رہے ہیں جو یا تو فقط مطالعہ کی کتابیں ہیں یا عربی ادب کی ہیں، جو بہ نسبت اور علوم کے آسان ہیں اور جن کے پڑھنے سے استعداد نہیں بنتی۔ اس کے مقابلے میں جن کتابوں کو نکالا جا رہا ہے، وہ ایسی کتابیں ہیں جن کے پڑھنے

سے استعداد بنتی تھی۔

قدیم کتابوں کے داخل نصاب رہنے سے ان لوگوں کی بھی حوصلہ شکنی ہوگی جو ان علوم کی بجائے تسہیلات کے درپے ہیں اور طلبہ کی نظر میں قدیم نصاب کی اہمیت ووقعت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اپنے اکابر کا ان علوم کے ساتھ والہانہ تعلق کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے اور یہ پروپیگنڈہ بھی دم توڑے کہ ہمارے اکابر کو منطق، حکمت وکلام وغیرہ یہ علوم ناپسند تھے۔ مزید بصیرت کے لیے اس بحث کے اختتام پر ساتویں صدی تک کے علماء کا بھی (جنکو ان علوم کیساتھ تعلق تھا) کا ذکر کریں گے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔

رئیس المتکلمین حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

بانی دیوبند ورئیس المتکلمین حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ان علوم (جو کہ آج شجر ممنوعہ قرار دیے گئے ہیں) کے ساتھ محبت کا حال دیکھ کر فیصلہ کریں کہ ان کے نزدیک ان علوم کی کیا اہمیت ہے۔ چنانچہ ان کی سوانح عمری جو مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے اس میں مختلف مقامات سے ان علوم کے متعلق جو کچھ آیا ہے اس کو بالتفصیل ذکر کردیتے ہیں۔

کتب معقولات کا بیان

چنانچہ مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں: کتابوں کے متعلق عرض کرچکا ہوں کہ معقولات کے سلسلہ میں صدرا، شمس بازغہ، میر زاہد کا ذکر تو صراحتاً مصنف امام نے فرمایا ہے۔ درس نظامیہ کے معقولاتی حصہ کی آخری اور یہ چوٹی کی کتابیں ہیں۔ ان کتابوں کے پڑھنے والوں کے متعلق یہی توقع کی جاتی ہے کہ جن کتابوں کا درجہ تعلیمی ان سے فروتر ہے، کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ وہ نہ پڑھی گئی ہوں۔ یہ صحیح ہے جیسا کہ آپ سن چکے کہ ایک زمانہ ایام طلب ہی کے دنوں میں ایسا بھی آیا جب اپنے ہی جیسے انسانوں کی بنائی ہوئی کتابوں کے

ساتھ حسن ظن کہیے یا مرعوبیت کی وہ کیفیت آپ میں باقی نہیں رہی تھی جو عموماً اس زمانہ کے اہل علم کے قلوب میں پائی جاتی تھی، لیکن اس حال تک آپ اچانک نہیں پہنچے تھے، بلکہ ان ہی معقولات کی کتابوں کے متعلق آپ ہی کا ایک وہ حال بھی تھا، جس کا اندازہ اس قصہ سے ہوتا ہے جس کا ذکر مولوی عاشق الٰہی مرحوم نے تذکرۃ الرشید میں فرمایا ہے۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ درس نظامیہ کے نصاب میں جیسا کہ جاننے والے جانتے ہیں، ملا محب اللہ بہاری کے منطقی یا معقولاتی متن سلم العلوم کی ایک نہیں بلکہ متعدد شرحیں داخل ہیں اور باضابطہ لزوماً طلبہ کو پڑھائی جاتی ہیں۔ ملا حسن اور قاضی مبارک کی شروح سے سلم کے تصورات اور مولوی حمد اللہ سندیلوی کی شرح کے ذریعہ سے سلم کے تصدیقات پڑھائے جاتے تھے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ سلم العلوم کے براہ راست متن کے پڑھنے کی ضرورت قدرتاً باقی نہیں رہتی مگر معقولات کی اسی غیر ضروری کتاب کے متعلق مولوی عاشق الٰہی صاحب کی بیان کردہ اس روایت کو سنیے۔ انہوں نے لکھا ہے۔

معقولات کے پڑھنے میں غایت شوق وطلب

اس کا (یعنی اس قصے کا) تذکرہ خود حضرت امام ربانی (مولانا گنگوہیؒ) نے بارہا فرمایا کہ جب میں اور مولوی محمد قاسم صاحب دہلی میں استاذ (مولانا مملوک علیؒ) سے پڑھتے تھے۔ ہمارا ارادہ سلم شروع کرنے کا ہوا، لیکن مولانا مملوک علی علیہ کو فرصت نہ تھی۔ اس لیے انکار فرماتے رہے۔ بالآخر میں نے عرض کیا کہ حضرت! ہفتہ میں دو بار صرف پیر اور جمعرات (یا جمعہ) کو پڑھا دیا کیجیے۔

مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ بڑی آرزو منت سے یہ التجا (یعنی ہفتہ میں دو دن درس کی التجا) چونکہ منظور ہوئی تھی، اس لیے "اس سبق کی ہمیں بڑی قدر تھی"۔ (تذکرۃ الرشید ج:۱،ص:۳۱)

ظاہر ہے کہ "قدر" صرف حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تک محدود نہ تھی۔ جمع متکلم "ہمیں" کا لفظ بھی یہی بتا رہا ہے کہ مولانا گنگوہیؒ اس قدر دانی میں تنہا نہ تھے۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ تین تین دفعہ جو متن اپنی شروح کے ساتھ پڑھی جاری ہو متن کی اس کتاب تک کو جو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو، اور روز نہ سہی ہفتہ میں دوبار سہی، درس کے دنوں میں موقعہ نہ ہو تو جمعہ کی تعطیل ہی کے دن سہی، مگر بہرحال اس غیر ضروری متن کو جو پڑھ کر رہا ہو، طلب علم کے ایام میں اس حال سے بھی جو گذر چکا ہو، اس کے متعلق یہ کون سوچ سکتا ہے کہ نصاب کی کوئی کتاب اس کے پڑھنے سے رہ گئی ہوگی۔ کچھ آگے لکھتے ہیں۔

اسی بنیاد پر میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ان دونوں "ہم سبقوں" میں سے ایک یعنی مولانا گنگوہی کے متعلق مولوی عاشق الٰہی مرحوم نے جو یہ لکھا ہے کہ:

"صحاح ستہ کے علاوہ معقول میں منطق و فلسفہ، ادب و ہیئت و ریاضی اور منقول میں تفسیر و اصول و فقہ و معانی وغیرہا اکثر کتابیں آپ نے مولانا الشیخ مملوک علی صاحبؒ سے پڑھیں"۔ بجنسہ یہی روداد دوسرے ہم سبق یعنی مولانا محمد قاسم ؒ کے تعلیمی نصاب کی ہے اس بنیاد پر یہ سمجھنا چاہیے کہ درس نظامیہ کے عام اور متداول علوم کی کتابیں دونوں حضرات کی مولانا مملوک علی صاحبؒ کے یہاں پوری ہوئیں۔

حجۃ الاسلامؒ کی ذہانت

مصنف امام نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مولانا مملوک علی صاحبؒ نے مولانا محمد قاسمؒ کا نام عربک کالج میں لکھوادیا تھا، تفصیلاً جس پر بحث کر چکا ہوں۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مولانا مملوک علی صاحبؒ نے عربک کالج کے مدرس ریاضی کو فرمایا کہ ان (مولوی محمد قاسمؒ) کے حال سے معترض نہ ہونا میں ان کو پڑھالوں گا اور فرمایا کہ تم (یعنی مولوی محمد قاسمؒ کو خطاب کرکے کہا تھا کہ) اقلیدس خود دیکھ لو اور قواعد حساب کی مشق کرلو۔ (سوانح قاسمی ج ۱/۲۴۸، ۲۵۱)

اللہ تعالیٰ نے بڑی صلاحیت دی تھی

دینی علوم کے فتوحات وانکشافات کے متعلق تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اس مولانا

ربانی ہدایت کے ثمرات تھے جس کا وعدہ قرآن میں مجاہدات وریاضات کرنے والوں کو دیا گیا ہے، وہی مجاہدات وریاضات جنہوں نے حضرت والا کو "مجسم تقوئی" بنا کر رکھ دیا تھا، لیکن اس زمانہ کے نصاب میں دینی علوم کے سوا جن فنون کی تعلیم وتعلم کا رواج تھا، سیدنا الامام الکبیر سے پڑھنے والے اور سننے والے ہی بیان کرتے ہیں کہ دوسروں سے پڑھنے کے بعد جب قاسمی حلقہ میں شریک ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انہوں نے اب تک اس فن کے متعلق کچھ پڑھا ہی نہیں تھا۔ یاد پڑتا ہے خاکسار جب بجنور اپنی نوجوانی کے عہد میں حاضر ہوا تھا اور سیدنا الامام الکبیر سے براہ راست تلمذ کا شرف رکھنے والی ایک ہستی مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوری طاب ثراہ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی تھی تو اس وقت ان ہی سے یہ بات سنی تھی کہ مختلف علماء عصر سے منطق وفلسفہ کی کتابیں پڑھنے کے بعد وہ سیدنا الامام الکبیر کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، کہتے تھے کہ جو بات بھی یہاں سننے میں آتی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کبھی نہیں سنی تھی"۔ (ایضا ص:۳۴۹)

صیاد خود دام میں پھنس گیا تھا

انتہا تو یہ ہے کہ اقلیدس جس کے متعلق گذر چکا کہ بغیر استاد کی مدد کے ایام طالب العلمی میں بطور خود سیدنا الامام الکبیر نے مطالعہ فرمالیا تھا اور اسی زمانہ میں ماسٹر رام چندر نے مولوی ذکاء اللہ مرحوم کو اقلیدس کے چند مشکل سوالات جیسا کہ کہا جاتا ہے سکھا کر کہا کہ مولوی محمد قاسم سے ان کا حل دریافت کرو، جواب میں حل تو حل شاید لکھ چکا ہوں کہ الٹ کر مولوی ذکاء اللہ کو ایسے چند پیچیدہ سوالات میں آپ نے الجھا دیا کہ بقول مولنا حبیب الرحمن مولوی ذکاء اللہ جواب میں عاجز ہو کر رہ گئے تھے۔

اسی اقلیدس کے متعلق یہ قصہ مشہور ہے کہ کسی انگریز نے شکل مثلث کے متعلق ایک اہم سوال پیدا کر کے اشتہار دیا تھا کہ اس سوال کو جو حل کر دے گا، ڈیڑھ لاکھ روپے بطور انعام

ایک صاحب جو اس زمانہ میں مظفر نگر میں منصف تھے کے اس کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اور فن اقلیدس سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے انہوں نے کوشش کر کے اپنے نزدیک حل پیدا کیا اور اس حل کو بعض اہل نظر کے سامنے پیش کر کے یہ اطمینان بھی حاصل کر چکے تھے کہ انعام کا جائز استحقاق ان کو حاصل ہو چکا ہے۔ کہتے ہیں کہ اپنے اس "حل" کو اشتہار دینے والے انگریز کے پاس بھیجنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ بد قسمتی کہیے یا خوش قسمتی کہ مظفر نگر کے اسٹیشن پر سیدنا الامام الکبیر سے اتفاقاً منصف صاحب کی ملاقات ہوگئی، باتوں باتوں میں اپنے اس سرمایہ ناز "حل" کا بھی منصف صاحب نے تذکرہ کیا۔ اسکے متعلق جو مضمون انھوں نے لکھا تھا جو شاید ان کے ساتھ ساتھ ہی رہتا تھا، وہ بھی مولانا کو سنایا۔ جب مضمون ختم ہو گیا تو راوی کا بیان ہے کہ مضمون اور ان کے حل کی تعریف کرتے ہوئے آخر میں سیدنا الامام الکبیر نے یہ فرمایا کہ آپ کی دلیل کا فلاں مقدمہ نظری ہے، حالاں کہ اقلیدس کے تمام دلائل کی انتہا بدیہی مقدمات پر ہوئی ہے۔ (ارواح ثلاثہ ص ۱۹۳)

چوں کہ منصف صاحب خود صاحب فن تھے۔ دکھتی ہوئی رگ ان کی پکڑلی گئی تھی۔ پھر خود ہی اپنے "حل" کے اعلان کی ہمت ان کی نہ ہوئی"۔ (ایضاً ص: ۲۵۰/۲۵۱)

علم ہندسہ وہیئت کا بیان

"مخدوم ومطاع نیاز مندان حامی دین، سلالہ خاندان نبوت جناب مولوی سید محمد جمال الدین شاہ صاحب مدظلکم: (ص ۳ جمال قاسمی)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب مولوی بھی تھے اور "شاہ" کا لفظ جو ان کے نام کے آخر میں بڑھایا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ طبقہ صوفیہ سے بھی ان کا تعلق تھا۔ کم از کم ان الفاظ سے یہ فیصلہ تو بہر حال ہمیں کرنا چاہیے کہ ان کی روایت کسی عام آدمی کی روایت نہیں ہوسکتی، بہر حال کہنا یہ ہے کہ ان ہی خطوط کے شروع میں بطور دیباچہ اور تعارف چند سطریں سید صاحب نے لکھی ہیں ان ہی میں اس کا ذکر کرتے ہوئے کہ سیدنا الامام الکبیر

ان کی خط و کتابت رہتی تھی، یہ خبر دیتے ہیں کہ سو رسائل ہندسہ، ہیئت، فلاحت طبعی، جبر و مقابلہ، جر ثقیل وغیرہا علوم میں ایک ایک ورق لکھنے کی فرمائش کی۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان کی یہ فرمائش سیدنا الامام الکبیر کی خدمت میں ان کی طرف سے بار بار پیش ہوتی رہی، اس کے جواب میں بجائے یہ لکھنے کے کہ ان علوم سے ہمارا کیا تعلق وہی بیان کرتے ہیں کہ حضرت کی طرف اس پر اصرار ہوتا رہا کہ ہر رسالہ کی ایک ایک ورق کی قید نہ لگایئے کیوں کہ میں قلم کے ہاتھ سے لاچار ہوں"۔ (ایضاً ص: ۲۵۳،۲۵۴)

امام نانوتوی کا مذکورہ علوم میں عمق کا حال

جن علوم (ہندسہ، ہیئت، فلاحت طبعی، جبر و مقابلہ، جر ثقیل وغیرہ) کا نام لیا گیا ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان میں کوئی علم بھی ایسا ہے جسے دینی یا کم از کم نیم مذہبی علم بھی ہم کہہ سکتے ہیں، ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تعلیم کے جس نصاب کی تکمیل سیدنا الامام الکبیر نے کی تھی، اس نصاب میں ان علوم کی کوئی کتاب شریک نہ تھی، پھر ان علوم پر کتابوں کے لکھنے پر آمادہ ہو جانے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اپنے ذاتی ذوق سے ان علوم میں اتنا درک سیدنا الامام الکبیر نے پیدا فرما لیا تھا کہ ان میں سے ہر علم پر کتاب تک لکھنے کی صلاحیت اپنے اندر آپ محسوس فرماتے تھے"۔ (ایضاً ص/۲۵۵)

اب تم قاسم کی سنو

"لیکن اسی کے ساتھ میرے پاس کچھ ایسی معلومات بھی ہیں، کسی کتاب میں میں نے نہیں پڑھا ہے، لیکن علماء دیوبند کے حلقہ میں اس قصہ کا عموماً لوگ تذکرہ کرتے رہتے ہیں کہ دلی کے مشہور مدرسہ عبدالرب کے صدر مولانا عبدالعلی مرحوم و مغفور کو سیدنا الامام الکبیر سے پڑھنے کا موقعہ ملا۔ کتاب کا نام یاد نہیں رہا، غالباً حمد اللہ یا شمس بازغہ مولوی عبدالعلی صاحب کی حضرت والا کے یہاں شروع ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مولوی عبدالعلی صاحب نے کتاب کی عبارت پڑھنی شروع کی اور حضرت والا کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا۔ ایسا معلوم

ہوتا تھا کہ کتاب کی پیچیدگی بے مغز باتوں سے کافی گرانی محسوس فرما رہے ہیں۔ جوں توں کر کے عبارت پڑھنے کا مرحلہ پورا ہوا۔ اس کے بعد سیدنا الامام الکبیر کو دیکھا گیا کہ جھنجلا کر فرما رہے ہیں کہ تم نے جو کچھ پڑھایا تو واضح ہے۔ اب تم قاسم کی سنو۔ یہ فرماتے ہوئے مربوط تقریر کا سلسلہ شروع ہوا اور بڑھنے لگا۔

مولوی عبدالعلی بے چارے جواب تک دوسرے اساتذہ سے درس کے سلسلہ میں اس بات کے عادی تھے کہ عبارت کتاب کی ختم ہوئی، ترجمہ کرایا گیا اور ترجمہ کے ساتھ ساتھ ہی میں بعض ایسے تشریحی الفاظ استاد بڑھاتا چلا گیا جن سے کتاب کا مطلب ذہن نشین ہو جاتا تھا لیکن یہاں تو رنگ ہی دوسرا نظر آیا، نہ کتاب کی عبارت ہی درست کرائی گئی، نہ ترجمہ کرایا گیا اور نہ مصنف کا مطلب سمجھایا گیا، بلکہ نئے سرے سے ایک نیا قصہ شروع کر دیا گیا۔

کہتے ہیں کہ دو تین روز تک تو مبہوت ہوئے درس کے اس طریقہ کو وہ برداشت کرتے رہے۔ ایک دن حضرت والا نے جب حسب معمول فرمایا کہ اب تم قاسم کی سنو تو مولانا عبدالعلی نے جھنجلا کر کہا میں قاسم کی سننا نہیں چاہتا مجھے عبارت سے کتاب کا مطلب سمجھا دیجیے۔ اس پر حضرت مسکرا دیے مگر کچھ زیادہ دھیان نہیں دیا اور سبق حسب معمول چلتا رہا۔

روٹھے ہوئے طالب علم کو مناؤں گا:

"آخر کار مولانا عبدالعلی کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ صورت حال یہی رہی کہ جو کتاب شروع کی گئی میرے لیے اس کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں برابر ہو جائے گا، یہی سوچ کر دبے پاؤں انہوں نے گھر کی راہ لی۔ وقت پر جب سبق پڑھنے کے لئے نہ آئے، تو حضرت نے دریافت کیا، معلوم ہوا کہ وہ گھر چل دیے۔ سنا ہے کہ ان کا وطن عبداللہ پور نامی گاؤں میں تھا جو ضلع میرٹھ ہے۔ سیدنا الامام الکبیر کو ان کے چلے جانے کا سخت صدمہ ہوا اور طے کر لیا کہ عبداللہ پور پہنچ کر اپنے روٹھے ہوئے طالب علم کو مناؤں گا۔ آخر یہی ہوا حضرت "عبداللہ پور" تشریف لے گئے۔ مولوی عبدالعلی صاحب کے گھر پہونچے۔ حضرت کی تشریف آوری کی خبر

سن کر مولوی عبدالعلی صاحب عرق انفعال میں غرق ہو گئے شاید روپوش ہو گئے۔ اصرار کے بعد سامنے آئے۔ دریافت فرمایا گیا کہ بھائی تم چلے کیوں آئے۔ آخر اس وقت کھل کر ان کو عرض کرنا پڑا کہ "حضرت! میں تو آپ سے کتاب پڑھنے گیا تھا، لیکن بجائے کتاب کے آپ کے یہاں تو قاسم کی سنی پڑتی ہے۔" یہ سن کر کہا جاتا ہے کہ حضرت والا مسکرانے لگے اور فرمایا کہ: "بھائی عبدالعلی! چلو اب تمہیں میں کتاب بھی سمجھا دوں گا"۔

اس کے بعد ان کے سبق میں یہ طرز عمل اختیار فرمایا کہ حضرت والا پہلے کتاب کا مطلب عبارت سے سمجھا کر فرماتے کہ سمجھ گئے؟ جب وہ اقرار کر لیتے تب وہ فرماتے کہ "اب قاسم کی سنو" اور یوں اپنے ایک روٹھے ہوئے شاگرد کو منالیا گیا"۔ (ایضاً ص:۴۱۵،۴۱۷)

اقلیدس کا درس

ارواح ثلاثہ میں مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم کے حوالہ سے درج ہے یہ فرماتے ہوئے کہ "حضرت نانوتویؒ نے چند دن اقلیدس کا درس بھی دیا ہے، شاید اس زمانہ میں قیام چھتہ کی مسجد کے حجرے میں تھا۔ بہر حال مولانا حبیب الرحمٰن کہا کرتے تھے کہ "چھتہ میں جب اقلیدس پڑھاتے تھے، اور شکل کھینچنے کی ضرورت پڑتی تھی تو وہیں چٹائی کا کونہ اُٹھا کر اور زمین میں انگلی سے شکل کھینچ کر سمجھا دیتے تھے نہ پرکار تھی نہ اوزار تھے"۔ (ایضاً ص:۴۱۷،۴۱۸)

تہذیب کی شرح ملا جلال کا درس

"مولانا منصور علی خان حیدرآبادی مرحوم نے لکھا ہے کہ "سیدنا الامام الکبیر نے مجھ کو ملا جلال اول سے آخر تک پڑھایا" (ص ۱۸۲ مذہب منصور)

ان ہی کا بیان یہ بھی کہ ملا جلال کے پڑھنے کا موقعہ ان کو اس زمانہ میں ملا جب حضرت والا کا قیام نانوتہ میں تھا اور اس زمانہ میں علاوہ ان کے مولوی محی الدین احمد خان صاحب مرادآبادی اور مولوی عبدالعلی صاحب میرٹھی ، مولوی رحیم اللہ بجنوری حاضر تھے۔ میں ان کے اسباق کی بھی سماعت کرتا تھا۔ (ایضاً ص ۴۲۳)

مولانا سب پر غالب رہتے

"اعلیٰ حضرت مولانا الحاج محمد قاسم صاحب قدس سرہ کے تفصیلی حالات تو مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی سوانح قاسمی کی تین جلدوں میں لکھ چکے اور اس کا متن متین اعلیٰ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ کا بہت وجیز قابل دید نہایت اختصار کے ساتھ علیحدہ چھپ چکا ہے۔ مولانا مناظر احسن صاحب کی لکھی ہوئی کتاب اسی کی شرح ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں کہ مولانا احقر سے چند ماہ بڑے تھے۔ ان کی پیدائش شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ میں ہے اور تاریخی نام خورشید حسین ہے۔ میرے والد صاحب جب حج سے واپس تشریف لائے تو مجھے اور مولانا مرحوم کو دہلی ساتھ لے گئے۔ آخر ذی الحجہ ۱۲۵۹ھ میں روانگی ہوئی اور ۲ محرم الحرام ۱۲۶۰ھ کو دہلی پہنچے اور ۴ محرم کو سبق شروع ہوئے۔ مولانا تو کافیہ پڑھتے تھے اور میں میزان وگلستان پڑھتا تھا۔ والد مرحوم نے میرے ابواب کا سننا اور تعلیلات کا پوچھنا ان کے سپرد کیا تھا اور جمعہ کی تعطیل کی شب میں صیغوں اور ترکیبوں کا پوچھنا مولانا کا معمول تھا۔ مولانا سب چیزوں میں ساتھیوں سے عمدہ رہتے تھے۔ ہمارے مکان کے قریب مسجد میں طالب علموں کا مجمع رہتا تھا۔ ان سے پوچھ پاچھ ہوتی اور جب مولانا کا نمبر آتا تو مولانا سب پر غالب رہتے"۔ (آپ بیتی ج:۲/۱۴)

اقلیدس پڑھنے کی ضرورت نہیں

پھر تو مولانا ایسا آگے بڑھے کہ کوئی ساتھ نہ چل سکا۔ منطق کتابیں میر زاہد، قاضی، صدرا، شمس بازغہ ایسا پڑھا کرتے جیسے حافظ منزل سناتا ہے کہیں کہیں کوئی لفظ دریافت فرماتے اور ترجمہ نہ کرتے حضرت گنگوہی کے حالات میں یہ واقعہ گذر چکا۔ والد صاحب نے مولانا کو کہہ دیا تھا کہ اقلیدس پڑھنے کی ضرورت نہیں، اس کا تم خود مطالعہ کرلو۔ چند دنوں میں مولانا نے مطالعہ کرلیا۔ اس واقعہ کی شہرت ہوئی، طلبہ نے پوچھ پاچھ شروع کی۔ مگر مولانا کب مات کھانے والے تھے"۔ (ایضاً)

سوانح قاسمی کے ان مجموعی اقتباسات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے اکابر میں ایک نمایاں مرتبہ کے مالک تھے، ان کا علوم کے ساتھ کتنا غیر معمولی تعلق رہا۔ ہم ان علوم کے پڑھنے سے اتنے مستغنی ہو چکے ہیں کہ ان علوم کی ہمیں کیا ضرورت ہے۔ بہت افسوس کی بات ہے جن علوم کی ہمارے بڑوں کو ضرورت تھی ہمیں اس کی ضرورت نہ رہی۔

فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا علوم عقلیہ کے ساتھ تعلق

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا حال بھی سن لیجیے کہ ان کا ان علوم کے ساتھ کتنی وابستگی تھی اور انہوں نے ان علوم کو کتنے شوق سے پڑھا۔ ان کے بارے میں کچھ معلومات تو ان کے علمی ہم سفر مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات سے بھی آپ کو معلوم ہو گئے ہوں گے۔ مزید احوال جو ان کے شاگرد خاص مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب 'تذکرۃ الرشید' میں ذکر کیے ہیں، پیش خدمت ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ صحاح ستہ کے علاوہ معقول میں منطق و فلسفہ۔ ادب و ہیئت و ریاضی اور منقول میں تفسیر و اصول و فقہ و معانی وغیرہا کی اکثر کتابیں آپ نے مولانا الشیخ مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور صحاح ستہ قریب قریب کل حرفاً حرفاً حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا۔ باقی کتابوں میں کلاً یا جزءً آپ کو دیگر علماء سے تلمذ حاصل رہا انہیں علماء کے آخر میں مولانا مفتی صدر الدین صاحب اور قاضی احمد الدین صاحب پنجابی ہیں۔ (تذکرۃ الرشید:۳۵)

ہمارا سبق رہ گیا

اعلیٰ حضرت حاجی صاحب (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ) کی سب سے پہلی زیارت جو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوئی اس کا تذکرہ خود حضرت امام ربانی نے بار ہا فرمایا

کہ جب میں اور مولوی محمد قاسم صاحب دہلی میں اُستاد رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھتے تھے۔ ہمارا ارادہ کم شروع کرنے کا ہوا لیکن مولانا کو فرصت نہ تھی، اس لیے انکار فرماتے تھے۔ بالآخر میں نے عرض کیا کہ حضرت ہفتہ میں دوبار صرف پیر اور جمعرات (یا جمعہ) کو پڑھا دیا کیجیے۔ خیر یہ منظور ہو گیا اور ہفتہ میں دو سبق ہونے لگے تو اس سبق کی ہمیں بڑی قدر تھی۔ ایک روز یہی سبق ہو رہا تھا کہ ایک شخص نیلی لنگی کندھے پر ڈالے ہوئے آنکلے۔ اُن کو دیکھ کر حضرت مولوی صاحب معہ تمام مجمع کے کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ لو بھائی حاجی صاحب آگئے حاجی صاحب آگئے اور حضرت مولانا نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ لو بھائی رشید اب سبق پھر ہوگا۔ مجھے سبق کا بہت افسوس ہوا اور میں نے مولوی محمد قاسم صاحب سے کہا کہ "بھئی یہ اچھا حاجی آیا ہمارا سبق ہی گیا" مولوی محمد قاسم صاحب نے کہا ہاہا ایسا مت کہو یہ بزرگ ہیں اور ایسے ہیں ایسے ہیں۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ یہی حاجی ہمیں مونڈیں گے۔ اول زیارت مجھے اس وقت ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم دونوں کا حال دریافت فرمایا کرتے اور یوں کہا کرتے تھے کہ سارے طالب علموں میں وہ دو طالب علم (مولانا گنگوہی اور مولانا نانوتوی) ہوشیار معلوم ہوتے ہیں اور بس۔ (تذکرۃ الرشید: ۴۱)

فائدہ مولانا گنگوہیؒ نے معقولی علوم کو نہ صرف پڑھا بلکہ ان میں اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل کیا۔ البتہ جب وہ تصوف کے عالی مقام کو پہنچے اور ان پر غلبہ حال طاری ہوا تو انہوں نے منطق و حکمت سے تنفر ظاہر کیا۔ ظاہر ہے یہ ان کا غلبۂ حال تھا، ان کی اس باتوں کو منطق نہ پڑھنے پر دلیل بنانا کسی طرح بھی مناسب نہیں بلکہ یہ حضرت کے ساتھ ناانصافی ہے۔

اس کی ایک مثال ہے کہ ماضی قریب کے مشہور عالم اور احسن الفتاویٰ کے مصنف حضرت مولانا رشید احمد لدھیانوی منطق پڑھنے کی ممانعت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک بے تکلف شاگرد نے حضرت سے عرض کی: حضرت! کیا آپ نے منطق و حکمت کی کتابیں پڑھی ہیں؟ حضرت نے بے ساختہ فرمایا: میں نے منطق و حکمت کی ایسی کتابیں پڑھی ہیں، جن کے

نام بھی تمہیں معلوم نہیں۔ شاگرد نے فوراً عرض کی: حضرت! ہمیں بھی پڑھنے دیں! تا کہ ہم بھی آپ جیسا مرتبہ حاصل کرلیں۔ پھر آپ ہمیں منع فرمائیں۔

مجاہد کبیر شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کا ان علوم کے ساتھ تعلق کا بیان

اس طرح اپنے شیخین مکرمین حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ان کے جان نثار عظیم المرتبت شاگرد حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسنؒ نے بھی درس نظامی کی ساری کتابیں بشمول ان علوم منطق وحکمت وغیرہ کو نہایت محنت اور لگن اور عرق ریزی سے پڑھیں تھیں۔ اور اس کی بدولت وہ مقام پایا کہ تمام علوم پر اللہ تعالیٰ نے ایسی مہارت دی تھی کہ دنیا حیران تھی اور اسی وجہ سے شیخ الہند کا لقب پایا۔

ہر میدان میں آگے

ان کے مایہ ناز شاگرد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنے عظیم استاد کے بارے میں اپنی خودنوشت کتاب 'نقش حیات' میں فرماتے ہیں:

حضرت شیخ الہندؒ صرف تفسیر وحدیث فقہ واصول، منطق اور فلسفہ، حساب اور مساحت، ہیئت اور معقولات کے ہی بحر ذخار نہیں تھے بلکہ ان کو ادبیات عربیہ وفارسیہ واردو، شعر وسخن اساتذہ فن کے مقالات اور قصائد وغزلیات اور مثنویات وغیرہ اس قدر یاد اور ازبر تھیں کہ سننے والا حیران ہو جاتا تھا اور تعجب کرنے لگتا تھا، کہ ان کے حافظہ میں کس قدر بے شمار علوم اور محفوظات کے خزانے بھرے ہوئے ہیں، اسی طرح حضرتؒ کی نظر تاریخی معلومات اور سیاسی واقعات پر نہایت وسیع اور گہری تھی جس پر اطلاع پانے کے بعد انسان ششدر رہ جاتا تھا کہ یہ بے شمار امور کس طرح ان کے ذخائر علمیہ میں آ گئے۔ نیز حضرت مولانا شیخ الہندؒ تواریخ سلاطین ماضیہ خصوصاً شہنشاہان ہند اور ان کے واقعات وانتظامات پر نہایت زیادہ عبور رکھتے تھے۔ ہندوستان کی اقتصادی، معاشی، ... تجارتی، صنعتی، تعلیمی، انتظامی، جنگی،

پہنچی وغیرہ معلومات بھی اس قدر تھیں کہ بڑے سے بڑا ڈاکٹر اور اکانومک پروفیسر اُن تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اخبار بینی اور واقعات عالم پر اطلاع کا بہت شوق تھا۔ بہر حال ان کو انگریزی حکومت اور ہندوستان کے مندرجہ ذیل واقعات نے مجبور کیا کہ اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر انگریزی استبداد اور مظالم کا مقابلہ کیا جائے اور ان کو جڑ سے اکھاڑ دینے کی پوری جد وجہد عمل میں لائی جائے۔ (نقش حیات: ۱۵۴)

ان کے اس تفصیلی بیان سے، جس طرح حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے عمومی شان عالی کا ذکر ہے، اس طرح بالخصوص ان علوم (جن کو دشمنان علم "شجرہ ممنوعہ" قرار دے رہے ہیں) کے ساتھ کتنا خصوصی تعلق تھا جیسا کہ اس جملے سے ظاہر ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ صرف تفسیر وحدیث، فقہ واصول، منطق اور فلسفہ، حساب اور مساحت، ہیئت اور معقولات کے ہی بحرذخار نہیں تھے بلکہ الخ

معقولات اور منقولات ہر دو کا درس دیا

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ "ذکر محمود" کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں طالب علمی کے زمانہ میں ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں دیوبند حاضر ہوا تو اس وقت حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ مدرس چہارم تھے۔ میرے اسباق میں ملا حسن، مختصر المعانی حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے پاس ہوئی۔ آگے نمبر ۶ میں لکھتے ہیں کہ فراغ درسیات تک میرے اسباق حضرت شیخ الہند کے پاس مسلسل رہے۔ معقولات میں حمد اللہ، میر زاہد رسالہ، میر زاہد ملا جلال اور حدیث میں متعدد کتب جن کی تفصیل رسالہ سبع سیارہ میں ہے اور فقہ میں ہدایہ اخیرین۔ سبع سیارہ میں حضرت حکیم الامت نے بخاری شریف، مسلم شریف اور ترمذی شریف کا تو کچھ حصہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الہند سے پڑھنا لکھا ہے۔ بقیہ کتب ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ اور موطا امام مالک حضرت شیخ الہند سے پڑھنا لکھا ہے۔ (آپ بیتی

نمبر ۶ ج ۲ ص ۲۰۰)

اس مضمون میں جس طرح حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا ان علوم کے ساتھ گہرے تعلق کا ذکر ہے، اسی طرح حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی ان علوم میں مہارت اور کمال بھی عیاں ہے۔ ظاہر ہے کہ شیخ الہندؒ کا علم کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونا بھی ممکن تھا جب وہ سارے علوم کے ماہر ہوں اور کسی فن میں بھی وہ دوسرے نمبر پر نہ ہوں۔ اسی علمی کمال کی وجہ سے شیخ الہند کا لقب ان کے نام کا جزو لازم بن گیا۔ آج دیوبند سے پیوستہ ایک جہان ان پر فخر کر رہا ہے۔ یوں اپنے علمی تفوق اور اس کے علاوہ بے حساب کمالات کی وجہ سے وہ آج لوگوں کے دلوں میں بس رہے ہیں اور لوگ ان کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔

آج ہم ان ہی اکابرین کے نام لیوا ہیں۔ انہی بزرگوں کے روحانی فیوضات سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ ہماری مجلسوں میں انہی کا ذکر خیر ہوتا ہے اور انہی کی جرأت و شجاعت کے بے مثل قصے بیان کیے جاتے ہیں۔ انہی کے نام پر ہماری کانفرنسیں آباد ہو رہی ہیں۔ ہم جلسے، جلوسوں میں مالٹا جیل کی سختیوں کو بیان کر کے نوجوانوں کی ہمت اور حوصلے بڑھا رہے ہیں۔ لیکن ہم میں سے کوئی یہ نہیں سوچتا کہ ان اکابرین نے پورے درس نظامی کو پڑھ کر یہ مرتبہ حاصل کیا۔ پس اگر ہم اسی نصاب کا ایک حصہ چھوڑ دیں اور پھر بھی ان کے اتباع کا دعویٰ کریں تو کیا ہمیں یہ دعویٰ زیب دیتا ہے؟

تعجب ہے ان لوگوں پر جو ان علوم کے خلاف لگے ہوئے ہیں۔ خدا جانے کہ ان لوگوں کو اس قسم کی خیر خواہی کا جذبہ کہاں سے ملا؟ یہ تو علم کی طلب میں نکلنے والے طالب علموں کا راستہ روکنا ہے! کیوں کہ ان کا جذبہ تو ان تمام علوم کے حصول کا ہوتا ہے جو ہمارے اکابر کا علمی سرمایہ تھا، جن کے ساتھ ان کا لگاؤ مذکورہ بالا حوالہ سے ظاہر ہے۔ نیز اس کے علاوہ بھی اکابر کے حالات اس پر شاہد عدل ہیں کہ ان علوم کے ساتھ ان کی کتنی گہری وابستگی تھی۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری ثم مدنیؒ

وطن کے مدرسہ عربیہ میں مولوی سید احمد صاحب سنبھلی سے جو کہ معقولات میں مشہور

تھے، منطق کا سبق شروع کر دیا مگر وہ علم ادب سے ناواقف تھے، اس لیے ایک گھنٹہ مولوی محمد یحییٰ صاحب ان سے حمد اللہ پڑھا کرتے اور ایک گھنٹہ مولوی ید اللہ صاحب آپ سے مقامات حریری پڑھا کرتے تھے۔ یہ فرماتے تھے کہ حمد اللہ میں نے ۱۸ دن میں پڑھا کہ ظہر کے بعد اس کا سبق ہوتا تھا اس لئے صبح ہی میں حمد اللہ اور اس کے حواشی لے کر مطالعہ کرنے کو نانی اماں کی چھت پر جا بیٹھتا اور ۱۲ بجے آکر روٹی کھایا کرتا تھا۔ بسا اوقات حمد اللہ کے سبق میں استاذ سے بحث ہو جاتی کہ میں جو مطلب سمجھا ہوتا وہ اس کو غلط بتاتے اور دوسرے عنوان سے تقریر فرماتے تھے۔ میں کہہ دیا کرتا تھا کہ مطلب تو یہی ہے جو میں عرض کر رہا ہوں مگر گفتگو مقامات کے گھنٹہ میں کروں گا ورنہ میرا سبق ناقص رہ جائے گا۔

سلم کا ازبر کرنا

آپ فرمایا کرتے تھے کہ سلم مجھے ازبر یاد تھی اور تسبیح لے کر میں نے اس کی عبارت کو از اول تا آخر دو سو مرتبہ پڑھا ہے۔

ابھی وہ لوگ موجود ہیں جنھوں نے دیکھا ہے کہ ادب کی اکثر درسی کتابیں مولانا یحییٰ نے محض اپنے حافظہ سے لکھ کر طلبہ کو دیدیں اور چلتے پھرتے نہایت بے پروائی کے ساتھ پڑھائی ہیں۔ چنانچہ مجمۃ الیمن، متنبی اور حماسہ ان کے لکھے ہوئے اب بھی موجود ہیں۔

(تذکرۃ الخلیل)

شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی رح کا ان علوم مہجورہ کے ساتھ تعلق کا بیان

شیخ الاسلام حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب نقشِ حیات میں ان کتابوں کے متعلق جو دیوبند میں پڑھتے تھے، نیز جن اساتذہ کرام سے پڑھتے تھے، تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ کہ محرم ۱۳۰۹ھ سے شعبان ۱۳۱۶ھ تک دیوبند میں قیام

مندرجہ ذیل کتابیں مندرجہ ذیل اساتذہ کے پاس ہوئیں۔

(۱) حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز: دستور المبتدی، زرادی، انجانی، مراح الارواح قال اقول، مرقات، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی تصدیقات، قطبی تصورات، میر قطبی، مفید الطالبین، نفحۃ الیمن، مطول، ہدایہ اخیرین، ترمذی شریف، بخاری شریف، ابوداؤد، تفسیر بیضاوی شریف، نخبۃ الفکر، شرح عقائد نسفی، حاشیہ خیالی، موطا امام مالک، موطا امام محمد۔

(۲) مولانا عبدالعلی صاحب مدرس دوم دارالعلوم: مسلم شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ، سبعہ معلقہ، حمد اللہ، صدرا، شمس بازغہ، توضیح تلویح، تصریح۔

(۳) مولانا خلیل احمد صاحب: تلخیص المفتاح۔

(۴) مولانا الحکیم محمد حسن صاحب مرحوم مدرس دارالعلوم دیوبند: پنج گنج، صرف میر، نحو میر، مختصر المعانی، سلم العلوم، ملا حسن، جلالین شریف، ہدایہ اولین۔

(۵) مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب : شرح جامی بحث فعل، کافیہ، ہدایۃ النحو، منیۃ المصلی، کنز الدقائق، شرح وقایہ، شرح مأۃ عامل، اصول الشاشی۔

(۶) مولانا غلام رسول صاحب مرحوم ہلوی مدرس دارالعلوم دیوبند: نورالانوار، حسامی، قاضی مبارک، شمائل ترمذی۔

(۷) مولانا الحافظ احمد صاحب مرحوم: شرح ملا جامی بحث اسم، میر زاہد رسالہ، میر زاہد، ملا جلال، میبذی، خلاصۃ الحساب، رشیدیہ، سراجی۔

(۸) مولانا الحافظ احمد صاحب مرحوم: شرح ملا جامی بحث اسم۔

(۹) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب: مقامات حریری، دیوان متنبی۔

(۱۰) بڑے بھائی صاحب مرحوم: میزان الصرف، منشعب، ایساغوجی۔

(نقش حیات، ص:۵۵/۵۶)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ علم منطق، کلام اور بلاغت کی کتابوں میں بعض کتابیں

جیسے قال اقول، مرقات، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی حصہ تصورات وتصدیقات، میر قطبی، مطول، شرح عقائد، حاشیہ خیالی، خود شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ سے پڑھی ہیں۔ مولانا عبدالرشید ارشد اپنی مشہور کتاب 'بیس بڑے مسلمان' میں حضرت مدنیؒ کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

حضرت مدنی رحمہ اللہ کو اپنے وقت کے بہترین اور یگانہ روزگار اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ اُستاذ العلوم حضرت شیخ الہند، مولانا ذوالفقار صاحب والد ماجد حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا عبدالعلی صاحب محدث دہلوی، شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی تعلیم کے دوران آپ ہمیشہ اعلیٰ نمبر لے کر پاس ہوتے رہے۔ عربی مدارس میں انتہائی نمبر پچاس ہوتے ہیں۔ مگر آپ اکثر وبیشتر کتابوں میں ۵۱، ۵۲، ۵۳ نمبر لیتے رہے۔ اور صدرا جیسی مشکل اور ادق کتاب میں ۵۷ نمبر حاصل کیے۔ (بیس بڑے مسلمان، ص:۴۶۴)

شمس بازغہ کی بحث چھیڑنا چاہیے:

ایک مرتبہ پندرہ روز تک مسلسل حضرت مدنیؒ سفر پر رہے، جب واپسی ہوئی تو سب کو یقین تھا کہ حضرتؒ تھکے ہوئے ہیں اور مطالعہ بھی نہیں کیا، سبق نہیں ہوگا۔ مگر آپ گاڑی سے اترے اور سیدھے دارالحدیث میں پہنچے اور سبق پڑھانا شروع کر دیا۔ نواقضات وضو کا بیان تھا۔ ارشاد فرما رہے تھے کہ مسئلہ زیر بحث میں آٹھ مذاہب مشہور ہیں۔ پھر مذاہب، ان کے دلائل اور تفصیل سے بحث کی۔ طلبہ متحیر کہ تھکے ماندے ہونے کے باوجود اس قدر علمی تبحر، وسعت مطالعہ اور قوت حافظہ تو بس ان کی کرامت تھی۔

ایک مرتبہ درس کے دوران ایک طالب علم نے کسی مسئلہ میں شمس بازغہ کی بحث چھیڑنا چاہی تو شیخ مدنی رحمہ اللہ نے متعلقہ مسئلہ میں عبارات پڑھ کر بحث کا مکمل احاطہ کیا اور فرمایا: بھائی! میں نے جب شمس بازغہ پڑھی تھی اس زمانہ میں کل نمبر ۵۰ ہوا کرتے تھے اور مجھے امتحان میں ۶۳ نمبر حاصل ہوئے تھے۔ (سینے بالمل حق، ص:۱۵۷)

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علوم عقلیہ میں ان کا اتقان

محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا ان علوم سے جو تعلق تھا اور ان علوم میں ان کا جو مقام تھا، اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔ حضرت مولانا شیخ محمد تقی عثانی نے ماہنامہ 'وفاق المدارس' ماہ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ میں اس کا تذکرہ یوں فرمایا:

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کا نام تو آپ لوگوں نے سنا ہوگا۔ وہ آیت من آیات اللہ تھے۔ حفظ اور اتقان میں اور علم کی وسعت اور گہرائی میں اللہ تعالیٰ نے بڑا عجیب مقام عطا فرمایا تھا۔ پہلے ان کا واقعہ سن لو۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں منطق کی کتاب 'سلم' کی شرح 'ملاحسن' پڑھایا کرتا تھا۔ مطالعہ کر رہا تھا تو ایک جگہ جا کر میرے دل میں ایک اشکال پیدا ہوا۔ اشکال حل نہیں ہو رہا تھا، نہ حاشیہ سے، نہ شرح سے، نہ سیاق سے نہ سباق سے۔ میں عام طور پر حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تھا کہ حضرت! یہ مسئلہ ہے۔ حضرت اس کا جواب دے دیتے تھے۔ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں روانہ ہوا۔ جا کر دیکھا، اپنی جگہ پر تشریف فرما نہیں تھے۔ میں کتب خانہ میں داخل ہوا تو حضرت اوپر گیلری میں ایک الماری کے پاس بیٹھے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے۔ مجھے آتے ہوئے دیکھا تو کہا: ہاں بھئی ملا مختصر! کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا: حضرت! کتاب میں ایک جگہ سمجھ نہیں آرہی، اس کے بارے میں آپ سے پوچھنا ہے۔ اوپر سے فرمایا کہ کون سی کتاب ہے؟ عرض کیا کہ حضرت ملاحسن ہے۔ فرمایا اچھا کہاں شبہ پیدا ہو گیا؟ حضرت اوپر بیٹھے ہیں اور یہ نیچے کھڑے ہیں۔ فرمایا کہ عبارت پڑھو۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے عبارت پڑھی۔ اوپر ہی سے کہا کہ اچھا آپ کو اس عبارت میں یہ اشکال ہوا ہوگا۔ اشکال کی تقریر بھی خود ہی فرمائی اور فرمایا کہ اس اشکال کا ایک جواب یہ ہے، دوسرا جواب یہ ہے اور تیسرا جواب یہ ہے۔ اوپر جانے او[illegible]ب کھولنے کی نوبت ہی نہیں آئی اور مسئلہ بھی کوئی قرآن و حدیث، فقہ اور تفسیر کا نہیں تھا، ملاحسن جو کبھی پڑھائے ہوئے بھی حضرت کو سالہا سال

ہو چکے ہوں گے لیکن اس طرح وہیں بیٹھے بیٹھے حل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم کا ایسا جوہر نہ بخشا تھا۔
(ماہنامہ وفاق المدارس، ص:۱۷)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا علوم عقلیہ میں کمال

اپنے پیش رو اور اکابر کی طرح حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو بھی ان تمام علوم پر کمال حاصل تھا، جن کو آج کل فرسودہ اور بے کار قرار دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ بیس بڑے مسلمان میں مولانا عبدالرشید ارشد فرماتے ہیں:

حضرت اقدسؒ کو علوم عقلیہ سے خاص مناسبت تھی۔ فطرت نے حاضر جوابی، طلاقت لسانی اور ذہانت وفطانت کے جواہر سے پوری طرح آراستہ کیا تھا۔ منطق میں مہارت کا اعتراف یوں فرماتے تھے کہ میں سچی بات کہوں یا نہ کہوں۔ نہ میں متواضع ہوں نہ متکبر الحمد اللہ مجھے منطق میں مہارت حاصل ہے۔ چنانچہ دیوبند میں جب کوئی مذہبی مناظرہ کے لئے آتا تو فوراً اشرفی تلوار خلوت کے نیام سے باہر نکل آتی اور مخالف کو گھائل کر جاتی تھی۔ لیکن طبیعت کے اعتدال کا یہ عالم تھا کہ معقولات کو ہمیشہ دینیات کے لئے علوم آلیہ سمجھتے تھے۔ آپ کی ہر تقریر وتحریر میں یہ جوہر نمایاں نظر آتا ہے۔ رئیس المناظرین مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب رحمہ اللہ (اُستاذ دارالعلوم دیوبند) حضرت رحمہ اللہ کی اسی نوعمری کی تقریروں پر وجد کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضرت کو فن مناظرہ میں اس قدر کمال ہے کہ بڑے سے بڑا مناظر بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ خود حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جتنا شوق مجھے اس زمانہ طالب علمی میں مناظرہ کا تھا اب اس کی مضرتوں کی وجہ سے اتنی ہی نفرت ہے۔ (بیس بڑے مسلمان، ص:۳۶۱)

سمجھنے میں الجھن نہ ہوتی

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ اشرف السوانح میں صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں: حضرت کا طرز تعلیم اس قدر سلیس ونفیس تھا کہ جو طالب علم دو چار سبق بھی حضرت والا سے پڑھ لیتا

پھر کسی اور استاد سے اس کی تسلی نہ ہوتی۔ چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں جب پڑھاتا تھا تو اپنے اوپر بہت تعب برداشت کر کے پہلے سے سبق کی تقریر کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتا تھا، پھر پڑھاتا تھا، اس لیے میری ساری تقریر نہایت سلیس اور سہل اور با ترتیب ہوتی تھی جس کی وجہ سے مشکل مضامین بھی طالب علم کے لئے پانی ہو جاتے تھے اور باآسانی ذہن نشین ہو جاتے تھے۔ گو مجھ کو تو سہل کر کے تقریر کرنے میں بہت تعب ہوتا تھا لیکن طلبا کو کسی مقام کے سمجھنے میں ذرا الجھن نہ ہوتی تھی۔

چنانچہ صدرا میں ایک مشہور مقام ہے مشاۃ بالتکریر، جو بہت ہی مشکل سمجھا جاتا تھا۔ جب کتاب میں وہ مقام آیا تو میں نے قبل اس کے کہ طالب علم کو اس مقام کی اطلاع دوں اس کے مضمون کی ایک سلیس تقریر کر دی، لیکن یہ نہیں معلوم ہونے دیا کہ یہ تقریر کسی مشکل مقام کے متعلق ہے بلکہ یونہی سرسری طور پر اس مضمون کی تقریر کر دی۔ چونکہ میں نے بہت ہی سہل کر کے تقریر کی تھی طالب علم کی سمجھ میں خوب آ گئی ان طالب علم کا نام مولوی فضل حق تھانوی مدرسہ جامع العلوم سے سب سے پہلے فارغ التحصیل ہوئے اور بعد فراغ عرصہ تک قنوج میں مدرس بھی رہے جب انہوں نے اقرار کر لیا کہ میں خوب سمجھ گیا۔ تب میں نے کہا کہ یہ تو وہی تو مقام تھا جس کو مشاۃ بالتکریر کہتے ہیں بس یہ سنتے ہی وہ چونکتے ہوئے تو میں نے کہا کہ بس بس نہ ڈرو، اب تو پار ہو گئے۔ پھر میں نے پوچھا اب بتاؤ یہ بھی کوئی مشکل مقام تھا؟ انہوں نے کہا کہ جی ہم کو تو اس نے بہت ہی ڈرا رکھا تھا لیکن یہ تو کچھ بھی مشکل نہ تھا، اس پر میں نے یہ شعر پڑھا:

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا — جو چیرا تو اک قطرہ خون نکلا

مقام تو واقعی مشکل تھا، لیکن میں نے تقریر ایسی بے فکری اور سلاست سے کی کہ نہایت سہولت کے ساتھ ان کی سمجھ میں آ گئی۔ البتہ خود مجھ کو سہل کر کے بیان کرنے میں بہت تعب اٹھانا پڑا، دوسرے کا بوجھ میں نے اپنے اوپر لے لیا اور میں پڑھانے میں ہمیشہ یہی کرتا

تھا اور آج کل اساتذہ اپنے اوپر ذرا مشقت نہیں ڈالنا چاہتے بات یہ ہے کہ شفقت نہیں رہی، محض ضابطہ پُری رہ گئی ہے"۔ (ایضاً:۲۵)

فنون میں صاحب کمال ہو گئے

افاضات یومیہ میں دوسری جگہ لکھتے ہیں: ہم نے حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ کو چھوڑ کر مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں جانے کا ارادہ نہیں کیا، بلکہ بڑے مدرس کو چھوڑ کر چھوٹے مدرس سے پڑھا اور سند ان سے بھی نہیں لی، بلکہ جب سند فراغ اور دستار بندی کا وقت ہوا تو ہم لوگ یعنی جن جن کی جلسہ میں دستار بندی ہونی تجویز ہوئی تھی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ہم نے یہ سنا ہے کہ جلسہ میں ہماری دستار بندی کی جائے گی اگر یہ حکم ہے تب تو ہمیں انکار نہیں اور اگر ہمارے اختیار کو بھی اس میں دخل ہے تو ہم باادب عرض کرتے ہیں کہ اسے موقوف فرما دیا جائے اس واسطے کہ ہمیں کچھ آتا جاتا تو ہے نہیں مدرسہ کی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کی دستار بندی کی گئی۔ تو پیچھے ہم سند کے لیے تو کیا کہتے، کہا تو یہ کہا، اور ملتی ہوئی دستار بندی کو اپنی طرف سے روک دیا اور یہ نہیں کہ تکلف سے بلکہ سچے دل سے۔

جب ہم لوگوں نے یہ کہا تو مولانا کو جوش آ گیا اور فرمایا کہ کون کہتا ہے کہ لیاقت نہیں اس کو تم جانو یا ہم جانیں۔ ہم اساتذہ کے سامنے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور تم لوگوں کو یہی سمجھنا چاہئے ورنہ خدا کی قسم جہاں جاؤ گے تم ہی تم ہو گے میدان خالی ہے۔ یہ فقرہ کہ میدان خالی ہے کئی بار فرمایا۔ اب ڈر کے مارے بولے نہیں کہ کہیں مولانا خفا نہ ہو جائیں ہم لوگ مولانا سے ڈرتے بہت تھے۔ پھر مولانا نے یہ تماشا کیا کہ عین جلسہ میں فرمایا کہ ہم نے ان لوگوں کو قرآن، حدیث، فقہ، فلسفہ، منطق... وغیرہ اتنے فنون میں فارغ کر دیا ہے اور ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ یہ ان فنون میں صاحب کمال ہوئے ہیں اگر کسی کو ان کے فضل و کمال میں شک ہو تو وہ جس فن میں چاہیں اسی جلسہ میں ان کا امتحان لے لیں۔ لو صاحب! ہم تو دستار بندی

نا سے ڈرر ہے تھے اور اس کے ملتوی کرنے کی درخواست کی تھی۔ یہاں مولانا نے علی الاعلان برسر جلسہ فرمادیا جو چاہے ان کا امتحان لے لے۔ مگر صاحب اان حضرات کی ہیبت ایسی تھی کہ کسی کی مجال نہ تھی جو ہم سے سوال کرتا اور محض اہلیت ہی نہیں بلکہ سب کو یقین تھا کہ جیسا مولانا فرمار ہے ہیں ویسے ہی ہونگے کسی نے امتحان کی درحقیقت کوئی ضرورت ہی نہ سمجھی اور اس موقع پر بھی ہمیں کوئی سند نہیں دی گئی بس یہ دستار ہی سند تھی۔

(ایضاًص:۴۷)

حضرت تھانویؒ کا کم عمری میں علوم عقلیہ پر عبور

اس کے بعد جب پڑھانے کا وقت آیا تو اول ہی میر زاہد امور عامہ کا سبق میرے ذمہ ہوا۔ دوپہر کو مطالعہ جو کیا تو کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ دعا کی اے اللہ یہاں استاذ تو موجود نہیں۔ اگر یہ مقام حل نہ ہوا تو پڑھاتے وقت بڑی ذلت ہوگی۔ پھر ظہر کی نماز پڑھ کر جو مطالعہ کرنے بیٹھا ہوں تو کتاب بس پانی تھی پھر تو خدا کے فضل سے ایسی طبیعت کھلی کہ اس زمانہ میں کانپور میں بڑے بڑے فضلا موجود تھے اور کئی مدرسے تھے اور بعض طلبا مشترکہ بھی تھے کسی کو یہ پتہ نہ چلا کہ اس کو کچھ آتا نہیں ہاں یہ رکاوٹ تو کچھ دن رہی کہ طلبا یہ کہتے تھے کہ بہت کم عمر ہے اس سے پڑھنے میں عار معلوم ہوتی ہے بس سات آٹھ طالب علموں کو لے کر بیٹھا رہتا تھا کوئی کم عمر سمجھ کر پڑھتا ہی نہ تھا پھر جو داڑھی بڑی ہوئی طالب علموں کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔ بس پھر طالب علم خوب آنے لگے پھر تو یہ حالت تھی کہ خدا کے فضل اور بزرگوں کی دعا سے جس نے مجھ سے ایک بار بھی پڑھ لیا پھر کبھی اس نے کسی دوسرے سے پڑھنا پسند نہیں کیا۔

(ایضاًص:۴۹)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا معقولات پڑھنا

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ ان کی اور اپنی طالب علمی کے دور کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے کوشش کی کہ اپنے ہم سبقوں میں

سب سے زیادہ نمبر حاصل کروں۔ امتحان کے موقع پر میر زاہد رسالہ کا پرچہ تھا۔ ایک سوال کا جواب میں نے نہایت عمدگی کے ساتھ دو صفحے لکھا اور اسی سوال کا جواب مفتی صاحب نے آدھے صفحے میں لکھا۔ حضرت شیخ الہند اس پرچہ کے ممتحن تھے۔ آپ نے دونوں کو برابر نمبر دیے۔ یعنی آدھے صفحے کا مضمون اپنے وزن کے لحاظ سے دو صفحے والے مضمون سے کم نہ تھا۔

(بیس بڑے مسلمان، ص:۴۱۹)

مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کا علوم عقلیہ کے ساتھ تعلق

حضرتؒ کے نانا مولانا کلیم اللہ کھیوڑہ ضلع جہلم میں رہائش رکھتے تھے۔ انہی کے پاس رہ کر حضرت نے سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا اور فارسی کے چند رسالے انہی سے پڑھے۔ صرف ونحو کی کتابیں مولانا محمد رفیق صاحب جھاوریاں ضلع سرگودھا والوں سے پڑھیں۔ مولانا محمد رفیق صاحبؒ، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے تلمیذ تھے۔ بعدۂ علمائے سلف کی طرح رحلت کا مرحلہ پیش آیا اور شوق علم نے اپنے وطن عزیز اور اعزہ واقارب کو چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ چنانچہ بچپن ہی میں تحصیل علم کے لئے ہندوستان کا لمبا سفر کیا اور مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے رام پور پہنچے کچھ عرصہ رہ کر درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں پھر پانی پت، سہارن پور اور دہلی کے مقامات پر قیام کر کے درسِ نظامی کی تکمیل کی اور منطق وفلسفہ میں مہارت حاصل کی۔ حدیث کی کتابیں مدرسہ عبدالرب دہلی میں مولانا عبدالعلی سے پڑھیں، مولانا عبدالعلی مرحوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے شاگرد تھے۔

دہلی کے قیام کے دوران ہی بخاری وقت حضرت مولانا سید انور شاہ کے درس میں حاضر ہو کر ترمذی شریف کے چند اسباق ی[illegible]ت کی۔ بچپن ہی سے حضرت کی طبیعت بہت قانع واقع ہوئی تھی، جہاں کہیں بھی رہے [illegible] میسر آ گیا اُسی پر قناعت کی، اساتذہ یا کسی اہل

دوست آشنا سے کبھی اپنی کسی تکلیف کا اظہار نہیں کیا۔ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت نے بڑی بڑی مشقتیں اور تکلیفیں اٹھائیں۔ خود فرمایا کرتے تھے جب میں رام پور سے دہلی گیا تھا صرف ایک اکنی میرے پاس تھی، تمام راستہ پیدل طے کیا تھا، ٹکے کے چنے لے کر چبا لیے تھے اور ٹکہ کشتی والوں کو دے کر دریا عبور کیا تھا۔ حضرت کے متعلقین سے یہ بھی سنا ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں کئی کئی وقت کا فاقہ برداشت کر لیتے تھے لیکن کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے تھے۔

منطق وفلسفہ اور فقہ وحدیث کی تکمیل کے بعد حضرت نے طب یونانی کی باقاعدہ تحصیل کی اور ضلع بجنور کے ایک قصبہ افضل گڑھ میں مطب بھی کیا۔ کچھ عرصہ بریلی اور دوسرے مقامات پر رہ کر قرآن وحدیث کا درس بھی دیا لیکن حضرت کی بے چین طبیعت کسی حال میں بھی مطمئن نہ ہوئی۔ فرماتے تھے میرے والد ماجد چاہتے تھے کہ میں ایک بڑا مولوی اور واعظ بنوں لیکن میری طبیعت اس طرف نہیں چلتی تھی اور طبیعت میں ایک خلش تھی جو کہیں چین نہیں لینے دیتی تھی۔ (بیس بڑے مسلمان، ص: ۶۰۲)

استاذِ کل، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد رسول خان صاحبؒ

حضرت مولانا رسول خانؒ کی وفات پر مولانا سید یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ماہ نامہ بینات میں ان کے بارے میں جو تاثرات لکھے ہیں، ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

مرحوم معمرترین بزرگ اور استاذ الکل عالم تھے، جن کی زندگی کی تقریباً اسی برس تعلیم وتدریس میں گزرے، جن میں پورے بیس سال تو دارالعلوم دیوبند کا عہدِ تدریس ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت تحصیل علم کے بعد مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں مدرس ہوئے۔ چند سالوں کے بعد دارالعلوم دیوبند کے اکابر وارباب اہتمام کی خواہش پر دارالعلوم ہی میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثانی اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا حافظ احمد صاحب وغیرہ اکابر واساتذہ سب شریک ہوئے۔

کی شخصیت کی دھاک بیٹھ گئی۔ مرحوم کو موصوف نے معرکہ کا درس دیا اور دارالعلوم میں ان حدیث میں حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن سے شرف تلمذ حاصل تھا اور معقولات کی آخری کتابیں اپنے ہم وطن حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی سے پڑھی تھیں اور انہی کتابوں میں وہ اپنے استاد کے صحیح جانشین ہوئے۔ دارالعلوم کے آخری علمی دور میں اصول فقہ، معقول اور فلسفہ کی انتہائی کتابیں قاضی مبارک، حمداللہ، توضیح وتلویح، مسلم الثبوت، صدرا، شمس بازغہ جن دو بزرگوں کے درمیان دائر وسائر تھے اور وہ بھی بہ تبدیل تناوب انہیں پڑھایا کرتے، ان میں ایک حضرت مرحوم تھے اور دوسری شخصیت حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی تھے، جو ان علوم وفنون کے امام تھے۔ آخری چار کتابوں میں دونوں بزرگوں سے راقم الحروف کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ مرحوم درسیات کے محقق عالم تھے۔ معقول ومنقول دونوں کے بہترین مدرس تھے۔ حسن تعبیر پر بڑی قدرت حاصل تھی لیکن تعبیرات معقولی طرز کی ہوتی تھیں۔ بات نہایت منقح فرمایا کرتے تھے۔ خوب صورت، خوش پوش، خوش لقاء، متواضع اور باوقار بزرگ تھے۔ آخر تک تمام خصوصیات قائم رہیں۔ تقریباً چالیس سال کا عرصہ لاہور میں گزرا۔ چند سال اورنٹیل کالج پنجاب یونی ورسٹی کے شعبہ علوم مشرقی میں مولوی فاضل کی کتابیں پڑھائیں۔ آخر میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں قیام رہا۔ دور حاضر میں کوئی عالم ایسا نہیں ہوگا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کا شاگرد نہ ہو۔ ضلع ہزارہ کی تحصیل بفہ میں ایک گاؤں کے باشندے تھے، جن کا نام اچھڑیاں ہے۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب بھی اسی علاقہ بفہ کے باشندے تھے۔ یہ معقولات میں آپ کے استاد تھے۔ ویسے تو سب ہی جانے والے کے لیے آتے ہیں لیکن صدمہ اس کا ہے کہ آئندہ جو دور آرہا ہے، اس میں ایسی باکمال شخصیتوں کی کمالات کا ادراک بھی نہیں ہوسکے گا۔ آپ کی وفات سے ہندوپاک کی ایک صدی کی علمی تاریخ کی بساط الٹ گئی۔ آپ کی رحلت علم، فنون، درس وتدریس، حسن ادا، تواضع ووقار، سنجیدگی ومتانت وغیرہ کمالات کی رحلت ہے۔ (... ص ۱۳۲)

درسیات کی مشکل ترین کتابوں کے اعلیٰ ترین مدرس اور استاذ تھے۔ اپنی حیات طیبہ کا بہت بڑا حصہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تدریس وتعلیم میں ہی صرف کیا۔ پورے ساٹھ برس تدریس کے فرائض انجام دیے، پھر دارالعلوم دیوبند میں زندگی کا طویل تر حصہ اسی کار خیر میں گزارا۔ کچھ عرصہ ہاٹھ ہزاری چاٹگام میں گزارے، لیکن چند ماہ بعد جامعہ دارالعلوم میں ہی واپس آگئے اور زندگی کی آخری سانس تک فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔

حضرت مولانا مدنی قدس اللہ روحہ کے وصال کے بعد دارالعلوم کے "صدر الاساتذہ" کے عہدے پر فائز رہے۔ ذکاوت، قوت حافظہ اور حسن تعبیر میں، خصوصاً معقول منقول کی مشکلات کے حل کرنے میں یکتائے روزگار تھے اور درس نظامی کی آخری کتابوں کے بے نظیر استاذ تھے۔ ہندوپاک کے تقریباً تمام علماء کرام کے بلاواسطہ یا بالواسطہ استاذ تھے۔ شاید ہی علمی دنیا کا کوئی گوشہ ایسا ہو جہاں مرحوم کے تلامذہ موجود نہ ہوں۔ نصف صدی سے زیادہ تو دارالعلوم میں ہی علوم درسیہ کی خدمت انجام دی ہے۔

مرحوم اپنے علمی کمالات اور جامعیت کے اعتبار سے قدمائے سلف کی یادگار تھے۔ جو کتاب پڑھاتے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ نہ صرف اس کے حافظ ہیں بلکہ اس کے مــا لــہ و ماعلیہ پر مصنف سے بھی زیادہ حاوی ہیں۔ مشکل سے مشکل مسائل میں ایسی عمدگی کے ساتھ دھیمی دھیمی آواز میں ایک عجیب تسلسل کے ساتھ تقریر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی گوشہ بھی تشنہ نہیں رہتا تھا۔ افسوس کہ علم وفضل کے آفتاب وماہتاب تیزی کے ساتھ غروب ہو رہے ہیں اور علمی گلستان اس طرح اجڑتے جا رہے ہیں کہ ان آبادی کی دوبارہ کوئی توقع نہیں۔ بصائر وعبر ج ص ۲۰۶

حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کا منطق، حکمۃ وکلام کے ساتھ تعلق

چونکہ بقیۃ السلف حضرت مولانا زکریا صاحب نے اپنے اوپر بیتے ہوئے احوال کمائے الاولادُ عام خود تحریر فرمائے ہیں جو علمی لحاظ سے بلند مقام رکھتے ہیں۔ اس لیے اس

موضوع پر ان کی آپ بیتی میں بہت کچھ ملتا ہے۔ برائے افادۂ عام "آپ بیتی" کے مختلف مقامات پیش خدمت ہیں۔ شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسباق کا نقشہ یوں تحریر فرمایا ہے۔ جو کہ پیش خدمت ہے۔

سال اول: از رمضان ۲۸ھ تا شعبان ۲۹ھ	نحو میر تمام، شرح مأۃ تمام مع ترکیب، ہدایۃ النحو تمام، کافیہ، کبریٰ تمام، ایساغوجی تمام، مرقاۃ تمام، شرح تہذیب نصف، مفید الطالبین باب اول، نفحۃ الیمن، الفیہ ابن مالک نصف، فصول اکبری ۲/۳ ثلث، باب اول، ترجمہ پارۂ عم تمام، تبارک الذی نصف، مجموعہ چہل حدیث (یہ پانچ چہل حدیثوں کا مجموعہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا اس زمانے میں بہت مشہور اور شائع تھا)
سال دوم: رمضان ۲۹ھ تا شعبان ۳۰ھ	بقیہ الفیہ، بقیہ شرح تہذیب، قطبی تصدیقات و تصورات مع میر، تلخیص فن اول، مقامات ۲۲ مقامے، حساب تا کسور عام، بقیہ ترجمہ تبارک الذی، نفحۃ الیمن باب اول، باب ثانی، باب خامس، قصیدہ بردہ، بانت سعاد، قصیدہ ہمزیہ
سال سوم: رمضان ۳۰ھ تا شعبان ۳۱ھ	مختصر، نور الانوار، حسامی، سبعہ معلقہ، کسائی، شرح جامی ۱/۶ حصہ، کنز، قدوری، میبذی، سلم
سال چہارم: رمضان ۳۱ھ تا شعبان ۳۲ھ	کاپی میں اس کی تفصیل نہیں۔ مدرسہ کی روئداد میں صفحہ ۱۰ پر اس سال کی کتب ممتحنہ یہ ہیں: مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اولین، حسامی، حماسہ، طحاوی، شرح نخبہ، الفیہ عراقی، مگر اس کا امتحان نہیں دیا۔

موضوع پر ان کی آپ بیتی میں بہت کچھ ملتا ہے۔ برائے افادۂ عام "آپ بیتی" کے مختلف مقامات پیش خدمت ہیں۔ شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے اپنے اسباق کا نقشہ یوں تحریر فرمایا ہے۔ جو کہ پیش خدمت ہے۔

سال اول: از رمضان ۲۸ھ تا شعبان ۲۹ھ	نحو میر تمام، شرح مأۃ عامل تمام مع ترکیب، ہدایۃ النحو تمام، کافیہ، کبریٰ تمام، ایساغوجی تمام، مرقاۃ تمام، شرح تہذیب نصف، مفید الطالبین باب اول، نفحۃ الیمن، الفیہ ابن مالک نصف، فصول اکبری ثلث، باب اول ترجمہ پارہ عم تمام، تبارک الذی نصف، مجموعہ چہل حدیث (یہ پانچ چہل حدیثوں کا مجموعہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ اور ملا جامی رحمہ اللہ کا اُس زمانے میں بہت مشہور اور شائع تھا)
سال دوم: رمضان ۲۹ھ تا شعبان ۳۰ھ	بقیہ الفیہ، بقیہ شرح تہذیب، قطبی تصدیقات و تصورات مع میر، تلخیص فن اول، مقامات ۲۳ مقامے، حساب تا کسور عام، بقیہ ترجمہ تبارک الذی، نفحۃ الیمن باب اول، باب ثانی، باب خامس، قصیدہ بردہ، بانت سعاد، قصیدہ ہمزیہ
سال سوم: رمضان ۳۰ھ تا شعبان ۳۱ھ	مختصر، نور الانوار، حسنی، سبعہ معلقہ، حسامی، شرح جامی ٦/١ حصہ، کنز، قدوری، میبذی، سلّم
سال چہارم: رمضان ۳۱ھ تا شعبان ۳۲ھ	کاپی میں اس کی تفصیل نہیں۔ مدرسہ کی روئداد میں صفحہ ۱۰۱ پر اس سال کی کتب مخرجہ یہ ہیں: مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اولین، حسنی، حماسہ، طحاوی، شرح نخبہ، الفیہ عراقی مگر اس کا امتحان نہیں دیا۔

سال پنجم: شوال ۳۲ھ تا شعبان ۳۳ھ	کاپی میں اس سال کی کتب بھی درج نہیں ہیں۔ مدرسہ کی روئداد سے نقل کر رہا ہوں۔ سُلم، ملاحسن، حمد اللہ، میر زاہد، امور عامہ، میر زاہد ملا جلال، میر زاہد رسالہ غلام یحییٰ، مؤطا امام محمد، طحاوی، اقلیدس، شمس بازغہ، مگر اقلیدس، شمس بازغہ کا امتحان نہیں دیا۔ مؤطا امام مالک کا امتحان بغیر پڑھے دیا تھا۔ ممتحن کو یہ علم ہو گیا تھا کہ بغیر پڑھے امتحان دیا ہے، اس لیے انہوں نے بغیر پڑھے کی رعایت کی، نقل کر دیا، اور کرنا چاہیے تھا۔
سال ششم: ۲ شوال ۳۳ھ تا شعبان ۳۴ھ	کتب مقررہ از والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ: اس سیاہ کار نے حدیث کی کتابوں کا امتحان نہیں دیا۔ ترمذی شریف، بخاری شریف، ابوداؤد شریف، ہدایہ ثالث (ابتدائی حصہ)، نسائی شریف (تمام)۔
سال ہفتم شوال ۳۴ تا شعبان ۳۵ھ	نزد حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ: بخاری شریف (دوسری مرتبہ)، ترمذی شریف، شروع سال میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ حج کے لئے تشریف لے گئے تھے، آخر ذی الحجہ میں تشریف آوری ہوئی تھی۔
شوال ۳۵ھ تا شعبان ۳۶ھ	نزد حضرت قدس سرہٗ: ابوداؤد شریف
شوال ۳۶ھ تا شعبان ۳۷ھ	نزد حضرت قدس سرہٗ: مسلم شریف، نسائی شریف

(آپ بیتی حصہ دوم ص: ۳۸)

حضرت شیخ الحدیثؒ کے بعض ابتدائی کتب کا بیان

میں اِکمال الشیم کے مقدمہ میں لکھ چکا ہوں کہ میرے والد صاحبؒ اپنے خاص شاگردوں کے پڑھانے میں مجتہد تھے۔ کسی نصاب کے پابند نہیں تھے۔ ان کے یہاں زبانی تعلیم زیادہ اہم تھی بہ نسبت کتابی تعلیم کے۔ ادب کے درمیان میں بہت زور تھا۔ نحو میر کے ساتھ ہی عربی سے اردو، اُردو سے عربی بنانے کا اہتمام تھا۔ ادب میں چہل حدیثوں کا بہت

دستور تھا۔ ایک چہل حدیثوں کا مجموعہ تھا جس میں شاہ ولی اللہ صاحب، ملا جامی، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہم پڑھائی جاتی تھی۔

اُن کے یہاں کافیہ ہدایۃ النحو کے ساتھ پڑھانے کا معمول تھا۔ جتنی شام کو کافیہ پڑھائی ہوتی صبح کو اتنی ہدایۃ النحو ہو جاتی، گویا ہدایۃ النحو کافیہ کی جگہ مطالعہ ہوتا۔ اور کنز وقدوری ساتھ ہوتی، اس طرح کہ کنز اصل ہوتی اور قدوری بمنزلہ مطالعہ کے ہوتی، جتنی شام کو کنز ہوتی اس کی ترتیب کے موافق صبح کو قدوری ہو جاتی۔

ادب کی کتابوں میں وہ محشی کتابوں میں پڑھانے کے مخالف تھے۔ میں نے مقامات جو پڑھی وہ کلکتہ کی مطبوعہ میرے لیے خاص طور سے وی پی منگائی گئی تھی، جس میں نہ کوئی حاشیہ تھا نہ اعراب۔ سبعہ معلقہ انہوں نے اپنے دستِ مبارک سے لکھ کر پڑھایا، اس لیے کہ موجودہ سبعہ معلقہ سب محشی تھے۔ اسی طرح متنبی بھی ان کے دستِ مبارک کی لکھی ہوئی پوری موجود ہے۔

کسی کتاب کو پورا ہونا حدیث کے علاوہ ان کے یہاں ضروری نہ تھا بلکہ ہر کتاب کا نصاب یہ تھا کہ جب آٹھ سبق ایسے پڑھ لو کہ اُستاد جو چاہے پوچھ لے اور شاگرد کچھ نہ پوچھے وہ کتاب گویا پڑھ لی، اس کے بعد ختم کرنا ضروری نہ تھا۔ اگر شاگرد کا جی چاہتا تو دورہ کی طرح سے فرفر سنا کے ختم کر دیتا، جی نہ چاہتا تو کچھ ضروری نہ تھا۔ البتہ حدیث پاک کے ختم کا ضرور اہتمام تھا۔

الفیہ ابن مالک اس ناکارہ نے پورا پڑھا، اور اس کا سبق حرفاً حرفاً حفظ سنا جاتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلی پر ہر شعر کا ابتدائی کلمہ لکھ لیتا تھا، پھر سارا شعر یاد آ جاتا تھا۔ پڑھنے کے زمانے میں اس کی ایک اُردو شرح بھی لکھی تھی۔ تالیفات میں اس کا ذکر آئے گا۔

(ایضاً: ۴۰)

شرح جامی پڑھنے کا واقعہ

شرح جامی کے متعلق نقشہ میں ۹/ الکھا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے بعد ایک دفعہ کاندھلہ جاتے وقت سہارنپور کے اسٹیشن پر شرح جامی شروع ہوئی تھی۔کاندھلہ کے اسٹیشن تک بغیر ترجمہ کے میں پڑھتا چلا گیا۔ابا جان نے کہیں کہیں مطلب پوچھا، میں نے بتلا دیا۔کاندھلہ جا کر ایک دن قیام رہا، وہاں بھی ایک گھنٹہ سبق ہوا، تیسرے دن واپسی پر کاندھلہ کے اسٹیشن سے سبق شروع ہوا تھا، سہارن پور کے اسٹیشن تک ختم ہو گیا تھا۔ان تین دن میں مرفوعات تو ساری ہو گئی تھیں اور منصوبات کا بھی بہت سا حصہ ہو گیا تھا۔بدقسمتی سے میری شرح جامی نہ معلوم کہاں سے آئی تھی جس کا حاشیہ بہت ہی مختصر تھا۔مجھے اس وقت پتہ نہیں چلا کہ اس میں حاصل محصول کیا چیز ہوتی ہے؟ جب مدرسی کے زمانہ میں ایک مرتبہ شرح جامی بحث اسم پڑھانے کی نوبت آئی۔اس کے حواشی دیکھنے شروع کیے تو میں دیکھتا دیکھتا تھک گیا۔تحریر سنبٹ، سوال کاملی، سوال ماسولی، حاشیہ عبدالرحمٰن، حاشیہ عبدالغفور، نہ معلوم کتنے حواشی دیکھے، مگر یہ حاصل محصول ختم ہو کر نہ دیا تب پتہ چلا کہ یہ بھی کوئی معرکۃ الآرا چیز ہے۔

اسی طرح اکثر کتابوں کی تعلیم میری ناقص ہی رہی۔عبارت تیز اور صاف پڑھنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ایسی تیز اور صاف پڑھتا تھا کہ اُستاد کو بھی خیال ہوتا تھا کہ خوب سمجھ کر پڑھ رہا ہے، اسی وجہ سے اب تک بھی جاہل کا جاہل رہا۔

البتہ حدیث پاک کا مجھے بھی اہتمام رہا۔وہ میں نے بھی بڑی محنت سے پڑھی اس میں بھی کئی معرکے ہیں، جو عنقریب آنے والے ہیں۔

زکریا کو منطق میں پڑھاؤں گا

میرے والد صاحب رحمہ نے مجھے منطق سُلّم تک پڑھا کر چھڑوادی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ میرے والد صاحب رحمہ کے رفیق درس حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے زمانہ میں مولانا ماجد علی صاحب مانی کلاں ضلع جونپور کے رہنے والے، منطق کے امام، اُستاذ الاساتذہ، ان کے زمانے میں ان کی معقول و منطق شہرۂ آفاق تھی۔انہوں نے میرے والد صاحب قدس

سرہٗ سے وعدہ کرلیا تھا کہ ذکریا کو منطق میں پڑھاؤں گا اور میرے والد صاحب نے وعدہ کرلیا تھا، اس لئے انہوں نے سلّم تک منطق پڑھا کر چھڑوادیا۔ اور ان کا ارادہ تھا کہ دینیات سے فارغ ہونے کے بعد ایک سال کے لئے میرٹھ بھیجوں گا جہاں مولانا مرحوم مدرس تھے۔ مولانا ماجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مناطقہ کے امام تھے، ان کی صفات مناطقہ کی صفات ہونا ہی چاہیے تھا۔ مرحوم کا مشہور مقولہ تھا کہ ترمذی تو مولوی محمود یعنی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کچھ پڑھا لیتے ہیں اور ابوداؤد مولوی خلیل صاحب یعنی میرے حضرت قدس سرہٗ، اسی بنا پر انہوں نے اپنے ایک خاص شاگرد مولوی فضل الرحمٰن ٹونکی کو جنہوں نے بارہ برس تک ان سے منطق پڑھی تھی ابوداؤد پڑھنے کے واسطے میرے حضرت کے پاس بھیجا تھا۔ اور میرے حضرت قدس سرہٗ نے بھی ان کو تنہا بڑے اہتمام سے ابوداؤد پڑھائی، لیکن بخاری کے متعلق مولانا ماجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ تھا کہ اس میں تو کچھ کہہ سکتا ہوں تو میں ہی کہہ سکتا ہوں۔

اسی وجہ سے مولانا مرحوم میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے بار بار یہ اصرار کیا کرتے تھے کہ ذکریا کو جلدی بھیج دو، میری خواہش یہ ہے کہ بخاری بھی میں پڑھاؤں۔ میرے والد صاحبؒ کہتے تھے کہ منطق کا تو میرا وعدہ ہے، لیکن دینیات سے فارغ ہونے کے بعد بھیجوں گا۔ مرحوم کا یہ مقولہ میں نے خود بھی سنا جو میرے سامنے میرے والد صاحبؒ سے کہا کہ مولوی صاحب! آپ اس کا حرج کر رہے ہیں، یہ میرے پاس آنے کے بعد یوں کہے گا کہ میں بخاری بھی تم سے ایک دفعہ دوبارہ پڑھنا چاہتا ہوں۔ میرے والد صاحب کا ہمیشہ یہ جواب ہوتا تھا کہ منطق کا تو وعدہ ہے مگر بخاری کے متعلق تم اگر یوں نہ کہہ دو کہ مولوی ذکریا تمہاری اس میں کیا رائے ہے تو کوئی بات نہیں۔ اور وہ اس پر کچھ خوش نہ ہوتے تھے۔

میرے حضرت قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ذکریا نے منطق کہاں تک پڑھی؟ تو میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ماجد علی صاحبؒ سے اپنا وعدہ ذکر کردیا۔ میرے حضرت قدس سرہٗ نے بڑے زور سے لاحول پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ منطق کے

واسطے کہیں بھیجنا نہیں۔ اس بناء پر اپنی طبیعت کے خلاف میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مجھے منطق پڑھوانی پڑی۔ اسی لیے اس نقشہ میں میرا ایک سال خالص منطق کا ہے۔ (ایضاً:۴۳)

علم منطق کے اساتذہ

میرے منطق کے تین استاذ ہیں۔ قطبی میر تک تو میں نے اپنے چچا جان سے مدرسہ کے اوقات میں پڑھی۔ البتہ شرح تہذیب حضرت ناظم صاحب مولانا عبداللطیف صاحبؒ سے قطبی سے پہلے خارج میں عصر کے بعد پڑھی تھی۔ وہ میرے والد صاحبؒ کے حجرے میں تشریف لایا کرتے تھے۔ میرے والد صاحبؒ کا حجرہ کتب خانے کا غربی حصہ تھا اور اس کے باہر کا حصہ جہاں اب کتب خانہ کی جدید عمارت آ گئی اس وقت بالکل خالی تھا اس کی منڈیر پر بیٹھ کر پڑھایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ اُن کو بہت جزائے خیر دے۔

سلّم، میبذی اور میر زاہد، اُمور عامہ حضرت مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلی مدرس دوم مظاہر العلوم سے دو سالوں میں پڑھیں۔ اس کے علاوہ منطق کی ساری کتابیں میرے مشفق اُستاذ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب سابق ناظم مظاہر العلوم سے اس طرح پڑھیں کہ میر زاہد، ملا جلال، ملا حسن تو مدرسہ کے گھنٹوں میں ان ہی کے یہاں ہوتی تھیں، اس کے علاوہ باقی سب کتابیں عشاء کے بعد پڑھیں۔ سردیوں کے زمانے میں عشاء کے بعد سے میرا سبق شروع ہوتا تھا، اس طرح کہ ایک چارپائی پر میں نیم دراز میں ہوتا تھا اور درمیانی چارپائی پر میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ بغیر کتاب کے لیٹے رہتے تھے، اس لئے کہ منطق انہوں نے بھی نہیں پڑھی تھی اور اگر میں یوں کہوں کہ منطق کی سب کتابوں میں اپنے عم محترم، اُستاذ، نائب الشیخ چچا جان کا رفیق درس ہوں تو بے محل نہیں۔ (ایضاً:۴۴)

کچھ رحمہ اللہ کے متعلق

حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیام اُس زمانے میں اس مکان میں تھا جو اب "گارڈ لائنگ" کے نام سے مشہور ہے اور میرے مکان کے بالکل متصل ہے، میں نے ساری منطق

تقریباً اسی مکان میں پڑھی۔

اسی سلسلہ میں تھوڑا آگے لکھتے ہیں:

"مجھے یاد ہے کہ حمد اللہ اٹھارہ یا انیس دن میں ہوئی تھی۔ اس زمانے میں مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نوراللہ مرقدہ کے چھوٹے بھائی مولوی عبدالرحیم صاحب مرحوم بھی مدرسہ میں پڑھتے تھے اور وہ حمداللہ کئی دفعہ پہلے پڑھ چکے تھے، انہیں حمداللہ سے عشق تھا۔ میرا بہت مذاق اُڑایا کرتے تھے کہ حمداللہ بھی ایسی چیز ہے کہ آدمی اٹھارہ دن میں پڑھ لے، وہ تو اٹھارہ برس میں پڑھنے کی کتاب ہے۔ مجھے سنا کر لوگوں سے کہتے کہ "آپ نے اٹھارہ دن میں حمداللہ پڑھی ماشاءاللہ کیا کہنا۔" مقدر کی بات کہ حمداللہ کے امتحان میں دونوں شریک تھے، اس سیاہ کار کے نمبر بڑھ گئے اور اُن کے غالباً ان کے غرور کی وجہ سے گھٹ گئے۔ اس زمانہ میں اساتذہ پر بدگمانی کا کوئی نالائق سے نالائق بھی شبہ نہیں کرسکتا تھا، مگر وہ مرحوم بار بار یوں کہتے تھے کہ "عقل میں نہیں آتا کہ تیرے نمبر کیسے بڑھ گئے"؟ میرا تو خیال یہ ہے کہ وہ مشکوٰۃ شریف پڑھتے وقت بھی حمداللہ کا سبق سُنا کرتے تھے کہ دونوں سبقوں کے مدرس قریب قریب بیٹھتے تھے۔

شکلیں گھڑنے کا بہت شوق تھا

مجھے اقلیدس پڑھنے کے زمانے میں اس سے بڑا شغف ہوگیا تھا، اس لیے کہ ابتدائی زمانہ میں صیغے بنانے کی مشق ابا جان نے بہت کرادی تھی، جسکے بناء پر اقلیدس کے زمانے میں اس کی شکلیں گھڑنے کا بہت شوق تھا۔ میرے پرانے کاغذات میں میری صرف صغیر، صرف کبیر، اقلیدس کی کاپیاں بھی بہت پڑی ہوئی ہیں۔ شمس بازغہ ہفتہ عشرہ تو متن وشرح دونوں پڑھیں مگر جب یہ اندازہ ہوا کہ متن اور شرح میں زیادہ فرق نہیں اس لئے وہ ایک ہفتہ صرف متن پڑھ کر چھوڑ دیا تھا۔

اس سال امتحان کی کتابوں میں مؤطا امام مالک بھی تھا، مگر میں نے اس کو بلا پڑھے امتحان دے دیا تھا۔ اقلیدس شمس بازغہ کا پڑھنا تو خوب یاد ہے، مگر امتحان ان کتابوں

کا نہیں ہوا۔ تصریح شرح چغمینی بھی تھوڑی تھوڑی حضرت ناظم صاحب سے ہی پڑھی تھی۔ ان

ب کے کفارہ کے لیے اخیر سال میں اپنے حضرت قدس سرہٗ سے مؤطا امام محمد پڑھی اور طحاوی

پڑھی تھی، طحاوی کا امتحان نہیں دیا؛ کیوں کہ اس سے پہلے سال دے چکا تھا۔ (ایضاً:۴۶)

ان کے علاوہ میرے منطق کے اُستاد صرف دو ہیں: ایک مولانا عبدالوحید صاحب

سنبھلیؒ جن سے میں نے تین کتابیں مدرسہ کے اسباق کے ساتھ پڑھیں، سُلّم العلوم،

میبذی، میر زاہد اُمور عامہ اور ان تین کے علاوہ سب حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ سے

پڑھیں۔ حضرت مولانا عبدالوحید صاحبؒ منطق وفلسفہ کے امام تھے۔ علم ہیئت کی کتابیں

کرے کی مدد سے اتنی تفصیل سے سمجھاتے تھے کہ طالب علم کے ذہن میں ساری باتیں بہت

وضاحت سے آجاتی تھیں۔

حضرت مولانا کی ولادت تقریباً ۱۲۹۰ھ میں سنبھل ضلع مراد آباد میں ہوئی۔ ابتدائی

عمر میں ان کے والد نے اُردو سکول میں تعلیم دلائی اور اس سے فراغ کے بعد دُنیوی کاروبار

میں لگایا، مگر اللہ جل شانہٗ نے علم کا اعلیٰ درجہ مقدر فرمایا تھا، اس لیے ابتداءً سرائے ترین مراد

آباد کے مدرسہ عربیہ میں داخل ہوئے، مگر چونکہ وہ گھر سے ڈھائی میل دور کے فاصلہ پر تھا،

آمد ورفت میں وقت زیادہ خرچ ہوتا تھا، اس لیے حسن پور ضلع مراد آباد کے مدرسہ میں مولانا

احمد الدین سرحدی کے پاس صرف ونحو کی تعلیم پوری کی۔ اس کے بعد کسی ماہر فن سے علوم

عقلیہ پڑھنے کا شوق ہوا۔ معلوم ہوا کہ مولانا غلام محمد صاحب ان فنون کے امام ہیں، چنانچہ ان

کی خدمت میں حسن پور سے گھر والوں کو اطلاع کیے بغیر پیدل چل دیے۔ دو آنے صرف

پاس تھے۔ ایک ماہ میں لاہور پہنچے۔ وہاں علوم عقلیہ کی تکمیل اور خاص طور سے علم ہیئت میں

تجر حاصل کیا۔ معلوم ہوا کہ لاہور کے قیام میں حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ

رائپوری بھی مولانا موصوف کے رفیق درس رہے۔ (ایضاً:۴۷)

حضرت شیخ الحدیثؒ کے زیر تدریس کتب

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ''کتب زیر تدریس زکریا کی سو'' کے عنوان کے تحت اپنی زیر تدریس کتب کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

از محرم ۳۵ھ تا شعبان ۳۵ھ:

علم الصیغہ، مایہ عامل منظوم، شرح مایہ، خلاصہ نحو میر، مجمع الیمن، منیۃ المصلی، اصول الشاشی، قال اقوال، تین سبق مستقل۔

از شوال ۳۵ھ تا شعبان ۳۶ھ:

مرقاۃ، قدوری، شرح تہذیب، کافیہ، نور الایضاح، اُصول الشاشی، شرح جامی بحث فعل، بحث اِسم نصف پر منتقل ہوگئی، عجب العجاب، مجمع الیمن۔

از شوال ۳۶ھ تا شعبان ۳۷ھ:

مقامات، سبعہ معلقہ، قطبی میر، کنز، قدوری، اُصول الشاشی۔

از شوال ۳۷ھ تا شعبان ۳۸ھ:

ہدایہ اولین، حماسہ بعد عشاء، بذل کی وجہ سے بعض سبق خارج میں ہوا کرتے تھے۔ ایک سبق حضرت کی اشراق کی نماز تک اور ایک سبق عصر کی نماز کے بعد بھی اکثر پڑھانے کی نوبت آئی۔

شعبان ۳۸ھ میں حجاز چلا گیا، اور محرم ۳۹ھ میں واپسی ہوئی۔ اس زمانہ کے سبق یاد نہیں، لیکن ہدایہ اولین تین دفعہ پڑھانے کی نوبت آئی اور میر قطبی تو لا تعد ولا تحصیٰ۔

شوال ۳۶ھ سے شعبان ۴۴ھ تک شاید ہی کوئی ایسا سال گزرا ہوگا جس میں قطبی تصدیقات اور میر قطبی میرے یہاں نہ ہوئی ہو۔ اکابر مدرسین منطق سے گھبراتے تھے۔ میر قطبی اور قطبی تصدیقات اور شرح تہذیب کی جماعت بھی اکثر میرے ہی یہاں رہتی تھی۔ شرح تہذیب کی جماعت بھی میر تک پہنچ جاتی تھی۔ اس زمانہ کے مدرسین اتنی اعلیٰ تحقیق سے نہیں پڑھاتے تھے جیسا کہ اس زمانہ کے علماء کرام پڑھاتے ہیں کہ کوئی کتاب الا ماشاء اللہ نصاب

تک نہیں پہنچتی۔ میں نے تین سال نورالانوار پڑھائی اور ہر سال نورالانوار کے بعد اس کی جگہ خالی ہوا کرتی تھی۔ بحث فعل کے بعد بحث اسم بھی اکثر ثمن ربع کے قریب ہوجاتی تھی۔

دورہ کے سبق صرف تین گھنٹے ہوتے تھے، دو میں ترمذی، بخاری اور ایک میں ابوداؤد پھر مسلم پھر نسائی۔ اور دورہ کے اسباق میں ایک سبق بیضاوی شریف کا تھا، اس کے بعد مدارک۔ اس کے بعد کشاف، ایک گھنٹہ ہدایہ اخیرین کا تھا۔ اس کے بعد درمختار، ایک گھنٹہ توضیح تلویح کا تھا۔ اس کے بعد مسلم الثبوت، اس کے بعد کوئی تیسری کتاب بھی اکثر ہوجاتی تھی۔ (ایضا:۷۰)

حضرت شیخ الحدیثؒ کی معقولی تصانیف

(۱) اردو شرح سلم (غیر مطبوع)

جس سال میں نے سلم پڑھی (یعنی ۳۲ھ میں) حضرت مولانا عبدالوحیدؒ بہت طویل تقریر فرماتے تھے، اور میں سبق کے ساتھ پنسل سے لکھا کرتا تھا اور سبق کے بعد صاف کیا کرتا تھا۔

(۲) اضافہ براشکال اقلیدس (غیر مطبوع)

۳۲ھ میں جب اقلیدس پڑھی تو کچھ اس وقت ایسا مزا آیا کہ اس کے قواعد پر اپنی طرف سے شکلیں گھڑا کرتا تھا۔ اس کی کاپیاں اضافہ براشکال اقلیدس کے نام سے اب تک محفوظ ہیں۔ یہ دونوں مسودے چند سال ہوئے تو پورے تھے، اب چند سال سے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔

فائدہ:

چوں کہ مولانا زکریاؒ نے آپ بیتی میں مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا شاہ محمد اسحاقؒ کا علوم عقلیہ کے ساتھ گہری دلچسپی کا ذکر کیا ہے، اس لیے یہاں ان کا ذکر بھی علمائے دیوبند کے ذکر کے ضمن میں طرداً لکھا جاتا ہے، اگرچہ ان کا دور علمائے دیوبند

کے دور سے پہلے گزرا ہے۔

مولانا اسماعیل شہیدؒ

حضرت گنگوہیؒ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مولانا رشید الدین خاں صاحبؒ جو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے شاگرد تھے اور بوجہ اپنی ذکاوت اور استعداد کامل کے رشید المتکلمین کے نام سے یاد کئے جاتے تھے، ایک دفعہ درس دیتے ہوئے فرمانے لگے کہ مولانا اسماعیل شہید کو دینیات کے ساتھ شغف ہے باقی معقولات کی طرف کچھ توجہ نہیں۔

اتفاقاً مولانا شہیدؒ کو ایک دن بخار آ گیا اور مولانا رشید الدین خان صاحبؒ عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ مولانا شہیدؒ فرمانے لگے کہ مولانا! آج بخار میں جو دماغ پریشان تھا اسی پریشانی اور انتشار کی حالت میں فلسفہ کے فلاں فلاں مسئلہ کی طرف ذہن منتقل ہو گیا اور ان مسائل پر میرے دل میں یہ یہ اعتراضات پیدا ہوئے۔ مولانا رشید الدین خان صاحبؒ بالکل ساکت رہے۔ واپس ہونے پر ان کے تلامذہ نے کہا کہ آپ تو فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیلؒ کو معقولات کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ فرمایا کہ بے شک میں نے یہ کہا تھا مگر اب میری رائے یہ ہے کہ اگر ارسطو اور افلاطون بھی قبر سے نکل کر آ جائیں تو مولانا کے بیان کردہ اعتراضات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے"۔ (آپ بیتی حصہ دوم، ص: ۲۷۷)

کچھ حضرت شاہ محمد اسحاقؒ کے بارے میں

حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک صاحب شمس بازغہ کی ایک عبارت پر بہت غور و خوض کر رہے تھے جو ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اتفاق سے شاہ اسحاق صاحبؒ بھی اس وقت مسجد میں ٹہل رہے تھے۔ شاہ صاحب نے ان کے پاس آکر دریافت کیا کہ میاں صاحبزادے! بڑے مصروف ہو، کون سی کتاب دیکھ رہے ہو؟ ان صاحب نے اس پر کچھ التفات نہیں کیا اور ہوں ... کر کے ٹال دیا۔ شاہ صاحب نے دوسری مرتبہ پھر پوچھا کہ میاں صاحبزادے! ... سی کتاب دیکھ رہے ہو؟ ان صاحب

دیے پھر ٹال دیا۔ شاہ صاحب پھر چلے گئے۔

تیسری مرتبہ شاہ صاحب پھر ٹہلتے ہوئے آئے اور ان صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور ذرا اصرار سے پوچھا میاں! بتاؤ تو سہی کہ یہ کون سی کتاب ہے اور تم اس میں اتنے مصروف کیوں ہو؟ تب ان صاحب نے مجبور ہو کر کہا کہ یہ کتاب شمس بازغہ ہے۔ میں ایک مقام میں الجھا ہوا ہوں، اسے سوچ رہا ہوں۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ کون سا مقام ہے؟ انہوں نے اس کو جواب بھی لاپرواہی سے دیا۔ جب کئی مرتبہ شاہ صاحب نے دریافت کیا تب انہوں نے ان کو وہ مقام دکھلایا۔ وجہ ان کی بے التفاتیوں کی یہ تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ شاہ صاحب اور ان کے خاندان کے لوگ معقول نہیں جانتے۔ شاہ صاحب نے اس مقام کو ملاحظہ فرمایا کہ تمہارے استاد نے یہ بتلایا ہوگا اور تم یہ کہتے ہو گے۔ انہوں نے اقرار کیا۔ اس پر شاہ صاحب نے اس کا صحیح مطلب بتلا دیا اور عبارت پر اس کو منطبق فرما دیا''۔ (ایضاً، ص:۱۷۸)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ

حضرت مولانا بنوریؒ اپنے ماموں فضل صمدانی کے ہمراہ پشاور آئے۔ یہاں آ کر پشاور کے بعض علماء سے صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس سلسلہ میں مولانا بعض واقعات سنایا کرتے تھے کہ کس طرح ابتدائی تعلیم میں آپ کو مشکلات پیش آئیں۔ معمولی سا سبق لینے کے لیے اپنی بستی سے کافی دور جانا پڑتا تھا۔ صبح سویرے سردی کے زمانہ میں سبز چائے اور مکئی کی روٹی کا ناشتہ کر کے اتنی دور جانا پڑتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا کے والد مکرم تارک الدنیا ہو کر سیاحت اور خانہ بدوشی کی زندگی گزار رہے تھے، جنگلوں میں چلہ کشی آپ کا مشغلہ تھا۔ مولانا کو یہ شکایت ہمیشہ رہی کی میری ابتدائی تعلیم باقاعدہ نہیں ہوئی اور والد ماجد کو میری مطلق فکر نہ تھی، لیکن قدرت کو اس چمن کی خود آبیاری کرنی تھی۔

بری مشاطگی کی کیا ضرورت حسن معنی کو　کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنابندی

چنانچہ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی ذکاوت اور حافظہ عطا فرمایا تھا، اس لیے ہم

کچھ پڑھتے یاد ہو جاتا تھا۔ جب حماسہ کی شرح قطبی پڑھی تو اس کا دیباچہ ادبیت کے لحاظ سے ممتاز تھا، اسے یاد کر لیا، غالباً یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اسی زمانہ میں مولانا کے کسی بھائی کا چھوٹی عمر میں انتقال ہوا تو مولانا نے عربی میں مرثیہ لکھا۔ مولانا کے صرف کے استاذ مولانا حافظ عبداللہ ساکن لنڈی ارباب تھے، جو بعد میں شہید کر دیے گئے۔

مولانا نے ابن حاجب کی شافیہ بھی پڑھی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تجوید کسی سے نہیں پڑھی لیکن شافیہ کی مدد سے قرأة و تجوید میں کافی درک حاصل ہوا۔ چنانچہ ہمیشہ قرأت و تجوید کی بحثوں میں حصہ لیتے تھے اور اس سلسلہ میں بہت ہی صائب رائے رکھتے تھے۔ اس کے بعد پھر دوبارہ کابل تشریف لے گئے۔ وہاں قاضی مرافعہ مولانا عبدالقدیر صاحب کا ذکر کرتے تھے۔ کہ ان سے منطق کی کتابیں میر زاہد، ملا جلال اور بعض دوسری کتابیں پڑھیں"۔

(بینات بنوری نمبر، ص: ۱۰۸)

حضرت بنوریؒ کا سفر میں معقولات پڑھنا

مولانا رحمہ اللہ یہ کام کر رہے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو کشمیر کا سفر درپیش ہوا۔ مولانا بنوری رحمہ اللہ نے ساتھ جانے کا اشتیاق ظاہر کیا اور اجازت چاہی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ آپ کے اشتیاق و عقیدت سے واقف تھے، اجازت دے دی، اور مولانا بنوری رحمہ اللہ بھی ساتھ رہے۔ اس سفر اور کشمیر میں قیام کے حالات ایک خاص انداز میں بیان فرمایا کرتے تھے، اپنے شیخ کے ساتھ والہانہ عشق کے واقعات مزے لے لے کر سناتے تھے۔ اسی سفر میں مولاناؒ نے شیخ سے کچھ اور کتابیں بھی پڑھیں، مطول اور شرح سلم بحر العلوم کا نام لیتے تھے، یہ دونوں کتابیں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنے بھائی سیف اللہ شاہ رحمہ اللہ کے لیے شروع کرائی تھیں، مولانا بھی شریک درس ہو گئے تھے"۔ (ایضاً: ۱۱۰)

مزید آگے لکھتے ہیں:

حضرت مولانا بنوریؒ نے دوسرے اساتذہ سے بھی پڑھا تھا۔ ابتدائی دور کے

استاذوں کے نام پہلے ذکر بھی کیے جا چکے ہیں۔ دیو بند اور ڈابھیل میں بعض اساتذہ سے پڑھا، مثلاً دیو بند میں مسلم الثبوت حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ سے پڑھا"۔

(ایضاً، ص: ۱۱۳)

عصری علوم داخل نصاب نہیں کیے

اس میں شک نہیں اور بلا خوف وتردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ قدیمی نصاب کا فاضل اور فارغ التحصیل علوم جدیدہ میں سے مشکل ترین علم کو سمجھنے کی پوری قابلیت واہلیت رکھتا ہے۔ قدیم بطلیموسی یا فیثاغورسی علم ہیئت سمجھنے والا آج صلاحیت رکھتا ہے کہ محض مطالعہ سے جدید ہیئت وجدید فلسفہ وسائنس کو سمجھے اور صرف مطالعہ سے ان مشکلات سے عہدہ برآ ہو، کیا شرح چغمنی، صدرا، شمس بازغہ، شرح اشارات سمجھنے والا یہ قابلیت نہیں رکھتا کہ جدید طبعیات و ریاضیات کی جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں انہیں سمجھ سکے؟ یقیناً رکھتا ہے الخ...

بہر حال حضرتؒ عصری علوم کو نصاب کا ایک حصہ قرار دینے کے کبھی بھی حامی نہیں رہے بلکہ اس کو غلط قرار دیتے تھے، ورنہ اگر حضرت عصری علوم کو نصاب میں داخل کرنے کے حق میں ہوتے تو کم از کم اپنے مدرسہ کی حد تک اس کا تجربہ ضرور فرماتے جو مدرسہ آپ کے زیر ادارت چلتا رہا، اس کے نصاب یا نظام تعلیم میں جو ترمیم بھی آپ کرنا چاہتے تو کون روک سکتا تھا۔ مگر اس کے باوجود آپ نے مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں عصری علوم داخل نصاب نہیں کیے، اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ علوم نبوت اور ان کے معاون علوم کے ساتھ عصری علوم کے جوڑ کو آپ نے غیر ضروری خیال فرمایا۔

رات کو خواب دیکھتا ہوں:

چنانچہ حضرت والاؒ نے بارہا یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ ڈھاکہ میں علمائے کرام کے ایک اجلاس میں شریک تھا جس میں پاکستان کے مشرقی حصہ (موجودہ بنگلہ دیش) اور مغربی حصہ کے علماء کرام موجود تھے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور خود

حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیتیں اس اجلاس میں شریک تھیں۔ عصری علوم کا نصاب مروجہ کے ساتھ جوڑ کا مسئلہ زیر بحث تھا، بعض علماء کرام نے اس کی حمایت میں رائے دی اور کچھ مخالفت کر رہے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اس وقت یہ خیال آیا کہ علوم عصریہ کو داخل نصاب کرنے میں کیا حرج ہے، بہر حال وہ اجلاس ختم ہوا اور زیر بحث مسئلہ میں اختلاف آرا کی وجہ سے اجلاس کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکا۔

حضرتؒ فرماتے ہیں: رات کو خواب دیکھتا ہوں کہ ایک مسجد میں کھڑا ہوں اور سامنے چٹائی بچھی ہے اور اس میں یہ عبارت بنی ہوئی ہے "النجاة في علوم المصطفى" اور فرمایا کہ اس خواب میں پھر دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر پوری قوت کے ساتھ ان کلمات کے ساتھ اذان دیتا ہوں: "النجاة في علوم المصطفى سيد السادات" آخری دو کلمے "سید السادات" میں نے خود بڑھا دیے۔ فرمایا کہ صبح جاگنے کے بعد دل سے خیال نکل گیا اور یقین ہو گیا کہ اس دور میں بھی صرف علوم نبوت سے کامیابی ممکن ہے، عصری علوم کا جوڑنا بالکل بے معنی ہے۔

کتب فنون میں حضرت بنوریؒ کا ذوقی انتخاب

قریب کی بات ہے کہ حضرت والا اور حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہم دونوں ہی تشریف فرما تھے کہ میں نے منطق کی ایک کتاب کا ذکر کیا کہ وہ مجھے بہت پسند ہے، کتاب مدینہ منورہ میں پھوپھی صاحبہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ کے پاس مولانا کی الماری بھر کتابوں میں سے ایک تھی، یہ بوعلی سینا کی لکھی ہوئی ہے اور انھوں نے منطق کے تمام قواعد منظوم کر دیے ہیں۔ اشعار طلبہ کو آسانی سے یاد ہو جاتے ہیں، یہ کتاب پڑھا کر یاد کرادی جائے تو سارے قواعد یاد ہی رہیں گے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ اشعار کا ترجمہ اور مختصر شرح اردو میں آ جائے۔

دونوں حضرات نے اس مختصر کتاب ... اور بہت پسند فرمایا اور کہا شرح کی ضرورت نہیں ایسے ہی طبع کرادیں۔ فرمایا دونوں ... نصاب میں داخل کرادیں گے۔ ان

حضرات کی رائے اس قدر قوی دیکھ کر میں نے اس کے پارٹ بنوا لیے، لیکن اب مضمون لکھتے وقت ان باتوں کے ساتھ یاد آیا کہ وہ رسالہ ان کی رائے کے احترام میں ویسے ہی طبع کرا دینا چاہیے، اگرچہ میری رائے اب بھی وہی کہ مبتدی کے لیے اس کا ترجمہ، مختصر تشریح تسہیل کے لیے ضروری ہے، مگر کہنا یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی بلندی علم اسے کہاں بتلا رہی تھی۔

(سابقہ صفحہ سے پیوستہ)

حضرت مولانا مفتی محمودؒ

حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے بارے میں مولانا حقانی صاحب رقم طراز ہیں:

مفتی صاحبؒ کے اساتذہ میں مولانا عجب نور صاحب بھی تھے۔ موصوف فلکیات میں بہت ماہر تھے۔ علم فلکیات کی کتاب تصریح پڑھاتے وقت ما بین السطور بھی پڑھایا کرتے تھے۔ بہت جسیم اور جہیر الصوت تھے۔ مدرسہ شاہی میں ۱۹۲۶ میں انہیں حدیث کی مشہور کتاب مسلم شریف دی گئی تھی۔ مولانا سے مفتی صاحبؒ نے فلسفہ منطق کی بڑی کتابیں اور ہدایہ آخرین پڑھی تھی۔ حضرت مولانا غلام رسول خان صاحبؒ سے منطق کی مشہور کتاب سلم العلوم پڑھی تھی۔ حضرت قاری عبداللہ صاحبؒ سے سبعہ عشرہ پڑھی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ کو قرآن حفظاً یاد تھی۔ (کتاب: ص:)

حضرت شیخ الحدیث عبدالحق صاحبؒ کا ان علوم مجورہ کے ساتھ تعلق

حضرت شیخ الحدیثؒ خود فرمایا کرتے کہ جب میں نے دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث مکمل کر لیا اور طلبہ میں تکرار اسباق اور فارغ اوقات میں تدریس اور معقولات میں دلچسپی کی وجہ سے اساتذہ اور دارالعلوم دیوبند کے مشائخ مجھ پر بے حد شفقت فرمانے لگے تھے اور میرے بارے میں یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ مولانا محمد نبی حسن جو ریاضی منطق اور فلسفہ کے اسباب استاد تھے، کے وفات پا جانے سے ان کی جگہ مجھے نئے سال سے دارالعلوم

دیوبند میں تدریس کی ذمہ داریاں سونپ دی جائیں"۔ (الحق خصوصی نمبر،ص:۱۳۱)

میبذی، تصریح اور صدرا کا درس دیا

حضرت شیخ الحدیثؒ اپنی خودنوشت سوانح عمری میں رقم طراز ہیں:

"میری ضروریات تو ہمیشہ والد صاحب کے مدنظر رہیں۔ دیوبند سے فراغت اور مسجد میں درس دینے سے ان کی روحانی خوشی ہوئی۔ دو طالب علم تو دیوبند سے آئے، بقیہ یہاں جمع ہوئے۔ بحمداللہ تعالیٰ فراغت کے بعد ایک دن بلاتدریس کے نہیں رہا اور اونچی کتابیں مثلاً ہدایہ، نورالانوار، میبذی، تصریح، صدرا اور جلالین شریف و مشکوۃ شریف روزاول سے پڑھانے پڑے۔ والحمدللہ علی ذلک

حضرت والدؒ کی تمنائیں ظاہر ہونے لگیں اور میرا طب نہ پڑھنے اور ہندوستان سے واپس لوٹنے پر اور طلبہ کے جم غفیر سے ان کی روح خوش تھی۔ تمام طلبہ کے کھانے وسالن وکتاب، رہائشی ضروریات اپنے جیب سے پورا کرتے تھے اور میرے لئے دونوں وقت کے مکلف کھانے کا انتظام تھا۔ مجھے تو ندامت تھی کہ والد صاحب پر بوجھ ہوں مگر ان کو بوجہ للہی تدریس کی خوشی تھی دن بدن والد صاحب مرحوم خوشی سے عنایات مجھ پر بڑھاتے رہے اور درس وتدریس کی نعمت پر رب العزت کا شکر ادا کرتے رہے"۔ (الحق خصوصی نمبر،ص:۲۶)

مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب فرماتے ہیں:

"بلکہ بعض کتابیں خصوصی طور پر طلبہ خارجی وقت میں ان سے پڑھتے تھے، مثلاً میبذی، تصریح وغیرہ مولانا کے حلقہ افادہ میں پچاس ساٹھ طلبا شریک درس رہتے"۔

(سوانح شیخ الحدیث،ص:۳۳)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"ہمارے ایک استاد تھے، جن سے چند دن "ملا حسن" پڑھتا ہوا موضع گڑھی کپورہ میں ان کے پاس ٹھہرے تھے"۔

(ایضاً:۳۶)

اساتذہ اوران سے پڑھی ہوئی کتب:

(۱) حضرت حسین احمد مدنیؒ ۔۔۔ بخاری شریف، ترمذی شریف

(۲) حضرت مولانا علیؒ ۔۔۔ بیضاوی شریف، ہدایہ آخرین، موطا امام مالکؒ

(۳) حضرت مولانا ابراھیم بلیاویؒ ۔۔۔ امورعامہ، شرح اشارات، مسلم شریف، توضیح تلویح، مسلم الثبوت

(۴) حضرت مولانا رسول خانؒ ۔۔۔ صدرا، شمس بازغہ، طحاوی شریف، شرح عقائد، شرح جامی، رشیدیہ

(۵) حضرت مولانا عبدالسمیعؒ ۔۔۔ مشکوٰۃ شریف، شرح نخبۃ الفکر

(۶) حضرت مولانا نبیہ حسنؒ ۔۔۔ جلالین شریف

(۷) مرتضیٰ حسین چاند پوریؒ ۔۔۔ ابن ماجہ

(۸) حضرت مولانا اصغر حسینؒ ۔۔۔ ابوداؤد شریف

(۹) حضرت مولانا مشتاق احمد کانپوری ۔۔۔ ہدایہ آخرین (صفحہ:۲۷)

حضرت شیخ عبدالحقؒ نے موضع گڑھی کپورہ میں ایک استاد سے ملا حسن پندرہ دن میں پڑھی تھی۔ (صفحہ:۳۱)

حضرت صاحبؒ طالب علمی میں مشکل کتابیں مثلاً میبذی تصریح وغیرہ پڑھاتے تھے جس میں ۶ تک کے طلبہ شریک ہوتے تھے۔ (ایضاً:۳۳)

تعلیم وتربیت میں نقص کیوں

یہ تو جناب کے سوالات کا جواب تھا، لیکن احقر کو اپنے تجربے سے جو ثابت ہوا وہ یہ ہے کہ تعلیم وتربیت میں جو نقص عام مدارس میں آج کل محسوس کیا جارہا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ کام کے آدمی پیدا نہیں ہوتے، اس کا سبب کی کوتاہی نہیں، رجال کار کی کوتاہی ہے۔

اول تو ماہرین فن کا قحط ہے پھر کوئی ماہر بھی ہو تو اسے اشاعت علوم کا جذبہ حاصل نہیں اور یہ کام ہمیشہ جذبۂ صادقہ سے ہوتا ہے محض تنخواہ و ملازمت سے نہیں ہوتا۔ میرے خیال میں نصاب کی تجویز و تشکیل کی فکر فضول ہے۔ جو موجودہ مروجہ نصاب ہے وہ بھی کافی ہے اس میں مقامی اور وقتی ضرورت سے معمولی تغیر کر دیا جائے تو یہ مفید ہو سکتا ہے مگر اصل توجہ اور فکر کی چیز رجال کار کا مہیا کرنا ہے جو اشاعت علم اور تربیت طلباء کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھیں۔ ایسا ایک آدمی بھی مہیا ہو جائے تو غنیمت کبریٰ ہے دوسرے بھی پھر اس کے ساتھ لگ جاتے ہیں۔

جتنے اکابر علماء اب تک پیدا ہوئے وہ اسی نصاب کے فاضل ہیں جس کو آج فرسودہ کہا جاتا ہے، مگر اساتذہ کاملین و ماہرین تھے، اس لیے اسی نصاب سے سب کچھ حاصل ہو گیا۔ عام اسکولوں، کالجوں میں ہر تیسرے سال نصاب بدلنے والی کمیٹیاں بیٹھتی ہیں مگر رجال کار کی طرف توجہ نہیں ہوتی، اس کے غلط نتائج کسی بصیر انسان سے پوشیدہ نہیں۔

(ماہنامہ البلاغ فروری ۲۰۰۷ء)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی علوم عقلیہ کے متعلق رائے:

نصاب سے متعلق ساتویں بات منطق اور فلسفے کی تعلیم سے متعلق ہے۔ بعض حضرات یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ یونانی فلسفے کے زوال کے بعد ان مضامین کو پڑھانے کی چنداں حاجت باقی نہیں رہی، لیکن ہمارے نزدیک یہ بات بوجوہ درست نہیں۔

ان مضامین کی اہمیت کے لیے اتنی بات بھی کافی ہے کہ ہمارے اسلاف کی کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ بالخصوص اصول فقہ انہی علوم کی اصطلاحات اور منطقی انداز و اسلوب پر مشتمل ہے اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے اور اس سے استفادہ کے لیے منطق اور فلسفے کی واقفیت ضروری ہے۔ آج تفسیر کبیر جیسے دریائے علم سے استفادہ اس کے بغیر ممکن ہی نہیں کہ انسان منطق اور فلسفے کا علم رکھتا ہو۔ لہٰذا ان مضامین کو ختم کر دینا ہمارے نزدیک سخت نقصان دہ

ہوگا۔ (ہمارا نظام تعلیم، ص:۱۰۵)

مولانا عبدالحمید سواتیؒ کی علوم عقلیہ کے بارے میں رائے

مولانا عبدالحمید سواتیؒ فرماتے ہیں:

تعقل دماغی ورزش، تشحیذ اذہان، مبتدیوں کے لیے تربیت، کلام کے لیے تکمیل فکر، عقلیت پسند ملحدین اور فلاسفہ کا رد، طرز استدلال میں پختگی حاصل کرنے، وہبی نظم فکری کاوش اور سلف کے علمی ذخیرہ سے مستفید ہونے کی استعداد فراہم کرنے کے لیے تحصیل منطق ضروری ہے۔ علم منطق اگرچہ علوم مقصودہ میں سے نہیں بلکہ مفید علوم آلیہ میں سے ہے۔ اکابر علماء اور سلف نے اس کی تحصیل سے کبھی تحاشی نہیں کی۔ بعض فقہا جو اس کے خلاف انتہا پسندانہ نظریہ رکھتے ہیں وہ غلو سے خالی نہیں۔

اگر ہم اصول فقہ اور فقہ کے عقلیات کے حصے سے اور امام غزالیؒ اور ان کی کتب امام رازی ؒ کی تفسیر اور دیگر کتب، سلف کی حکمت، امام ولی اللہ، حضرت امام مجدد الف ثانی، مولانا نانوتوی کی کتب اور تحریرات سے فائدہ نہ اٹھا سکیں تو یہ ہماری انتہائی بدقسمتی ہوگی، اور ہم قرآن کریم، سنت اور اسلام کی حکیمانہ تشریح کے سمجھنے سے قاصر رہیں گے اس لیے منطق کی تحصیل بقدر ضرورت لابدی ہے، اسی لیے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اپنے خطبات میں لکھا ہے: ہم عربی طلبہ کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے انہیں دیوبند کا نصاب مکمل کرنا چاہیے۔ وہ اس نصاب کے عقلیات کے حصے کو بھی ویسا ہی پڑھیں جیسا دینی حصے کو پڑھتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام میں انہی خطبات میں لکھتے ہیں: ''میرا خیال ہے اگر نیا اصلاح شدہ عربی نصاب (جیسا کہ مصر وغیرہ میں رائج ہے) ہمارے عربی مدارس میں غالب آ گیا تو یقین نہیں کہ ہم حجۃ اللہ البالغہ جیسی کتاب سمجھنے سے عاری ہو جائیں گے۔ ہمارا اپنا فلسفہ جب ذہن سے نکل گیا تو ہم ہر طرح بہکائے جا سکتے ہیں۔ (تحریرات سواتی علی ابن محمد علی)

جامع معقول ومنقول حضرت مولانا خان بہادر صاحبؒ المعروف بہ مارتونگ بابا

چوں کہ معقولات کی دنیا میں حضرت مولانا خان بہادر مارتونگیؒ اجتہاد وامامت کا درجہ رکھتے تھے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عبقری رجل کبیر کی کہانی خود ان کی زبانی درج کی جائے۔ واضح رہے کہ ان کے شاگردوں نے ان علوم عقلیہ اور حدیث وتفسیر کی بے پناہ خدمت کی ہے اور ان کے تلامذہ میں اب گنتی کے چند حضرات رہ گئے ہیں۔ لیجیے! حضرتؒ کی کہانی خود ان کی زبانی سنیے۔

ٹونک میں آمد

بالآخر فاقوں کی شدت سے تنگ آ گئے تو مجھے ساتھ لے کر ٹونک چلے گئے۔ اس وقت ٹونک کی حکومت اور ولایت جناب ابراہیم خان کے ہاتھ میں تھی۔ شہر میں دو دینی مدرسے تھے۔ ایک مدرسہ کا نام مدرسہ قافلہ تھا۔ نواب صاحب کے بھائی جنرل عبدالرحیم خان کی نگرانی میں تھا۔ اور جناب مولانا سیف الرحمٰن صاحب جو علاقہ ہشت نگر چارسدہ کے باشندے تھے، اس کے صدر مدرس تھے۔ اور دوسرا مدرسہ خود نواب صاحب چلا رہے تھے جس کا نام مدرسہ خلیلیہ تھا۔ اس کے صدر اور سرپرست حضرت مولانا حکیم برکات احمد صاحبؒ ٹونکی تھی جو حضرت مولانا عبدالحق خیرآبادیؒ کے براہ راست شاگرد تھے۔ یہاں فنون معقولات کے لیے اور اساتذہ مقرر تھے۔ اور مہتمم مدرسہ حضرت مولانا موصوف متقدمین کی کتابیں مثلاً افق مبین، شفا اور اشارات خود پڑھاتے تھے۔ کبھی کبھار جب حمد اللہ اور قاضی کا درس دینے لگتے تو اطراف واکناف سے طلبہ کثرت سے جمع ہو جاتے۔

ہمارا داخلہ مدرسہ قافلہ میں ہوا۔ اور [illegible] یہ ہوئی کہ وہاں صدر مدرس مولانا سیف الرحمٰن صاحب سے وطن سے واپسی میں سرِ [illegible] ہو گیا۔ اور ان کی معرفت ہم نے مدرسہ قافلہ میں داخلہ لیا۔ میں نے اس مدرسہ میں [illegible]۔ پہلے سال میں کافیہ

دوسرے سال شرح ملا جامی، مولوی کلن صاحب سے پڑھیں جو اس زمانے میں ایک ممتاز نحوی تھے اور ان دو سالوں میں منطق کے بعض رسائل ایساغوجی، شرح تہذیب، ملاحسن، میبذی وغیرہ بھی پڑھے۔

اس اثنا میں حکیم مولانا برکات احمد صاحب نے اپنے صاحبزادہ کو شرح جامی کا درس دینا شروع کیا۔ یہ درس ان کی ڈیوڑھی میں ہوتا اور اونچے درجہ کے طلبا اس میں تبرکا بڑی کثرت سے شرکت کرتے تو میں نے بھی حضرت حکیم صاحب کے صاحبزادے کی معیت میں ان کا شرف تلمذ حاصل کیا اور دوسرے سال کے آخر میں مولانا حیدر حسن صاحب ٹونکی سے جو مشاہیر علماء میں سے اور مدرسہ قافلہ کے نائب صدر تھے، حمد اللہ کا کچھ ابتدائی حصہ پڑھا نیز اس مدرسہ میں مولانا محمد مصطفیٰ صاحب سے حساب اور مولانا حسن رضا صاحب سے سکندر نامہ پڑھا جو فارسی میں نہایت مشہور تھے جب کہ اول الذکر حساب میں مشاہیر علماء میں سے تھے۔

تھوڑا آگے صفحہ نمبر ۲۵۱ میں فرماتے ہیں:

الغرض داخلہ کے بعد تین سال مدرسہ فتح پوری میں پڑھتا رہا اور اس عرصہ میں حمد اللہ، میر زا قطبی، میر زاہد، ملا جلال، قاضی مبارک، صدرا، میر کلاں، تصریح اور اقلیدس پڑھے سوائے تصریح کے جو میں نے مولانا عبد السنان صاحب باجوڑی سے پڑھی، یہ سب کتابیں مولانا قطب الدین صاحب سے پڑھیں۔

رفاقت اور علمی نوک جھونک

شرح اشارات کے درس کے دوران تقریباً تین ماہ تک میرے اور مولانا عبد السلام لدھاری کے درمیان علمی نوک جھونک اور مناظرے جاری رہے۔ جب ہمارے مناظرے طول پکڑ گئے اور رفقائے درس طلبہ تنگ آ گئے تو مولانا قطب الدین صاحب سے درخواست کی کہ ہم تو آپ سے پڑھنے آئے ہیں ان دو کے مناظرے سننے تو نہیں آئے۔ مولانا

صاحب نے فرمایا چاہلوا میرے پڑھانے سے ان دونوں کے یہ مناظرے تمہارے لیے زیادہ مفید ہیں۔ اس طرح آپ کو بہت سے علوم مستحضر ہو جاتے ہیں اس وجہ سے منڈو میں پٹھان طلبہ آدھے میرے اور آدھے مولانا عبدالسلام کے طلبہ ہوتے۔ چونکہ مولانا عبدالسلام اردو نہیں جانتے تھے اس لیے ہندوستانی اور بنگالی طلبہ بھی میرا ساتھ دیتے۔ دونوں کے طلباء میں اختلاف رہتا۔ میرے طلبہ مجھے ترجیح دیتے تھے اور مولانا کے شاگرد انہیں بڑھاتے رہتے۔ اسی باہمی تفاضل کا اختلاف بڑھتے بڑھتے شدت اختیار کر گیا، تو مولانا قطب الدین کو اس بارہ میں فیصلہ کرنے کا حکم بنایا کہ ان کے فیصلہ پر عمل ہوگا۔

ایک دن دونوں جماعتوں کے نمائندہ افراد نماز عصر کے بعد اس امر کا فیصلہ کرانے مولانا قطب الدین کے پاس جمع ہو گئے۔ مولانا نے یہ کہہ کر ٹالنا چاہا کہ دونوں ذہین ہیں آپ جائیں اور یہ اختلاف چھوڑ دیں۔ لیکن طلباء نے اس پر اکتفاء نہ کیا اور اصرار بڑھتا گیا کہ ضرور فیصلہ فرمائیں ورنہ اختلاف مزید بڑھ جانے کا خطرہ ہے۔ تو مولانا نے مجبوراً فرمایا کہ: مولانا عبدالسلام کی معلومات اتنی ہیں کہ اگر کسی ایک مقام پر بحث شروع کردے تو ایک دن میں بھی ان کی تحقیقات ختم نہیں ہو سکیں گی۔ اس لیے کہ ان کا حافظہ بہت زیادہ ہے۔ اس لیے کہ اگر مولوی خان بہادر کسی ایک مقام کے توجیہات شروع کردیں تو کمال ذہانت کی وجہ سے ان کی توجیہات کئی روز تک ختم نہ ہو سکیں گی۔ کیونکہ یہ زیادت ذہانت کی بناء پر مجتہد ہے۔ خلاصہ یہ کہ مولانا عبدالسلام حافظ ہیں اور مولانا خان بہادر مجتہد ہیں۔ الغرض منڈو میں میں نے تین سال گزارے اور ۱۳۳۵ھ میں دیوبند چلا گیا۔

دارالعلوم دیوبند میں

۱۳۳۵ھ میں دارالعلوم دیوبند گیا۔ میں نے داخلہ امتحان کے لیے فارم میں تین کتابیں لکھیں۔ ۱۔ قاضی ۲۔ شرح اشارات ۳۔ شرح چغمینی

میرے امتحانی داخلہ کے لیے حضرت کشمیری (شاہ انور شاہ) تجویز کیے گئے۔ جس

وقت میں امتحان دینے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے قاضی مبارک کے بحث تشکیک میں "لا تشکیک فی الماھیات" سے شروع فرمایا۔ اور "کما انتفاء الماھیات" تک تقریباً ایک صفحہ میں میں نے حضرت والا شان کو امتحان دیا۔ اس کے بعد حضرت والا شان نے کتاب بند فرمائی اور یاد سے منتشر سوالات شروع کیے۔ میں نے اس کے مناسب جوابات دیے۔

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ امتحان کی دو کتابیں اور باقی ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا کہ معلومیت قابلیت کے لیے ایک کتاب کا امتحان کافی ہے۔ اس لیے باقی دو کتابوں میں امتحان نہ ہوا۔ پھر دریافت فرمایا کہ اس سال یہاں دارالعلوم میں آپ کون سی کتابیں پڑھنا چاہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف، ہدایہ مکمل اور توضیح۔ تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ دورہ حدیث کے لیے تلخیص کا پڑھنا بھی ضروری ہے۔ اس لیے تلخیص بھی پڑھ لیں۔ اسی دن سے میرا کھانا مطبخ سے جاری ہوا اور نمبرات کے لحاظ سے میں عمدہ درجہ میں کامیاب ہوا۔

میرے اسباب کی ترمیم و ترتیب حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حوالہ تھی۔ انہوں نے مجھ سے کتابوں کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے ان کتابوں کا نام لیا، جو حضرت شاہ صاحب مرحوم کے سامنے لیا تھا۔ تو مولانا شبیر احمد نے پوچھا کہ جب ہدایہ مکمل پڑھنا چاہتے ہیں تو کیا شرح وقایہ آپ نے پڑھی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ شرح وقایہ تو کیا میں نے کنز الدقائق بھی نہیں پڑھی۔ تو فرمایا کہ جب شرح وقایہ اور کنز بھی نہیں پڑھے تو ہدایہ مکمل کس طرح لے سکتے ہو؟ تو میں نے جواب میں کہا کہ آپ اپنے اس دارالعلوم کے کسی مکمل طالب علم کو بلائیں جو ہدایہ پڑھ چکا ہو اور اعلیٰ طریقہ سے کامیاب بھی ہوا ہو۔ پھر مجھے اور ان کو دس دن دیں اور کسی مشکل جگہ کو متعین فرما کر جمعہ میں دونوں سے امتحان لیں اور ہم دونوں کا موازنہ کریں۔

مولانا شبیر احمد صاحب نے فرمایا کہ آپ کی قابلیت میں کوئی شک نہیں کہ جب آپ نے امتحان کے لیے شرح اشارات اور قاضی کا نام لکھا ہے اور پھر قاضی میں حضرت شاہ صاحب کا امتحان دے کر عمدہ نمبرات سے کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ مگر یہ ترتیب ہمارے دارالعلوم کے اصول کے خلاف ہے کہ شرح وقایہ نہ پڑھی ہو اور اسے ہدایہ میں شریک کرلیا جائے۔

میں نے عرض کیا کہ آپ کا یہ قانون غلط ہے اس وجہ سے کہ اس میں مراتب اذہان کی تفاوت کی رعایت نہیں۔ تو انہوں نے منطق کے لہجہ میں فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ دینیت میں مرکزِ خاک پر ہیں اور معقولات میں محدبِ افلاک پر ہیں۔ تو میں نے جواباً کہا کہ اس لیے کہ معقولات مبادی ہیں اور دینیات مقاصد، اور مبادی مقاصد پر طبعاً مقدم ہوتے ہیں۔ لہٰذا میں نے وضعاً اسے مقدم رکھا ہے۔ اس لیے کہ وضع کی مطابقت طبع کے ساتھ ہو سکے۔

پھر آپ نے سوال کیا کہ آپ نے کون سی شرح اشارات پڑھی ہے، امام رازی یا طوسی کی؟ تو میں نے جواب میں قصداً ابہام سے کام لے کر کہا کہ جو شرح اشارات مدارس میں مروّج ہے اسی کو پڑھ چکا ہوں۔ تو فرمایا کہ میں اسی ہی کو متعین کرنے کا پوچھتا ہوں۔ تو میں نے کہا کہ آپ کے دارالعلوم کا جو بلند و بالا نصاب ہے، خود آپ کے سامنے ہے پھر مجھے اس کے تعین کی کیا ضرورت ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جب آپ ناراض ہو رہے ہیں تو میں نائب مہتمم مولانا حبیب الرحمان صاحب سے آپ کو ہدایہ میں شمولیت کی اجازت لے لوں گا۔ میری خفگی مولانا نے میرے مذکورہ جوابات سے محسوس فرمائی۔

طالب علمی میں تدریس

اس وقت تک درجہ علیا کے طلباء مجھ سے خارجی اوقات میں معقولات کی اہم کتابیں پڑھنے لگے تھے اور حضرت مولانا امروہیؒ سے میری بڑی تعریفیں کرتے تو حضرت مولانا نے مجھے فرمایا کہ چوں کہ نائب صدر چلے گئے ان سے آپ توضیح پڑھتے تھے، وہ اب ملا پڑھاؤں گا اور ان کے ذمہ معقولات کے علاوہ دیگر کتابیں باقی مدرسین اور معقولات کی جو

کتابیں صدرا، قاضی، حمداللہ ان کے پاس تھیں، وہ اب خارجی اوقات میں بحیثیت معین مدرس پڑھائیں گے اور اس کی مناسب تنخواہ بھی مقرر ہوگی اور اگلے سال جب آپ دورۂ حدیث سے فراغت پاسکیں تو یہ کتابیں مستقل آپ کے سپرد ہوں گی اور آپ بحیثیت نائب صدر مستقل صدر ہوسکیں گے۔ اراکین مدرسہ کی شوریٰ بھی طلب فرمائی جنہوں نے اس مشورہ کی منظوری دی اور میرے لیے چارپائی، بستر وغیرہ اور کچھ ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔ اگلے سال حضرت امروہی مرحوم سے دورۂ حدیث شروع کیا۔

عقدِ نکاح اور تدریس

چنانچہ اس تجویز کو زیرِ عمل لایا گیا، تو مجبوراً مجھے مارتونگ میں ٹھہرنا پڑ گیا اور تدریس شروع کی۔ میں اواخر شعبان ۱۳۳۶ھ میں یہاں آیا تھا۔ رمضان المبارک شروع ہوا اور میرے عم محترم کے ہاں مختلف فنون شروع تھے، تو انہوں نے بعض طلبہ میرے سپرد کیے۔ اسباق شروع کراتے ہی طلبہ مجھ سے نہایت مطمئن ہوئے، تو طلبہ کی خوشی کی وجہ سے میرے چچا نے اکثر کتابیں میرے حوالہ کردیں، اور دو تین کتابیں اپنے پاس رہنے دیں۔

دو تین سال ہی میں فنون کے اعلیٰ درجہ کی کتابوں میں نہایت شہرت ہوئی اور اطراف واکناف سے کثرت کے ساتھ طلبہ کا ہجوم ہوا، اور مجبوراً مجھے درس کو منظم اور باضابطہ شکل دینی پڑی، اس طرح کہ میں سات آٹھ اسباق اپنے ذمہ لے لیتا اور طلبہ اپنی مناسبت سے ان کتب مشروعہ میں شامل ہوجاتے۔

﴿تیسری فصل﴾

علمائے دیوبند سے پہلے علوم عقلیہ میں شہرت پانے والے بعض علمائے کرام کا ذکر

یہ تھا مشاہیر علمائے دیوبند کا علوم عقلیہ کے ساتھ تعلق کا ذکر، جو قدرے تفصیل کے

ساتھ ہم نے بیان کیا تا کہ ان کے ساتھ عقیدت رکھنے والے کسی کے غلط بیانی سے متاثر ہو کر ان علوم کو نہ چھوڑ بیٹھیں۔

آگے ہم ان علماء کا ذکر کرتے ہیں جو علمائے دیوبند سے پہلے گزر چکے ہیں: ایک تو اس لیے کہ یہ بحث مکمل ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ اس سے ان لوگوں کی غلط فہمی بھی دور ہو جائے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ماضی بعید میں ہندوستانی نصاب تعلیم معقولات سے بالکل خالی تھا۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ معقولات کو داخل درنصاب کرنا یہ صرف علمائے دیوبند کا اختراعی کارنامہ نہیں ہے، بلکہ ان سے پہلے کے علمائے کرام کو بھی معقولات کے ساتھ گہری وابستگی تھی۔

ویسے تو علمائے ہند کے شان علمی پر بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً:

١۔ نزهة الخواطر مؤلف: مولانا عبدالحی لکھنویؒ

٢۔ أخبار الأخيار مؤلف: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

٣۔ مآثر الكرام مؤلف: ضیاء الہند غلام علی آزاد

٤۔ مآثر الأمراء مؤلف: فیض

٥۔ آئین اکبری مؤلف: ابوالفضل

٦۔ تاریخ بدایونی مؤلف: عبدالقادر بدایونی

٧۔ سیر الأولیاء مؤلف: میر خورد

٨۔ دستور العلماء مؤلف: ملا عبدالنبی احمد نگری وغیرہ وغیرہ۔

لیکن وقت کی کمی اور اسباب کے عدم تیسر کی وجہ سے صرف ان علماء کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے، جن کے ذکر پر صاحب نزہۃ الخواطر علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے اکتفا کیا ہے۔

علماء القرن السابع في الهند

علامہ لکھنویؒ قرن سابع کی ایک مشہور علمی شخصیت شیخ عبدالعزیز بن محمد الدمشقیؒ کے

متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ العالم الكبير العلامة عبدالعزيز بن محمد الإمام نجم الدين الدمشقي" ثم الدهلوي أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية، أخذ عن الإمام فخرالدين الرازي "أي تعلم المنطق والحكمة عن سيد المتكلمين الإمام فخرالدين الرازي رحمه الله صاحب المباحث المشرقية".

(نزهة الخواطر، ج:١٨٤/١)

علامہ لکھنوی ان علوم ثلاثہ میں ماہرین مشاہیر علمائے کرام کا تذکرہ کرتے ہیں، جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن ہم ان میں سے چند مشہور علماء کا ذکر کرتے ہیں۔

شیخ مجدالدین لاہوری کے متعلق لکھتے ہیں کہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں ان کی تصانیف مشہور تھیں۔

"الشيخ الإمام مجد الدين بن عطير الدين محمد بن عبد الملك الجرجاني اللاهوري أحد الرجال المعروفين بالفضل والكمال، ذكره نورالدين محمد العوفي في (لباب الباب) في ترجمة أبيه وقال: إن مصنفاته مشهورة في أنواع العلوم من المعقول والمنقول". (نزهة الخواطر، ج:٢٠٩/١)

ان علماء میں مشہور محدث برہان الدین محمود بلخیؒ کا ذکر بھی آتا ہے۔ علامہ برہان الدین وہ شخصیت ہیں جنہوں نے فقہ کو فقیہ اسلام شیخ برہان الدین مرغینانیؒ صاحب ہدایہ سے حاصل کیا ہے۔ علامہ لکھنویؒ لکھتے ہیں:

"الشيخ الإمام العالم المحدث برهان الدين محمود بن أبي الخير أسعد البلخي المشهور بالذكاء والفطنة لم يكن في زمانه أعلم منه بالنحو واللغة والفقه والحديث، متوفراً على علوم الحكمة، تفقه على الشيخ برهان الدين المرغيناني صاحب الهداية". (ج: [illegible])

علماء القرن الثامن في الهند

آگے ہم ہندوستان کے قرن ثامن کے بعض علماء ومشائخ کا ذکر کرتے ہیں جو ان علوم ثلاثہ میں شہرت رکھتے تھے تا کہ واضح ہو جائے کہ علوم عقلیہ کے ساتھ ان کا کتنا تعلق رہا ہے۔

علامہ لکھنوی ایک مشہور عالم، علامہ افتخار الدین البرنی کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامه افتخار الدين البرني" أحد كبار الأساتذة، كان يدرس ويفيد في عهد السلطان علاء الدين محمد شاه الخلجي، وله يد بيضاء في العلوم العقلية كانت أونقلية، ذكره البرني في تاريخه".

(أيضاً، ج: ٢/ ١٥)

آگے شیخ أعز الدین الدہلوی کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل الكبير أعز الدين الخالد خاني الدهلوي أحد الرجال المعروفين بالفضل والكمال، له (دلائل فيروز) منظومة في الطيرة والتفاؤل و النجوم و الحكمة الطبعية". (أيضاً، ج:٢/١٦)

صفحہ ۱۷ میں علامہ بدر الدین الحکیم الدمشقی کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة بدر الدين الحكيم الدمشقي ثم الهندي الدهلوي أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية، لم يكن له نظير في عصره في الحذاقة والتدبير ومعرفة النبض والبول" الخ

علامہ جلال الدین رومیؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ انھوں نے علم کو قطب الدین رازیؒ سے حاصل کیا جو منطق کی مشہور کتاب قطبی کے مصنف ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"الشيخ الامام العالم الكبير العلامة جلال الدين الرومي رحمه الله أحد العلماء المشهورين بالدرس والإفادة، قرأ العلم على الشيخ قطب الدين الرازي" شارح الشمسية وقدم الهند فولاه فيروزشاه السلطان التدريس في مدرسة

بدار الملك دهلي، وكان يدرس الفقه والحديث والتفسير وغيرها من العلوم النافعة، انتفع به ناس كثير وأخذوا عنه، منهم الشيخ يوسف بن الجمال الملتاني". (ج:۲/۲۳)

علامہ لکھنوی جلال الدین کرمانی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جلال الدین کرمانی معقول ومنقول کے ماہر تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"السيد الشريف القاضي جلال الدين العلوي الحسيني الكرماني أحد العلماء المشهورين في عصره، ولي الصدارة في عهد السلطان فيروزشاه، وكان عالما في المعقول والمنقول، ذكره القاضي ضياء الدين البرني في تاريخه وأثنى على فضله وبراعته في العلوم". (ج: ۲/۲۵)

قرن ثامن کے ایک مشہور عالم مولانا سعد الدین دہلوی کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ علم منطق وحکمت دونوں علوم میں انتہائی درجے کے ماہر تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"الشيخ الفاضل الكبير العلامة سعد الدين المنطقي الدهلوي أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة". (نزهة الخواطر ج:۲/۵۰)

مولانا عبد العزیز دہلوی جو اسی صدی کے مشہور عالم اور مختلف علوم میں بہت ساری کتابوں کے مصنف ہیں، کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الشيخ الإمام عبد العزيز بن شمس بن بهاء النوري الدهلوي أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية". الخ (نزهة الخواطر، ج:۲/۷۰)

قرن ثامن کے ایک اور مشہور عالم عضد الدین الدہلوی کے علم منطق وحکمت میں مہارت اور انکے ساتھ خصوصی تعلق کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة عضد الدين الدهلوي ﷺ أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة، قرأ عليه محمد شاه تغلق وأعطاه أربعة آلاف تنكة

يوم ولى الملك". (نزهة الخواطر، ج: ۸۱/۲)

اسی صدی کے ایک اور مشہور عالم مولانا علم الدین شیرازی کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل الكبير العلامة علم الدين الحكيم الشيرازي أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية، له اليد الطولى في الصناعة الطبية، كان يدرس ويفيد بدهلي في أيام علاء الدين محمد شاه الخلجي". (أيضاً ج: ۸۷/۲)

آگے علامہ لکھنوی صاحب آٹھویں صدی کے ایک اور مشہور عالم عمر بن اسحاق الہندی الغزنوی کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الإمام العلامة الكبير عمر بن إسحاق بن أحمد أبو حفص سراج الدين الهندي الغزنوي أحد الرجال المشهورين بالعلم ... وكان عالما فاضلا إماماً علامة نظاراً فارساً في البحث". (نزهة الخواطر، ج: ۹۸/۲)

آگے علامہ لکھنوی صاحب آٹھویں صدی کے ایک اور مشہور عالم فخر الدین زرادیؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ علم کلام کے اندر انتہائی ماہر تھے اور اس میں ان کی بعض تصانیف بھی ہیں۔ علامہ کرمانیؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ تمام علوم وفنون (خواہ نقلیہ ہوں یا عقلیہ) میں انتہائی ماہر تھے۔ چنانچہ علامہ صاحب لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامه فخر الدين الزرادي السامانوي ثم الدهلوي، الفاضل المشهور .... قال الكرماني ﷺ: كان بارعاً في كثير من العلوم والفنون، أخذ عنه الشيخ سراج الدين عثمان الأودي، ومولانا ركن الدين ومحمد بن المبارك ...... ومن مصنفاته (العثمانية) رسالة له في التصريف، ومنها (الخمسين) رسالة له في المسائل الكلامية مما يستصعبه الناس" الخ (نزهة الخواطر، ج: ۱۰۶/۲)

شیخ محمد بن عبدالرحیم اُرمویؒ (جن کے متعلق مولانا گیلانی صاحبؒ نے بھی اپنی کتاب

میں کچھ لکھا ہے) آٹھویں صدی کے مایہ ناز عالم تھے۔ شیخ محمد وہ شخصیت ہیں جنہوں نے علوم عقلیہ میں مہارت کی بنا پر حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو بادشاہ وقت، اس کے وزراء اور علمائے عرب کی موجودگی میں مناظرے میں سخت شکست دی تھی۔

علامہ عبدالحئی لکھنوی ایک اور مشہور عالم کے متعلق لکھتے ہیں:

"السید الشریف العلامه محمد المنجم البدخشي المدفون بكلبر گه كان من العلماء المبرزين في الهيئة والهندسة والنجوم وسائر الفنون الحكمية".

(نزهة الخواطر، ج:۲/۱۵۸)

موسیٰ ابن اسحاق الدہلویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل الكبير موسىٰ بن إسحاق بن علي بن إسحاق الحسيني البخاري الدهلوي".

آگے لکھتے ہیں:

"وحفظ القرآن، وقرأ العلم على وجيه الدين الباهلي، ومهر في الشعر والموسيقي وسائر الفنون الحكمية". (ج:۲،ص:۱٦٦)

آگے علامہ صاحب شہنشاہ تدریس علامہ معین الدین عمرانی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ منطق و علم کلام، فقہ و اصول فقہ اور معانی و بیان، ان تمام علوم میں مولانا صاحب کو انتہائی مہارت حاصل تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامه معين الدين العمراني المملو عليه للأفاضل المشار إليه للأنامل انتهت إليه رياسة التدريس بمدينة دهلي، وكان ذا قوة في النظر وممارسة جيدة في المنطق والكلام والفقه والأصول والمعاني والبيان".

آگے لکھتے ہیں:

وللعمراني مصنفات جليلة، منها شروح على كنز الدقائق والحسامي و

مفتاح العلوم". (ج:۲/ ۱۶۸)

علماء الهند في القرن التاسع

قرن تاسع میں ایک مشہور عالم ثناء الدین ملتانی ہیں جنھوں نے جامع المعقول والمنقول میر سید شریف جرجانی سے علم منطق وحکمت حاصل کیا ہے۔ چنانچہ علامہ لکھنوی لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة ثناء الدين بن قطب الدين الحنفي الملتاني أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية".

آگے لکھتے ہیں:

"واخذ المنطق والحكمة و غيرهما عن السيد الشريف زين الدين علي الجرجاني ﷫ صاحب المصنفات المشهورة". (نزهة الخواطر، ج:۳/۳۷)

قرن تاسع ہی کے ایک اور مشہور عالم علامہ حسن بن البدر ہندی کے متعلق لکھتے ہیں کہ انھوں نے بیس سال سید شریف جرجانی ﷫ سے ان علوم کو حاصل کیا۔ چنانچہ علامہ لکھنوی کے الفاظ یہ ہیں:

"الشيخ العالم الكبير حسن بن بدر الدين الهندي ثم الدمشقي الحنفي نزيل حملة الشام، ذكره السخاوي في "الضوء اللامع" قال إنه عالم علامة بحر محقق منطق ذوفنون عديدة والأقوال سديدة متمكن من العقليات، لازم السيد الجرجاني ثلاثين سنة وانتفع به الطلبة في النحو والصرف والأصلين". (ج ۳/ ص ۴۳)

اسی صدی ہی کے ایک اور مشہور عالم شیخ حسن بن علی گیلانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ شیخ حسن تمام علوم عقلیہ خاص کر منطق وحکمت میں انتہائی ماہر تھے۔

"الشيخ الفاضل العلامة حسن بن علي الحكيم الكيلاني أحد العلماء

المبرزين في المنطق والحكمة وسائر الفنون العقلية"۔ (ج:۳/۱۱)

آگے علامہ لکھنوی قرن تاسع کے ایک اور مشہور عالم امیر فضل اللہ شیرازی کے متعلق لکھتے ہیں کہ انہوں نے علم منطق وغیرہ کو علامہ سعدالدین تفتازانی سے براہ راست حاصل کیا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة فضل الله بن فيض الله الحسيني الشيرازي قرأ العلم على العلامة سعدالدين عمر بن مسعود التفتازاني".

آگے لکھتے ہیں:

"وكان عالماً كبيراً بارعاً في الهيئة والهندسة وسائر العلوم الحكمية، قد جمع الله سبحانه فيه خصالا من الفضل والكمال وحلاوة المنطق ورزانة العقل وإصابة الفكر" إلخ. (نزهة الخواطر، ج:۳/۸۸)

اس کے بعد علامہ صاحب قرن تاسع کے ایک اور مشہور عالم دین فضل اللہ مندوی کا ان علوم عقلیہ میں مہارت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل الكبير فضل الله الحكيم المندوي أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية". (نزهة الخواطر، ج:۳/۸۹)

علامہ لکھنوی قرن تاسع کے ایک مشہور عالم بادشاہ فیروز شاہ بہمنی کا علوم عقلیہ میں مہارت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الملك الفاضل المؤيد فيروز بن داود بن الحسن البهمني سلطان الدكن، وقرأ العلم على العلامة فضل الله بن فيض الله الشيرازي، و فاق أهل زمانه في العلوم الحكمية".

آگے لکھتے ہیں:

"و كان مع اشتغاله بمهمات الدولة يدرس ثلاثة أيام في كل أسبوع، كان

بمدرس الزاهدي و شرح التذكرة و شرح المقاصد في علم الكلام و تحرير الاقليدس، و المطول". (ج:۳/۹۰)

علامہ لطف اللہ سبزواری کے متعلق فاضل مصنف لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة لطف الله السبزواري أحد العلماء المبرزين في المنطق و الحكمة". (ج:۳/۹٦)

آگے علامہ لکھنوی ایک مشہور عالم محمد بن ابی البقاء کرمانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ منطق کے اندر اتنے ماہر تھے کہ انہوں نے اشکال اربعہ کے جتنے ضروب منتجہ ہیں سب کو اشعار کے اندر جمع کیا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامه محمد بن أبي البقاء بن موسى بن ضياء الدين الحسيني النقوي الكرماني ﷺ إلخ وقال المفتي سلطان حسن البريلوي في غاية التقريب: أن الشيخ محمد قد جمع الضروب المنتجة لكل شكل من الأشكال الأربعة المنطقية في أبيات وعبر القضايا بالحروف الأول فالأول أى الموجبة الكلية بأ والسالبة الكلية بب والموجبة الجزئية بج والسالبة الجزئية بد إلخ..... (ج: ۳، ص:۱۰۲)

پھر علامہ لکھنوی قرن تاسع کے ایک اور مشہور عالم (جنہوں نے منطق کی مشہور کتاب شمسیہ پر شرح بھی لکھی ہے) کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة محمد بن علي بن الشهاب الحسيني الهمداني أحد العلماء المشهورين، قدم كشمير و له اثنتان و عشرون سنة، فأسلم على يده (سيه بث)، فلقبه شرف الدين، وله مصنفات، منها شرح الشمسية في المنطق". (ج:۳/۱۱۱)

علامہ لکھنوی فقہ حنفی کے ایک مشہور عالم کا ذکر کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے فقہ کے

اندر بھی انتہائی مہارت عطا فرمائی تھی اور معقولات میں بھی انتہائی ماہر تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"الشيخ العالم الفقيه القاضي محمد أكرم الحنفي الكجراتي، أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول، وكان قاضي القضاة ببلدة نهر واله، وصله المفتي ركن الدين الناكوري في مفتتح كتابه الفتاوى الحمادية بالإمام العالم ونعمان الثاني و نالك المعقول والمنقول، إلى غير ذلك من الألقاب الشريفة."

(ج: ۱۲۲/۳)

اسی صدی کے ایک اور مشہور عالم خواجہ عماد الدین کے متعلق لکھتے ہیں کہ انہیں بیک وقت علوم عقلیہ ونقلیہ میں اللہ تعالی نے خصوصی مہارت عطا فرمائی تھی۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

"الشيخ الفاضل الكبير عماد الدين محمود بن محمد بن أحمد الكيلاني المشهور بمحمود گاوان.. وكان عالماً كبيراً بارعاً في المعقول والمنقول لاسيما الفنون الرياضية وصناعة الطب والإنشاء وقرض الشعر، وكان باذلا سخياً شجاعاً حسن العقيدة حسن الفعال يحزل على أهل العلم إلخ ... (ج:۱۲٦/۳)

علامہ لکھنوی اسی صدی کے ایک اور مشہور عالم علامہ محمود بن ابی محمود حسینی گازرونی کے متعلق لکھتے ہیں کہ علوم حکمت کے اندر وہ انتہائی ماہر تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة محمود بن أبي محمود الحسيني الكازروني أحد العلماء البارعين في الهندسة وسائر الفنون الرياضية". (ج: ۳،ص: ۱۲۹)

آگے مولانا لکھنوی اسی صدی کے ایک اور مشہور عالم علامہ محمود بن محمد گجراتی کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل محمود بن محمد المقرئ الحنفي الكجراتي أحد العلماء المشهورين في عصره، قرأ عليه راجح بن داؤد الكجراتي بأحمد آباد النحو

والصرف والمنطق والعروض وغيرها، ذكره السخاوي الخ ..... (ج:۳/۱۲۰)

نوٹ: چونکہ آئندہ سطور میں بھی مذکورتمام نام حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی کی کتاب نزہۃ الخواطر سے لیے گئے ہیں، اس لیے اختصار کے پیش نظر حوالہ درج نہیں کیا گیا۔ البتہ اگر کوئی اقتباس کسی اور کتاب سے لیا ہے تو اس کا حوالہ بھی درج کیا گیا ہے۔

علماء القرن العاشر في الهند

(۱) الشيخ الفاضل العلامة أبو البقاء بن عبد الباقي بن تقي الدين محمد الحسيني الخراساني، أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(۲) الشيخ الفاضل العلامة مسيح الدين أبو الفتح بن عبد الرزاق الشيعي الكيلاني، كان من العلماء المبرزين في العلوم الحكمية. وكان عالماً كبيراً بارعاً في العلوم الحكمية الخ

(۳) الشيخ الإمام العالم الكبير المفتي أبو الفتح بن عبد الغفور بن شرف الدين العمري الحنفي التهانيسري رحمه الله، أحد أكابر العلماء في عصره، اتفق الناس على فضله ونبالته، قرأ النحو والفقه والأصول على القاضي محمد الفاروقي، و قرأ العلوم الحكمية على شيخ حسين البكري.

(٤) الشيخ الفاضل الكبير أبو الفضل الحسيني الشافعي الاستر آبادي، أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية، قرأ العلم على العلامة جلال الدين محمد بن أسعد الدواني الخ ..

(٥) الشيخ الفاضل العلامة أحمد بن نصر الله الشيعي التتوي السندي، كان من نسل سيدنا عمر بن الخطاب ؓ، وكان من أهل السنة والجماعة، .... و أخذ الفنون الرياضية و الحديث والكلام على مذهب الشيعة عن الشيخ أفضل القائني، وقرأ كليات القانون وشرح التجريد مع حواشيه على كمال الدين حسين اليزدي وعلى الفاضل مرزاجان الشيرازي الخ

(٦) الشيخ الفاضل القاضي أحمد السندي، أحد العلماء المبرزين في المعقول و المنقول.

(۷) الشيخ الفاضل الكبير إسماعيل العرب الدهلوي، كان من الأفاضل المشهورين بمعرفة

الهيئة والهندسة والصناعة والطبية وسائر الفنون الحكمية... وكان كثير الدرس والإفادة إلخ

(٨) الشيخ الفاضل إله داد بن أحمد بن شمس الدين بن كمال الدين داؤد الملتاني السلطان بوري، أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٩) الشيخ العالم الكبير جلال الدين بن عبد الله بن يوسف الأكبر آبادي، أحد العلماء المشهورين في عصره ... وحفظ القرآن الكريم، واشتغل بالعلم على والده وأخذ عنه النحو والعربية وتفقه عليه، وأخذ المنطق والحكمة عن العلامة أبي البقاء بن عبد الباقي الخراساني، وتصدر للتدريس وهو دون العشرين، ذكره التميمي في أخبار الأصفياء.

(١٠) الشيخ السيد الشريف جلال الدين الحسيني البداوني العالم المحدث، ولد ونشأ بمدينة بداون، وسافر إلى دهلي فقرأ المنطق والحكمة.

(١١) الشيخ الفاضل العلامة جمال الدين بن نصير الدين بن سماء الدين الحنفي الدهلوي مفتي الأحناف بدار الملك ... أخذ عنه خلق لا يحصون بحد وعد وكان عارفاً بدقائق العربية رأساً في الفقه والأصول والكلام ... له مصنفات عديدة منها شرح العضدية وشرح أنوار الفقه وشرح مفتاح العلوم للسكاكي وحاشية بسيطة على شرح الجامي على الكافية.

(١٢) الشيخ الفاضل جمال الدين الحنفي الشيرازي، أحد العلماء المشهورين، أخذ عن الشيخ جلال الدين محمد بن أسعد الدواني ... له حاشية على الحاشية القديمة للدواني التي صنف في المنطق.

(١٣) الشيخ العالم الكبير حاتم بن أبي حاتم الحنفي السنبهلي، أحد العلماء المشهورين في الهند، قرأ المختصرات على بعض العلماء، ثم لازم الشيخ عزيز الله التلنبي وقرأ عليه سائر الكتب الدرسية من المعقول والمنقول إلخ

(١٤) الشيخ الفاضل حسن بن محمود الأنصاري الشيرازي الخطاط المشهور قال: الشيخ نقن الدين العولي":

ـ هشت شعر من ز عقل ونقل عواهم بشود

جامع المعقول و المنقول مولانا حسن

(١٥) الوزير الكبير عالمحيو بن داؤد الكجراتي .... وتقدم في الذكاء والفطنة والفراسة حتى كان فيها ثانياً لإياس بن قرة، وأما العلوم الحكمية فلااشتغل عن ذلك إلخ

(١٦) الشيخ العالم المحدث راجح بن داؤد بن محمد بن عيسى بن أحمد الحنفي الكجراتي، أحد العلماء العاملين ... وقرأ في بلدته على محمود بن محمد المقرئ الحنفي النحو والصرف والمنطق و العروض وغيرها، وعلى المخدوم بن البرهان الدين المعالي والبيان، وعلى محمد بن تاج الحنفي الهيئة والكلام.

(١٧) الملك الفاضل شاهي بيك بن ذي النون الأرغون القندهاري السلطان الفاضل، قام بالملك بعد والده في قندهار ... وكان عالماً بارعاً في المعقول والمنقول، له مصنفات عديدة، منها شرح الكافية لابن الحاجب، و له تعليقات على شرح المطالع، و تعليقات على شرح السراجية للسيد الشريف في المواريث، و تعليقات على غير تلك الكتب والرسائل.

(١٨) الشيخ الفاضل شمس الدين بن أحمد بن شمس الدين بن كمال الدين المتاني ثم السلطانپوري ، كان من العلماء المبرزين في المنطق والحكمة، وكان جده كمال الدين من تلامذة السيد الشريف"

(١٩) الشيخ الفاضل العلامة شمس الدين حكيم الملك الكيلاني، أحد كبار العلماء المبرزين في العلوم الحكمية، لم يكن له نظير في المنطق والحكمة وسائر الفنون النظرية، كان جيد المشاركة في النحو والفقه وأصوله، لم نزل مشتغلا بالدرس والإفادة. وكان رجلا كريماً باذلا صدوقا راسخ الوداد، محسناً إلى طلبة العلم، يقربهم و يقرئهم في علوم متعددة، ولايتردد إلى بيوت الناس لفلايفوته الدرس، وكان لايأكل الطعام وحده بدون طلبة العلم.

(٢٠) الشيخ العالم الفقيه صدرالدين القرشي العباسي اللاهوري المدفون ببلدة بروج من بلاد

گجرات، كان من العلماء المبرزين في الفقه و الكلام والأصول والعربية، قرأ بعض الكتب الدرسية على مخدوم الملك عبدالله بن شمس الدين الملتاني و بعضها على غيره من العلماء ذكره البدايوني وقال: إنه كان أفضل من شيعته عبدالله في تحقيق العلوم من المنطوق والمفهوم، قال: وكان حلو المذاكرة مليح البحث، كثير المطالعة لفنون العلم والأدب ملازم البحث والاشتغال، وكان واسع المشرب إلخ...

(٢١) الشيخ الفاضل طاهر بن رضي الدين بن مؤمن شاه بن محمد شاه ... وكان من العلماء الكبار وله مصنفات كثيرة: منها شرح الباب الحادي عشر في الكلام، وشرح الجعفرية في فقه الإمامية، وحاشية على تفسير البيضاوي، وله حواش على الإشارات والمحاكمات والمجسطي والشفاء والمطول وگلشن راز وشرح تحفة شاهي، وله رسالة پالكي صنفها في أثناء الطريق على المحفة، وللملك سماها بپالكي (في لغة أهل الهند المحفة) إلخ.

(٢٢) الشيخ الفاضل عالم بن عارف الحنفي الكابلي، أحد العلماء المبرزين في العلوم الآلية ذكره البدايوني، قال: إنه كان مداعباً مزاحاً ... وقد كتب تعليقاً على شرح المقاصد في كشكوله و سماها القصد، وكان يقول: إنه كان من مصنفاته، وكذلك كتب حاشية أو حاشيتين على المطول وسماها الطول.

(٢٣) الشيخ الفاضل عبد الباقي بن محمود بن أبي سعيد الحنفي السبزواري، كان أكبر أبناء والده و أوفرهم في الفضل والكمال، وكان كثير الدرس والإفادة، له اليد الطولى في الهيئة والهندسة و غيرهما من العلوم الحكمية، اخترع الأشكال الهندسية ماوراء أشكال الأقليدس، وكان الشيخ عبد الخالق الگيلاني مع علو كعبه في العلوم الحكمية يعترف بفضله و كماله ويستفيد منه.

(٢٤) الشيخ الفاضل الكبير عبد الخالق الگيلاني، أحد كبار العلماء، لم يكن في زمانه أعلم منه في علم الحكمة ولا سيما الهيئة و الهندسة، أخذ عن الشيخ عبدالله اليزدي، وانتقل من

السدهار إلى بهكر من بلاد السند سنة اثنتين وسبعين وتسعمائة، ثم دخل ته وعكف على الدرس والإفادة ذكره النهاوندي في "المآثر" وقال: إنه كان نظيراً للفاضل مرزاجان والأمير فتح الله الشيرازي في العلوم الحكمية انتهى.

(٢٥) الشيخ العالم الفقيه عبدالرحيم بن عبدالرزاق بن خواجه سالار الأنصاري السهارنپوري، أحد أكابر العلماء ــ وكان ماهراً بالمعقول والمنقول، ولي القضاء مكرهاً وكان أميناً للملك.

(٢٦) الشيخ الفاضل عبداللطيف بن يحيى المعصوم الحسيني السيفي القزويني، كان من أهل بيت العلم والفضيلة ــ وكان فاضلاً متورعاً، له مشاركة جيدة في المعقول والمنقول.

(٢٧) الشيخ الفاضل العلامة عبدالله بن اله داد العثماني التلنبي الملتاني ثم الدهلوي، أحد الأساتذة المشهورين في الهند ــ وكان يدرس الكتب الدقيقة في المنطق والحكمة بغاية التحقيق والتدقيق الخ.

(٢٨) الشيخ العالم الصالح عبدالله بن عبد الخالق الشريف الحسني اللاهوري، أحد العلماء المشهورين بالفقه والحديث والتفسير، وكانت له مشاركة جيدة في العلوم العقلية.

(٢٩) الشيخ العالم الكبير عبد الله المفتي الملتاني، أحد العلماء المبرزين في العلوم العربية ــ وله مهارة تامة بالنحو واللغة والفقه والأصول، ومشاركة جيدة في العلوم الحكمية.

(٣٠) الشيخ الفاضل العلامة عزيز الله الحنفي التلنبي الملتاني ثم السنبهلي، كان من العلماء العاملين والأئمة المحققين ــ وله اليد الطولى في الأصول والكلام والمنطق والحكمة وسائر الفنون النظرية ومشاركة جيدة في المعارف الأدبية، أخذ عنه الشيخ نظام الدين الخيرآبادي والشيخ حاتم بن أبي حاتم السنبهلي وخلق كثير من العلماء.

(٣١) الشيخ الفاضل علاء الدين بن منصور اللاهوري، أحد العلماء المشهورين له حاشية على شرح العقائد للتفتازاني.

(٣٢) السالك الفاضل علي بن إبراهيم بن إسماعيل بن يوسف الشيعي... وقرأ النحو و المنطق والحكمة والكلام وغيرها على خواجه عنايت الله الشيرازي.

(٣٣) الشيخ الفاضل العلامة علاء الدين عيسى بن أبي عيسى الأحمد آبادي الكجراتي، أحد الأساتذة المشهورين بكجرات ... وكان غزير العلم كثير الدرس و الإفادة، قرأ عليه الشيخ عبد القادر بن أبي محمد الاجيني الكتب الدرسية في فن الكلام.

(٣٤) الشيخ الفاضل العلامة فتح الله بن شكر الله الشيعي الشيرازي، أحد العلماء المتبحرين في العلوم الحكمية ... قال ابن المبارك: ولم يكن له نظير في الدنيا، قال: ولو امحت أسفار القدماء في العلوم الحكمية كلها لكان مقتدراً على أن يخترع ويبدع من تلقاء نفسه، انتهى. ومن مصنفاته "منهج الصادقين" تفسير القرآن بالفارسي، و تكملة حاشية الدواني على تهذيب المنطق، و حاشية على تلك الحاشية.

(٣٥) الشيخ الفاضل كريم الدين الحنفي التتوي السندي، أحد العلماء المبرزين في النحو واللغة والفقه والأصول والمنطق والحكمة.

(٣٦) الشيخ الفاضل كمال الدين بن مكرم الصديقي البلكرامي، أحد العلماء الموفقين بالدرس والإفادة، ذكره غلام علي الحسيني في "مآثر الكرام"، قال: كان ممن فاق أقرانه في العلوم العربية والمعارف الحكمية.

(٣٧) الشيخ الفاضل العلامة مبارك بن أبي المبارك الشطاري الأودي ثم الكوالبري المشهور بالفاضل... وكان فاضلا علامة في المعقول والمنقول.

(٣٨) الشيخ العالم الفقيه مبارك بن أبي المبارك الباتري السندي، كان من العلماء الموفقين بالدرس والإفادة ... وقرأ العلم على الشيخ عباس بن الحلال السندي ولازمه ملازمة طويلة حتى برع في الفقه والأصول والكلام.

(٣٩) الشيخ الفاضل الكبير محمد بن الحسن العلمي الأحمدنكري، أحد العلماء المبرزين

في العلوم الحكمية، له حاشية على "شرح هداية الحكمة" للميبذي.

(٤٠) الشيخ الفاضل العلامة محمد بن الحسن اللاري الشيخ علاء الدين بن كمال الدين السنبهلي أحد الأفاضل المشهورين في العلوم الحكمية.

(٤١) الشيخ العالم الفقيه محمد بن المبارك الحنفي الجونپوري، أحد العلماء المتبحرين في الكلام والأصول والعربية.

(٤٢) الشيخ الفاضل محمد بن هبة الله بن عطاء الله الحسيني الشيرازي السيد كمال الدين الگجراتي، كان من العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٤٣) الشيخ الفاضل محمد بن أبيه الشيعي اليزدي أحد العلماء المبرزين في المنطق و الحكمة.

(٤٤) الشيخ العلامة محمد سعيد الحنفي التركستاني كان وحيد دهره في المنطق و الحكمة.

(٤٥) الشيخ الفاضل السيد مرتضى الشريفي الشيعي الشيرازي كان من أسباط السيد الشريف زين الدين علي الجرجاني صاحب المصنفات المشهورة، و كان نادرة من نوادر الدهر في كثير من العلوم لا سيما المنطق والحكمة و الفنون الرياضية والإنشاء و قرض الشعر.

(٤٦) الشيخ الفاضل العلامة مصلح الدين الحنفي اللاري كان أوحد أقرانه في العلوم العربية والمعارف الحكمية ... وله شرح بسيط على شمائل الترمذي وتعليقات على تفسير البيضاوي، وشرح المنطق بالفارسي.

(٤٧) الشيخ الفاضل نجم الدين التستري المبرز في العلوم الحكمية، قدم الهند ... قتل في جمادى الاولى سنة سبع وتسعين وتسعمأة بأحمد نگر.

(٤٨) الشيخ العلامة نصير الدين الكشميري أحد فحول العلماء ... وقد ذكره يعقوب بن الحسن في كتابه وقال: إنه كان فريد عصره في المنطق والحكمة والكلام والتصوف - قال: إنه ولد أعمى ولكن الله سبحانه كشف بصيرته فاشتغل بالعلم وصار من أكابر العلماء

نرات عليه المعاني والبيان والبديع والمنطق والحكمة والكلام والتصوف واستفدت منه كثيراً، انتهى

(٤٩) الشيخ العلامة نظام الدين الحنفي البلخشي نواب غازي خان ... له مصنفات عديدة منها حاشية بسيطة على شرح العقائد ورسالة في إثبات الكلام وإيمان التحقيق والتصديق.

(٥٠) الشيخ العالم الكبير نور الدين بن سلطان علي الرضوي الهروي ثم الهندي السفيدوني، كان من العلماء المبرزين في الهيئة والهندسة والأصطرلاب ... وقال البدايوني: كانت له مشاركة جيدة في المنطق والحكمة والشعر والفنون الرياضية.

(٥١) الشيخ الإمام العالم الكبير العلامة وجيه الدين بن نصر الله بن عماد الدين العلوي الكجراتي أحد كبار الأساتذة ... وأخذ المنطق والحكمة والكلام والأصول وغيرها من العلوم الآلية والعالية ... و كانت له اليد الطولى في حسن التصنيف و جودة العبارة والترتيب والتقسيم والتبيين، ومن مصنفاته الممتعة حاشية على تفسير البيضاوي، وحاشية على أصول البزدوي، وحاشية على هداية الفقه للمرغيناني، وعلى شرح الوقاية، وعلى المطول، وعلى المختصر، و على التلويح، وعلى العضدية، وعلى شرح التجريد للأصفهاني، و على شرح العقائد للتفتازاني، وعلى الحاشية القديمة للدواني، وعلى شرح المواقف للجرجاني، وعلى شرح حكمة العين، وعلى شرح المقاصد، وعلى شرح الجغميني، وعلى شرح الشمسية للرازي، و على شرح الكافية للجامي، وعلى شرح الإشارة للدولة آبادي، وله شرح على رسالة على القوشجي في الهيئة، وشرح على النخبة في أصول الحديث وغيرها من الشروحات.

(٥٢) الشيخ الفاضل العلامة هبة الله بن عطاء الله بن لطف الله بن سلام الله ابن روح الله الحسيني الشيرازي المشهور بشاه مير، كان من كبار العلماء ... وله مصنفات جليلة منها "سلى الكواشف في شرح المواقف" و "لوامع البرهان في قدم القرآن" و "شرح تهذيب

المنطق والكلام" و "المحاكمة على شرح الشمسية" في المنطق، و رسالة في الهيئة، ورسالة في أصول الحديث، ورسالة في المسلسلات.

(٥٣) الشيخ العلامة يونس ابن أبي يونس الحنفي السمرقندي ثم السندي أحد كبار العلماء في العلوم الحكمية، قدم السند وقرأ عليه مرزا حسين شاه السندي "شرح المواقف" للجرجاني وغيره من الكتب.

(٥٤) محمد بن عبد الرحيم ابن محمد الشيخ صفي الدين الهندي الأرموي المتكلم على مذهب الأشعري، كان من أعلم الناس بمذهب الشيخ أبي الحسن وأدراهم بأسراره متضلعا بالاصلين اشتغل على القاضي سراج الدين صاحب التحصيل وسمع من الفخر بن البخاري روى عنه شيخنا الذهبي، ومن تصانيفه في علم الكلام الزبدة و في أصول الفقه النهاية والفائق والرسالة النفيسة وكل مصنفاته حسنة جامعة لاسيما النهاية مولده ببلاد الهند سنة اربع وأربعين وستمائة ورحل إلى اليمن سنة سبع وستين ثم حج وقدم إلى مصر ثم سار إلى الروم واجتمع بسراج الدين ثم قدم دمشق سنة خمس وثمانين واستوطنها ودرس بالاتابكية والظاهرية الجوانية وشغل الناس بالعلم، توفي بدمشق سنة خمس عشرة وسبعمائة، وكان خطه في غاية الرداءة وكان رجلا ظريفا ساذجا، فيحكي أنه قال: وجدت في سوق الكتب مرة كتابا بخط ظننته أقبح من خطي فغاليت في ثمنه واشتريته لأحتج به على من يدعى أن خطي أقبح الخطوط، فلما عدت إلى البيت وجدته بخطي القديم ولما وقع لابن تيمية في المسئلة الحموية ما وقع وعقد له المجلس بدار السعادة بين يدي الأمير تنكز وجمعت العلماء وأشاروا بأن الشيخ الهندي يحضر فحضر وكان الهندي طويل النفس في التقرير اذا شرع في وجه يقرر لايدع شبهة ولا اعتراضاً إلا وقد أشار إليه في التقرير بحيث لايتم التقرير إلا و يعسر على المعترض مقاومته فلما شرع يقرر أخذ ابن تيمية يعجل عليه على عادته و يخرج من شيء إلى شيء فقال له الهندي : ما أراك يا ابن تيمية ! إلا كالعصفور حيث أردت

ان أبغضه من مكان بفر إلى مكان آخر و كان الأمير تنكز يعظم الهندي ويعتقده و كان الهندي شيخ الحاضرين كلهم و كلهم صدر عن رأيه وحبس ابن تيمية بسبب تلك المسئلة وهي التي تضمنت القول قوله بالجهة ونودي عليه في البلد وعلى أصحابه وعزلوا من وظائفهم. (طبقات الشافعية الكبرى ج:٥/٢٤٠)

(٥٥) محمد بن عبدالرحيم بن محمد صفي الدين الهندي الفقيه الشافعي الأصولي ولد بالهند في ربيع الأخر سنة ٤٤ وأخذ عن جده لأمه وخرج عن بلده دهلي في رجب سنة ٦٧ وقدم اليمن فأكرمه المظفر وأعطاه تسعمائة دينار ثم حج فأقام بمكة ثلاثة أشهر ورأى بها ابن سبعين وسمع كلامه ثم دخل القاهرة في سنة ٧١ ودخل البلاد الرومية فأقام بقونية و بسيواس وبقيصرته وغيرها واجتمع مع السراج الأرموي وخدمه وخرج منها سنة ٨٥ وقدم دمشق فاستوطنها وسمع من الفخر بن البخاري و عقد حلقة الاشتغال بالجامع ودرس بالرواحية والدولية الاتابكية وغيرها و كتب على الفتاوى مع الخير والدين والبر للفقراء و صنف في أصول الدين الفائق، وفي أصول الفقه النهاية ولما عقد بعض المجالس لابن تيمية عين الصفي الهندي لمناظرته فقال لابن تيمية في أثناء البحث: أنت مثل العصفور تنط من هنا إلى هنا ومن هنا إلى هنا و كان خطه ضعيفا وحشا إلى الغاية فالكمال لله يقال: إنه كان لايحفظ القرآن إلا ربعه حتى نقل أنه قرأ (المصص) بفتح الميم وتشديد الصاد ويقال إنه كان له ورد من الليل فاذا استيقظ توضأ ولبس أفخر ثيابه حتى الخف والمهماز ويقوم يصلي بتلك الهيئة و كانت في لسانه عجمة الهنود باقية إلى أن مات. قال الذهبي: كان فيه دين و تعبد وله أوراد و كان حسن الاعتقاد على مذهب السلف توفي في آخر صفر سنة ٧١٥.

(الدرر الكامنة ج:٤/١٤ ب١٥)

علماء الهند في القرن الحادى عشر

(١) الشيخ أبوبكر الشافعي السندي" قال الغزي: "إنه كان بارعاً في المعقولات نافعاً للطلبة

... لزمته الطلبة وانتفعوا به سنين في المعقولات.

(٢) أبو الحسن آصف جاه: كان عالماً بارعاً في المنطق والحكمة.

(٣) أبو الحسن الحنفي الكشميري السندي: أحد العلماء المشهورين في المعقول والمنقول.

(٤) شيخ أبو الفتح الحنفي الملتاني: أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية وأعرفهم في الفنون الحكمية.

(٥) شيخ أبو الفضل الناگوري: أقبل على علوم الحكمية إقبالا كلياً.

(٦) الشيخ أبو القاسم الگيلاني: أحد الأطباء المبرزين في الفنون الحكمية.

(٧) الشيخ أبو المكارم بن المبارك الناگوري: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٨) مولانا أحمد بن سليمان الگجراتي: قرأ شرح المواقف وسائر الفنون الحكمية على مولانا ولي محمد خانو.

(٩) شيخ أحمد بن عبد الأحد سرهندي: وكان يدرس في علوم شتى من الفقه والأصول والكلام والتفسير والحديث، وربما يشتغل بالهداية والبزدوي شرح المواقف إلخ.

(١٠) الحكيم أحمد بن عبد الله اللاهوري: أحد العلماء المبرزين في الفنون الحكمية.

(١١) الشيخ إسماعيل بن قطب البلگرامي: وأخذ عن العلامة عبد الحكيم السيالكوتي حتى برع وفاق أقرانه في المعقول والمنقول، له حاشية نفيسة على "شرح التهذيب" للجلال الدواني.

(١٢) القاضي إله داد البلگرامي: وله تعليقات على تهذيب المنطق.

(١٣) مولانا إله داد اللاهوري: أحد العلماء المتبحرين في علوم متعددة من المعقول والمنقول.

(١٤) الشيخ بدر الدين سرهندي: قال في حضرات القدس: إني قرأت المطول مع حاشيتها

للسيد الشريف وشرح العقائد مع حاشية الخيالي وتحرير أقليدس، و شرح المطالع.

(١٥) الشيخ برهان الدين الفتني الگجراتي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية له تنقيح الكلام في شرح تهذيب الكلام في مجلد.

(١٦) الشيخ تاج الدين زكريا ابن عوض الدهلوي: أحد العلماء المبرزين في المنطق و الحكمة والتصوف.

(١٧) السيد تقي الدين الشيرازي: كان ابن أخ الشيخ العلامة فتح الله الشيرازي، أخذ عنه العلوم الحكمية ودرس و أفاد زماناً.

(١٨) الشيخ جمال الدين الشيرازي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(١٩) الشيخ الفاضل حاذق بن عبدالرزاق الگيلاني ثم الأكبر آبادي: أحد العلماء الماهرين في المنطق والحكمة والطب والشعر.

(٢٠) الشيخ العالم الكبير العلامة حبيب الله بن أحمد بن العليل بن محمد النائطي البيجاپوري: أخذ المنطق والحكمة عن الشيخ حسن النجفي وقرأ عليه شرح حكمة العين وغيرها.

(٢١) القاضي حسين البتركهي: العلامة المبرز في المعقول والمنقول.

(٢٢) مولانا خوشحال التاشكندي: قرأ النحو والبلاغة والحكمة والمنطق على الشيخ العلامة وجيه الدين الگجراتي، ثم قرأ على أحد تلامذه الفاضل مرزا جان الشيرازي شرح هداية الحكمة وحكمة العين.

(٢٣) القاضي خوشحال الكابلي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٢٤) الحكيم داؤد بن عناية الله الاكبرآبادي: أحد العلماء المبرزين في الفنون الحكمية.

(٢٥) الحكيم روح الله البزوجي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة والطب و سائر الفنون.

(٢٦) مولانا شكر الله الشيرازي: صاحب علامة العلماء تقي الدين محمد الشيرازي، وقرا عليه المنطق والحكمة وغيرها من العلوم، لم يكن له نظير في عصره في الحساب والهيئة والهندسة.

(٢٧) الشيخ صدر الدين الإله آبادي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٢٨) الشيخ عبد الأحد سرهندي: كان يدرس في العلوم كلها من المعقول والمنقول وله مهارة تامة في جميع الفنون.

(٢٩) الشيخ عبدالباسط السهارنپوري: كان من العلماء المبرزين في المعقول والمنقول.

(٣٠) مولانا عبد الباقي الجونپوري: أحد العلماء البارعين في المنطق والحكمة.

(٣١) الشيخ عبد الحق بن سيف الدين الدهلوي: وقرأ أجزاء من اللب والإرشاد وشرح الشمسية وشرح العقائد وقرأ المختصر والمطول.

(٣٢) العلامة الشيخ عبد الحكيم السيالكوتي رحمه الله: صاحب التصانيف الفائقة ... وقال محمد صالح في (عمل صالح): إنه كان من كبار الأساتذة، ومن مصنفاته حاشية على تفسير البيضاوي، وحاشية على المطول في البلاغة، وعلى شرح المواقف، وعلى شرح العقائد للتفتازاني، وعلى حاشيته للخيالي، وعلى شرح العقائد للدواني، كلها في علم الكلام وحاشية على شرح الشمسية وعلى حاشيته للسيد الشريف وعلى شرح المطالع، كلها في المنطق وحاشيته على شرح الكافية للجامي، وعلى حاشيته لعبدالغفور اللاري كلاهما في النحو، وحاشيته على مراح الارواح في الصرف وله الدرر الثمينة في إثبات الواجب، وحاشية على شرح حكمة العين وعلى شرح هداية الحكمة في الحكمة، وله غير ذلك من الحواشي والرسائل، انتهى.

(٣٣) الشيخ عبد الحكيم الكشميري: أحد العلماء المبرزين في المعقول والمنقول.

(٣٤) الشيخ عبدالرحمن الناگوري: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٣٥) مولانا عبد الرزاق الكشميري: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة و الكلام.

(٣٦) المفتي عبد السلام الديوي: أحد العلماء المفرطين في الذكاء الجامعين بين المعقول والمنقول.

(٣٧) المفتي عبد السلام اللاهوري: أخذ فنون الحكمية عن العلامة فتح الله الشيرازي.

(٣٨) مولانا عبد القادر الأحيني: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٣٩) مولانا عبد القادر البدايوني: أحد العلماء المبرزين في التاريخ والإنشاء والشعر وكثير من الفنون الحكمية.

(٤٠) مولانا عبد اللطيف السلطانپوري: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٤١) الشيخ الفاضل عبد الله الحكيم الأكبرآبادي: أحد العلماء المبرزين في الفنون الحكمية.

(٤٢) مولانا عبد الهادي البرهانپوري: العلامة المبرز في المنطق والحكمة.

(٤٣) مولانا عثمان السندي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة والطب وكان فاضلاً بارعاً في المنطق والحكمة..

(٤٤) مولانا عثمان السامانوي: أخذ الفنون الحكمية عن حكيم الملك شمس الدين الكيلاني.

(٤٥) مولانا علاء الدين اللوني: أحد العلماء المبرزين في الهيئة والهندسة والنجوم والحساب وسائر الفنون الحكمية.

(٤٦) مولانا علاء الملك المرعشي: وله مصنفات جليلة منها المهذب في المنطق وأنوار الهدى في الإلهيات.

(٤٧) الشيخ علي بن حسين الدهلوي: إنه عالم كبير بارع في الحكمة الطبيعية والهيئة والإنشاء والشعر.

(٤٨) الشيخ علي النقي الكمروي: برع في المعقول والمنقول.

(٤٩) الحكيم علي الكيلاني : إنه عالم كبير بارع في المنطق والحكمة ماهر بالشرائع النقل.

(٥٠) العلامة عناية الله الشيرازي : أخذ العلوم الحكمية عن العلامة فتح الله الشيرازي وكان عالماً كبيراً بارعاً في الحساب والهيئة والهندسة وسائر الفنون الحكمية.

(٥١) مولانا عوض وجيه السمرقندي: فاق أقرانه في المعقول والمنقول.

(٥٢) الحكيم فتح الله الشيرازي: كان من العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٥٣) مولانا فريد الدين الگجراتي: أحد العلماء المبرزين في المعقول والمنقول.

(٥٤) الأمير قباد البدخشي: كان من العلماء المبرزين في العلوم العربية والفنون الحكمية.

(٥٥) القاضي كمال بن موسى الكشميري : ظهر تقدمه في فنون منها المنطق والحكمة والكلام وأصول الفقه.

(٥٦) مولانا كمال الدين النيسابوري: أحد العلماء المبرزين في الفنون الحكمية.

(٥٧) الحكيم محمد المصري : أحد كبار العلماء في الفنون النظرية لاسيما صناعة الطب بجزئيه العلمي والعملي.

(٥٨) مولانا محمد الزبيري البيجابوري: أحد العلماء المبرزين في المعقول والمنقول.

(٥٩) الشيخ محمد بن عبدالله السندي: قرأ المنطق والحكمة على الحكيم عثمان البربكاني.

(٦٠) مولانا محمد بن يوسف البهلي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية والفنون العربية.

(٦١) مولانا محمد أفضل الهالي بالي: أحد العلماء المبرزين في الإنشاء والشعر والعلوم الحكمية.

علماء القرن الثامن في الهند

آگے ہم ہندوستان کے قرن ثامن کے بعض علماء ومشائخ کا ذکر کرتے ہیں جو ان علوم ثلاثہ میں شہرت رکھتے تھے تا کہ واضح ہو جائے کہ علوم عقلیہ کے ساتھ ان کا کتنا تعلق رہا ہے

علامہ لکھنوی ایک مشہور عالم، علامہ افتخار الدین البرنی کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامه افتخار الدين البرني" أحد كبار الأساتذة، كان يدرس ويفيد في عهد السلطان علاء الدين محمد شاه الخلجي، وله يد بيضاء في العلوم العقلية كانت أو نقلية، ذكره البرني في تاريخه".

(أيضاً ج: ۲/ ۱۵)

آگے شیخ أعز الدین الدہلوی کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل الكبير أعز الدين الخالد خاني الدهلوي أحد الرجال المعروفين بالفضل والكمال، له (دلائل فيروز) منظومة في الطيرة والتفاؤل و النجوم و الحكمة الطبعية". (أيضاً ج:۲/۱٦)

صفحہ ۷ا میں علامہ بدر الدین الحکیم الدمشقی کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة بدر الدين الحكيم الدمشقي ثم الهندي الدهلوي أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية، لم يكن له نظير في عصره في الحذاقة والتدبير ومعرفة النبض والبول" إلخ

علامہ جلال الدین رومیؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ انھوں نے علم کو قطب الدین رازیؒ سے حاصل کیا جو منطق کی مشہور کتاب قطبی کے مصنف ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"الشيخ الامام العالم الكبير العلامة جلال الدين الرومي ﷺ أحد العلماء المشهورين بالدرس والإفادة، قرأ العلم على الشيخ قطب الدين الرازي" شارح الشمسية وقدم الهند، فولاه فيروزشاه السلطان التدريس في مدرسة

بدار الملك دهلي، وكان يدرس الفقه والحديث والتفسير وغيرها من العلوم النافعة، انتفع به ناس كثير وأخذوا عنه، منهم الشيخ يوسف بن الجمال الملتاني". (ج:۲۳/۲)

علامہ لکھنوی جلال الدین کرمانی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جلال الدین کرمانی معقول ومنقول کے ماہر تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"السيد الشريف القاضي جلال الدين العلوي الحسيني الكرماني أحد العلماء المشهورين في عصره، ولي الصدارة في عهد السلطان فيروزشاه، وكان عالما في المعقول والمنقول، ذكره القاضي ضياء الدين البرني في تاريخه وأثنى على فضله وبراعته في العلوم". (ج: ۲۵/۲)

قرن ثامن کے ایک مشہور عالم مولانا سعد الدین دہلویؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ علم منطق وحکمت دونوں علوم میں انتہائی درجے کے ماہر تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"الشيخ الفاضل الكبير العلامه سعدالدين المنطقي الدهلوي" أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة". (نزهة الخواطر، ج:۵۰/۲)

مولانا عبد العزیز دہلویؒ جو اسی صدی کے مشہور عالم اور مختلف علوم میں بہت ساری کتابوں کے مصنف ہیں، کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الشيخ الإمام عبد العزيز بن شمس بن بهاء النوري الدهلوي أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية". إلخ (نزهة الخواطر، ج:۷۰/۲)

قرن ثامن کے ایک اور مشہور عالم عضد الدین الدہلویؒ کے علم منطق وحکمت میں مہارت اور انکے ساتھ خصوصی تعلق کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة عضدالدين الدهلوي رحمه الله أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة، قرأ عليه محمد شاه تغلق وأعطاه أربعة آلاف ألف تنكة

يوم ولى الملك". (نزهة الخواطر، ج: ۸۱/۲)

اسی صدی کے ایک اور مشہور عالم مولانا علم الدین شیرازی کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل الكبير العلامة علم الدين الحكيم الشيرازي أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية، له اليد الطولى في الصناعة الطبية، كان يدرس ويفيد بدهلى في أيام علاء الدين محمد شاه الخلجي". (أيضاً، ج:۸۷/۲)

آگے علامہ لکھنوی صاحبؒ آٹھویں صدی کے ایک اور مشہور عالم عمر بن اسحاق الہندی الغزنویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الإمام العلامة الكبير عمر بن إسحاق بن أحمد أبو حفص سراج الدين الهندى الغزنوى أحد الرجال المشهورين بالعلم ... وكان عالما فاضلا إماماً علامة نظاراً فارساً في البحث". (نزهة الخواطر، ج: ۹۸/۲)

آگے علامہ لکھنوی صاحبؒ آٹھویں صدی کے ایک اور مشہور عالم فخر الدین زرادیؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ علم کلام کے اندر انتہائی ماہر تھے اور اس میں ان کی بعض تصانیف بھی ہیں۔ علامہ کرمانیؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ تمام علوم وفنون (خواہ نقلیہ ہوں یا عقلیہ) میں انتہائی ماہر تھے۔ چنانچہ علامہ صاحب لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامه فخر الدين الزرادي السامانوي ثم الدهلوي، الفاضل المشهور .... قال الكرماني ﷫: كان بارعاً في كثير من العلوم والفنون، أخذ عنه الشيخ سراج الدين عثمان الأودي، ومولانا ركن الدين ومحمد بن المبارك ...... ومن مصنفاته (العثمانية) رسالة له في التصريف، ومنها (المحسين) رسالة له في المسائل الكلامية مما يستصعبه الناس" إلخ

(نزهة الخواطر، ج:۱۰۶/۲)

شیخ محمد بن عبدالرحیم اَرمویؒ (جن کے متعلق مولانا گیلانی صاحبؒ نے بھی اپنی کتاب

میں کچھ لکھا ہے) آٹھویں صدی کے مایہ ناز عالم تھے۔ شیخ محمود وہ شخصیت ہیں جنہوں نے علوم عقلیہ میں مہارت کی بنا پر حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو بادشاہ وقت، اس کے وزراء اور علمائے عرب کی موجودگی میں مناظرے میں سخت شکست دی تھی۔

علامہ عبدالحی لکھنویؒ ایک اور مشہور عالم کے متعلق لکھتے ہیں:

"السيد الشريف العلامه محمد المنجم البدخشي المدفون بكلبرگه كان من العلماء المبرزين في الهيئة والهندسة والنجوم وسائر الفنون الحكمية".

(نزهة الخواطر، ج: ۱۵۸/۲)

موسیٰ ابن اسحاق الدہلویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل الكبير موسىٰ بن إسحاق بن علي بن إسحاق الحسيني البخاري الدهلوي".

آگے لکھتے ہیں:

"وحفظ القرآن، وقرأ العلم على وجيه الدين الپاهلي، ومهر في الشعر والموسيقي وسائر الفنون الحكمية". (ج:۲، ص:۱٦٦)

آگے علامہ صاحب شہنشاہ تدریس علامہ معین الدین عمرانی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ منطق وعلم کلام، فقہ واصول فقہ اور معانی وبیان، ان تمام علوم میں مولانا صاحب کو انتہائی مہارت حاصل تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامه معين الدين العمراني المتفق عليه للأفاضل المشار إليه للأنامل انتهت إليه رياسة التدريس بمدينة دهلي، وكان ذا قوة في النظر وممارسة جيدة في المنطق والكلام والفقه والأصول والمعاني والبيان".

آگے لکھتے ہیں:

وللعمراني مصنفات جليلة، منها شروح على: كنز الدقائق والحسامي و

(ج:۱٦٨/٢)

مفتاح العلوم".

علماء الهند في القرن التاسع

قرن تاسع میں ایک مشہور عالم ثناء الدین ملتانیؒ ہیں جنہوں نے جامع المعقول والمنقول میر سید شریف جرجانیؒ سے علم منطق وحکمت حاصل کیا ہے۔ چنانچہ علامہ لکھنویؒ لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة ثناء الدين بن قطب الدين الحنفي الملتاني أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية".

آگے لکھتے ہیں:

"واخذ المنطق والحكمة و غيرهما عن السيد الشريف زين الدين علي الجرجاني ﷫ صاحب المصنفات المشهورة". (نزهة الخواطر، ج:۳/۳۷)

قرن تاسع ہی کے ایک اور مشہور عالم علامہ حسن بن البدر ہندیؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ انھوں نے بیس سال سید شریف جرجانی ﷫ سے ان علوم کو حاصل کیا۔ چنانچہ علامہ لکھنویؒ کے الفاظ یہ ہیں:

"الشيخ العالم الكبير حسن بن بدرالدين الهندي ثم الدمشقي الحنفي نزيل حصلة الشام، ذكره السخاوي في "الضوء اللامع" قال إنه عالم علامة بحر محقق مدقق ذوفنون عديدة وأقوال سديدة متمكن من العقليات، لازم السيد الجرجاني ثلاثين سنة وانتفع به الطلبة في النحو والصرف والأصلين".

(ج/۳ص/۴۳)

اسی صدی ہی کے ایک اور مشہور عالم شیخ حسن بن علی گیلانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ شیخ حسن تمام علوم عقلیہ خاص کر منطق وحکمت میں انتہائی ماہر تھے۔

"الشيخ الفاضل العلامة حسن بن علي الحكيم الگيلاني أحد العلماء

المبرزين في المنطق والحكمة وسائر الفنون العقلية". (ج:٣/٤٤)

آگے علامہ لکھنوی قرن تاسع کے ایک اور مشہور عالم امیر فضل اللہ شیرازی کے متعلق لکھتے ہیں کہ انہوں نے علم منطق وغیرہ کو علامہ سعد الدین تفتازانی سے براہ راست حاصل کیا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة فضل الله بن فيض الله الحسيني الشيرازي قرأ العلم على العلامة سعدالدين عمر بن مسعود التفتازاني".

آگے لکھتے ہیں:

"وكان عالماً كبيراً بارعاً في الهيئة والهندسة وسائر العلوم الحكمية، قد جمع الله سبحانه فيه خصالا من الفضل والكمال وحلاوة المنطق ورزانة العقل وإصابة الفكر" الخ. (نزهة الخواطر، ج:٣/٨٨)

اس کے بعد علامہ صاحب قرن تاسع کے ایک اور مشہور عالم دین فضل اللہ مندوی کا ان علوم عقلیہ میں مہارت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل الكبير فضل الله الحكيم المندوي أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية". (نزهة الخواطر، ج:٣/٨٩)

علامہ لکھنوی قرن تاسع کے ایک مشہور عالم بادشاہ فیروز شاہ بہمنی کا علوم عقلیہ میں مہارت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الملك الفاضل المؤيد فيروز بن داود بن الحسن البهمني سلطان الدكن، وقرأ العلم على العلامة فضل الله بن فيض الله الشيرازي، و فاق أهل زمانه في العلوم الحكمية".

آگے لکھتے ہیں:

"وكان مع اشتغاله بمهمات الدولة يدرس ثلاثة أيام في كل أسبوع، كان

بمدرس الزاهدي و شرح التذكرة و شرح المقاصد في علم الكلام و تحرير

اقليدس، و المطول". (ج:٣/٩٠)

علامہ لطف اللہ سبزواریؒ کے متعلق فاضل مصنف لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة لطف الله السبزواري" أحد العلماء المبرزين في

المنطق و الحكمة". (ج:٣/٩٦)

آگے علامہ لکھنویؒ ایک مشہور عالم محمد بن ابی البقاء کرمانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ منطق کے اندر اتنے ماہر تھے کہ انہوں نے اشکال اربعہ کے جتنے ضروب منتجہ ہیں سب کو اشعار کے اندر جمع کیا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة محمد بن أبي البقاء بن موسى بن ضياء الدين الحسيني النقوي الكرماني ﷺ إلخ وقال المفتي سلطان حسن البريلوي في غاية التقريب: أن الشيخ محمد قد جمع الضروب المنتجة لكل شكل من الأشكال الأربعة المنطقية في أبيات وعبر القضايا بالحروف الأول فالأول أي الموجبة الكلية بأ والسالبة الكلية بب والموجبة الجزئية بج والسالبة الجزئية بد إلخ ..... (ج: ٣، ص: ١٠٢)

پھر علامہ لکھنویؒ قرن تاسع کے ایک اور مشہور عالمؒ (جنہوں نے منطق کی مشہور کتاب شمسیہ پر شرح بھی لکھی ہے) کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة محمد بن علي بن الشهاب الحسيني الهمداني أحد العلماء المشهورين، قدم كشمير و له اثنتان و عشرون سنة، فأسلم على يده (سيه بث)، فلقبه شرف الدين، وله مصنفات، منها شرح الشمسية في المنطق".

(ج:٣/١١١)

علامہ لکھنویؒ فقہ حنفی کے ایک مشہور عالم کا ذکر کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے فقہ کے

اندر بھی انتہائی مہارت عطا فرمائی تھی اور معقولات میں بھی انتہائی ماہر تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"الشيخ العالم الفقيه القاضي محمد أكرم الحنفي الكجراتي، أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول، وكان قاضي القضاة ببلدة نهر واله، وصله الحلمي ركن الدين الناكوري في مفتتح كتابه الفتاوى الحمادية بالإمام العالم ونعمان الثاني و ناقد المعقول والمنقول، إلى غير ذلك من الألقاب الشريفة."

(ج: ۱۲۲/۳)

اسی صدی کے ایک اور مشہور عالم خواجہ عماد الدین کے متعلق لکھتے ہیں کہ انہیں بیک وقت علوم عقلیہ ونقلیہ میں اللہ تعالیٰ نے خصوصی مہارت عطا فرمائی تھی۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

"الشيخ الفاضل الكبير عماد الدين محمود بن محمد بن أحمد الگيلاني المشهور بمحمود گاوان.. وكان عالماً كبيراً بارعاً في المعقول والمنقول لاسيما الفنون الرياضية وصناعة الطب والإنشاء وقرض الشعر، وكان باذلا سخياً شجاعاً حسن العقيدة حسن الفعال يحتزل على أهل العلم إلخ ... (ج:۱۲۶/۳)

علامہ لکھنوی اسی صدی کے ایک اور مشہور عالم علامہ محمود بن ابی محمود حسینی گازرونی کے متعلق لکھتے ہیں کہ علوم حکمت کے اندر وہ انتہائی ماہر تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"الشيخ الفاضل العلامة محمود بن أبي محمود الحسيني الگازروني أحد العلماء البارعين في الهندسة وسائر الفنون الرياضية". (ج: ۳،ص: ۱۲۹)

آگے مولانا لکھنوی اسی صدی کے ایک اور مشہور عالم علامہ محمود بن محمد گجراتی کے متعلق لکھتے ہیں:

"الشيخ الفاضل محمود بن محمد المقرئ الحنفي الگجراتي أحد العلماء المشهورين في عصره، قرأ عليه راجح بن داؤد الگجراتي بأحمد آباد النحو

والصرف والمنطق والعروض وغيرها، ذكره السخاوي الخ ..... (ج:۳/۱۳۰)

نوٹ: چونکہ آئندہ سطور میں بھی مذکور تمام نام حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی کی کتاب نزھۃ الخواطر سے لیے گئے ہیں، اس لیے اختصار کے پیش نظر حوالہ درج نہیں کیا گیا۔ البتہ اگر کوئی اقتباس کسی اور کتاب سے لیا ہے تو اس کا حوالہ بھی درج کیا گیا ہے۔

علماء القرن العاشر في الهند

(۱) الشيخ الفاضل العلامة أبو البقاء بن عبد الباقي بن تقي الدين محمد الحسيني الخراساني، أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(۲) الشيخ الفاضل العلامة مسيح الدين أبو الفتح بن عبد الرزاق الشيعي الگيلاني، كان من العلماء المبرزين في العلوم الحكمية . وكان عالماً كبيراً بارعاً في العلوم الحكمية الخ

(۳) الشيخ الإمام العالم الكبير المفتي أبو الفتح بن عبد الغفور بن شرف الدين العمري الحنفي التهانيسري رحمه الله، أحد أكابر العلماء في عصره، اتفق الناس على فضله ونبالته، قرأ النحو والفقه والأصول على القاضي محمد الفاروقي، و قرأ العلوم الحكمية على شيخ حسين البكري.

(٤) الشيخ الفاضل الكبير أبو الفضل الحسيني الشافعي الاسترآبادي، أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية، قرأ العلم على العلامة جلال الدين محمد بن أسعد الدواني الخ ...

(٥) الشيخ الفاضل العلامة أحمد بن نصر الله الشيعي التتوي السندي، كان من نسل سيدنا عمر بن الخطاب ؓ، وكان من أهل السنة والجماعة، ..... و أخذ الفنون الرياضية و الحديث والكلام على مذهب الشيعة عن الشيخ أفضل القائني، وقرأ كليات القانون وشرح التجريد مع حواشيه على كمال الدين حسين اليزدي وعلى الفاضل مرزاجان الشيرازي الخ

(٦) الشيخ الفاضل القاضي أحمد السندي، أحد العلماء المبرزين في المعقول و المنقول.

(۷) الشيخ الفاضل الكبير إسماعيل العرب الدهلوي، كان من الأفاضل المشهورين بمعرفة

الهيئة والهندسة والصناعة والطبية وسائر الفنون الحكمية... وكان كثير الدرس والإفادة إلخ

(٨) الشيخ الفاضل إله داد بن أحمد بن شمس الدين بن كمال الدين داؤد الملتاني السلطان بوري، أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٩) الشيخ العالم الكبير جلال الدين بن عبد الله بن يوسف الأكبر آبادي، أحد العلماء المشهورين في عصره ... وحفظ القرآن الكريم واشتغل بالعلم على والده وأخذ عنه النحو والعربية وتفقه عليه، وأخذ المنطق والحكمة عن العلامة أبي البقاء بن عبد الباقي الخراساني، وتصدر للتدريس وهو دون العشرين، ذكره التميمي في أخبار الأصفياء.

(١٠) الشيخ السيد الشريف جلال الدين الحسيني البدايوني العالم المحدث، ولد ونشأ بمدينة بدايون، وسافر إلى دهلي فقرأ المنطق والحكمة.

(١١) الشيخ الفاضل العلامة جمال الدين بن نصير الدين بن سماء الدين الحنفي الدهلوي مفتي الأحناف بدار الملك ... أخذ عنه خلق لا يحصون بحد وعد، وكان عارفاً بدقائق العربية رأساً في الفقه والأصول والكلام ... له مصنفات عديدة، منها شرح العضدية وشرح أنوار الفقه وشرح مفتاح العلوم للسكاكي وحاشية بسيطة على شرح الجامي على الكافية.

(١٢) الشيخ الفاضل جمال الدين الحنفي الشيرازي، أحد العلماء المشهورين، أخذ عن الشيخ جلال الدين محمد بن أسعد الدواني ... له حاشية على الحاشية القديمة للدواني التي صنف في المنطق.

(١٣) الشيخ العالم الكبير حاتم بن أبي حاتم الحنفي السنبهلي، أحد العلماء المشهورين في الهند، قرأ المختصرات على بعض العلماء، ثم لازم الشيخ عزيز الله التلنبي وقرأ عليه سائر الكتب الدرسية من المعقول والمنقول إلخ

(١٤) الشيخ الفاضل حسن بن محمود الأنصاري الشيرازي الخطاط المشهور قال: الشيخ زين الدين الخوافي:

ـ هشت شعر من ز عقل و نقل خواهم بشنود

جامع المعقول و المنقول مولانا حسن

(١٥) الوزير الكبير خانجو بن داؤد الكجراتي ... وتقدم في الذكاء والفطنة والفراسة حتى كان فيها ثانياً لإياس بن قرة، وأما العلوم الحكمية فلاتسئل عن ذلك إلخ

(١٦) الشيخ العالم المحدث راجح بن داؤد بن محمد بن عيسى بن أحمد الحنفي الكجراتي، أحد العلماء العاملين ... وقرأ في بلدته على محمود بن محمد المقرئ الحنفي النحو والصرف والمنطق و العروض وغيرها، وعلى المخدوم بن البرهان الدين المعاني والبيان، وعلى محمد بن تاج الحنفي الهيئة والكلام.

(١٧) الملك الفاضل شاهي بيك بن ذي النون الأرغون القندهاري السلطان الفاضل، قام بالملك بعد والده في قندهار ... وكان عالماً بارعاً في المعقول والمنقول، له مصنفات عديدة، منها شرح الكافية ابن الحاجب، و له تعليقات على شرح المطالع، و تعليقات على شرح السراجية للسيد الشريف في المواريث، و تعليقات على غير تلك الكتب والرسائل.

(١٨) الشيخ الفاضل شمس الدين بن أحمد بن شمس الدين بن كمال الدين المتاني ثم السلطانپوري، كان من العلماء المبرزين في المنطق والحكمة، و كان جده كمال الدين من تلامذة السيد الشريف.

(١٩) الشيخ الفاضل العلامة شمس الدين حكيم الملك الكيلاني، أحد كبار العلماء المبرزين في العلوم الحكمية، لم يكن له نظير في المنطق والحكمة وسائر الفنون النظرية، كان جيد المشاركة في النحو والفقه وأصوله، لم يزل مشتغلا بالدرس والإفادة. و كان رجلا كريماً باذلا صدوقا راسخ الوداد، محسناً إلى طلبة العلم، يقربهم و يقرئهم في علوم متعددة، ولايتردد إلى بيوت الناس فلايفوته الدرس، و كان لايأكل الطعام وحده بدون طلبة العلم.

(٢٠) الشيخ العالم الفقيه صدرالدين القرشي العباسي اللاهوري المدفون ببلدة بروج من بلاد

كجرات، كان من العلماء المبرزين في الفقه و الكلام والأصول والعربية، قرأ بعض الكتب الدرسية على مخدوم الملك عبدالله بن شمس الدين السلطانپوري و بعضها على غيره من العلماء ذكره البدايوني وقال: إنه كان أفضل من شيخه عبدالله في تحقيق العلوم من المنطوق والمفهوم، قال: وكان حلو المذاكرة مليح البحث، كثير المطالعة لفنون العلم والأدب، يلزم البحث والاشتغال، وكان واسع المشرب إلخ ـ

(٢١) الشيخ الفاضل طاهر بن رضي الدين بن مؤمن شاه بن محمد شاه ... وكان من العلماء الكبار وله مصنفات كثيرة: منها شرح الباب الحادي عشر في الكلام، وشرح الجعفرية في فقه الإمامية، وحاشية على تفسير البيضاوي، وله حواش على الإشارات والمحاكمات والمحسطي والشفاء والمطول وگلشن راز وشرح تحفة شاهي، وله رسالة پالكي صنفها في أثناء الطريق على المحفة، ولذلك سماها بالكي (في لغة أهل الهند المحفة) إلخ.

(٢٢) الشيخ الفاضل عالم بن عارف الحنفي الكابلي، أحد العلماء المبرزين في العلوم الآلية، ذكره البدايوني، قال: إنه كان مداعباً مزاحاً ... وقد كتب تعليقاً على شرح المقاصد في كشكوله و سماها القصد، وكان يقول: إنه كان من مصنفاته، وكذلك كتب حاشية أو حاشيتين على المطول وسماها الطول.

(٢٣) الشيخ الفاضل عبد الباقي بن محمود بن أبي سعيد الحنفي السبزواري، كان أكبر أبناء والده و أوفرهم في الفضل والكمال، وكان كثير الدرس والإفادة، له اليد الطولى في الهيئة والهندسة و غيرهما من العلوم الحكمية، اخترع الأشكال الهندسية ماوراء أشكال الأقليدس، وكان الشيخ عبد الخالق الگيلاني مع علو كعبه في العلوم الحكمية يعرف فضله وكماله ويستفيد منه.

(٢٤) الشيخ الفاضل الكبير عبد الخالق الگيلاني، أحد كبار العلماء، لم يكن في زمانه أعلم منه في علوم الحكمية لاسيما الهيئة والهندسة، أخذ عن الشيخ عبدالله اليزدي، وانتقل من

لنـدهـار إلى اهكر من بلاد السند سنة اثنتين وسبعين وتسعمائة، ثم دخل تته وعكف على الدرس والإفـادة ذكره النهاوندي في "المآثر" وقال: إنه كـان نـظيراً للفاضل مرزا جان والأمير فتح الله الشيرازي في العلوم الحكمية، انتهى.

(٢٥) الشيخ العـالم الفقيه عبدالرحيم بن عبدالرزاق بن خواجه سـالار الأنصاري السهارنپوري، أحد أكابر العلماء ... وكـان ماهراً بالمعقول والمنقول، ولي القضاء مكرماً كان أنيساً للملك .

(٢٦) الشيخ الفـاضل عبداللطيف بن يحيى المعصوم الحسيني السيفي القزويني، كان من اهل بيت العلم والفضيلة ... وكان فاضلاً مورخاً، له مشاركة جيدة في المعقول والمنقول.

(٢٧) الشيخ الفـاضل العلامة عبدالله بن اله داد العثماني التلنبي الملتاني ثم الدهلوي، أحد الأسـاتذة المشهورين في الهند ... وكـان يـدرس الكتب الدقيقة في المنطق والحكمة بغاية التحقيق والتدقيق إلخ .

(٢٨) الشيخ العالم الصالح عبدالله بن عبد الخالق الشريف الحسني اللاهوري، أحد العلماء المشهورين بالفقه والحديث والتفسير، وكانت له مشاركة جيدة في العلوم العقلية.

(٢٩) الشيخ العالم الكبير عبد الله المفتي الملتاني، أحد العلماء المبرزين في العلوم العربية ـ وله مهارة تامة بالنحو واللغة والفقه والأصول، ومشاركة جيدة في العلوم الحكمية.

(٣٠) الشيخ الفاضل العلامة عزيز الله الحنفي التلنبي الملتاني ثم السنبهلي، كان من العلماء العاملين والأئمة المحققين ... وله اليد الطولى في الأصول والكلام والمنطق والحكمة وسائر الفنون النظرية ومشاركة جيدة في المعارف الأدبية، أخذ عنه الشيخ نظام الدين الخيرآبادي والشيخ حاتم بن أبي حاتم السنبهلي وخلق كثير من العلماء.

(٣١) الشيخ الفاضل علاء الدين بن منصور اللاهوري، أحد العلماء المشهورين له حاشية على شرح العقائد للتفتازاني .

(٣٢) الملك الفاضل علي بن إبراهيم بن إسماعيل بن يوسف الشيعي — وقرأ النحو و المنطق والحكمة والكلام وغيرها على خواجه عنايت الله الشيرازي.

(٣٣) الشيخ الفاضل العلامة علاء الدين عيسى بن أبي عيسى الأحمد آبادي الكجراتي، أحد الأساتذة المشهورين بكجرات ... وكان غزير العلم كثير الدرس و الإفادة، قرأ عليه الشيخ عبد القادر بن أبي محمد الاجيني الكتب الدرسية في فن الكلام.

(٣٤) الشيخ الفاضل العلامة فتح الله بن شكر الله الشيعي الشيرازي، أحد العلماء المتبحرين في العلوم الحكمية ... قال ابن المبارك: ولم يكن له نظير في الدنيا، قال: ولو امحت أسفار القدماء في العلوم الحكمية كلها لكان مقتدراً على أن يخترع ويبدع من تلقاء نفسه، انتهى. ومن مصنفاته "منهج الصادقين" تفسير القرآن بالفارسي، و تكملة حاشية الدواني على تهذيب المنطق، وحاشية على تلك الحاشية.

(٣٥) الشيخ الفاضل كريم الدين الحنفي التتوي السندي، أحد العلماء المبرزين في النحو واللغة والفقه والأصول والمنطق والحكمة.

(٣٦) الشيخ الفاضل كمال الدين بن مكرم الصديقي البلكرامي، أحد العلماء الموفقين بالدرس والإفادة، ذكره غلام علي الحسيني في "مآثر الكرام"، قال: كان ممن فاق أقرانه في العلوم العربية والمعارف الحكمية.

(٣٧) الشيخ الفاضل العلامة مبارك بن أبي المبارك الشطاري الأودي ثم الكوالهري المشهور بالفاضل... وكان فاضلا علامة في المعقول والمنقول.

(٣٨) الشيخ العالم الفقيه مبارك بن أبي المبارك الهاتري السندي، كان من العلماء الموفقين بالدرس والإفادة ... وقرأ العلم على الشيخ عباس بن الحلال السندي ولازمه ملازمة طويلة حتى برع في الفقه والأصول والكلام.

(٣٩) الشيخ الفاضل الكبير محمد بن الحسن العلمي الأحمدنكري، أحد العلماء المبرزين

في العلوم الحكمية، له حاشية على "شرح هداية الحكمة" للميبذي.

(٤٠) الشيخ الفاضل العلامة محمد بن الحسين اللاري الشيخ علاء الدين بن كمال الدين السنبهلي أحد الأفاضل المشهورين في العلوم الحكمية.

(٤١) الشيخ العالم الفقيه محمد بن المبارك الحنفي الجونپوري، أحد العلماء المتبحرين في الكلام والأصول والعربية.

(٤٢) الشيخ الفاضل محمد بن هبة الله بن عطاء الله الحسيني الشيرازي السيد كمال الدين الگجراتي، كان من العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٤٣) الشيخ الفاضل محمد بن أبيه الشيعي اليزدي أحد العلماء المبرزين في المنطق و الحكمة.

(٤٤) الشيخ العلامة محمد سعيد الحنفي التركستاني كان وحيد دهره في المنطق و الحكمة.

(٤٥) الشيخ الفاضل السيد مرتضى الشريفي الشيعي الشيرازي كان من أسباط السيد الشريف زين الدين علي الجرجاني صاحب المصنفات المشهورة، و كان نادرة من نوادر الدهر في كثير من العلوم لا سيما المنطق والحكمة والفنون الرياضية والإنشاء و قرض الشعر.

(٤٦) الشيخ الفاضل العلامة مصلح الدين الحنفي اللاري كان أوحد أقرانه في العلوم العربية والمعارف الحكمية ... وله شرح بسيط على شمائل الترمذي وتعليقات على تفسير البيضاوي، وشرح المنطق بالفارسي.

(٤٧) الشيخ الفاضل نجم الدين التستري المبرز في العلوم الحكمية، قدم الهند ... قتل في جمادى الاولى سنة سبع وتسعين وتسعمأة بأحمد نگر.

(٤٨) الشيخ العلامة نصير الدين الكشميري أحد فحول العلماء ... وقد ذكره يعقوب ابن الحسن في كتابه وقال: إنه كان فريد عصره في المنطق والحكمة والكلام والتصوف - قال: إنه ولد أعمى ولكن الله سبحانه كشف بصيرته فاشتغل بالعلم وصار من أكابر العلماء

نرأت عليه المعاني والبيان والبديع والمنطق والحكمة والكلام والتصوف واستفدت منه كثيراً انتهى

(٤٩) الشيخ العلامة نظام الدين الحنفي البدخشي نواب غازي خان ... له مصنفات عديدة منها حاشية بسيطة على شرح العقائد ورسالة في إثبات الكلام وإيمان التحقيق والتصديق.

(٥٠) الشيخ العالم الكبير نور الدين بن سلطان علي الرضوي الهروي ثم الهندي المفيلوني، كان من العلماء المبرزين في الهيئة والهندسة والأصطرلاب ... وقال البدايوني: كانت له مشاركة جيدة في المنطق والحكمة والشعر والفنون الرياضية.

(٥١) الشيخ الإمام العالم الكبير العلامة وجيه الدين بن نصر الله بن عماد الدين العلوي الگجراتي أحد كبار الأساتذة ... وأخذ المنطق والحكمة والكلام والأصول وغيرها من العلوم الآلية والعالية ... و كانت له اليد الطولى في حسن التصنيف و جودة العبارة والترتيب والتقسيم والتبيين، ومن مصنفاته الممتعة حاشية على تفسير البيضاوي، وحاشية على أصول البزدوي، وحاشية على هداية الفقه للمرغيناني، وعلى شرح الوقاية، وعلى المطول، وعلى المختصر، و على التلويح، وعلى العضدية، وعلى شرح التجريد للأصفهاني، و على شرح العقائد للتفتازاني، وعلى الحاشية القديمة للدواني، وعلى شرح المواقف للجرجاني، وعلى شرح حكمة العين، وعلى شرح المقاصد، وعلى شرح الجغميني، وعلى شرح الشمسية للرازي، و علـى شرح الكافية للجامي، وعلى شرح الإشارة للدولة آبادي، وله شرح على رسالة على القوشجي في الهيئة، وشرح على النخبة في أصول الحديث وغيرها من الشروحات.

(٥٢) الشيخ الفاضل العلامة هبة الله بن عطاء الله بن لطف الله بن سلام الله ابن روح الله الحسيني الشيرازي المشهور بشاه مير، كان من كبار العلماء ... وله مصنفات جليلة منها "سنى الكواشف في شرح المواقف" و "لوامع البرهان في قدم القرآن" و "شرح تهذيب

المنطق والكلام" و "المحاكمة على شرح الشمسية" في المنطق، و رسالة في الهيولى، ورسالة في أصول الحديث، ورسالة في المسلسلات.

(٥٣) الشيخ العلامة يونس ابن أبي يونس الحنفي السمرقندي ثم السندي أحد كبار العلماء في العلوم الحكمية، قدم السند وقرأ عليه مرزا حسين شاه السندي "شرح المواقف" للجرجاني وغيره من الكتب.

(٥٤) محمد بن عبد الرحيم بن محمد الشيخ صفي الدين الهندي الأرموي المتكلم على مذهب الأشعري، كان من أعلم الناس بمذهب الشيخ أبي الحسن وأدراهم بأسراره متضلعا بالاصلين اشتغل على القاضي سراج الدين صاحب التحصيل وسمع من الفخر بن البخاري روى عنه شيخنا الذهبي، ومن تصانيفه في علم الكلام الزبدة و في أصول الفقه النهاية والفائق والرسالة النفيسة وكل مصنفاته حسنة جامعة لاسيما النهاية مولده ببلاد الهند سنة اربع وأربعين وستمائة ورحل إلى اليمن سنة سبع وستين ثم حج وقدم إلى مصر ثم سار إلى الروم واجتمع بسراج الدين ثم قدم دمشق سنة خمس وثمانين واستوطنها ودرس بالاتابكية والظاهرية الجوانية وشغل الناس بالعلم، توفي بدمشق سنة خمس عشرة وسبعمائة، وكان خطه في غاية الرداءة وكان رجلا ظريفا ساذجا، فيحكي أنه قال: وجدت في سوق الكتب مرة كتابا بخط ظننته أقبح من خطي فغاليت في ثمنه واشتريته لأحتج به على من يدعي أن خطي أقبح الخطوط، فلما عدت إلى البيت وجدته بخطي القديم ولما وقع لابن تيمية في المسئلة الحموية ما وقع وعقد له المجلس بدار السعادة بين يدي الأمير تنكز وجمعت العلماء وأشاروا بأن الشيخ الهندي يحضر فحضر وكان الهندي طويل النفس في التقرير إذا شرع في وجه يقرر لايدع شبهة ولا اعتراضاً إلا وقد أشار إليه في التقرير بحيث لايتم التقرير إلا و يعجز على المعترض مقاومته فلما شرع يقرر أخذ ابن تيمية يعجل عليه على عادته و يخرج من شيء إلى شيء فقال له الهندي : ما أراك يا ابن تيمية ! إلا كالعصفور حيث أردت

ان ابن تيمية من مكان يفر إلى مكان آخر و كان الأمر تنكر بعظم الهندي ويعتقد وكان الهندي شيخ الحاضرين كلهم و كلهم صدر عن رأيه وحبس ابن تيمية بسبب تلك المسئلة وهي التي تضمنت القول قوله بالجهة ونودي عليه في البلد وعلى أصحابه وعزلوا من وظائفهم

(طبقات الشافعية الكبرى ج:٥/٢٤٠)

(٥٥) محمد بن عبدالرحيم بن محمد صفي الدين الهندي الفقيه الشافعي الأصولي ولد بالهند في ربيع الآخر سنة ٤٤ وأخذ عن جده لأمه وخرج عن بلده دهلي في رجب سنة ٦٧ وقدم اليمن فأكرمه المظفر وأعطاه تسعمائة دينار، ثم حج فأقام بمكة ثلاثة أشهر ورأى بها ابن سبعين وسمع كلامه ثم دخل القاهرة في سنة ٧١ ودخل البلاد الرومية فأقام بقونية و سيواس وبقيصرله وغيرها واجتمع مع السراج الأرموي وعلمه وخرج منها سنة ٨٥ وقدم دمشق فاستوطنها وسمع من الفخر بن البخاري و عقد حلقة الاشتغال بالجامع ودرس بالرواحية والدولية الاتابكية وغيرها و كتب على الفتاوى مع الخير والدين والبر للفقراء و صنف في أصول الدين الفائق، وفي أصول الفقه النهاية ولما عقد بعض المجالس لابن تيمية عين الصفي الهندي لمناظرته، فقال لابن تيمية في أثناء البحث: أنت مثل العصفور تنط من هنا إلى هنا ومن هنا إلى هنا و كان خطه ضعيفا وحشا إلى الغاية فالكمال لله يقال: إنه كان لايحفظ القرآن إلا ربعه حتى نقل أنه قرأ (المص) بفتح الميم وتشديد الصاد ويقال إنه كان له ورد من الليل فاذا استيقظ توضأ ولبس الخز ثيابه حتى الخف والمهماز ويقوم يصلي بتلك الهيئة و كانت في لسانه عجمة الهنود باقية إلى أن مات . قال الذهبي: كان فيه دين و تعبد وله أوراد و كان حسن الاعتقاد على مذهب السلف توفي في آخر صفر سنة ٧١٥.

(الدرر الكامنة ج:٤/١٤-١٥)

علماء الهند في القرن الحادى عشر

(١) الشيخ أبوبكر الشافعي السندي" قال الغزي: "إنه كان بارعاً في المعقولات نافعاً للطلبة

... لزمته الطلبة وانتفعوا به سنين في المعقولات.

(٢) أبوالحسن آصف جاه: كان عالماً بارعاً في المنطق والحكمة.

(٣) أبوالحسن الحنفي الكشميري السندي: أحد العلماء المشهورين في المعقول و المنقول.

(٤) شيخ أبوالفتح الحنفي الملتاني: أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية وأعرفهم في الفنون الحكمية.

(٥) شيخ أبوالفضل الناكوري: أقبل على علوم الحكمية إقبالا كلياً.

(٦) الشيخ أبوالقاسم الگيلاني: أحد الأطباء المبرزين في الفنون الحكمية.

(٧) الشيخ أبوالمكارم بن المبارك الناكوري: أحد العلماء المبرزين في المنطق و الحكمة.

(٨) مولانا أحمد بن سليمان الگجراتي: قرأ شرح المواقف وسائر الفنون الحكمية على مولانا ولي محمد خانو.

(٩) شيخ أحمد بن عبد الأحد سرهندي: وكان يدرس في علوم شتى من الفقه والأصول والكلام والتفسير والحديث، وربما يشتغل بالهداية والبزدوي شرح المواقف إلخ ..

(١٠) الحكيم أحمد بن عبد الله اللاهوري: أحد العلماء المبرزين في الفنون الحكمية.

(١١) الشيخ إسماعيل بن قطب البلگرامي: و أخذ عن العلامة عبدالحكيم السيالكوتي حتى برع وفاق أقرانه في المعقول والمنقول، له حاشية نفيسة على "شرح التهذيب" للجلال الدواني.

(١٢) القاضي إله داد البلگرامي: وله تعليقات على تهذيب المنطق.

(١٣) مولانا إله داد اللاهوري: أحد العلماء المتبحرين في علوم متعددة من المعقول و المنقول.

(١٤) الشيخ بدرالدين سرهندي: قال في حضرات القدس: إني قرأت المطول مع حاشيتها

السيد الشريف وشرح العقائد مع حاشية الخيالي وتحرير أقليدس، و شرح المطالع.

(١٥) الشيخ برهان الدين الفتي الگجراتي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية له تنقيح الكلام في شرح تهذيب الكلام في مجلد.

(١٦) الشيخ تاج الدين زكريا بن عيسى الدهلوي: أحد العلماء المبرزين في المنطق و الحكمة والتصوف.

(١٧) السيد تقي الدين الشيرازي: كان ابن أخ الشيخ العلامة فتح الله الشيرازي، أخذ عنه العلوم الحكمية ودرس و أفاد زماناً.

(١٨) الشيخ جمال الدين الشيرازي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(١٩) الشيخ الفاضل حاذق بن عبدالرزاق الگيلاني ثم الأكبر آبادي: أحد العلماء الماهرين في المنطق والحكمة والطب والشعر.

(٢٠) الشيخ العالم الكبير العلامة حبيب الله بن أحمد بن الخليل بن محمد النائطي البيجابوري: أخذ المنطق والحكمة عن الشيخ حسن النجفي وقرأ عليه شرح حكمة العين وغيرها.

(٢١) القاضي حسين الستركهي: العلامة المبرز في المعقول والمنقول.

(٢٢) مولانا خوشحال التاشكندي: قرأ النحو والبلاغة والحكمة والمنطق على الشيخ العلامة وجيه الدين الگجراتي، ثم قرأ على أحد تلامذته الفاضل مرزا جان الشيرازي شرح هداية الحكمة وحكمة العين.

(٢٣) القاضي خوشحال الكابلي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٢٤) الحكيم داؤد بن عناية الله الاكبرآبادي: أحد العلماء المبرزين في الفنون الحكمية.

(٢٥) الحكيم روح الله الجزوجي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة والطب و سائر الفنون.

(٢٦) مولانا شكر الله الشيرازي: صحب علامة العلماء تقي الدين محمد الشيرازي، وقرأ عليه المنطق والحكمة وغيرها من العلوم، لم يكن له نظير في عصره في الحساب والهيئة والهندسة.

(٢٧) الشيخ صدر الدين الإله آبادي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٢٨) الشيخ عبد الأحد سرهندي: كان يدرس في العلوم كلها من المعقول والمنقول وله مهارة تامة في جميع الفنون.

(٢٩) الشيخ عبد الباسط السهارنپوري: كان من العلماء المبرزين في المعقول والمنقول.

(٣٠) مولانا عبد الباقي الجونپوري: أحد العلماء البارعين في المنطق والحكمة.

(٣١) الشيخ عبد الحق بن سيف الدين الدهلوي: وقرأ أجزاء من اللب والإرشاد وشرح الشمسية وشرح العقائد وقرأ المختصر والمطول.

(٣٢) العلامة الشيخ عبد الحكيم السيالكوتي ﷺ: صاحب التصانيف الفائقة ... وقال محمد صالح في (عمل صالح): إنه كان من كبار الأساتذة، ومن مصنفاته حاشية على تفسير البيضاوي، وحاشية على المطول في البلاغة، وعلى شرح المواقف، وعلى شرح العقائد للتفتازاني، وعلى حاشيته للخيالي، وعلى شرح العقائد للدواني، كلها في علم الكلام وحاشية على شرح الشمسية وعلى حاشيته للسيد الشريف وعلى شرح المطالع، كلها في المنطق وحاشيته على شرح الكافية للجامي، وعلى حاشيته لعبد الغفور اللاري كلاهما في النحو، وحاشيته على مراح الأرواح في الصرف وله الدرر الثمينة في إثبات الواجب، وحاشية على شرح حكمة العين وعلى شرح هداية الحكمة في الحكمة، وله غير ذلك من الحواشي والرسائل، انتهى.

(٣٣) الشيخ عبد الحكيم الكشميري: أحد العلماء المبرزين في المعقول والمنقول.

(٣٤) الشيخ عبد الرحمن الناگوري: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٣٥) مولانا عبد الرزاق الكشميري: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة و الكلام.

(٣٦) المفتي عبد السلام الديوي: أحد العلماء المفرطين في الذكاء الجامعين بين المعقول والمنقول.

(٣٧) المفتي عبد السلام اللاهوري: أخذ فنون الحكمية عن العلامة فتح الله الشيرازي.

(٣٨) مولانا عبد القادر الأجيني: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٣٩) مولانا عبد القادر البدايوني: أحد العلماء المبرزين في التاريخ والإنشاء والشعر وكثير من الفنون الحكمية.

(٤٠) مولانا عبد اللطيف السلطانبوري: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٤١) الشيخ الفاضل عبد الله الحكيم الأكبرآبادي: أحد العلماء المبرزين في الفنون الحكمية.

(٤٢) مولانا عبد الهادي البرهانبوري: العلامة المبرز في المنطق والحكمة.

(٤٣) مولانا عثمان السندي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة والطب وكان فاضلاً بارعاً في المنطق والحكمة..

(٤٤) مولانا عثمان السامانوي: أخذ الفنون الحكمية عن حكيم الملك شمس الدين الكيلاني.

(٤٥) مولانا علاء الدين التوني: أحد العلماء المبرزين في الهيئة والهندسة والنجوم والحساب وسائر الفنون الحكمية.

(٤٦) مولانا علاء الملك المرعشي: وله مصنفات جليلة منها المهذب في المنطق وأنوار الهدى في الإلهيات.

(٤٧) الشيخ علي بن حسين الدهلوي: إنه عالم كبير بارع في الحكمة الطبعية والهيئة والإنشاء والشعر.

المعقول والمنقول.

(٤٨) الشيخ علي النقي الكمروي: برع في المعقول والمنقول.

(٤٩) الحكيم علي الگيلاني: إنه عالم كبير بارع في المنطق والحكمة ماهر بالشرع و النقل.

(٥٠) العلامة عناية الله الشيرازي: أخذ العلوم الحكمية عن العلامة فتح الله الشيرازي، وكان عالماً كبيراً بارعاً في الحساب والهيئة والهندسة وسائر الفنون الحكمية.

(٥١) مولانا عوض وجيه السمرقندي: فاق أقرانه في المعقول والمنقول.

(٥٢) الحكيم فتح الله الشيرازي: كان من العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٥٣) مولانا فريد الدين الگجراتي: أحد العلماء المبرزين في المعقول والمنقول.

(٥٤) الأمير قباد البدخشي: كان من العلماء المبرزين في العلوم العربية والفنون الحكمية.

(٥٥) القاضي كمال بن موسى الكشميري: ظهر تقدمه في فنون منها المنطق والحكمة والكلام وأصول الفقه.

(٥٦) مولانا كمال الدين النيسابوري: أحد العلماء المبرزين في الفنون الحكمية.

(٥٧) الحكيم محمد المصري: أحد كبار العلماء في الفنون النظرية لاسيما صناعة الطب بجزئيه العلمي والعملي.

(٥٨) مولانا محمد الزبيري البيجاپوري: أحد العلماء المبرزين في المعقول والمنقول.

(٥٩) الشيخ محمد بن عبدالله السندي: قرأ المنطق والحكمة على الحكيم عثمان البربكاني.

(٦٠) مولانا محمد بن يوسف السندي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية و الفنون العربية.

(٦١) مولانا محمد أفضل البهاري: أحد العلماء المبرزين في الإنشاء والشعر و العلوم الحكمية.

(٦٢) القاضي محمد سعيد الكرهرودي: أحد فحول العلماء لم يكن نظير في العلوم الحكمية.

(٦٣) مولانا محمد صادق الكشميري: إنه كان عالماً فصيحاً مستحضراً لفروع المذهب مع الخبرة التامة في المنطق والحكمة والطب ظهر تقدمه في تلك الفنون إلخ

(٦٤) مولانا محمد ماه الديوگامي: أحد العلماء المبرزين في المعقول والمنقول.

(٦٥) الحكيم محمد معصوم التستري: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٦٦) الشيخ محمد بن محمد الجونپوري: لم يكن في زمانه مثله في العلوم الحكمية و المعارف الأدبية.

علماء الهند في القرن الثاني عشر

(١) مولانا أبوالحسن الكشميري: برز على معاصريه في استحضار المسائل الجزئية و حلاوة المنطق..

(٢) الشيخ أبوالفتح التيوتيني: سار إلى السيد محمد زاهد بن أسلم الهروي وأخذ عنه المنطق والحكمة حتى صار أبدع أبناء عصره في المعقول والمنقول.

(٣) المفتي أبوالفتح الكشميري: كان من العلماء المبرزين في المعقول والمنقول.

(٤) خواجه أحمد الدهلوي: أحد العلماء المبرزين في الفنون الحكمية، قرأ المنطق و الحكمة على الشيخ مبارك بن دائم العمري الگوپاموي.

(٥) الشيخ أحمد عبدالحق اللكهنوي: له مصنفات في المنطق والحكمة والكلام منها شرح بسيط على سلم العلوم للقاضي محب الله البهاري وله حاشية على حاشية ميرزاهد رسالة، و على حاشيته على شرح التهذيب للدواني وعلى حاشيته على شرح المواقف.

(٦) مولانا أنگلون الجونپوري الحنفي: كان من العلماء المبرزين في المعقول و المنقول.

(٧) مولانا جاز الله إله آبادي: له مصنفة منها حاشية على تفسير البيضاوي، وله رسالة في

المنطق.

(٨) الشيخ جلال محمد السندي: أحد كبار العلماء، لم يكن له في زمانه نظير في النجوم و الطب وأكثر الفنون الحكمة.

(٩) الشيخ جمال الدين الگجراتي: أحد المشايخ المشهورين، وله مصنفات كثيرة في كل فن منها حاشية على شرح الشمسية للقطب الرازي، وحاشية على المطول، وحاشية على شرح العقائد للتفتازاني وحاشيته على حاشية الخيالي الخ ...

(١٠) الحكيم حاذق خان الدهلوي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية لقبه عالمگير بن شاه جهان الدهلوي "حكيم الملك".

(١١) العلامة حمد الله السنديلوي: أقبل على المنطق إقبالا كلياً حتى صار عالماً مفرداً في الفنون الحكمية وله مصنفات ممتعة، أشهرها تعليقاته على شمس البازغة، وتعليقاته على شرح هداية الحكمة للشيرازي وله شرح بسيط على سلم العلوم للفاضل البهاري.

(١٢) رستم بن قباد الحارثي: كان جامعاً للمعقول والمنقول حاوياً للفروع و الأصول.

(١٣) مولانا زين العابدين السنديلوي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(١٤) السيد سلطان محمود مقصود الكالپوي: أحد العلماء المبرزين في النحو والعربية والمنطق له تعليقات مفيدة، منها حاشية على شرح هداية الحكمة للميبذي.

(١٥) السيد شمس الدين البالاپوري: أحد العلماء المحققين في العلوم الحكمية.

(١٦) مولانا عبد الرشيد الجونپوري: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة والأصول وغيرها.

(١٧) مولانا عبدالغني البدايوني: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(١٨) مولانا عبدالمومن الدهلوي: كان رجلاً ماهراً بالعلوم العقلية والنقلية نشيطاً بشوشاً

(١٩) القاضي عبد النبي الأحمد نگري: أحد العلماء المشهورين في النحو والمنطق أخذ

عنه خلق كثير ومن مصنفاته جامع الغموض منبع الفيوض، وحاشية بسيطة على شرح التهذيب لليزدي، وحاشية على مير زاهد ملا جلال، وحاشية على المطول، وحاشية على الرشيدية شرح الشريفية ودستور العلماء في اصطلاحات العلوم والفنون في أربعة مجلدات وغيرها.

(٢٠) الشيخ عبدالولي السورتي: أحد الأفاضل المشهورين في عصره وفاق أقرانه في المنطق والحكمة والشعر.

(٢١) مولانا عليم الله اللاهوري: كان شيخاً عالماً محققاً مدققاً فاضلاً عارفاً صوفياً له اليد الطولى في العلوم والتحقيق من منطوقها ومفهومها ـ قرأ عليه الشيخ محمد أفضل شاه پوري المنطقي العلوم العقلية كالمنطق والفلسفة كشرح الشمسية للقطب الرازي، وحاشية السيد الشريف الجرجاني، وحاشية الملا عبدالحكيم السيالكوتي، وشرح التهذيب للمولى جلال الدين الدواني مع حاشية السيد زاهد الهروي.

(٢٢) مولانا غلام نقشبند اللكهنوي: لم يكن في زمانه أعلم منه بالنحو واللغة والأشعار و أيام العرب وما يتعلق بها متوفراً على علوم الحكمة.

(٢٣) الشيخ غلام يحيى البهاري: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة ومن مصنفاته حاشية على حاشية السيد الزاهد وحاشية على حاشية سلم بحمدالله.

(٢٤) ملا فيروز بن محبة: له شرح على سلم العلوم للقاضي محب الله بن عبد الشكور.

(٢٥) مولانا قطب الدين الإله آبادي: أحد فحول العلماء كان عالماً كبيراً بارعاً في الفقه و الأصول والمنطق والحكمة.

(٢٦) القاضي مبارك بن دائم الگوپاموي: كان من مشاهير الأذكياء صاحب شرح بسيط على سلم العلوم للقاضي محب الله بن عبد الشكور المشهور باسم القاضي وحاشية على شرح التهذيب للدواني، وحاشية على شرح المواقف، وحاشية على حاشية السيد الزاهد

على الرسالة القطبية.

(٢٧) القاضي العلامة محب الله البهاري ﷺ: أحد الأذكياء المشهورين في الآفاق، صاحب السلم العلوم ومن مصنفاته: سلم العلوم في المنطق، ومسلم الثبوت في أصول الفقه.

(٢٨) الشيخ محمد أرشد الجونپوري: كان من كبار المشايخ، قرأ الكتب العقلية والنقلية كلها على عدة من الأساتذة.

(٢٩) مولانا محمد بركت الإله آبادي: أحد فحول العلماء في العلوم العقلية والنقلية له مصنفات ممتعة منها تعليقاته على شرح العقائد للدواني، وعلى مير زاهد رسالة وعلى تحرير اقليدس، وحاشية على ميرزاهد شرح المواقف.

(٣٠) القاضي محمد زاهد الهروي: أحد الأساتذة المشهورين في الهند، لم يكن له نظير في عصره في المنطق والحكمة، له مصنفات متداولة وغير متداولة كحاشية على شرح المواقف، وحاشية على شرح التهذيب للدواني، وحاشية على الرسالة القطبية في مبحث التصور والتصديق وهذه الثلاثة متداولة في المدارس، وله حاشية على التجريد وحاشية على شرح الهياكل.

(٣١) مولانا محمد طاهر الإله آبادي: كان عجباً في سرعة الاستحضار وقوة الجنان و التوسع في المعقول والمنقول.

(٣٢) مولانا محمد قائم الإله آبادي: المدرس المشهور، له رسالة في مبحث المختلطات من شرح الشمسية للرازي، وقد ذكر في خاتمة تلك الرسالة مصنفاته في المنطق والحكمة. منها رسالة في شرح ضابطة التهذيب، ومنها رسالة في النسب بين القضايا المنطقيه ومنها تعليقاته على شرح الجغميني في الهيئة، ومنها تعليقاته على حاشية مير زاهد على شرح التهذيب للدواني، ومنها حاشية على حاشية السيد الزاهد على شرح المواقف، و منها

حاشية على شرح العقائد للدواني، ومنها حاشيته على شرح السلم لحمدالله.

(٣٣) القاضي محمد ولي اللكهنوي: له شرح على سلم العلوم، وحاشية على مير زاهد رساله وحاشية على مير زاهد ملاجلال، وله تعليقات شتى على الكتب الدرسية.

(٣٤) الشيخ نور الدين الكجراتي: كان نور الدين أورع الناس و أزهدهم، له مصنفات جليلة، منها حاشية على شرح المطالع، و حاشية على التلويح، وحاشية على المطول، وحاشية على الشمسية، وله شرح على تهذيب المنطق.

(٣٥) شيخ الإسلام ولي الله بن عبدالرحيم الدهلوي ﷺ: وكان قرأ من المنطق شرح الشمسية، وقسطاً من شرح المطالع، ومن الكلام شرح العقائد وجملة من الخيالي، وشرح المواقف، ومن الحكمة شرح هداية الحكمة وغيره.

علماء الهند في القرن الثالث عشر

(١) الشيخ إبراهيم بن بركة العظيم آبادي: كان من العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٢) المفتي إبراهيم بن عمر البنارسي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٣) الشيخ أبوالحسن المنطقي: أحد فحول العلماء جاوز عمره مائة وثلاثين سنة وكان إماماً حوالأدفي الصرف والنحو والمنطق، أخذ عنه خلق كثير من العلماء.

(٤) السيد أبو القاسم التستري: وبرع وفاق أقرانه في اللغة والتاريخ والفقه والتاريخ والفقه و الأصول وكثير من الفنون الحكمية.

(٥) الشيخ أبوالمعالي البدايوني: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٦) الشيخ أحمد بن محمد البتهاني: قرأ النحو والعربية والمنطق والحكمة على جماعة من الأعلام.

(٧) القاضي أحمد بن مصطفى الكوپاموي: كان من العلماء المبرزين في المنطق و الحكمة.

(٨) الشيخ أحمد حسن المراد آبادي : أحد العلماء المبرزين في المعقول والمنقول ولازم الشيخ فضل حق الخيرآبادي، فأخذ عنه المنطق والحكمة.

(٩) مولانا أحمدي بن وحيد البهلواري ؛ ومن مصنفاته حاشية على مير زاهد ملا جلال، و حاشية على مير زاهد شرح مواقف، و حاشية على الشمس البازغة، وحاشية على شرح هداية الحكمة للشيرازي، وله رسالة في مبحث المثناة بالتكرير، و كلها تدل على تبحره في العلوم الحكمية لاسيما الفنون الرياضية والبراهين الهندسية.

(١٠) المفتي إسماعيل بن الوجيه المرادآبادي: كان من العلماء المشهورين في الفنون الحكمية.

(١١) مولانا إله داد الرامبوري: كان من العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(١٢) مولانا إمام الدين الدهلوي: أحد العلماء المبرزين في الفنون والحكمة وجمع تعليقاته على كتب المنطق والحكمة في مجلد.

(١٣) مولانا إمام الدين الكاندهلوي: وصار أبدع أبناء عصره في العلوم الحكمية.

(١٤) الشيخ أمين الدين الكاكوروي : وقرأ شرح الشمسية، وشرح التهذيب للدواني مع حاشيته لليزدي، وشرح العقائد على صنوه الكبير القاضي نجم الدين، ثم سافر إلى شاه جهانپور، وقرأ منار الأصول، وشرح السلم للعلامة عبدالعلي اللكهنوي على العلامة المذكور وقرأ شرح السلم للقاضي مبارك، والمطول، وميرزاهد رسالة، وميرزاهد ملا جلال، وقرأ شرح السلم لحمد الله وشرح هداية الحكمة للشيرازي، والشمس البازغة على حيدر علي بن حمد الله وبعد ذلك قرأ على صنوه نجم الدين المذكور تحرير أقليدس، و شرح الجغميني.

(١٥) مولانا أمين الله العظيم آبادي: له يد بيضاء في المنطق والحكمة والأدب وأخذ المنطق والحكمة عن الشيخ محمد قائم الإله آبادي وله مصنفات عديدة منها حاشية على

میرزاهد رسالة، وحاشية على مير زاهد شرح المواقف، وحاشية على مسلم الثبوت.

(١٦) مولانا شبير أحمد النصير آبادي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(١٧) مولانا تراب علي اللكهنوي: كان من العلماء المبرزين في المعقول والمنطق ومن مصنفاته: التعليق المرضي على شرح القاضي، وشرح الشرح على القاضي، والتعليق الأحسن على شرح ملاحسن، وحاشية على شرح السلم لحمدالله وحاشية على شرح هداية الحكمة للشيرازي، وحاشية له على حاشية غلام يحيى البهاري، وتكملة المسماة بتكملة العلي للواء الهدى.

(١٨) مولانا جان علي العظيم آبادي: أحد العلماء المشهورين في بلاده له يد بيضاء في المنطق والحكمة.

(١٩) مولانا جلال الدين الهروي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٢٠) مولانا جمال الدين الفكاروي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٢١) مولانا مرزا جواد علي اللكهنوي: وكانت له مشاركة جيدة في المعقول والمنقول و له حواش وتعليقات على الكتب الدرسية.

(٢٢) الشيخ حامد بن عصمة اللاهوري: أحد العلماء المبرزين في المنطق و الحكمة.

(٢٣) مولانا حبيب الله الشاهجهانپوري: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٢٤) الشيخ حسين علي الجونپوري: أحد العلماء المبرزين في المعقول والمنقول.

(٢٥) الحكيم حياة بن أحمد الرامپوري: كان من العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٢٦) الحكيم درويش محمد الرامپوري: كان من العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٢٧) الحكيم ذكاء الله الأكبر آبادي: كان من العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٢٨) مولانا ذو الفقار علي الدهاكوي: كان من العلماء المبرزين في الفنون الحكمية.

(٢٩) مولانا رستم علي الرامپوري: أحد العلماء المشهورين في المنطق والحكمة.

(٣٠) الشيخ رضي الدين الإله آبادي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٣١) مولانا سديد الدين الدهلوي: أحد العلماء البارعين في المنطق والحكمة.

(٣٢) مولانا سديد الدين الشاهجهانپوري: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٣٣) مولانا سراج الدين اللكهنوي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٣٤) المفتي سلطان حسن البريلوي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٣٥) مولانا شريعة الله المرادآبادي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٣٦) الحكيم شفائي خان الحيدر آبادي: وقرأ العلم على مولانا عبدالعلي اللكهنوي ... و كان عالماً بارعاً في العلوم الحكمية.

(٣٧) مولانا شمس الدين الحيدر آبادي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٣٨) الحكيم صادق بن شريف الدهلوي: كان من العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٣٩) القاضي صبغة الله المدارسي: وقرأ المنطق والحكمة وبعض الفنون الرياضية على والده محمد غوث وقرأ مسلم الثبوت وحاشية ميرزاهد على شرح المواقف.

(٤٠) المفتي ظهورالله اللكهنوي: وقرأ العلم على والده وعمه الحسن بن غلام مصطفى اللكهنوي، ومن مصنفاته: حاشية على مير زاهد رسالة وحاشية على مير زاهد ملا جلال، و حاشية على مير زاهد شرح مواقف.

(٤١) مولانا عبد الحكيم اللكهنوي: وله مصنفات كثيرة منها: حاشية على شرح السلم لحمدالله، وحاشية على مير زاهد ملاجلال، وحاشية على العروة الوثقى.

(٤٢) مولانا عبدالحكيم الگجراتي: كان من العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٤٣) مولانا عبد الحكيم الشيخپوري: كانت له يد بيضاء في النحو و المنطق و الكلام و أصول الفقه.

(٤٤) مولانا عبدالرحمان الرامپوري: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٤٥) الشيخ عبد الرحيم الكور كهپوري: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٤٦) مولانا عبد الرزاق الرامپوري: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٤٧) مولانا عبد العزيز الرامپوري: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٤٨) مولانا عبد العلي الطوكي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٤٩) ملك العلماء عبد العلي اللكهنوي: كان مسلوم النظر في زمانه رأساً في الفقه و الأصول، إماماً جوالاً في المنطق والحكمة والكلام ... وله مصنفات جليلة منها: شرح سلم العلوم مع المنهيات، ومنها حاشية على ميرزاهد رسالة ومنها حاشية على ميرزاهد ملاجلال، ومنها ثلاث حواش له على ميرزاهد شرح المواقف، ومنها حاشية على شرح هداية الحكمة للصدرا الشيرازي، ومنها فواتح الرحموت في شرح مسلم الثبوت.

(٥٠) مولانا عبد الكريم الحيدر آبادي: أحد العلماء المبرزين في الفنون الحكمية.

(٥١) الشيخ عزة علي السنديلوي: أحد العلماء المبرزين في الفنون الحكمية.

(٥٢) مولانا عظيم الدين اللكهنوي: كان من العلماء المبرزين في الفنون الحكمية.

(٥٣) الشيخ علي أكبر البهلواري: أحد العلماء المبرزين في المعقول والمنقول.

(٥٤) مولانا علي محمد السنبلي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة ... له شرح بسيط على تصورات تهذيب المنطق للتفتازاني، أوله: سبحانك لاعلم لنا إلاماعلمتنا إنك أنت العليم الحكيم.

(٥٥) السيد عماد علي البدايوني: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٥٦) مرزا غازي الحكيم اللكهنوي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٥٧) مولانا غلام حسين البهاري: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٥٨) الشيخ غلام حيدر الإله آبادي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٥٩) الحكيم غلام ضامن الكروي: أحد العلماء المبرزين في النحو والعربية والطب و

الشعر وسائر الفنون الحكمية.

(٦٠) الشيخ غلام قادر الگوپاموي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٦١) المفتي غلام مصطفى البردواني: أحد العلماء المبرزين في الفنون الحكمية.

(٦٢) السيد غلام نبي البلگرامي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٦٣) مولانا غلام نبي الشاه جهان پوري: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٦٤) الحكيم فتح الله الدهلوي: كان من العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٦٥) مولانا فضل إمام الخير آبادي ﷺ: وقرأ العلم على مولانا عبد الواجد الخير آبادي ثم درس وأفاد وأقبل على المنطق والحكمة إقبالاً كلياً، ومن مصنفاته: المرقاة في المنطق متن متين، ومنها تلخيص المفتاح للشيخ الرئيس، ومنها حاشية على ميرزاهد رسالة، وحاشية على ميرزاهد ملا جلال.

(٦٦) مولانا فضل حق الخير آبادي: لم يكن له نظير في زمانه في الفنون الحكمية، قال القنوجي في أبجد العلوم: إنه كان إمام وقته في العلوم الحكمية والفلسفية بلا مدافع.

(٦٧) مولانا قطب الدين السنبهلي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٦٨) مولانا قطب الهدى البريلوي: أحد العلماء المبرزين في المعقول والمنقول، لم يكن له نظير في زمانه في معرفة الفقه.

(٦٩) مولانا قلندر بخش الپاني پتي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٧٠) مولانا كرم إلهي اللاهوري: وكان عالماً بالصرف والنحو والمعاني والبيان ماهراً في الفقه والأصول، مشاركاً في المنطق والحكمة، وأخذ عنه الشيخ فقير محمد الجهلمي وخلق آخرون.

(٧١) مولانا كليم الله الأنكوي: أحد الأساتذة الماهرين في العلوم الحكمية.

(٧٢) مولانا لطف علي الراجكوري: اشتغل في أوائل عمره بالعلوم الحكمية ودرس وأفاد

مادة.

(٧٣) السيد مبارز علي السهسواني: برز في الفنون الحكمية، له حاشية على شرح هداية الحكمة للصدر الشيرازي.

(٧٤) مولانا محمد الدهلوي: كان من العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٧٥) مولانا محمد أحسن البشاوري: كان من العلماء المبرزين في المنطق والحكمة، له مصنفات كثيرة منها منح الباري شرح صحيح البخاري، وحاشية على شرح السلم للقاضي مبارك.

(٧٦) الحكيم محمد أرشد الدهلوي: كان من العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

(٧٧) مولانا محمد أسلم البنلوي: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٧٨) الشيخ محمد إمام البهلواروي: أحد العلماء في العلوم المنطق و الحكمة.

(٧٩) مولانا محمد حسن البريلوي: أحد العلماء المبرزين في المعقول والمنقول.

(٨٠) السيد محمد حسن الجزائري: أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية وكان عالماً كبيراً بارعاً في العلوم الحكمية حاذقاً في الطب.

(٨١) مولانا محمد علي الرامبوري: كان من العلماء المبرزين في العلوم الحكمية.

(٨٢) مولانا محمد ميران الكشميري: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة والإنشاء وقرض الشعر.

(٨٣) مولانا مملوك العلي النانوتوي: وتفنن في الفقه والأصول والعربية مع مهارة تامة في المنطق والحكمة.

(٨٤) الشيخ نثار علي الظفرآبادي: وكان عالماً كبيراً بارعاً في الفقه والحديث مشاركاً في المنطق والحكمة.

(٨٥) الحكيم نصر الله الدهلوي: أحد العلماء المبرزين في الهيئة والهندسة والحكمة

والمنطق والصناعة الطبية.

(۸٦) المفتي نظام الدين الديوي: أحد الرجال المعروفين في العلوم الحكمية، له مصنفات عديدة: منها رسالة في العلوم الطبعية وله رسالة في المنطق إلخ ----

(۸۷) مولانا نعيم الدين الفنوجي: أحد العلماء المبرزين في المعقول والمنقول، ومن مصنفاته: شرح على تصديقات لسلم العلوم وحاشية على شرح هداية الحكمة للصدر الشيرازي.

(۸۸) مولانا نور عالم الرامپوري: أحد العلماء المبرزين في الفنون الحكمية.

(۸۹) المفتي واجد علي البنارسي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة ---- وكان إماماً جوالاً في المنطق والحكمة.

(۹۰) مولانا وجيه الدين الدهلوي: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة.

﴿باب پنجم﴾

علم کلام، منطق اور حکمت پر کیے گئے اعتراضات کا علمی جائزہ:

ان علوم ثلاثہ کی حفاظت کے سلسلہ میں ایک اہم چیز ان اعتراضات کے جوابات ہیں، جو ان پر کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جن معترضین کے جوابات دینے کی ہم نے کوشش کی ہے ان میں قابل ذکر شخصیت ابن تیمیہ ہیں، جنہوں نے ہماری دانست کے مطابق سب سے پہلے منطق کے خلاف قلم اٹھایا۔

ابن تیمیہ ہی کے اتباع میں دوسرے نمبر پر ابوالحسن علی ندوی ہیں، جنہوں نے اپنی

کتاب "دعوت وعزیمت" میں ابن تیمیہ کے کارناموں کے ذکر کے سلسلہ میں علم منطق کی مخالفت کو بھی ان کا ایک کارنامہ قرار دیا ہے۔ تیسرے نمبر پر مناظر احسن گیلانی ہیں، جنہوں نے اپنی کتاب "نظام تعلیم وتربیت" میں درس نظامی پر اعتراضات کیے ہیں۔ مزید معترضین بھی ہیں۔ جن میں ایک مولانا سید سلیمان ندوی ہیں، جنہوں نے اپنی کتاب "ہمارا تعلیمی نصاب کیا ہو" میں مناظر احسن گیلانی کی تصویب کرتے ہوئے درس نظامی کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ اسی طرح مولانا ابن الحسن عباسی صاحب نے اپنی کتاب "دینی مدارس" میں درس نظامی کی معتبر کتابوں پر چند اعتراضات کیے ہیں۔

یہاں ہم نہایت ادب کے ساتھ ان علمائے کرام کے اعتراضات کے جوابات پیش کر رہے ہیں تاکہ دوسرے لوگ اس سے متاثر نہ ہوں، خصوصاً ایسے سادہ لوح طلبا جو اس قسم کے اعتراضات سے جلدی دھوکہ کھاتے ہیں۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ ابن تیمیہ، علامہ گیلانی، حضرت علی میاں ندوی اور ابن الحسن عباسی کا عزت واحترام ہمارے دلوں میں جاگزیں ہے اور ہم ان شخصیات کی دینی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لہٰذا ان علمی مؤاخذات کو کوئی ان کی توہین نہ سمجھے۔

چونکہ ان علوم پر طعن وتشنیع کی ابتدا ابن تیمیہ نے کی ہے، اس لیے بحث کی ابتدا ان ہی سے کی جاتی ہے تاکہ ان کے حالات سے ناواقف بعض لوگ ان کی کتاب "الرد علی المنطقیین" کو سند میں پیش کر کے علم منطق سے لوگوں کو محروم نہ کر سکیں؛ کیونکہ بعض لوگ منطق پر تردید کے لیے ابن تیمیہ کی مذکورہ بالا کتاب کی عبارات پیش کرتے ہیں اور اسی کو حرف آخر سمجھتے ہیں۔ طلباء بلکہ علماء بھی اس کو پڑھ کر متاثر ہوتے ہیں اور یوں منطق، حکمت اور کلام سے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے۔

﴿فصل اول﴾

ابن تیمیہ کے متعلق چند گزارشات:

چونکہ ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' میں ابن تیمیہ کے منطق وغیرہ پر کیے گئے اعتراضات کو دلیل بنا کر معقولات کے خلاف قلم اٹھایا ہے، اس لیے ابن تیمیہ کے اعتراضات کے جوابات تو ابوالحسن علی ندوی کے باب میں بیان کیے جائیں گے۔ سر دست یہاں آپ کے سامنے ابن تیمیہ کے بعض ان عقائد کو بیان کیا جاتا ہے، جن میں وہ اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف چلے ہیں۔ ایسے مسائل کی تعداد اگرچہ زیادہ ہے، لیکن چونکہ اس کتاب کا موضوع دفاع درس نظامی ہے، اس لیے یہاں ان مسائل سے تو صرف نظر کیا جاتا ہے۔ البتہ بطور نمونہ چند مسائل کی نشان دہی کی جاتی ہے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ جس صاحب کا اسماء وصفات کے بارے میں عقیدہ جمہور کے موافق نہیں، تو منطق وحکمت کے رد میں ان کا قول کیسے حجت ٹھہر سکتا ہے۔

اس بحث کو چند حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(1) اہل سنت کا آیات واحادیث صفات کو اپنے ظاہر پر محمول نہ کرنا۔

(2) اسماء وصفات کے بارے میں متقدمین کا مسلک۔

(3) اسماء وصفات کے بارے میں متاخرین کا مسلک۔

(4) امام رازی امام غزالی اور سیف الدین آمدی جیسے اکابر متکلمین کا تجسیم سے بچنے کیلئے چند اصول کا بیان۔

(5) ابن تیمیہ کا ان اصولوں پر رد۔

(6) توحید فی الاسماء والصفات میں علامہ ابن تیمیہ اور اہل سنت کے اعتقاد کے درمیان فرق۔

آگے ہم ان چھ مباحث کی تفصیل پیش کرتے ہیں چنانچہ بحث اول کی تفصیل یہ ہے

(1) اہل سنت کا آیات واحادیث صفات کو اپنے ظاہر پر محمول نہ کرنا:

قرآن کریم میں بعض آیات ایسی ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف بعض اعضاء کی نسبت کی گئی ہے۔ مثلاً ﴿ بيده الملك، يوم يكشف عن ساق، بل يداه مبسوطتان ﴾،

اسی طرح بعض آیات ایسی ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف جسم کی صفات کی نسبت کی گئی ہے مثلاً ﴿ثم استوی علی العرش﴾ ۔ استوی کے صلہ میں جب علی آتا ہے تو اس کا معنی استقرار اور جلوس ہوتا ہے جو ظاہر ہے کہ جسم کی صفات میں سے ہے۔

اب اگر ان دو قسم کی آیات میں اعضاء یا صفات جسمانیہ سے اپنا حقیقی معنی مراد لیا جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے جسمیت لازم آئے گی۔ اس صورت میں یہ مضمون ﴿لیس کمثلہ شیء﴾، ﴿قل ھو اللہ احد﴾ جیسی آیتوں کے متصادم ہوگا۔ پس ضروری ہوا کہ ان الفاظ کے لیے ایسا صحیح محمل تلاش کیا جائے، جس سے اللہ تعالیٰ کے لیے جسم کا ثبوت لازم نہ آئے۔

(2) اسماء وصفات کے بارے میں متقدمین کا مسلک:

اس محمل صحیح میں دو مذہب ہیں، ایک متقدمین کا اور دوسرا متاخرین کا۔ متقدمین اور سلف صالحین اللہ تعالیٰ کے لیے ان صفات کو ثابت کرتے ہیں اور ان کی نفی نہیں کرتے۔ البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کا جو معنی مراد ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اسی کا نام تفویض ہے۔ پس وہ ید (ہاتھ) کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرتے ہیں، لیکن اس معنی کے ساتھ جو ہمارے علم میں نہیں، بلکہ وہ معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے اور ان کے مطابق یہ متشابہات میں سے ہیں اور متشابہات کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم وہ ہے کہ ان کے معانی لغویہ دونوں معانی مراد معلوم نہیں۔ ان کو مقطعات کہتے ہیں جیسے الم وغیرہ۔ دوسری قسم وہ ہے کہ ان کے معانی لغویہ تو معلوم ہوں، لیکن معانی مرادہ معلوم نہ ہوں۔ آیات الصفات اسی دوسری قسم کے متشابہات میں سے ہے۔

وقال أبو سليمان رحمه الله في معالم السنن : وهذا من العلم الذي أمرنا أن نؤمن بظاهره، وأن لا نكشف عن باطنه، وهو من جملة المتشابه ذكره الله تعالى في كتابه فقال ﴿هو الذي أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن أم الكتاب

وأخر متشابهات﴾الآية :فالمحكم منه يقع به العلم الحقيقي والعمل، والمتشابه يقع به الايمان والعلم الظاهر ويوكل باطنه الى الله عزوجل وهو معنى قوله ﴿وما يعلم تأويله الا الله﴾وانما حظ الراسخين أن يقولوا آمنا به كل من عند ربنا وكذلك ما جاء من هذا الباب في القرآن كقوله عزوجل (هل ينظرون الا أن يأتيهم الله في ظلل من الغمام والملائكة وقضي الأمر)وقوله (وجاء ربك والملك صفاً صفاً)والقول في جميع ذلك عند علماء السلف وهو ماقلناه، وروى مثل ذلك عن جماعة من الصحابة رضي الله عنهم وقد زل بعض شيوخ اهل الحديث ممن يرجع الى معرفته بالحديث والرجال، فحاد عن هذه الطريقة حين روى حديث النزول ثم اقبل على نفسه فقال ان قال قائل كيف ينزل ربنا الى السماء ؟قيل له ينزل كيف يشاء فان قال: هل يتحرك اذا نزل ؟ فقال ان شاء يتحرك وان لم شاء لم يتحرك، وهذا خطأ فاحش عظيم، والله تعالى لايوصف بالحركة ،لان الحركة والسكون يتعاقبان في محل واحد وانما يجوز ان يوصف بالحركة من يجوز ان يوصف بالسكون وكلاهما من اعراض الحدث ،واوصاف المخلوقين، والله تبارك وتعالى متعال عنها ليس كمثله شيء فلو جرى هذا الشيخ على طريقة السلف الصالح ولم يدخل نفسه فيمالايعنيه لم يكن يخرج به القول الى مثل هذا الخطأ الفاحش مقال: وانما ذكرت هذا لكي يتوقى الكلام فيما كان من هذا النوع فانه لايثمر خيراً ولايفيد رشداً ونسأل الله العصمة من الضلال والقول بما لايجوز من الفاسد والمحال،

امام خطابیؒ نے اس آیت میں اتیان یعنی آنے کی نسبت جو اللہ کی طرف کی گئی ہے کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ وہ علم ہے جس کے متعلق ہمیں حکم کیا گیا ہے کہ ہم اس کے ظاہر پر ایمان لائیں اور اس کی باطن کو معلوم کرنے کی کوشش نہ کریں اور یہاں متشابہات میں سے ہے

جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے کتاب میں اس آیت میں کیا ہے، ﴿وھو الذی انزل علیک الکتاب﴾ الخ ۔۔۔ اسی طرح امام خطابیؒ نے یہاں تصریح کی ہے کہ یہ بھی متشابہات کا ایک قسم ہے جس طرح مقطعات ایک قسم ہے، بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں: کہ مقطعات صرف متشابہات ہے صحیح نہیں ہے۔۔اسی طرح امام شافعیؒ نے بھی فقہ اکبر میں جس کی شرح الکوکب الازہر محمد بن یسین بن عبداللہ نے کی ہے ایک سائل کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آیت ﴿الرحمان علی العرش استوی﴾ متشابہات میں سے ہیں اور فرمایا کہ تشبیہ میں واقع ہونے سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ اس پر صرف مرور کیا جائے یعنی اسکی تفسیر نہ کی جائے اور اس سے بحث اور تکلم سے پرہیز کیا جائے چنانچہ امام شافعیؒ کتاب مذکور کے صفحہ نمبر ۸۶ میں فرماتے ہیں۔

قال الشافعیؒ (فان قيل :أليس قد قال الله تعالى (الرحمن على العرش استوى) يقال ان هذه الآية من المتشابهات والذى تختار من الجواب عنها وعن امثالها لمن لايريد التبحر فى العلم ان يمر بها كما جاءت ولا يبحث عنها ولا يتكلم فيها لانه لايأمن من الوقوع فى ورطة التشبيه اذا لم يكن راسخاً فى العلم۔ ويجب ان يعتقد فى صفات البارى تعالى ما ذكرناه وأنه لايحويه مكان ولا يجرى عليه زمان منزه عن الحدود والنهايات مستغن عن المكان والجهات ويتخلص من المهالك والشبهات ، ولهذا المعنى زجر مالكؒ رجلا حين سأله عن هذه الآية فقال الاستواء مذكور والكيفية مجهولة والايمان به واجب والسوال عنه بدعة ثم قال : وان عدت الى مثله امرت بضرب رقبتك ،اعاذنا الله واياكم من التشبيه ۔

یاد رکھنا چاہئے کہ فقہ اکبر جس طرح امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے تصنیف ہے اسی طرح اس نام سے امام شافعی صاحبؒ نے بھی تصنیف کی ہے اور اس کی صحت کے بارے میں شارح

محمد بن یسین بن عبداللہ فرماتے ہیں

حصلت علی نسختین خطیتین من مکتبة الاوقاف العامة فی بغداد واستنسختهما وقابلتهما مع النسخة المطبوعة عندی وصححت بعض الاخطاء التی ظهرت لی عند مقابلة النسخ بلقد جاء ذکر اسم الکتاب فی فهرس المخطوطات العربیة فی مکتبة الاوقاف العامة ببغداد۔الجزء الثانی۔ کتب علوم الفقه ۔الحکمة العقائد ۔التصوف الإسلامی ۔المولف عبد الله الجبوری ص ۲۳٤ ،الفقه الاکبر ۳۲۱۱ مولفه الامام الشافعی محمد بن ادریس (ت-٤ ۲۰ هـ) بروک العربیة۔ ۹۲۷/۳ أوله (الحمد لله رب العالمین ----قال الامام الاعلم---طبع فی القاهرة ۱۹۰۰م انظر عن نسبة بروک /۲۹۸/۳ ق و ۱۹۱۷×۱۱ر[۱۳۷٤۳/۸] مجامیع]۔

۳۲۱۲ نسخة اخری حدیثة الخط کتبها محمد بن عبد الله بن احمد الراوی وملکها عبد الله الجبوری المولف لهذا الفهرس ق :۲۰۱۱۲ × ۱٤ س [۲۲۸۵۸/۱ مجامیع]۔

۳۲۱۳ نسخة اخری کتبها شهاب بن احمد بن مصلح البصری ۹۸۲هجریة ق = ۲۲۱٦ × ۱٤ س[۲ / ۱۰۰۰٤ مجامیع]۔

۳۲۱٤ نسخة اخری کتبها احمد بن الشیخ دروش الخطیب فی جامع الشیخ معروف الکرخی بغداد ق = ۲۲۱۰ × ۱٦ س [۱ / ۲۷۸٤. مجامیع]۔

اسی طرح نورالانوار میں ملا جیونؒ بھی متشابہات کی دو قسمیں بیان کی ہیں دوسری قسم اسماء وصفات ہیں۔چنانچہ فرماتے ہیں:

"ثم المتشابه علی نوعین: نوع لا یعلم معناه أصلاً۔ و هذا کالمقطعات فی

أوائل السور مثل: ﴿الم﴾ و ﴿حم﴾ فإنها يقطع كل كلمة منها عن الآخر في التكلم، و لايعلم معناه؛ لأنه لم يوضع في كلام العرب لمعنى ما إلا لغرض التركيب.

و نوع يعلم معناه لغة لكن لايعلم مراد الله تعالى؛ لأن ظاهره يخالف المحكم مثل قوله تعالى: ﴿يدالله﴾ و ﴿وجه الله﴾ و ﴿الرحمٰن على العرش استوى﴾ و ﴿وجوه يومئذ ناظرة الى ربها ناظرة﴾ و أمثاله، و يسمّى هذه آيات الصفات، و قد طولنا الكلام في تحقيقها و تأويلاتها في التفسير الأحمدي فليطالع ثمه.

(3) اسماء وصفات کے بارے میں متاخرین کا مذہب:

دوسرا مذہب متاخرین کا ہے۔ انہوں نے تاویل کا راستہ اختیار کیا ہے۔ یعنی ان الفاظ کو ایسے معانی پر محمول کیا ہے، جس سے تجسیم بھی لازم نہ آئے اور نزول قرآن سے پہلے کلام عرب میں ان الفاظ کا ان معانی میں استعمال ثابت ہو۔ پس انہوں نے مثلاً ید کی تفسیر نور یا قدرت سے کی ہے۔ اسی طرح ﴿یوم یکشف عن ساق﴾ میں کشف ساق سے شدت احوال قیامت مراد لیتے ہیں۔

متقدمین کا مسلک اسلم اور متاخرین کا مسلک احکم ہے:

یہ دونوں اہل سنت و جماعت کے مذہب ہیں۔ پہلے والے کو اسلم اور دوسرے والے کو احکم کہا جاتا ہے۔ پہلے مسلک میں تفویض اور دوسرے مسلک میں تاویل ہے۔ اہل سنت کے ان دونوں مسلکوں کو علامہ تفتازانیؒ نے شرح مقاصد (جلد۲ صفحہ۳۶) میں یوں بیان فرمایا ہے:

و الجواب أنها ظنيات سمعية في معارضة قطعيات عقلية؛ فيقطع بأنها ليست على ظواهرها و يفوّض العلم بمعانيها إلى الله تعالى مع اعتقاد حقيتها جريا على الطريق الأسلم الموافق للوقف على إلا الله في قوله تعالى: ﴿و ما يعلم

تاویله الا اللّٰہ﴾ أو تاول تاویلات مناسبة موافقة لما دلت علیه الأدلة العقلیة علی ما ذکر في کتب التفسیر و شروح الحدیث سلوکا للطریق الأحکم الموافق للعطف ﴿في إلا اللّٰہ والراسخون في العلم﴾(العمران: ۷)

اسی طرح ملاعلی قاری مرقاۃ ج ۳ ص ۲۹۹ میں فرماتے ہیں: "قـال النووي في شـرح مسـلم :فيهذا الـحديث (حديث النزول)وشبهه من احـاديث الصفات وآياتها مذهبان مشهوران : فمذهب جمهور السـلف وبعض المتكلمين الايمان بحقيقتها على ما يليق به تعالىٰ وان ظاهر هـا الـمتعـارف في حقنـا غيـر مـراد ولاتكلم في تأويلهامع اعتقادنا تنزيه الله سبحانه عن سائر سمات الحدوث ، والثاني مذهب اكثر المتكلمين وجماعة من السلف وهو محكي عن مـالک والاوزاعـي انـمـا يتـأول عـلـى مـا يليق بها بحسـب بواطنها فعليه الخبر مؤول بتأويلين اي المذكورين" ۔

اسی طرح امام بیہقیؒ کتاب الاسماء والصفات (بـاب مـا ذكـر في اليمين و الكف ص ۳۳۰) میں متقدمین کا مذہب اسماء والصفات کے بارے میں یوں بیان کرتے ہیں:

أما المتقدمون من هذه الأمة فإنهم لم يفسروا ما كتبنا من الآيتين و الأخبار فـي هذا الباب مع اعتقاد هم بأجمعهم لن الله تبارك وتعالى واحد لا يجوز عليه التبعيض.

ص ۳۳۵ میں متاخرین کا مذہب یوں بیان کرتے ہیں:

و أما المتاخرون منهم فإنهم تكلموا في تاويله بما يحتمله.

بعض سلف صالحین کا تاویل کرنے کا بیان

بلکہ تاویل سلف صالحین سے بھی منقول ہے۔چند نمونے پیش خدمت ہے۔یہ

بات بھی آپ کی علم میں آئیگی کہ جولوگ تاویل کو بدعت کہتے ہیں ان کا یہ الزام کن کن ہستیوں تک پہنچتا ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿والسماء بنیناها بأید وإنا لموسعون﴾ (ذاریات آیۃ ۴۷) میں لفظ اید کی تاویل قوۃ کے ساتھ کی ہے جیسا کہ حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے

امام طبری رحمہ اللہ نے اید میں تاویل سلف کے دوسرے حضرات امام مجاہد، قتادہ، منصور، ابن زید، سفیان رحمہ اللہ سے بھی نقل کی ہے

اسی طرح عبداللہ بن عباسؓ نے نسیان کو اس آیت کریمہ میں ﴿فالیوم ننساهم كما نسوا لقاء يومهم هذا﴾ کی تاویل ترک سے کی ہے (ای نترکھم) کما فی تفسیر الحافظ الطبری

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے تاویل کا ثبوت

امام بیہقی رحمہ اللہ اپنی کتاب (مناقب الامام احمد میں روایت کیا ہے جس کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ (ج ۱۰/۳۲۷) میں نقل کیا ہے، فرماتے ہیں،

روى البيهقى عن الحاكم عن أبي عمرو بن السماك عن حنبل أن أحمد بن حنبل تأوّل قول الله تعالىٰ: ﴿وجاء ربك﴾ أنه: جاء ثوابه .. ثم قال البيهقى: وهذا اسناد لاغبار عليه).

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ (ج ۱۰/۳۲۷) میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک اور تاویل نقل کی ہے

(ومن طريق أبي الحسن الميمونى عن أحمد بن حنبل أنه أجاب الجهمية حين احتجوا عليه بقوله تعالى ﴿ما يأتيهم من ذكر من ربهم محدث﴾ قال يحتمل ان يكون تنزيله الينا هو المحدث لا الذكر نفسه هو المحدث وعن

احمد انہ قال یحتمل أن یکون ذکر آخر غیر القرآن) یہاں پرامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے واضح طور پر تاویل کی ہے۔

حافظ ذہبی سیر اعلام النبلاء (۵۷۸/۱۰) میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں۔ [قال أبوالحسن عبدالملک المیمونی : قال رجل لأبی عبدالله۔ احمد بن حنبل ۔: ذهبت الی خلف البزار أعظه ، بلغنی انه حدث بحدیث عن الاحوص عن عبدالله بن مسعود۔ قال: "ماخلق الله شیئا أعظم من آیة الکرسی .... "وذکر الحدیث فقال ابوعبدالله۔ أحمد بن حنبل۔: ماکان ینبغی أن یحدث بهذا فی هذه الأیام۔ یرید زمن المحنة۔ والمتن : ماخلق الله من سماء ولا أرض أعظم من آیة الکرسی "وقد قال أحمد بن حنبل لما اوردوا علیه هذا یوم المحنة : ان الخلق واقع ههنا علی السماء والأرض وهذا الاشیاء لا علی القرآن]. ا هـ

امام بخاری رحمہ اللہ کی تاویل

امام بیہقی رحمہ اللہ نے (الاسماء والصفات) ص (۴۷۰) میں امام بخاری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے (معنی الضحک فیه الرحمة) یعنی اس حدیث میں ضحک سے مراد رحمت ہے۔)

امام نضر بن شمیل رحمہ اللہ کی تاویل

امام بیہقی رحمہ اللہ کتاب الاسماء والصفات ص (۳۵۲) میں امام نضر بن شمیل سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حتی یضع الجبار فیها قدمه میں قدم کی تاویل ان الفاظ سے کی ہے۔ من سبق فی علمه انه من اهل النار

امام ہشام بن عبیداللہ رحمہ اللہ کی تاویل

حافظ ذہبی رحمہ اللہ سیر اعلام النبلاء (۴۴۶/۱۰) میں امام ہشام بن عبداللہ کا ترجمہ

ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(هو الرازی السنی الفقیه احد ائمة السنة)

پھر آگے حافظ ذہبی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں۔

قال محمد بن خلف الخراز سمعت هشاما بن عبدالله الرازی یقول: القرآن کلام الله غیر مخلوق ،فقال له رجل : الیس الله یقول : ﴿ما یاتیهم من ذکر من ربهم محدث ﴾فقال: محدث الینا ولیس عندالله بمحدث قلت : لانه من علم الله .وعلم الله لایوصف بالحدوث .

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی تاویل

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے دفع شبہ التشبیہ ص ۲۲۳ میں اکتیسویں حدیث یہ ذکر کی ہے (آخر وطاة وطاها الرحمان بوج) پھر اس کے تفسیر میں سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے اس کی تاویل نقل کی ہے ــــ آخر غزاة غزاها رسول الله ﷺ بالطائف .(وج طائف میں ایک وادی کا نام ہے)

حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے استواء کی تاویل علو ملک وسلطان سے کی ہے چنانچہ اپنی تفسیر (۱۹۲/۱) ثم استویٰ الی السماء کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والعجب ممن انکر المعنی المفهوم من کلام العرب فی تاویل قول الله ﴿ثم استویٰ الی السماء ﴾الذی هو بمعنی : العلو والارتفاع .هربا عند نفسه من ان یلزمه بزعمه اذا تاوله بمعناه المفهوم ،کذلک ان یکون انما علی وارتفع بعد ان کان تحتها الی ان تأوله بالمجهول من تاویله المستکر ،ثم لم ینج مما هرب منه ،فیقال له : زعمت ان تاویل قوله : (استوی): اقبل ، افکان مدبرا عن السماء فاقبل الیها؟ فان زعم ان ذلک لیس باقبال فعل ولکنه اقبال تدبیر ،قیل له :فکذلک فقل :علاعلیها علو ملک وسلطان لا

علو الفقال وزوال " ا هـ

حافظ ابن حبان رحمہ اللہ کی تاویل

حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں (۱/۵۰۲) تاویل کی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

هذا الخبر من الأخبار التي أطلقت بتمثيل المجاورة، وذلك أن يوم القيامة يلقى في النار من الأمم والأمكنة التي يعصى الله عليها، فلا تزال تستزيد حتى يضع الرب جل وعلا موضعا من الكفار والأمكنة في النار فتمتلي، فتقول قط قط، تريد: حسبي حسبي، لأن العرب تطلق في لغتها اسم القدم على الموضع. قال الله جلّ وعلا: ﴿لهم قدم صدق عند ربهم﴾ يريد: موضع صدق لا أن الله جل وعلا يضع قدمه في النار جل ربنا وتعالى عن مثل هذا وأشباهه " ا هـ

امام مالک رحمہ اللہ کی تاویل

امام مالک رحمہ اللہ نے حدیث النزول میں نزول کی تاویل نزول امر سے کی ہے چنانچہ حافظ ابن عبدالبر اپنی کتاب تمہید میں (۷/۱۴۳) اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے سیر اعلام النبلاء (۸/۱۰۵) میں ان سے یہ تاویل نقل کی ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے:

قال ابن عدي: حدثنا محمد بن هارون بن حسان، حدثنا صالح بن أيوب حدثنا حبيب بن أبي حبيب حدثني مالك قال: "يتنزل ربنا تبارك وتعالى أمره فأما هو فدائم لا يزول. قال صالح: فذكرت ذلك ليحيى بن بكير، فقال: حسن والله، ولم أسمعه من مالك.

اس عبارت سے کچھ پہلے فرماتے ہیں:

نقولنا في ذلك و بابه: الإقرار، و الإمرار، و تفويض معناه إلى قائله الصادق المعصوم.

ان کی اس عبارت مذکورہ سے یہ معلوم ہوا کہ تاویل بھی ان کا ایک قول ہے مگر قول مشہور کے بیان میں لفظ بلا تفسیر اور تفويض معناه إلى قائله الصادق المعصوم اس پر مرجح ہیں کہ ان کا وہی مذہب ہے جس کے متقدمین قائل ہیں۔ پس امام ذہبی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ابن تیمیہ کے معتقد ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات درست نہیں۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تاویل

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے سیر اعلام النبلاء (۷/۲۷۴) میں سفیان ثوری رحمہ اللہ کے ترجمہ میں نقل فرمایا ہے۔ کہ معدان نے ان سے اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وهو معكم اينما كنتم﴾ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے ارشاد فرمایا۔ "بعلمه" یعنی معیت کی تاویل معیت علمی سے فرمائی۔

تاویل کے صحت اور اثبات میں امام رازی کا بیان:

امام رازی رحمہ اللہ نے اساس التقدیس لکھی، جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مکان جسمیت اور حیز سے منزہ ہونے پر دلائل قائم کی ہیں۔ ابن تیمیہ نے التاسیس کے نام پر اس کا رد لکھا، اب اس پر رد لکھنے کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ اساس التقدیس میں مذکورہ مسائل کے ابن تیمیہ قائل نہیں ہے ابن تیمیہ کے بعد ان کے مقلدین نے تو ان کی بات مانی، اور جس طرح ان کا امام ابن تیمیہ امام رازی کو گمراہ، بدعتی، جاہل کہتا ہے اسی طرح یہ لوگ بھی کہتے ہیں لیکن جو لوگ اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند سے وابستہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے نزدیک امام رازی رحمہ اللہ جلیل القدر اور معتبر عالم ہے ان کی خدمت میں امام رازی رحمہ اللہ ہی کے اساس التقدیس کے چند عبارات نقل کرتے ہیں تا کہ ان لوگوں معلوم ہو جائے، کہ امام رازی

جیسے جلیل القدر عالم تاویل کے بارے اپنی اس کتاب "اساس التقدیس" کے ص
۶۷ میں فرماتے ہیں۔ کتاب کے مزید طوالت کے خوف عربی پر اکتفا کی ہے

اعلم أن جميع فرق الاسلام مقرّون بأنه لا بد من التاويل في بعض ظواهر القرآن والأخبار . أما في القرآن فبيانه من وجوه:

الأول : هو أنه ورد في القرآن ذكر الوجه ، وذكر العين ، وذكر الجنب الواحد ، وذكر الأيدي وذكر الساق الواحدة فلو أخذنا بالظاهر يلزمنا اثبات شخص له وجه واحد وعلى ذلك الوجه أعين كثيرة، وله جنب واحد، وعليه أيد كثيرة ، وله ساق واحدة، ولا نرى في الدنيا شخصا أقبح صورة من هذه المتخيلة، ولا أعتقد أن عاقلا يرضى بأن يصف ربه بهذه الصفة .

الثاني : أنه ورد في القرآن أنه نور السموات والأرض وأن كل عاقل يعلم بالبديهة أن اله العالم ليس هو هذا الشيء المنبسط على الجدران والحيطان ، وليس هو هذا النور الفائض من جرم الشمس والقمر والنار، فلابد لكل واحد منامن أن يفسر قوله تعالىٰ: ﴿الله نور السموات والأرض﴾ بأنه منور السموات والأرض، أو بأنه هاد لأ هل السموات والأرض ، أو بأنه مصلح السموات والأرض، وكل ذلك تاويل.

الثالث : قال الله تعالىٰ: ﴿وأنزلنا الحديد فيه بأس شديد﴾ ومعلوم أن الحديد ما نزل جرمه من السماء الى الأرض وقال: ﴿وانزل لكم من الأنعام ثمانية أزواج﴾ ومعلوم أن الأنعام ما نزلت من السماء الى الأرض .

الرابع: قوله تعالىٰ ﴿وهو معكم أينما كنتم﴾ وقوله

تعالیٰ: ﴿ونحن أقرب من حبل الوريد﴾وقوله تعالیٰ : ﴿مايكون من نجوىٰ ثلثة الا هو رابعهم﴾وكل عاقل يعلم أن المراد منه القرب بالعلم والقدرة الالهية .

الخامس : قوله تعالیٰ:﴿واسجد واقترب﴾فان هذا القرب ليس الا بالطاعة والعبودية، فاما القرب بالجهة فمعلوم بالضروة انه لايحصل بسبب السجود.

السادس: قوله تعالیٰ:﴿فاينما تولوا فثمّ وجه اللّٰه﴾وقال تعالیٰ: ﴿ونحن اقرب اليه منكم ولكن لاتبصرون﴾

السابع :قال تعالیٰ: ﴿من ذالذى يقرض اللّٰه قرضا حسنا﴾ولا شک أنه لابد فيه من التاويل .

الثامن :قوله تعالیٰ:﴿فاتى اللّٰهُ بنيانهم من القواعد﴾ولا بد فيه من التاويل .

التاسع : قال تعالیٰ لموسیٰ وهرون : ﴿انني معكما أسمع وارىٰ﴾وهذه المعية ليست الا بالحفظ والعلم والرحمة. فهذه وأمثالها من الامور التى لابد لكل عاقل من الاعتراف بحملها على التأويل وباللّٰه التوفيق .

اما الأخبار: فهذا النوع فيها كثير.

فالأول: قوله عليه السلام حكاية عن اللّٰه سبحانه وتعالیٰ : "مرضت فلم تعدنى استطعمتک فماأطعمتنى .استسقيتک فماأسقيتنى "ولا يشک عاقل أن المراد منه تمثيل فقط .

الثانى : قوله ﷺ حكاية عن ربه : (من أتانى يمشى أتيته

هرولة) ولا يشک عاقل فی أن المراد منه التمثيل والتصوير .

الثالث :نقل الشيخ الغزالی رحمه الله عن أحمد بن حنبل رحمه الله انه اقربالتاويل فی ثلاثة أحاديث:

أحدهما: قوله عليه السلام " الحجر يمين الله فی الأرض "

وثانيهما :قوله عليه السلام " انی لأجِدُ نفس الرحمن من قبل اليمن" .

وثالثهما:قوله عليه السلام حكاية عن الله عزوجل (أنا جليس من ذكرنی).

الرابع: حكی أن المعتزلة تمسكوافی خلق القرآن بما روی عنه عليه السلام انه يأتی سورة البقرة وآل عمران كذا ،وكذا يوم القيامة كأنهما غمامتان . فأجاب أحمد بن حنبل رحمه الله تعالیٰ وقال يعنی ثواب قارئهما .وهذا تصريح بالتأويل.

الخامس :قوله عليه السلام" ان الرحم يتعلق بحقوتی الرحمن فيقول سبحانه أصل من وصلک"وهذا لابد له من التاويل .

السادس : قال عليه السلام "ان المسجد لينزوی من النخامة كما تنزوی الجلدة من النار"ولا بد فيه من التاويل .

السابع : قال عليه السلام " قلب المؤمن بين اصبعين من أصابع الرحمن " وهذا لابد فيه من التأويل لأنا نعلم بالضرورة أنه ليس فی صدورنا اصبعان بينهما قلوبنا.

الثامن:قوله عليه السلام (حكاية عن الله تعالیٰ أناعند المنكسرة قلوبهم)وليست هذه العندية الا بالرحمة .وأيضا قال ﷺ

حكاية عن الله تعالىٰ في صفة الأولياء: "فاذا احببته كنت سمعه الذى يسمع به وبصره الذى يبصر به" ومن المعلوم بالضرورة أن القوة الباصرة التى بها يرى الأشياء ليست هى الله تعالىٰ سبحانه وتعالىٰ.

التاسع: قال عليه السلام حكاية عن الله سبحانه وتعالىٰ "الكبرياء ردائى والعظمة ازارى" والعاقل لايثبت لله تعالىٰ ازارا ورداءً.

العاشر: قال عليه السلام لابى ابن كعب "يااباالمنذر اية آية فى كتاب الله تعالىٰ أعظم؟ فتردد فيه مرتين، ثم قال فى الثالثة آية الكرسى، فضرب يده عليه السلام على صدره وقال اصبت، والذى نفسى بيده ان لها لسانا يقدس الله تعالىٰ عند العرش" ولا بد فيه من التاويل. فثبت بكل ما ذكرنا أن المصير الى التاويل أمر لابد منه لكل عاقل. وعند هذا قال المتكلمون: لما ثبت بالدليل أنه سبحانه وتعالىٰ منزه عن الجهة والجسمية وجب علينا أن نضع لهذا الالفاظ الواردة فى القرآن والأخبار محملا صحيحا لئلا يصير ذلك سببا للطعن فيها. فهذا تمام القول فى المقدمة. وبالله التوفيق.

اس کے بعد امام رازیؒ نے سلف صالحین کے مسلک کو بھی بیان فرمایا ہے چنانچہ اساس التقدیس کے صفحہ ۱۲۷ میں فرماتے ہیں

الفصل الرابع فى تقرير مذهب السلف

حاصل هذا المذهب أن هذه المتشابهات يجب القطع فيها بأن مراد الله تعالىٰ منها شىء غير ظواهرها ثم يجب تفويض معناها الى الله تعالىٰ ولا يجوز الخوض فى تفسيرها. وقال جمهور المتكلمين. بل يجب الخوض فى تأويل تلك المتشابهات. واحتج السلف على

صحة مذهبهم بوجوه .

الأول : التمسک بوجوب الوقف علی قوله تعالیٰ ﴿وما یعلم تاویله الا الله﴾ والذی یدل علی أن الوقف واجب وجوه .

الأول : أن ما قبل هذه الآیة یدل علی أن طلب المتشابه مذموم حیث قال : ﴿فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله﴾ لو کان طلب المتشابه جائزا لماذم الله تعالیٰ علی ذلک .فان قیل : لم لا یجوزأن یکون المراد منه طلب وقت قیام الساعة کما فی قوله تعالیٰ : ﴿یسئلونک عن الساعة ایان مرساها قل انما علمها عند ربی﴾ ویحتمل أن یکون المراد منه طلب العلم بمقادیر الثواب والعقاب وطلب الأوقات التی یظهر فیها الفتح والنصر کما قالوا : لوما تاتینا بالملائکة قیل : الله تعالیٰ لما قسم الکتاب الی قسمین محکم ومتشابه ودل العقل علی صحة هذا القسمة من حیث أن حمل اللفظ علی معناه الراجح هو المحکم وحمله علی معناه الذی لیس راجحا هو المتشابه ، ثم الله تعالیٰ ذم طریقة من طلب تأویل المتشابهة کان تخصیص ذلک ببعض المتشابهات دون البعض ترکا للظاهر .

الثانی : أن الله تعالیٰ مدح الراسخین فی العلم بأنهم ﴿یقولون آمنا به﴾ وقال فی أول سورة البقرة ﴿فاما الذین آمنوا فیعلمون انه الحق من ربهم﴾ فهؤلاء الراسخون لو کانوا عالمین بتاویل ذلک المتشابهة علی التفصیل لما کان لهم فی الایمان به من مدح ، لأن کل من عرف شیئا علی سبیل التفصیل آمن به. اما الرسخون فی العلم فهم

الذين علموا بالدلائل القطعية العقلية أنه تعالى عالم بما لا نهاية له من المعلومات وعلموا أنه القرآن كلام الله تعالى ،وعلموا أنه لايتكلم بالباطل ولا بالعبث فاذا سمعوا آية دلت القواطع على أنه لايجوز أن يكون ظاهرها مراد الله تعالیٰ بل مراد الله تعالى منه غير ذلک الظاهر ثم فوضوا تعيين ذلک المراد الى علمه فقطعوا بأن ذلک المعنى،أیّ معنی کان هو الحق والصواب فهؤلاء هم الراسخون في العلم حيث يتركون أمثال هذه المتشابهات عن الإيمان، والجزم بصحة القرآن.

الثالث : أنه لو كان قوله تعالى: ﴿والراسخون في العلم﴾ معطوفا على قوله:﴿إلا الله﴾ لصار قوله:﴿يقولون آمنا به﴾ابتداء وإنه بعيد عن الفصاحة لأنه كان الأولى أن يقال: وهم يقولون آمنا به أو يقال: ويقولون آمنا به فإن قيل في تصحيحه وجهان:

الأول: أن يكون التقدير هؤلاء قائلون بالتأويل يقولون آمنا به

الثاني :أن يكون يقولون حالا من الراسخين .

قيل أما الأول:فمدفوع لأن تفسير كلام الله تعالى بما تقدم ذكر الله تعالیٰ بما لايحتاج معه الى الاضمار أولى من تفسيره بما يحتاج معه الى الاضمار .

والثاني: ضعيف أيضا ، لان ذاالحال هو الذي تقدم ذكره وههنا تقدم ذكر الله تعالى وذكر الراسخين في العلم فوجب أن يكون قوله : ﴿يقولون آمنا به﴾حالا من الراسخين لامن الله تعالیٰ فيكون ذلک تركا للظاهر من حيث أن الظاهر يقتضي أن يكون ذلک حالا عن كل من تقدم ذكره ، فثبت أن القول بجواز التأويل محوج الى

الاضمار فی هذه الآیة ، والقول بعدم جوازه لایحوج الیه فکان أولی .

الربع : قوله تعالی : ﴿کل من عند ربنا﴾ یعنی انهم آمنوا بما عرفوه علی التفصیل ، وبما لم یعرفوا تفصیله وتأویله اذلو کانوا عالمین بالتفصیل فی الکلام لم یبق لهذا الکلام فائدة ، فهذا أجمل وجوه الاستدلال بهذه الآیة فی نصرة مذهب السلف فان قیل هذا الاستدلال انما یتم باقامة الدلیل علی أن الوقف عند قوله تعالی وما یعلم تأویله الا الله واجب والعطف جائز لان هذا العطف قراءة مشهورة منقولة بالنقل المتواتر اقامة الدلیل علی فساده طعن فی النقل المتواتر ، وذلک لایجوز : قیل : نحن لانجعل هذه المسئلة قطعیة ، بل ظنیة احتمالیة وعلی هذا التقریر یزول السوال .

الحجة الثانیة : علی صحة مذهب السلف التمسک باجماع الصحابة رضی الله عنهم أن هذه المتشابهات فی القرآن والأخبار کثیرة والدواعی الی البحث عنها . والوقف علی حقائقها متوفرة فلو کان البحث عن تأویلها علی سبیل التفصیل جائزا لکان أولی الخلق بذلک الصحابة والتابعون رضی الله عنهم ولو فعلوا ذلک لاشتهروا ولنقل بالتواتر وحیث لم ینقل عن واحد من الصحابة والتابعین الخوض فیها علمنا أن الخوض فیها غیر جائز .

الحجة الثالثة : أنا قد ذکرنا أن اللفظ المتشابه قسمان ، المجمل والمؤول أما المجمل فهو الذی یحتمل معنیین فصاعدا احتمالا علی التسویة فنقول انه اما أن یکون محتملا لمعنیین فقط اولمعان أکثر من اثنین فان کان محتملا لمعنیین فقط ثم دل الدلیل

على عدم احدهما فحينئذ يتعين أن المراد هو الثانى مثل ان الفوق اما ان يراد به الفوق فى الجهة أوفى الرتبة ولما بطل حمله على الجهة تعينت الرتبة .أما اذا كان لفظ المفهومات مثله لم يلزم من عدم واحدهما تعين الثانى والثالث بعينه ،ولا يمكن أيضا حمل اللفظ عليهما معا لما ثبت أن اللفظ عليها معا لما ثبت أن لفظ المشترك لايجوز استعماله فى مفهومين معا.

وأما الأول فنقول :اللفظ اذا كان له حقيقة واحدة ، ثم دل دليل على أنها غير مرادة وجب حمل اللفظ على مجازه ، ثم ذلك المجاز ان كان واحدا تعين صرف اللفظ اليه صونا عن التعطيل ، وان كان معينا نفى اللفظ مطردا فى تلك المجازات ، وحينئذ فذلك الكلام الذى ذكرناه فى المجمل عائدها بعينه .فثبت بما ذكرنا أن تاويل المتشابه قد يكون معلوما وقديكون مظنونا .والقول بالظن غير حاصل على ما سبق تقريره فى باب أن التمسك بخبر الواحد فى معرفة الله غير جائزفهذا هو الكلام فى تقرير مذهب السلف.

وأما المتكلمون القائلون فى تاويلات مفصلة فحجتهم ماتقدم أن القرآن يجب أن يكون مفهوما ، ولا سبيل اليه فى روايات المتشابهة الا بذكر التاويلات فكان المصير اليه واجبا والله اعلم

(4) اکابر متکلمین رحمہم اللہ کی طرف سے وضع کردہ چند اصول:

اہل سنت وجماعت کے متاخرین متکلمین نے تجسیم سے بچنے کے لیے بعض ضوابط سے کام لیا ہے۔ مثلاً امام رازیؒ اپنی کتاب اساس التقدیس میں اس بات پر فصل قائم کرتے ہیں کہ جب دلائل عقلیہ کا ظواہر نقلیہ کے ساتھ تعارض ہو تو اس کے بارے میں کیا حکم

ہے؟ یہ فصل قائم کر کے وہ لکھتے ہیں:

"اعلم أن الدلائل القطعية العقلية إذا قامت على ثبوت شيء ثم وجدنا أدلة نقلية يشعر ظاهرها بخلاف ذلك، فهناك لا يخلو الحال من أحد أمور أربعة: إما أن يصدق مقتضى العقل والنقل فيلزم تصديق النقيضين، وهو محال، و إما أن يبطل فيلزم تكذيب النقيضين، وهو محال، و إما أن يصدق الظواهر النقلية و يكذب الظواهر العقلية، وذلك باطل؛ لأنه لا يمكننا أن نعرف صحة الظواهر النقلية إلا إذا عرفنا بالدلائل العقلية إثبات الصانع و صفاته، و كيفية دلالة المعجزة على صدق الرسول ﷺ، و ظهور المعجزات على محمد ﷺ، و لو جوّزنا القدح في الدلائل العقلية القطعية صار العقل متهما غير مقبول القول، و لو كان كذلك لخرج أن يكون مقبول القول في هذه الأصول، و إذا لم تثبت هذه الأصول خرجت الدلائل النقلية عن كونها مفيدة فثبت أن القدح في العقل لتصحيح النقل يفضي إلى القدح في العقل و النقل معاً و إنه باطل، و لما بطلت الأقسام الثلاثة لم يبق إلا أن يقطع بمقتضى الدلائل العقلية القاطعة بأن هذه الدلائل النقلية إما أن يقال: إنها غير صحيحة، أو يقال: إنها صحيحة إلا أن المراد منها غير ظواهرها، ثم إن جوّزنا التاويل و اشتغلنا على سبيل التبرع بذكر تلك التاويلات على التفصيل و إن لم يجز التاويل فوضنا العلم بها إلى الله تعالى، فهذا هو القانون الكلي المرجوع إليه في جميع المتشابهات و بالله التوفيق" (أساس التقديس ص: ۱۳۰)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب دلائل قطعیہ عقلیہ کسی شیء کے ثبوت پر قائم ہوجائیں، پھر کچھ ادلہ نقلیہ ہم کو ملیں جن کا ظاہر ان دلائل عقلیہ کے مقتضی کے خلاف ہو تو یہاں چار امور میں سے ضرور ایک امر اختیار کرنا پڑے گا۔

(۱) مقتضی عقل اور مقتضی نقل دونوں کی تصدیق کی جائے۔ یہ امر محال ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں نقیضین کی تصدیق لازم آئے گی۔ وہ اس طور پر کہ دلیل عقلی قطعی جس چیز کو ثابت کر رہی ہے، دلیل نقلی کے ظاہر سے اس کی نقیض ثابت ہو رہی ہے۔

(۲) مقتضی عقل اور مقتضی نقل دونوں کو باطل قرار دیا جائے۔ یہ امر بھی ناممکن ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں نقیضین کی تکذیب لازم آئے گی، حالاں کہ جس طرح نقیضین کی تصدیق محال ہے، اسی طرح نقیضین کی تکذیب بھی محال ہے۔

(۳) ظواہر نقلیہ کو اپنے ظاہر پر حمل کیا جائے اور ظواہر عقلیہ کی تکذیب کی جائے۔ یہ امر بھی باطل ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ظواہر نقلیہ کی صحت کو دلائل عقلیہ کے بغیر پہچاننا ممکن نہیں؛ کیوں کہ انہی دلائل عقلیہ کے ذریعے سے ہم نے اثبات صانع اور اس کی صفات کو پہچانا ہے۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ کے صدق پر معجزہ کی دلالت کی کیفیت اور طریقہ کو دلائل عقلیہ ہی کے ذریعے جانا گیا ہے۔ اگر ہم دلائل عقلیہ کی تکذیب اور اس میں قدح کو جائز قرار دیں تو عقل متہم ہو کر غیر مقبول القول رہ جائے گی۔ اس صورت میں عقل ان اصول (إثبات الصانع و صفاته و كيفية دلالة المعجزة على صدق الرسول ﷺ) میں بھی ناقابل اعتبار رہ جائے گی، حالاں کہ ہمارے پاس ان اصول کے اثبات کے لیے عقل کے سوا کوئی اور راہ نہیں ہے۔ پس جب ان اصول کو عقل کے ذریعے سے ثابت نہ کیا جائے تو دلائل نقلیہ بھی کسی شیء کے اثبات میں مفید نہ رہیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نقل کی تصحیح کے لیے دلائل عقلیہ کی تکذیب کرنا نقل اور عقل دونوں کی تکذیب کو مستلزم ہے۔

جب تینوں صورتیں باطل ہو گئیں تو اب ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ان دلائل عقلیہ قاطعہ کے مقتضی پر قطع کیا جائے اور دلائل نقلیہ اگر اخبار واحدہ کے قبیل سے ہوں اور سنداً صحیح نہ ہوں یا کوئی اور وجہ ضعف کی اس کے اندر موجود ہو تو پھر ان کو غیر صحیح قرار دیا جائے۔ اگر دلائل نقلیہ آیات قرآنیہ یا اخبار واحدہ صحیحہ ہوں تو ان کو صحیح قرار دے کر یہ کہا جائے

کہ ان نصوص کا ظاہر مراد نہیں ہے۔ پھر آگے دو صورتیں ہیں۔ ان نصوص میں سے ہر ایک کی مناسب تاویل کی جائے، یا تاویل کی اس مشقت سے بچتے ہوئے اس کے معنی مراد کا علم اللہ تعالی کے حوالے کیا جائے۔ تمام متشابہات کے بارے میں یہی قانون کلی ہے اور اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

امام رازیؒ کے کلام کو آپ نے ملاحظہ کیا۔ اس قسم کے ضوابط امام رازی، امام غزالی، ابوالمعالی، قاضی باقلانی رحمہم اللہ وغیرہ نے قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر بیان کیے ہیں۔ ان حضرات نے ان اصول کے ذریعے امت کو فتنوں سے بچنے کا راستہ دکھایا اور امت کو ضلال وجہل سے بچایا۔

(5) علامہ ابن تیمیہ کی طرف سے ان اصول محققہ پر رد:

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب بیان موافقة صريح المعقول لصحيح المنقول (جلد: ۱/۲) میں امام رازی رحمہ اللہ کے اس کلام کو نقل کیا ہے۔ یہاں ابن تیمیہ سے دو غلطیاں سرزد ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ انہوں نے پورا کلام نقل نہیں کیا، حالاں کہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے خصم کی بات پوری نقل کی جائے پھر اس کا رد کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ اس کلام سے امام رازی رہ کا جو مقصد تھا، اس کو چھوڑ کر ابن تیمیہ نے بات کو غلط رخ دیا۔ چناں چہ ابتدا یوں کرتے ہیں: "و قول القائل إذا تعارضت الأدلة السمعية و العقلية" مزید فرماتے ہیں: "وهذ الكلام قد جعله الرازي و أتباعه قانوناً كلياً" پھر فرمایا: "و لهذا رد الاستدلال بماجاء ت به الانبياء والمرسلون ﷺ في صفات الله تعالى"

ابن تیمیہ کی ان باتوں کا حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام کا لایا ہوا وہ حصہ دین جس کے ذریعے صفات اللہ (يد، وجه، عين، ساق) پر استدلال کیا جاسکتا تھا، ان قوانین کے ذریعہ امام رازی رحمہ اللہ اور ان کے اتباع نے اس استدلال کا راستہ روکا۔

یہ ہے وہ نیک ابتدا اور ابن تیمیہ کے خیالات جو انہوں نے علمائے امت کی اس

ہونے کے بارے میں ظاہر کیے اور اس کو کلام نبوت سے استدلال کا راستہ روکنے جیسے الفاظ سے تعبیر کیا۔ اس کے بعد ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"و مثل هذا القانون الذي وضعه هؤلاء، يضع كل فريق لأنفسهم قانوناً فيما جاءت به الأنبياء عن الله، فيجعلون الأصل الذي يعتقدونه و يعتمدونه هو ما ظنوا أن عقولهم عرفته و يجعلون ما جاءت به الأنبياء تبعاً، فما وافق قانونهم قبلوه و ما خالفه لم يتبعوه".

یعنی اس قانون کی طرح جو ان لوگوں نے بنایا، ہر ایک فریق انبیائے کرام علیہم السلام کے لائے ہوئے دین کے بارے میں اپنے لیے ایک قانون بنا لیتے ہیں۔ پھر وہ جس پر ان کا اعتقاد اور اعتماد ہو، اس کو اصل سمجھتے ہیں جو ان کے عقلوں نے پہچانا ہے اور جو انبیاء علیہم السلام لائے ہیں اس کو تابع بنا لیتے ہیں، اس طریقہ سے کہ اس دین کا جو حصہ ان کے اصل کے مطابق ہو، اس کو قبول کرتے ہیں اور جو ان کے اصل کے مطابق نہ ہو اس کو رد کرتے ہیں۔

نعوذ باللہ! کتنا بڑا الزام ابن تیمیہ نے ایسے اکابر کے متعلق لگایا ہے۔ پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کرتے بلکہ مزید ص: ۳ میں لکھتے ہیں:

"و هذا يشبه ما وضعه النصارى من أمانتهم التي جعلوها عقيدة إيمانهم و ردوا نصوص التوراة و الإنجيل إليها لكن تلك الأمانة اعتمدوا فيها على ما فهموه من نصوص الأنبياء أو ما بلغهم عنهم و غلطوا في الفهم أو في تصديق الناقل كسائر الغالطين ممن يحتج بالسمعيات؛ فإن غلطه إما في الإسناد و إما في المتن، و أما هؤلاء فوضعوا قوانينهم على ما رأوه بعقولهم و قد غلطوا في الرأي و العقل".

یعنی ان اکابر متکلمین کا یہ عمل نصاریٰ کے اس امانت کے مشابہ ہے جس پر نصاریٰ نے اپنے ایمان کا عقیدہ بنایا ہے اور تورات و انجیل کے نصوص کو اسی کی طرف راجع کیا ہے۔

البتہ نصاریٰ نے اس امانت کے بارے میں یا تو انبیاء کرام علیہم السلام کے نصوص سے جو کچھ سمجھا ہے، اس پر اعتماد کیا ہے، یا اس پر جو ان کو انبیاء کرام علیہم السلام سے پہنچا ہے، مگر وہ اس فہم میں غلطی کے شکار ہوئے، یا نقل کرنے والے کے تصدیق کی وجہ سے غلطی میں پڑ گئے جیسے عام لوگ سمعیات سے استدلال کرنے والے سند یا متن میں غلطی میں واقع ہوتے ہیں، یہ حال تو نصاریٰ کا ہے، جب کہ یہ متکلمین تو اپنے عقل سے بنائے ہوئے قوانین پر چلتے ہیں، وہ رائے اور عقل دونوں میں غلطی کے شکار ہو جاتے ہیں۔ (اس لیے یہ نصاریٰ سے بھی بڑھ کر ہیں) پھر صاف کہا: "فالنصاری أقرب الی تعظیم الأنبیاء والرسل من هولاء" یعنی نصاریٰ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم میں ان لوگوں سے بڑھ کر ہیں۔

(6) توحید فی الاسماء والصفات میں ابن تیمیہ کا مسلک اور اہل سنت کے اعتقاد کے درمیان فرق

ایک راستہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم نے نکالا ہے جس کی بنیاد پہلے ابن خزیمہ نے رکھی تھی اور ان دونوں نے اس کی تفصیل کی ہے۔ یہ حضرات توحید کی تین اقسام بیان کرتے ہیں: توحید فی الالوہیۃ، توحید فی الربوبیۃ اور توحید فی الاسماء والصفات۔

ان میں سے پہلی دو قسموں کی توحید کا مطلب تو واضح ہے کہ پہلی قسم کو نہ ماننے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود شریک ٹھہراتا ہے اور دوسری قسم کی توحید کو نہ ماننے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے رب کو شریک مانتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص بالاتفاق مشرک ہے۔ تیسری قسم کی توحید جو کہ ایک مخصوص اعتقاد سے عبارت ہے، کیا اس کو نہ ماننے والا بھی مشرک ہوگا یا نہیں؟ ابن تیمیہ کے ہاں یہ بھی مشرک ہوگا، اسی کی زد میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو تفویض یا تاویل کے قائل ہیں۔ اس تیسرے نمبر کے توحید کا مطلب و مقصد وہ نیا راستہ ہے، جس کو انہوں نے متقدمین اور متاخرین کے مذہب سے انحراف کر کے نکالا ہے۔ پس پہلے اس مذہب جدید کو بیان کیا جاتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ ابن تیمیہ اور ان کے اتباع اپنے اس مسلک کو سلف کا مسلک قرار دیتے ہیں اور اسی وجہ سے اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں۔ اس زمانے کے بعض علماے اہل سنت بھی غیر دانستہ طور پر ان کے اس عقیدے کو اہل سنت و جماعت کا عقیدہ سمجھتے ہیں۔ اس لیے ہم پہلے ابن تیمیہ کی بعض کتابوں سے ان عبارات کو پیش کریں گے، جن میں انہوں نے اس مسلک جدید کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد اہل سنت و جماعت کے معتبر علما کی عبارات پیش کریں گے، جن میں انہوں نے متقدمین کے مسلک کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ یوں اس تقابل سے دونوں مسلکوں کا فرق واضح ہو جائے گا۔

اسماء وصفات کے بارے میں ابن تیمیہ کا اختیار کردہ مسلک

ابن تیمیہ کے عقیدہ کی بنیاد ان کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے جن چیزوں کا اثبات اللہ تعالیٰ کے لیے کیا ہے، ہم بھی ان کو ثابت کریں گے۔ یعنی اس کے ثبوت کا عقیدہ رکھیں گے۔ اسی طرح جن اشیا کی نفی کی ہے، ہم بھی اس کی نفی کریں گے۔ چناں چہ کتاب الاسماء والصفات کی جزء ثانی (یعنی جزء ثانی مجموعۃ الفتاوی کی پانچویں جلد ہے) میں فرماتے ہیں:

ثم القول الشامل في جميع هذا الباب : أن يوصف الله بما وصف به نفسه، أو وصفه به رسوله ﷺ، و بما وصفه به السابقون الأولون، لا يتجاوز القرآن والحديث . قال الإمام أحمد ﷺ: لا يوصف الله إلا بما وصف به نفسهُ أو وصفه به رسوله ﷺ لا يتجاوز القرآن و الحديث و مذهب السلف : إنهم يصفون الله بما وصف به نفسه، و بما وصفه به رسوله ﷺ من غير تحريف و لا تعطيل، و من غير تكييف و لا تمثيل، و نعلم أن ما وصف الله به من ذالك فهو حق ليس فيه لغز و لا أحاجي، بل معناه يعرف من حيث يعرف مقصود المتكلم بكلامه لا سيما إذا كان المتكلم أعلم الخلق بما يقول و أفصح الخلق في بيان

العلم و أفصح الخلق في البيان و التعريف، و الدلالة و الإرشاد.

ان کی عبارت کا یہ حصہ بل معناه يعرف من حيث يعرف مقصود المتكلم بكلامه اس میں یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے جن چیزوں کے ساتھ اپنے آپ کو موصوف کیا ہے، اس کا معنی معلوم ہے۔ پس جس طرح عام متکلم کا مقصود اس کے کلام سے پہچانا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالی کے کلام (جو کہ اسماء و صفات کے بارے میں ہے) کا معنی بھی پہچانا جاتا ہے۔

آگے چل کر صفحہ نمبر ۲۵ پر اپنے اس عقیدہ مزعومہ سے منحرفین کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ چناں چہ لکھتے ہیں:

و أما المنحرفون عن طريقهم فهم ثلاث طوائف: أهل التخييل، و أهل التاويل، و أهل التجهيل.

پھر صفحہ نمبر ۲۷ میں اس قسم ثالث یعنی اہل تجہیل کی تفصیل اس طرح کی ہے:

أما الصنف الثالث و هم أهل التجهيل فهم كثير من المنتسبين إلى السنة و أتباع السلف يقولون: إن الرسول ﷺ لم يعرف معاني ما أنزل الله إليه من آيات الصفات و لا جبرئيل عليه السلام يعرف معاني الآيات و لا السابقون الأولون عرفوا ذلك، و كذلك قولهم في أحاديث الصفات: إن معناها لا يعلمه إلا الله مع أن الرسول ﷺ تكلم بها ابتداء، فعلى قولهم تكلم بكلام لا يعرف معناه.

اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ جو سنت اور اتباع سلف کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ جو آیات الصفات اللہ تعالی نے پیغمبر ﷺ پر نازل فرمائی ہیں، ان کے معانی نہ تو رسول اللہ ﷺ جانتے ہیں اور نہ جبرائیل علیہ السلام کو اس کا علم ہے اور نہ ہی سابقین اولین کو۔ ان آیات الصفات کی طرح احادیث الصفات کے بارے میں بھی ان کا یہی قول ہے کہ ان کے

معانی اللہ ہی جانتا ہے، باوجود اس کے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر تکلم کی ابتداء کی ہے تو ان کے اس قول کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے ایسا کلام فرمایا ہے کہ خود بھی اس کا معنی نہیں جانتے۔

ابن تیمیہ یہی بات کتاب الاسماء والصفات جلد ثانی صفحہ نمبر ۲۸۴ میں پھر دہراتے ہیں اور ان پر ضلال عظیم کا فتویٰ لگاتے ہیں:

کما یظنون أن مذھب السلف في آیات الصفات و أحادیثھا أنه لا یفھم أحد معانیھا لا الرسول ولا غیرہ، و یظنون أن ھذا معنی قوله: ﴿و ما یعلم تأویله الا اللّٰه﴾ مع نصرھم للوقف علی ذلك، فیجعلون مضمون مذھب السلف أن الرسول ﷺ بلغ قرآنا لا یفھم معناہ بل تکلم بأحادیث الصفات و ھو لا یفھم معناھا، وإن جبریل علیه السلام کذلك و أن الصحابة والتابعین رضی اللہ عنھم کذلك، و ھذا ضلال عظیم و ھو أحد أنواع الضلال في کلام اللّٰه و الرسول ﷺ.

اس پیراگراف میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آیات صفات کے بارے میں سلف کا مذہب یہ ہے کہ ان آیات کے معانی کو کوئی بھی نہیں جانتا، نہ رسول اور نہ کوئی اور۔ یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آیت کریمہ ﴿و ما یعلم تاویله الا اللّٰه﴾ کا یہی مطلب ہے۔ پس یہ لوگ سلف کے مذہب کا مضمون یہ قرار دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا قرآن پہنچایا، جس کے معنی کو وہ خود بھی نہیں جانتے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے صفات کے بارے میں احادیث بیان کی ہیں، حالانکہ وہ خود ان کے معانی کو جانتے نہ تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرات صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح تھے۔ یعنی ان آیات واحادیث کے معانی سے بے خبر تھے۔ اس قسم کا عقیدہ رکھنا بڑی گمراہی ہے اور کلام اللہ اور کلام رسول ﷺ میں گمراہی کی انواع میں سے ایک قسم ہے۔

ابن تیمیہ کے مذہب سے متعلق ایک قابل توجہ بات:

اس مقام میں ایک بات توجہ کے قابل ہے کہ ابن تیمیہ کے نزدیک دو چیزیں ہیں۔ ان آیات اور احادیث کی تفسیر اور ان کے معانی کا بیان۔

1۔ ان آیات اور احادیث کی تفسیر اور ان کے معانی کا بیان۔ اور اس سے مراد وہ علم بالکیفیت لیتے ہیں۔

2۔ دوسری چیز تاویل ہے اور اس سے مراد وہ علم بالکیفیت لیتے ہیں۔

اول الذکر شی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص نہیں مانتے۔ دوسری چیز کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص مانتے ہیں۔ پس ان کے ہاں متشابہات کا معنی مراد معلوم ہے، البتہ اس کی کیفیت صرف اللہ کے علم میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ جمہور امت آیات و احادیث صفات کے معانی اور کیفیت دونوں کی تفویض اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے معانی کو جانتا ہے بخلاف ابن تیمیہ کے کہ وہ کیفیت کی تفویض کا قائل ہے، معنی کا نہیں۔ ابن تیمیہ ان لوگوں پر رد کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ان متشابہات کے معنی کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے تفسیر کلام یعنی بیان معنی اور تاویل کلام یعنی علم بالکیفیت میں فرق نہیں کیا۔ چناں چہ کتاب الاسماء والصفات جلد ۲ صفحہ ۷۲ میں لکھتے ہیں:

وھولآء یظنون أنھم اتبعوا قولہ تعالی: ﴿و ما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ﴾، فإنہ وقف أکثر السلف علی قولہ: ﴿وما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ﴾ و ھو وقف صحیح، لکن لم یفرقوا بین معنی الکلام و تفسیرہ و بین التاویل الذي انفرد اللّٰہ تعالی بعلمہ، و ظنوا أن التاویل المذکور في کلام اللّٰہ تعالی ھو التاویل المذکور في کلام المتاخرین و غلطوا في ذالك.

حاصل اس کا یہ ہے کہ اہل تجہیل یہ گمان کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ﴾ کی اتباع کی ہے؛ کیوں کہ اکثر سلف نے باری تعالیٰ کے قول: ﴿وما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ﴾ پر وقف کیا ہے اور یہ وقف صحیح ہے۔ لیکن ان لوگوں نے معنی و تفسیر کلام اور تاویل میں، جس کے علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ متفرد ہیں، فرق نہیں کیا۔ انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ تاویل جو کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں مذکور ہے، وہی تاویل ہے جو کہ

متاخرین کے کلام میں مذکور ہے۔ اور اس میں ان کو غلطی ہوئی۔

ہم نے پہلے جو کہا کہ ابن تیمیہ تاویل سے مراد علم بالکیفیت لیتے ہیں اور اس کو اللہ تعالی کے ساتھ خاص مانتے ہیں۔ اس کی دلیل ان کا یہ قول ہے جو انہوں نے اسی کتاب مذکور کے صفحہ نمبر ۲۹ پر ذکر کیا ہے:

"و تاویل الصفات هو الحقيقة التي انفرد الله تعالى بعلمها و هو الكيف المجهول الذي قال فيه السلف كمالك و غيره: الاستواء معلوم و الكيف مجهول، فالاستواء معلوم يعلم معناه و يفسر و يترجم بلغة أخرى و هو من التاويل الذي يعلمه الراسخون في العلم، و أما كيفية ذالك الاستواء فهو التاويل الذي لايعلمه إلا الله"

ابن تیمیہ اس عبارت میں دو چیزیں ذکر کر رہے ہیں۔

(۱) علم بالکیفیت: اس کو وہ اللہ تعالی کے ساتھ خاص مانتے ہیں اور اس کی تفویض اللہ کی طرف کرتے ہیں۔ اللہ تعالی کے فرمان: ﴿و ما يعلم تاويله الا الله﴾ میں تاویل سے کیفیت مراد لیتے ہیں۔

(۲) دوسری شی علم بالمعنی ہے۔ اس کو وہ اللہ کی طرف مفوض نہیں کرتے بلکہ معنی مراد کے معلوم ہونے کے قائل ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کے قول: الاستواء معلوم میں معلوم کو معنی کی معلومیت پر حمل کرتے ہیں۔ چناں چہ فرماتے ہیں: الاستواء معلوم، يعلم معناه و يفسر و يترجم بلغة أخرى. چناں چہ اس تقریر پر اللہ تعالی کے ارشاد: ﴿استوى على العرش﴾ کے معنی کا علم اللہ تعالی کے ساتھ خاص نہ رہے گا۔

اسی طرح صفحہ ۳۲ میں فرماتے ہیں:

و لو كان القوم قد آمنوا باللفظ المجرد من غير فهم لمعناه على ما يليق بالله لما قالوا: الاستواء غير مجهول والكيف غير معقول، و لما قالوا:

امروها كما جاءت بلا كيف، فإن الاستواء حينئذ لايكون معلوما بل مجهولا بمنزلة حروف المعجم، و أيضا فإنه لايحتاج إلى نفي علم الكيفية إذا لم يفهم عن اللفظ معنى، و إنما يحتاج إلى نفي علم الكيفية إذا اثبت الصفات، و أيضا فإن من ينفي الصفات الخبرية أو الصفات مطلقا لايحتاج إلى أن يقول بلا كيف فمن قال : إن الله ليس على العرش لايحتاج أن يقول بلا كيف، فلو كان مذهب السلف نفي الصفات في نفس الأمر لما قالوا بلا كيف.

اگر قوم کا ایمان صرف لفظ پر ہوتا اس کے معنی کو اس طریقے پر سمجھنے کے بغیر جو اللہ کے شان کے ساتھ لائق ہے تو وہ یہ بات نہ کہتے کہ استواء غیر مجہول ہے اور کیف غیر معقول ہے۔ نیز یہ بھی نہ کہتے کہ ان آیات اور اخبار کو اسی طرح چلاؤ جس طرح آئی ہیں بغیر کیف کے؛ کیوں کہ استواء تو پھر اس وقت معلوم نہ رہے گا، بلکہ مجہول رہے گا بہ منزلہ حروف تہجی کے؛ کیوں کہ جب معنی ہی معلوم نہ ہو تو کیفیت کے علم کی نفی کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ کیفیت کے علم کی نفی کرنے کی حاجت تب ہوگی جب ان صفات کو ثابت کر دیا جائے؛ کیوں کہ جو صفات خبریہ کی نفی کرتا ہے یا مطلقاً صفات کی نفی کرتا ہے وہ بلا کیف کہنے کا محتاج نہیں۔ سو جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر نہیں ہے وہ بلا کیف کہنے کا محتاج نہیں ہے۔ اگر سلف کا مذہب صفات کی نفی کرنا ہوتا نفس الامر میں تو وہ بلا کیف نہ کہتے۔

اس مذکورہ قول کا جس کا ہم نے ترجمہ کیا ہے، حاصل یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ اور اس طرح بعض دوسرے سلف سے جو الاستواء غير مجهول والكيف غير معقول یا الاستواء معلوم و الكيف مجهول منقول ہے تو ان اقوال سے ابن تیمیہ اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ آیات صفات ﴿استوى على العرش﴾ وغیرہ میں اصل معنی معلوم ہے؛ کیوں کہ یہ سلف کیفیت کی مجہولیت کو ثابت کرتے ہیں، اور کسی چیز کو مجہول الکیفیت کہنا

اس بات کی دلیل ہے کہ اصل شی معلوم ہے، اور یہاں اصل شی معنی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اصل معنی تو معلوم ہے، البتہ اس کی کیفیت مجہول ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اسی طرح ابن تیمیہ سلف کے اس قول: امروھا کما جاءت بلا کیف کا بھی یہی مطلب بیان کرتے ہیں۔

الحاصل ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ ایسی آیات واحادیث صفات، جن میں استواء، ید، وجہ وغیرہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، ان کی تفسیر اور بیان معنی کا قائل ہے۔ ان کی عبارات کے وہ حصے جن سے ان کا یہ مسلک واضح ہے، ان کو ایک بار پھر ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ بل معناه يعرف من حيث يعرف مقصود المتكلم بكلامه لاسيما إذا كان المتكلم أعلم الخلق بما يقول وأفصح الخلق في بيان العلم وأفصح الخلق في البيان والتعريف، والدلالة والإرشاد.

۲۔ فالاستواء معلوم يعلم معناه ويفسر ويترجم بلغة أخرى.

۳۔ ان الرسول ﷺ بلغ قرآنًا لا يفهم معناه بل تكلم بأحاديث الصفات وهو لا يفهم معناها، وإن جبريل ﷺ كذلك وأن الصحابة والتابعين ﷺ كذلك، وهذا ضلال عظيم وهو أحد أنواع الضلال في كلام الله والرسول ﷺ.

اب آگے ہم اس بات کی تحقیق کرتے ہیں کہ آیا ان کی یہ بات سلف صالحین کے مسلک کے موافق ہے یا نہیں؟ اگر سلف کا بھی یہی مسلک ہے تو پھر ان کا اپنے آپ کو سلفی کہنا صحیح ہے۔ لیکن اگر واقع اور نفس الامر میں ایسا نہ ہو، بلکہ ان لوگوں کی راہ سلف کی راہ سے جدا ہو تو پھر ان کا اپنے آپ کو سلف صالحین کے مسلک پر کہنا صحیح نہیں ہے۔

مسلک سلف کا بیان اور اس کے اور مسلک ابن تیمیہ کے درمیان فرق

اسماء وصفات کے بارے میں سلف کا جو مسلک ہے، اس کے بیان کے لیے اہل

سنت کی بعض معتبر شخصیات کی عبارات پیش کی جاتی ہیں۔ چوں کہ اس موضوع پر سب سے معتبر اور جامع کتاب امام بیہقیؒ کی کتاب الاسماء والصفات ہے۔ اس کتاب کے بارے میں علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ معارف السنن ج ۴، ص ۱۴۰ میں فرماتے ہیں:

و الكتاب الحافل في هذه المسائل على مسلك السلف هو كتاب الأسماء والصفات للبيهقي

امام بیہقیؒ اپنی مذکورہ بالا کتاب کی ج ۱، ص ۳۲۳، باب ما ذكر في اليمين و الكف میں پہلے چند آیات ذکر فرماتے ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف یمین کی نسبت کی گئی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿و ما قدروا الله حق قدره والارض جميعا قبضته يوم القيمة والسموات مطويت بيمينه؟ سبحانه و تعالى عما يشركون﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿و لو تقول علينا بعض الاقاويل ٥ لاخذنا منه باليمين ٥ ثم لقطعنا منه الوتين٥﴾

اس کے بعد صفحہ ۳۳۰ تک ایسی احادیث کو ذکر فرمایا ہے، جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف یمین اور کف کی نسبت کی گئی ہے۔ پھر ان سب آیات اور احادیث کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلت : أما المتقدمون من هذه الأمة فإنهم لم يفسروا ما كتبنا من الآيات و الأخبار في هذا الباب مع اعتقادهم بأجمعهم أن الله تبارك وتعالى واحد لا يجوز عليه التبعيض، أخبرنا أبو عبدالله الحافظ و أبو سعيد بن ابي عمرو قالا ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب ثنا محمد بن عبدالله المنادى ثنا يونس بن محمد ثنا شيبان النحوي عن قتادة ﴿و ما قدروا الله حق قدره والارض جميعا قبضته يوم القيمة والسموات مطوت بيمينه﴾ لم يفسرها قتادة، و أخبرنا أبو عبدالله الحافظ قال سمعت أبا عبد الله محمد بن ابراهيم بن حمش سمعت

أبا العباس الأزهري سمعت سعيد بن يعقوب الطالقاني سمعت سفيان بن عيينة يقول: كل ما وصف الله تعالى من نفسه فی کتابه فتفسيره تلاوته و السكوت عليه.

اس عبارت کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ متقدمین اہل سنت نے ان آیات اور احادیث کی تفسیر نہیں کی بلکہ اس سے سکوت اختیار کیا، یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات میں جہتیں جائز نہیں۔ جیسا کہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے آیات کریمہ: ﴿و ما قدروا الله حق قدره والارض جميعا قبضته يوم القيمة والسموات مطويت بيمينه﴾ کی تفسیر نہیں کی۔ ظاہر ہے کہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سلف صالحین میں سے ایک معتبر شخصیت ہیں۔ اسی طرح حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول: كل ما وصف الله تعالىٰ من نفسه فی کتابه فتفسيره تلاوته والسكوت عليه جو کہ آیات واحادیث صفات کے بارے میں بطور قاعدہ کلیہ کے ہے، کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے میں جو بھی بیان فرمایا ہے (جس کے اندر کف، ید، وجہ، استواء وغیرہ سب داخل ہیں) اس کی تفسیر محض اس کی تلاوت کرنا اور اس پر سکوت کرنا ہے۔

ان عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ آیات واحادیث صفات کے بارے میں سلف صالحین کا مسلک سکوت کرنا یعنی اس کا معنی بیان نہ کرنا اور اس کو اللہ ہی کے حوالہ کر دینا ہے۔

آگے چل کر امام بیہقی ص ۳۵۵، باب ما ذکر في القدم و الرجل میں متشابہات کے بارے میں سلف کا مسلک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وأما المتقدمون من أصحابنا فإنهم لم يفسروا أمثال هذه ولم يشتغلوا بتأويلها مع اعتقادهم أن الله تعالى واحد غير متبعض ولا ذي جارحة، أخبرنا أبو عبدالله الحافظ نا أبو العباس محمد بن يعقوب قال: سمعت العباس بن محمد يقول: سمعت يحيى بن معين يقول: شهدت زكريا

بن علي سال وكيعا فقال : يا أبا سفيان ! هذه الأحاديث يعني مثل الكرسي موضع القدمين ونحو هذا؟ فقال وكيع : أدركنا اسماعيل بن أبي خالد و سفيان و مسعرا يحدثون بهذه الأحاديث ولا يفسرون شيئا، وأخبرنا أبوبكر بن الحارث الفقيه أنا أبو محمد بن حيان الأصبهاني في ما أجاز له جده عن العباس بن محمد قال : سمعت أبا عبيد يقول : هذه الاحاديث التي يقول فيها ضحك ربنا من قنوط عباده وقرب غيره وأن جهنم لا تمتلئ حتى يضع ربك قدمه فيها والكرسي موضع القدمين، وهذه الاحاديث في الرواية هي حق عندنا حملها الثقات بعضهم عن بعض غير أنا إذا سئلنا عن تفسيرها لانفسرها وما أدركنا أحدا يفسرها.

اس پیراگراف کے بعض حصے سلف کے مسلک کے بیان میں انتہائی واضح ہیں۔

١ ـ فإنهم لم يفسروا أمثال هذه ولم يشتغلوا بتاويلها مع اعتقادهم أن الله تعالى واحد غير متبعض ولا ذی جارحة،

٢ ـ أدركنا اسماعيل بن أبی خالد وسفيان ومسعرا يحدثون بهذه الأحاديث ولا يفسرون شيئا،

٣ ـ غير أنا إذا سئلنا عن تفسيرها لا نفسرها وما أدركنا أحدا يفسرها.

ان عبارات کا حاصل بھی وہی ہے کہ سلف نے آیات واحادیث صفات کی تفسیر نہیں کی، بلکہ اس سے سکوت اختیار کیا ہے۔

اسی طرح امام بیہقیؒ ص ٣٥٠ میں نقل کرتے ہیں:

وكان أبو عبيد وهو أحد ائمة أهل العلم نحن نروی هذه الأحاديث ولا نريغ لها المعانی قال ابوسليمان ونحن أحری بان لانتقدم فيما تاخر عنه من هو أكثر علما وأقدم زمانا وسنا.

اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو کہ اہل علم میں سے ایک بڑے امام ہیں کہ ہم ان احادیث (جن میں رجل، قدم کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے) کو روایت کرتے ہیں اور ان کے لیے معانی تلاش نہیں کرتے۔ ابو سلیمان خطابی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ اس چیز میں اقدام نہ کریں جس سے ان لوگوں نے تاخر کیا جو ہم سے زمانے اور عمر کے اعتبار سے مقدم ہیں۔ یعنی جن آیات واحادیث کی تفسیر اور معنی بیان کرنے سے سلف نے سکوت اختیار کیا ہے، ہم بھی اس میں سکوت اختیار کریں گے۔

نیز امام بیہقی رحمہ اللہ ص ۳۱۴ باب ما جاء فی إثبات العین میں ذکر کرتے ہیں:

أخبرنا أبو عبدالرحمان محمد بن عبدالرحمان بن محمد بن محبوب الدهان ثنا أبو العباس أحمد بن هارون الفقيه ثنا أبو يحيى زكريا بن يحيى البزاز ثنا أبو عبدالله محمد بن موفق ثنا إسحاق بن موسى الأنصاری قال: سمعت سفيان بن عيينه يقول: ما وصف الله تبارك وتعالى بنفسه فی كتابه فقراته تفسيره ليس لاحد أن يفسره بالعربية ولا بالفارسية.

فقرأته تفسيره اور ليس لأحد أن يفسره سے سلف صالحین کا مسلک متشابہات کے بارے میں واضح ہے۔

ص ۳۴۵ میں باب ما ذكر في الساق کے تحت نقل کرتے ہیں:

قال أبو سليمان الخطابی: هذا الحديث مما تهيب القول فيه شيوخنا فأجروه على ظاهر لفظه ولم يكشفوا عن باطن معناه على نحو مذهبهم في التوقف عن تفسير كل ما لا يحيط العلم بكنهه من هذا الباب.

یہاں بھی علی نحو ملحبهم فی التوقف اوراسی طرح ولم یکشفوا عن باطن معناه سے متقدمین اہل سنت کے مسلک کی ترجمانی ہورہی ہے۔

آپ نے امام بیہقیؒ کی کتاب الاسماء والصفات سے متقدمین کے مسلک کے حوالے سے عبارات ملاحظہ فرمائیں۔ اب ہم علامہ لالکائی کی کتاب شرح اصول اعتقاد اہل السنة والجماعة سے متقدمین اہل سنت کے مسلک کے بیان کے لیے سلف کے اقوال ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ کتاب مذکور کی ج۱، ص۴۳۲ میں نقل کرتے ہیں:

أخبرنا أحمد بن محمد بن حفص قال ثنا محمد بن أحمد بن سلمة قال ثنا أبو محمد سهل بن عثمان بن سعيد بن حكيم السلمي قال سمعت أبا إسحاق إبراهيم بن المهدي بن يونس يقول سمعت أبا سليمان داود بن طلحة يقول سمعت عبيدالله بن أبي حنيفة الدوسي يقول سمعت محمد بن الحسن يقول: اتفق الفقهاء كلهم من المشرق إلى المغرب على الإيمان بالقرآن و الأحاديث التي جاء بها الثقات عن رسول الله ﷺ في صفة الرب عزوجل من غير تفسير ولا وصف ولا تشبيه، فمن فسرالیوم شيئا من ذالك فقد خرج مما كان عليه النبي ﷺ وفارق الجماعة؛ فإنهم لم يصفوا ولم يفسروا ولكن أفتوا بما في الكتاب والسنة ثم سكتوا فمن قال بقول جهم فقد فارق الجماعة؛ لأنه قد وصفه بصفة لا شيء.

امام محمدؒ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ مشرق سے لے کر مغرب تک تمام فقہا قرآن اوران احادیث پر ایمان لانے میں متفق ہیں، جن کو ثقہ راویوں نے نقل کیا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے تعلق رکھتے ہیں بغیر تفسیر اور بغیر بیان تشبیہ کے۔ پس جس شخص نے آج ان کی تفسیر کی وہ اس اعتقاد سے نکل گیا، جس پر حضور ﷺ تھے اور وہ سلف کی جماعت سے جدا ہوگیا؛ کیونکہ سلف نے ان آیات واحادیث کا نہ بیان کیا تھا اور نہ ہی اس کی تفسیر کی

تھی۔ بلکہ کتاب اللہ اور سنت میں جو ہے، اس کو بیان کرتے اور پھر خاموش ہو جاتے۔

امام محمدؒ کے اس قول سے متشابہات کے بارے میں سلف صالحین کا مسلک بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کی تفسیر نہیں کی، بلکہ اس کی تفسیر کرنے والے کو اہل سنت سے خارج قرار دیا۔

یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے الاسماء و الصفات ج۲، ص۳۹ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو ذکر کیا ہے۔ وہاں انہوں نے من غیر تفسیر کی یہ تاویل کی ہے:

اراد به تفسير الجهمية المعطلة الذين ابتدعوا تفسير المتشابهات بخلاف ما كان عليه الصحابة و التابعون من الإثبات.

نیز امام بیہقیؒ کے حوالہ سے ابو عبید القاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ کے قول: و ما أدركنا احدا يفسرها کی یہ تاویل کی ہے: أي تفسير الجهمية. چونکہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ان صفات متشابہات کی تفسیر کے قائل ہیں اور اس کو سلف کا مسلک بتاتے ہیں، حالانکہ امام محمد اور قاسم بن سلام کے اس قول میں تفسیر کی نفی کی گئی ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے سلف کے ان اقوال کے اندر یہ تاویل کی ہے کہ یہاں مطلق تفسیر مراد نہیں ہے، بلکہ جہمیہ کی تفسیر مراد ہے۔ انتہائی تعجب کی بات ہے کہ جس تاویل کو علامہ ابن تیمیہ نے اپنی اس کتاب کے اندر متعدد مرتبہ ضلالت کفر اور جہالت کہا ہے، لیکن جب خود تاویل کی ضرورت پڑی تو بڑی آسانی کے ساتھ تاویل کر ڈالی۔ اب ان کے پاس اس تاویل کی کیا دلیل ہے؟ اور اس مطلق میں قید لگانے کا کیا قرینہ ہے؟

اس طرح سفیان بن عیینہؒ کے قول: فتفسيره تلاوته میں کیا تاویل کریں گے؟ اسی طرح ص۹۷ میں ابوالمعالی الجوینیؒ کے رسالہ نظامیہ کے حوالہ سے جو قول نقل کیا گیا ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: و لا يخوض في تأويل المشكلات و يَكِلُ معناها إلى الرب

تعالی، نیز اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: و تفويض معانيها إلى الرب یہاں تو تفویض معنی کی صراحت کی گئی ہے۔ پس یہاں تاویل کس طرح ہوگی؟

علامہ لالکائی ای جلد کے صفحہ نمبر ۴۳۲ پر نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أخبرنا أحمد بن عبيد قال أخبرنا محمد بن الحسين قال ثنا أحمد بن زهير قال ثنا عبد الوهاب بن نجدة الحوط قال ثنا بقية قال ثنا الأوزاعي قال: كان الزهري ومكحول يقولان: أمروا الأحاديث كما جاء ت. أخبرنا محمد بن رزق الله قال أخبرنا أحمد بن عثمان قال نا عيسى ابن موسى بن إسحاق الأنصاري قال سمعت أبي يقول سمعت سفيان بن عيينة يقول: كل شي وصف الله به نفسه في القرآن فقراءته تفسيره لا كيف ولا مثل.

اب ایک عظیم الشان محدث امام ترمذی رحمہ اللہ کا کلام ملاحظہ فرمائیں۔ وہ بھی تفسیر کی نفی کرتے ہیں۔

والمذهب في هذا عند أهل العلم من الأئمة مثل سفيان الثوري و مالك بن أنس و سفيان بن عيينه و ابن المبارك و وكيع رحمهم الله وغيرهم أنهم رووا هذه الأشياء، و قالوا: تروى هذه الأحاديث و نؤمن بها و لا يقال كيف، و هذا الذي اختاره أهل الحديث أن يرووا هذه الأشياء كما جاءت و يؤمن بها و لا تفسر و لا يتوهم و لا يقال كيف و هذا أمر أهل العلم الذي اختاروه و ذهبوا إليه، و معنى قوله في الحديث فيعرفهم نفسه يعني يتجلى لهم

اس عبارت میں امام ترمذی رحمہ اللہ کا قول لا تفسر سے جمہور کے مسلک یعنی عدم تفسیر پر تصریح ہے۔

جلیل القدر محدث اور فقیہ شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ آیات صفات و احادیث صفات کے بارے میں شرح مسلم (ج۱، ص۲۰۹، مکتبہ رحمانیہ) میں فرماتے ہیں:

قال النووي في هذا الحديث و شبهه من أحاديث الصفات و آياتها مذهبان مشهوران، فمذهب جمهور السلف و بعض المتكلمين الإيمان بحقيتها (أي بأنها حق) على ما يليق به تعالى، و أن ظاهرها المتعارف في حقنا غير مراد، و لا نتكلم في تأويلها مع اعتقادنا تنزيه الله سبحانه عن سائر سمات الحدوث، و الثاني مذهب أكثر المتكلمين و جماعة من السلف و هو محكي عن مالك و الأوزاعي إنما يتأول على ما يليق بها بحسب بواطنها، فعليه الخبر مأول بتأويلين: أحدهما تأويل مالك بن أنس و غيره معناه تنزل رحمته و أمره أو ملائكته كما يقال فعل السلطان كذا إذا فعله أتباعه بأمره، و الثاني أنه على الاستعارة و معناه: الإقبال على الداعين بالإجابة و اللطف.

اس پر اضافہ کرتے ہوئے ملا علی قاری مرقاۃ (ج۳، ص۲۹۹، ۳۰۰) میں حدیث نزول کے تحت فرماتے ہیں:

و بكلامه و بكلام الشيخ الرباني أبي إسحاق الشيرازي و الإمام الحرمين و الغزالي من أئمتنا و غيرهم يعلم أن المذهبين متفقان على صرف تلك الظواهر كالمجيء، و الصورة، و الشخص، و الرجل، و القدم، و اليد، و الوجه، و الغضب، و الرحمة، و الاستواء على العرش، و الكون في السماء و غير ذلك مما يفهم ظاهرها لما يلزم عليه من محالات القطعية البطلان تستلزم أشياء يحكم بكفرها بالإجماع،

فاضطر ذلك جميع الخلف و السلف إلى صرف اللفظ عن ظاهره، و إنما اختلفوا هل نصرفه عن ظاهره معتقدين اتصافه سبحانه بما يليق بجلاله و عظمته من غير أن نأوله بشيء آخر، و هو مذهب أكثر أهل السلف، و فيه تأويل اجمالي أو مع تأويله بشيء آخر، و هو مذهب أكثر أهل الخلف و هو تأويل تفصيلي، و لم يريدوا بذلك مخالفة السلف الصالح معاذ الله أن يظن بهم ذلك، و إنما دعت الضرورة في أزمنتهم لذلك لكثرة المجسمة و الجهمية و غيرهما من فرق الضلالة و استيلائهم على عقول العامة، فقصدوا بذلك ردعهم و بطلان قولهم، و من ثم اعتذر كثير منهم و قالوا: لو كنا على ما كان عليه السلف الصالح من صفاء العقائد و عدم المبطلين في زمنهم لم نخض في تأويل شيء من ذلك، و قد علمت أن مالكا و الأوزاعي، و هما من كبار السلف أولا الحديث تأويلا تفصيليا، و كذلك سفيان الثوري أول الاستواء على العرش بقصد أمره و نظيره، ثم استوى على إلى السماء أي : قصد إليها، و منهم الإمام جعفر الصادق، بل قال جمع منهم و من الخلف: إن معتقد الجهة كافر كما صرح به العراقي، و قال : إنه قول لأبي حنيفة، و مالك، و الشافعي، و الأشعري، و الباقلاني . و قد اتفق سائر الفرق على تأويل نحو: ﴿و هو معكم أين ما كنتم ما يكون من نجوى ثلاثة إلا هو رابعهم﴾ الآية ﴿فأينما تولوا فثم وجه الله﴾ و ﴿نحن أقرب إليه من حبل الوريد﴾ و قلب المؤمن بين أصبعين من أصابع الرحمن، و الحجر الأسود يمين الله في الأرض و هذا الاتفاق يبين لك صحة ما اختاره المحققون أن الوقف على الراسخين في العلم

لا الجلالة.

قلت : الجمهور على أن الوقف على إلا الله وعده، و أوقفه وقفا لازما، و هو الظاهر، لأن المراد بالتأويل معناه الذي أراده تعالى و هو في الحقيقة لايعلمه إلا الله جل جلاله و لا إله غيره، و كل من تكلم فيه تكلم بحسب ما ظهر له، و لم يقدر أحد أن يقول : إن هذا التأويل هو مراد الله جزما، ففي التحقيق الخلاف اللفظي، و لهذا اختار كثيرون من محققي المتأخرين عدم تعيين التأويل في شيء معين من الأشياء التي تليق باللفظ، و يكلون تعيين المراد بها إلى علمه تعالى، و هذا توسط بين المذهبين و تلذذ من المشربين، و اختار ابن دقيق العيد توسطا آخرا فقال : إن كان التأويل من المجاز البين الشائع، فالحق سلوكه من غير توقف أو من المجاز البعيد الشاذ فالحق تركه، و إن استوى الأمران فالاختلاف في جوازه و علمه مسألة فقهية اجتهادية، و الأمر فيها ليس بالخطر بالنسبة للفريقين.

ماضی قریب میں مصر کے مشہور عالم شیخ حسن البناء نے بھی اپنی کتاب میں آیات صفات اور احادیث صفات میں سلف وخلف کے مذہب کو نہایت احسن طریقہ سے بیان کیا ہے۔چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

انقسم الناس في هذه المسألة على أربع طرق:

١ ـ فرقة أخذت بظواهرها كما هي، فنسبت إلى الله وجها كوجوه الخلق، و يدا أو أيديا كأيديهم، و ضحكا كضحكهم، و هكذا حتى فرضوا الإله شيخا، و بعضهم فرضه شابا، و هؤلاء هم المجسمة و

المشبهة، و ليسوا من الإسلام في شيء، و ليس لقولهم نصيب من الصحة، و يكفي في الرد عليهم قول الله تعالى: ﴿ليس كمثله شيء و هو السميع البصير﴾، و قوله تعالى: ﴿قل هو الله أحد o الله الصمد o لم يلد و لم يولد o و لم يكن له كفوا أحد o﴾

٢ ــ فرقة عطلت معاني هذه الألفاظ على أي وجه، يقصدون بذلك نفي مدلولاتها مطلقاً عن الله تبارك و تعالى، فالله تبارك و تعالى عندهم لايتكلم و لايسمع و لايبصر؛ لأن ذلك لايكون إلا بجارحة و الجوارح يجب أن تنفي عنه سبحانه؛ فلذلك يعطلون صفات الله تبارك و تعالى و يتظاهرون بتقديسه، و هؤلاء هم المعطلة. و يطلق عليهم بعض علماء تاريخ العقائد الإسلامية: الجهمية، و لاأظن أن أحدا عنده مسكة من عقل يستسيغ هذا القول المتهافت! و ها قد ثبت الكلام و السمع و البصر لبعض الخلائق بغير جارحة، فكيف يتوقف كلام الحق تبارك و تعالى على الجوارح؟! تعالى الله عن ذلك علوا كبيرا.

هذان رأيان باطلان لاحظ لهما من النظر، و بقي أمامنا رأيان هما محل أنظار العلماء في العقائد، و هما رأي السلف و رأي الخلف.

مذهب السلف و الخلف في آيات الصفات و أحاديثها

٣ ــ أما السلف فقالوا: نؤمن بهذه الآيات و الأحاديث كما وردت، و نترك بيان المقصود منها لله تبارك و تعالى، فهم يثبتون اليد و العين و الأذن و الاستواء، و الضحك، و التعجب ..... إلخ و كل ذلك بمعان لاندركها، و نترك لله تبارك و تعالى الإحاطة بعلمها، و لاسيما و قد نهينا عن ذلك في قول النبي ﷺ: تفكروا في خلق الله و لا تتفكروا في الله؛ فإنكم لن تقدروا قدره.

قال العراقي: رواه أبو نعيم في الحلية بإسناد ضعيف، و رواه الأصبهاني في الترغيب و الترهيب بإسناد أصح منه، و رواه أبو الشيخ كذلك مع قطعهم بانتفاء المشابهة بين الله و بين الخلق. و إليك أقوالهم في ذلك:

(ا) روى أبو القاسم اللالكائي في أصول السنة عن محمد بن الحسن صاحب أبي حنيفة* قال: اتفق الفقهاء كلهم من المشرق إلى المغرب على الإيمان بالقرآن و الأحاديث التي جاءت بها الثقات عن رسول الله ﷺ في صفة الرب عز وجل من غير تفسير و لا وصف و لا تشبيه، فمن فسر اليوم شيئا من ذلك فقد خرج مما كان عليه النبي ﷺ و فارق الجماعة؛ فإنهم لم يصفوا و لم يفسروا، و لكن أفتوا بما في الكتاب و السنة ثم سكتوا.

(ب) و ذكر الخلال في كتاب السنة عن حنبل و ذكره حنبل في كتبه مثل كتاب السنة و المحنة، قال حنبل: سألت أبا عبد الله عن الأحاديث التي تروى إن الله تبارك و تعالى ينزل إلى سماء الدنيا، و إن الله يرى، و إن الله يضع قدمه، و ما أشبه هذه الأحاديث؟ فقال أبو عبدالله: نؤمن بها و نصدق بها و لا كيف و لا معنى و لانرد منها شيئا، و نعلم أن ما جاء به الرسول ﷺ حق إذا كان بأسانيد صحاح، و لانرد على الله قوله، و لايوصف الله تبارك و تعالى بأكثر مما وصف به نفسه بلاحد و لا غاية، ليس كمثله شيء.

(جـ) و روى حرملة بن يحيى قال: سمعت عبدالله بن وهب يقول: سمعت مالك بن أنس يقول: من وصف شيئا من ذات الله مثل قوله: ﴿و قالت اليهود يد الله مغلولة﴾ فأشار بيده إلى عنقه، و مثل قوله: ﴿و هو السميع البصير﴾ فأشار إلى عينه أو أذنه أو شيء من بدنه، قطع ذلك منه؛

لأنه شبه الله بنفسه. ثم قال مالك: أما سمعت قول البراء حين حدث أن النبي ﷺ لايضحي بأربع من الضحايا و أشار البراء بيده كما أشار النبي ﷺ، قال البراء: و يدي أقصر من يد رسول الله ﷺ، فكره البراء أن يصف يد رسول الله ﷺ إجلالا له و هو مخلوق، فكيف الخالق الذي ليس كمثله شيء!

(د) و روى أبوبكر الأثرم، و أبوعمرو الطلمنكي و أبو عبدالله بن بطة في كتبهم و غيرهم عن عبد العزيز ابن عبد الله بن أبي سلمة الماجشون كلاما طويلا في هذا المعنى ختمه بقوله: فما وصف الله من نفسه فسماه على لسان رسوله سميناه كما سماه، و لم نتكلف منه صفة ما سواه، لا هذا و لا هذا، لانجحد ما وصف، و لانتكلف معرفة ما لم يصف.

اعلم رحمك الله، أن العصمة في الدين أن تنتهي حيث انتهي بك، و لاتجاوز ما قد حد لك؛ فإن من قوام الدين معرفة المعروف، و إنكار المنكر، فما بسطت عليه المعرفة، و سكنت إليه الأفئدة، و ذكر أصله في الكتاب و السنة، و توارث علمه الأمة فلاتخافن في ذكره و صفته من ربك ما وصف من نفسه عينا، و لا تكلفن بما وصف من ذلك قدرا، و ما أنكرته نفسك، و لم تجد ذكره في كتاب ربك، و لا في الحديث عن نبيك من ذكر صفة ربك فلاتتكلفن علمه بعقلك، و لاتصفه بلسانك، و اصمت كما صمت الرب عنه من نفسه؛ فإن تكلفك معرفة مالم يصف به نفسه مثل إنكارك ما وصف منها، فكما أعظمت ما جحد الجاحدون مما وصف من نفسه، فكذلك أعظم تكلف ما وصف الواصفون مما لم يصف منها، فقد و الله، عز المسلمون الذين يعرفون المعروف و بمعرفتهم يعرف، و ينكرون المنكر و بإنكارهم ينكر، يسمعون ما وصف الله به نفسه من هذا في كتابه، و ما

يفهم مثله عن نبيه، فما مرض من ذكر هذا و تسميته من الرب قلب مسلم، و لاتكلف صفة قدره، و لاتسمية غيره من الرب مؤمن، و ما ذكر عن رسول الله ﷺ أنه سماه من صفة ربه فهو بمنزلة ما سمى و وصف الرب تعالى من نفسه، و الراسخون في العلم، الواقفون حيث انتهى بهم علمهم، الواصفون لربهم بما وصف نفسه، التاركون لما ترك من ذكرها لاينكرون صفة ما سمى منها جحدا، و لايتكلفون وصفه بما لم يسم تعمقا؛ لأن الحق ترك ما ترك و سمى ما سمى ﴿و من يتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى و نصله جهنم و ساءت مصيرا﴾ وهب الله لنا ولكم حكما، و ألحقنا بالصالحين.

مذهب الخلف في آيات الصفات و أحاديثها

قدمت لك أن السلف يؤمنون بآيات الصفات و أحاديثها كما وردت ويتركون بيان المقصود منها لله تبارك و تعالى مع اعتقادهم بتنزيه الله تبارك و تعالى عن المشابهة لخلقه.

فأما الخلف فقد قالوا: إننا نقطع بأن معاني ألفاظ هذه الآيات و الأحاديث لايراد به ظواهرها، و على ذلك فهي مجازات لا مانع من تأويلها، فأخذوا يؤولون الوجه بالذات، و اليد بالقدرة و ما إلى ذلك؛ هربا من شبهة التشبيه. و إليك نماذج من أقوالهم في ذلك:

١ ـــ قال أبو الفرج بن الجوزي الحنبلي رحمه الله في كتابه دفع شبهة التشبيه: قال الله تعالى: ﴿و يبقى وجه ربك﴾ قال المفسرون: يبقى ربك، و كذلك قالوا في قوله تعالى: ﴿يريدون وجهه﴾ أي يريدونه. و قال الضحاك و أبو عبيدة: ﴿كل شيء هالك إلا وجهه﴾ أي إلا هو.

و عقد في أول الكتاب فصلا صالحا في الرد على من قالوا: إن الرد الأخذ بظاهر هذه الآيات و الأحاديث هو مذهب السلف، و خلاصة ما قاله أن الأخذ بالظاهر هو تجسيم و تشبيه، لأن ظاهر اللفظ هو ما وضع له، فلا معنى لليد حقيقة إلا الجارحة، و هكذا. و أما مذهب السلف فليس أخذها على ظاهرها، و لكن السكوت جملة عن البحث فيها. و أيضا قد ذهب إلى أن تسميتها آيات صفات و أحاديث صفات تسمية مبتدعة لم ترد في كتاب و لا في سنة، و ليست حقيقة فإنها إضافات ليس غير، و استدل على كلامه في ذلك بأدلة كثيرة لا مجال لذكرها هنا.

۲ــ و قال فخر الدين الرازي ﷺ في كتابه أساس التقديس: و اعلم أن نصوص القرآن لا يمكن إجراؤها على ظاهرها لوجوه: الأول أن ظاهر قوله تعالى: ﴿و لتصنع على عيني﴾ يقتضي أن يكون موسى عليه السلام مستقرا على تلك العين ملتصقا بها مستعليا عليها و ذلك لا يقوله عاقل، و الثاني أن قوله تعالى: ﴿و اصنع الفلك بأعيننا﴾ يقتضي أن يكون آلة تلك الصنعة هي تلك العين، و الثالث أن إثبات الأعين في الوجه الواحد قبيح فثبت أنه لابد من المصير إلى التأويل، و ذلك هو أن تحمل الألفاظ على شدة العناية و الحراسة.

۳ــ قال الإمام الغزالي ﷺ في الجزء الأول من كتابه إحياء علوم الدين عند كلامه على نسبة العلم الظاهر إلى الباطن و أقسام ما يتأتى فيه الظهور و البطون، و التأويل و غير التأويل: القسم الثالث أن يكون الشيء بحيث لو ذكر صريحا لفهم و لم يكن فيه ضرر، و لكن يكنى عنه على سبيل الاستعارة و الرمز ليكون وقعه في قلب المستمع أغلب ... و منه قوله: إن

المسجد لينزوي من النخامة كما تنزوي الجلدة على النار. و معناه أن روح المسجد و كونه معظماً، و رمي النخامة فيه تحقير له فيضاد معنى المسجدية مضادة النار لاتصال أجزاء الجلدة. و أنت ترى أن ساحة المسجد لاتنقبض من نخامة، و كذلك قوله : أما يخشى الذي يرفع رأسه قبل الإمام أن يحول الله رأسه رأس الحمار، و ذلك من حيث الصورة لم يكن قط و لايكون، و لكن من حيث المعنى هو كائن؛ إذ رأس الحمار لم تكن بحقيقته و كونه شكله بل بخاصيته، و هي البلادة و الحمق، و من رفع رأسه قبل الإمام فقد صار رأسه رأس الحمار في معنى البلادة و الحمق، و هو المقصود دون الشكل. و إنما يعرف أن هذا السر على خلاف الظاهر إما بدليل عقلي أو شرعي. أما العقلي فأن يكون حمله على الظاهر غير ممكن، كقوله : قلب المؤمن بين إصبعين من أصابع الرحمن، إذ لو فتشنا عن قلوب المؤمنين لم نجد فيها أصابع، فعلم أنها كناية عن القدرة التي هي سر الأصابع و روحها الخفي، و كنى بالأصابع عن القدرة؛ لأن ذلك أعظم وقعاً في تفهم تمام الاقتدار.

و قد تعرض لمثل هذا الكلام في موضع آخر من هذا البحث، و فيما ذكرناه كفاية.

إلى هنا وضع أمامك طريقا السلف و الخلف؛ و قد كان هذان الطريقان مثار خلاف شديد بين علماء الكلام من أئمة المسلمين، و أخذ كل يدعم مذهبه بالحجج و الأدلة، و لو بحثت الأمر لعلمت أن مسافة الخلف بين الطريقين لاتحتمل شيئاً من هذا لو ترك أهل كل منهما التطرف و الغلو، و أن البحث في مثل هذا الشأن، مهما طال فيه القول، لايؤدي في

النهاية إلا إلى نتيجة واحدة، هي التفويض لله تبارك و تعالى، و ذلك ما سنفصله لك إن شاء الله تعالى.

بين السلف و الخلف

قد علمت أن مذهب السلف في الآيات و الأحاديث التي تتعلق بصفات الله تبارك و تعالى أن يمروها على ما جاءت عليه، و يسكتوا عن تفسيرها أو تأويلها، و أن مذهب الخلف أن يؤولوها بما يتفق مع تنزيه الله تبارك و تعالى عن مشابهة خلقه، و علمت أن الخلاف شديد بين أهل الرأيين حتى أدى بينهما إلى التنابز بالألقاب العصبية! و بيان ذلك من عدة أوجه:

أولا: اتفق الفريقان على تنزيه الله تبارك و تعالى عن المشابهة لخلقه.

ثانيا: كل منهما يقطع بأن المراد بألفاظ هذه النصوص في حق الله تبارك و تعالى غير ظواهرها التي وضعت لها هذه الألفاظ في حق المخلوقات، و ذلك مترتب على اتفاقهما على نفي التشبيه.

ثالثا: كل من الفريقين يعلم أن الألفاظ توضع للتعبير عما يجول في النفوس، أو يقع تحت الحواس مما يتعلق بأصحاب اللغة و واضعيها، و أن اللغات، مهما اتسعت، لاتحيط بما ليس لأهلها بحقائقه علم، و حقائق ما يتعلق بذات الله تبارك و تعالى من هذا القبيل، فاللغة أقصر من أن تواتينا بالألفاظ التي تدل على هذه الحقائق، فالتحكم في تحديد المعاني بهذه الألفاظ تغرير.

و إذا تقرر هذا فقد اتفق السلف و الخلف على أصل التأويل، و انحصر الخلاف بينهما في أن الخلف زادوا تحديد المعنى المراد حيثما ألجأتهم

ضرورة التنزيه إلى ذلك حفظا لعقائد العوام من شبهة التشبيه، و هو خلاف لايستحق ضجة و لا إعناتا.

و نحن نعتقد أن رأي السلف من السكوت و تفويض علم هذه المعاني إلى الله تبارك و تعالى أسلم و أولى بالاتباع، حسما لمادة التأويل و التعطيل، فإن كنت ممن أسعده الله بطمأنينة الإيمان، و أثلج صدره ببرد اليقين فلاتعدل به بديلا، و نعتقد إلى جانب هذا أن تأويلات الخلف لاتوجب الحكم عليهم بكفر و لا فسوق، و لاتستدعي هذا النزاع الطويل بينهم و بين غيرهم قديما و حديثا، و صدر الإسلام أوسع من هذا كله. و قد لجأ أشد الناس تمسكا برأي السلف رحمهم الله إلى التأويل في عدة مواطن، و هو الإمام أحمد بن حنبل رحمهم الله، من ذلك تأويله لحديث: الحجر الأسود يمين الله في أرضه، و قوله ﷺ: قلب المؤمن بين إصبعين من أصابع الرحمن، و قوله ﷺ: إني لأجد نفس الرحمن من جانب اليمن.

و قد رأيت للإمام النووي رحمهم الله ما يفيد قرب مسافة الخلاف بين الرأيين مما لايدع مجالا للنزاع و الجدال و لاسيما و قد قيد الخلف أنفسهم في التأويل بجوازه عقلا و شرعا، بحيث لايصطدم بأصل من أصول الدين.

قال الرازي رحمه الله في كتابه أساس التقديس: ثم إن جوزنا التأويل اشتغلنا على سبيل التبرع بذكر تلك التأويلات على التفصيل، و إن لم نجز التأويل فوضنا العلم بها إلى الله تعالى، فهذا هو القانون الكلي المرجوع إليه في جميع المتشابهات، و بالله التوفيق.

ان تمام روایات سے حضرات متقدمین اہل سنت کا مسلک صاف واضح ہے کہ وہ ان آیات واحادیث کی صرف تلاوت اور روایت کرتے تھے، اب جو شخص ان کے مقابلے میں یہ کہے:

بعلم معناه و بفسر و بترجم بلغة أخرى اوراس مسلک کے حاملین کو اہل تجہیل کہے کیا

ایسا شخص سلف صالحین کے مسلک پر ہے؟ فیصلہ آپ خود کریں۔

﴿فصل دوم﴾

ابن تیمیہ کے تفردات کا بیان

چونکہ آپ کے سامنے اسماء وصفات کے بارے میں جمہور سلف اور ابن تیمیہ کے مسلک کے درمیان فرق واضح ہوگیا۔ اب ہم ان کے کچھ اور اصولی تفردات ذکر کرتے ہیں۔ یوں تو ابن تیمیہ نے اصول وفروع کے بہت سے مسائل میں جمہور امت سے تفرد اختیار کیا ہے، جیسا کہ احمد رضا خان بجنوری نے انوار الباری ج ۹۱، ص ۴۷ میں ان کے چند تفردات نقل کیے ہیں۔ جن کو یہاں اختصاراً ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ خدا، عرش کے اوپر جالس اور مستقر ہے۔

۲۔ خدا کے اندر دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ بوجھ ہے۔

۳۔ خدا، جہت فوق میں ہے۔

۴۔ قیامت کے دن اللہ تعالی نبی ﷺ کو عرش پر اپنے پہلو میں بٹھائے گا۔

۵۔ خدا کا جسم ہونے سے کسی نے انکار نہیں کیا۔

۶۔ خدا کی طرف انگلیوں سے اشارہ حسیہ جائز ہے۔

۷۔ خدا کی صفت استقرار اور جلوس عرش سے منکر جہمی اور جہنمی ہے۔

۸۔ خدا قیامت کے دن سب چیزوں کے فنا ہونے کے بعد زمین پر اتر کر اس میں چکر لگائے گا۔

۹۔ قیامت کے دن خدا کرسی پر بیٹھے گا۔ ۱۰۔ عرش قدیم بالنوع ہے۔

ابن تیمیہ کے بعض تفردات کا تفصیلی بیان

ہم ان کے بعض تفردات کو تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ جن میں

مسئلہ قدم

عقائد اہل سنت میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے یعنی موجودات علویہ وسفلیہ کے وجود میں آنے سے قبل ایک ایسا مرحلہ بھی تھا کہ فقط اللہ تعالیٰ کی بابرکت ذات موجود تھی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی چیز موجود نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ کے لیے موجود ہوگی اور کبھی بھی اس پر زوال نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ماسوا سب کے سب حادث ہیں۔ حدوث کا معنی یہ ہے کہ یہ اپنے وجود سے پہلے معدوم تھے اور وجود میں آنے کے بعد ان میں سے ہر ایک اپنے وقت موعود پر فنا ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ ہم ان فلاسفہ کے عقیدے کو بھی باطل مانتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کچھ چیزیں قدیم ہیں اگرچہ وہ قدم، قدم زمانی ہے نہ کہ قدم ذاتی۔ لیکن ہم مطلق قدم کو ایک اللہ تعالیٰ کے لیے خاص مانتے ہیں۔ اس میں کوئی شیء بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

یہی عقیدہ قرآن وسنت سے ثابت ہے اسی پر اہل اسلام کا اجماع ہے اور عقل سلیم کا بھی یہی مقتضی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "هو الأول" (سورة الحديد: ۳) اللہ تعالیٰ ہی اول ہے اس آیت میں اسی عقیدہ کو ثابت کیا ہے۔ لہٰذا ہم ذیل میں چند معتبر مفسرین حضرات کے اقوال پیش کرتے ہیں۔

(۱) الأول أى بالأزلية قبل كل شيء فلا أول له. (نظم الدرر ج:۸/۴۳۵)

(۲) هو الأول قال ابو سليمان الخطابي: هو سابق الأشياء. (زاد المسير ج:۴/۲۴۶)

(۳) هو الأول السابق على جميع الموجودات فهو سبحانه موجود قبل كل شيء لانه جلّ وعلا الموجد المحدث للموجودات. (روح المعاني ج:۲۶/۱۶۵)

(۴) هو الأول قبل كل شيء ليس قبله شيء فانه الموجد للأشياء محدثها كلها. (مظهرى ج:۹/۱۸۷)

(٥) کان ولاشیٔ موجود سواہ وھو کائن بعد الأشیاء کلھا کما قال جلّ شانہ

کل شیٔ ھالك إلا وجھہ.

آپ نے ملاحظہ کیا کہ اس آیت سے مفسرین رحمہم اللہ نے مندرجہ بالا عقیدہ کو ثابت کیا ہے۔اس طرح احادیث مبارکہ سے بھی یہی عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔"کان اللہ ولم یکن شیء غیرہ" حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں:

"قولہ: کان اللہ ولم یکن شیٔ غیرہ، فیہ دلالۃ علی انہ لم یکن شیٔ غیرہ لا السماء ولا العرش ولاغیرھما لان کل ذلك غیراللہ تعالیٰ".

(فتح الباری ج:٢٢١/٦)

(٢) دوسری جگہ حضورؐ کا ارشاد ہے: کان اللہ قبل کل شیٔ.

(٣) ایک اور جگہ ارشاد ہے کان اللہ ولم یکن معہ شیٔ. (فتح الباری ج:٤١٠/١٣)

ابن تیمیہ کا عالم کو قدیم بالنوع ماننا

اب آپ علامہ ابن تیمیہ کا عقیدہ ملاحظہ کیجیے جو عالم کو بہ نوعہ قدیم مانتا ہے۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وأما اکثر أھل الحدیث ومن وافقھم فانھم لایجعلون النوع حادثاً بل قدیماً ویفرقون بین حدوث النوع وحدوث الفرد من أفرادہ کمایقول جمھور العقلاء بین دوام النوع ودوام الواحد من أعیانہ".

(الموافقہ ج:٧٥/٢)

ترجمہ: اکثر اہل حدیث اور ان کے اتباع نوع کو حادث نہیں بلکہ قدیم کہتے ہیں۔حدوث النوع اور حدوث الفرد من افراد النوع میں فرق کرتے ہیں جیسا کہ جمہور عقلاء دوام النوع اور دوام الواحد من اعیان النوع کے مابین فرق کرتے ہیں۔

اس عبارت کی وضاحت اس طرح ہے کہ ایک نوع ہے اور دوسرے افراد النوع

مثلاً انسان نوع ہے اور زید عمر اور بکر وغیرہ اسکے افراد ہیں۔ قدم النوع اور حدوث الفرد ہیں کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو قدیم اور زید عمرو بکر کو حادث کہا جائے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

قلنا لانسلم بل يكون الحادث اليومي مسبوقا بحوادث لااول لها.

(الموافقه ج:١/٢٤٥)

ترجمہ: ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ حادث یومی پر ایسے حوادث نے سبقت کی ہے جن کے لیے اول نہیں ہے (یعنی حوادث ہمیشہ سے ہیں)

مسئلہ قیام الحوادث بہ تعالیٰ

اہل سنت والجماعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حوادث کا قیام نہیں ہو سکتا، جس چیز کے ساتھ حوادث کا قیام ہوتا ہے وہ خود بھی حادث ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ اسفرائنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وهو أن تعلم أن الحوادث لايجوز حلولها في ذاته وصفاته لأن ما كان محلا للحوادث لم يخل منها واذا لم يخل منها كان محدثا مثلها ولهذا قال الخليل ﷺ: ﴿لا أحب الآفلين﴾ (سورة الأنعام) بين به أن من حل به من المعاني مايغيره من حال الى حال كان محدثاً لايصح أن يكون إلها". (التبصير في الدين ص:٩٧)

ترجمہ: وہ یہ بات ہے کہ اللہ پاک کی ذات وصفات میں حوادث کے حلول کو تو جائز نہ سمجھے کیونکہ جو چیز حوادث کیلئے محل ہوتی ہے وہ حوادث سے خالی نہیں ہوتی اور جو چیز حوادث سے خالی نہیں ہوتی حوادث کی طرح وہ بھی محدَث ہوتی ہے۔ بنا بریں حضرت ابراہیم ﷺ نے فرمایا لا احب الآفلین یعنی میں غائب ہونے والے چیزوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے ساتھ واضح ہو گیا کہ جس چیز میں وہ معانی حلول کرے جو اس چیز کو ایک حال سے دوسرے حال کی

طرف تغیر کرے وہ چیز بھی محدث ہوتی ہے، اور اس کا اِلٰہ ہونا درست نہیں ہوتا۔
اہل سنت کا عقیدہ بیان ہو چکا اب علامہ ابن تیمیہ کا عقیدہ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

(۱) فمن أين في القرآن مايدل دلالة ظاهرة على أن كل متحرك محدث ممكن، وأن الحركة لاتقوم الا بحادث أوممكن، وأن ما قامت به الحوادث لم يخل منها، وأن مالايخلو من الحوادث فهو حادث. (الموافقه ج:١/٦٤)

ترجمہ: قرآن کی کون سی آیت ظاہر طور دلالت کرتی ہے کہ ہر متحرک محدث یا ممکن ہوتا ہے اور حرکت حادث یا ممکن ہی کے ساتھ قائم ہوتی ہے، اسی طرح جس چیز کے ساتھ حوادث کا قیام ہو وہ اس سے خالی نہیں ہوتی، اور جو حوادث سے خالی نہ ہو وہ حادث ہوتی ہے قرآن میں کہاں پر الحوادث لا اول لها (حوادث کا ازلی ہونا) ممتنع ہے۔

(۲) أما الشرع فليس فيه ذكر هذه الأسماء في حق الله لا بنفي واثبات ولم ينطق أحد من سلف الأمة وأئمتها في حق الله تعالى بذلك لا نفياً ولا اثباتاً بل قول القائل: إن الله جسم أوليس بجسم، أو جوهر أو ليس بجوهر، أومتحيز أوليس بمتحيز، أوفي جهة أوليس في جهة، أوتقوم به الأعراض والحوادث أو لاتقوم به ونحو ذلك كل هذه الأقوال محدثة بين أهل الكلام المحدث لم يتكلم السلف والأئمة فيها لا باطلاق النفي ولا باطلاق الاثبات". (الموافقه ج:١/١٤٢)

ترجمہ: شریعت میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ان اسماء کا اثباتاً کوئی ذکر ہے نہ نفیاً، اسی طرح سلف صالحین اور ائمہ امت میں سے کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کے متعلق ان اسماء پر اثباتاً قول کیا ہے نہ نفیاً، بلکہ قائل کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے یا جسم نہیں جوہر ہے یا جوہر نہیں، متحیز ہے یا متحیز نہیں، کسی جہۃ میں ہے یا نہیں، اعراض وحوادث کا قیام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے یا نہیں اور ان

جیسی تمام اقوال اہل کلام نے ایجاد کیے ہیں سلف صالحین اور ائمہ نے ان پر نفیاً کوئی قول کیا ہے نہ اثباتاً۔ ...

(۳) فإنا نقول: إنه يتحرك وتقوم به الحوادث والأعراض فما الدليل على بطلان قولنا؟ (أيضا ج:۱/۲۱۰)

ترجمہ: ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حرکت کرتے ہیں اس طرح حوادث اور اعراض کا قیام باری تعالیٰ کیساتھ ہوتا ہے ہمارے اس قول کے بطلان پر کونسی دلیل ہے؟

(٤) نحن نقول بقيام الحوادث به، ولا دليل على بطلان ذلك، بل العقل والنقل والكتاب والسنة واجماع السلف يدل على تحقيق ذلك. كما قد بسط في موضعه، ولا يمكن القول بأن الله يدبر هذا العالم إلا بذلك، كما اعترف بذلك أقرب الفلاسفة إلى الحق كأبي البركات صاحب "المعتبر" وغيره. (مجموعه تفسير ص:۳۰۹)

ترجمہ: ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ حوادث کے قیام پر قول کرتے ہیں اور ہمارے اس قول کے بطلان پر کوئی دلیل نہیں بلکہ عقل نقل کتاب، سنت اور اجماع سلف اس کی تحقیق پر دال ہیں جیسا کہ اپنی جگہ پر اس کی تفصیل ہو گئی ہے اور اس پر قول کرنے کے بغیر تو یہ کہنا ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عالم کی تدبیر کرتا ہے، جیسے ابوالبرکات صاحب "المعتبر" وغیرہ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے جو فلاسفہ میں سے اقرب الی الحق ہے۔

(٥) قال: فان قلتم لنا: فقد قلتم بقيام الحوادث بالرب، قلنا لكم: نعم وهذا أقرب الذى دل عليه الشرع والعقل.

(منهاج السنة النبوية ج:۱/۲۲٤)

ترجمہ: (ابن تیمیہ کہتے ہیں) اگر تم ہم سے پوچھو کہ ہم (ابن تیمیہ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ حوادث کے قیام پر قول کرتے ہیں تو ہم (ابن تیمیہ) تم کو جواب دینگے کہ ہاں حوادث اللہ

تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں اور اسی قول پر شرع و عقل دلالت کرتے ہیں۔

آپ نے ابن تیمیہ کی واضح عبارات کا ملاحظہ کیا جن میں اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حوادث کے قیام پر قول کیا ہے۔

مسئلہ جسمیت

عقائد اہل السنۃ والجماعۃ میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ثابت نہیں ہے اسی طرح وہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے منفی ہیں جن کے ثابت ہونے سے جسمیت لازم ہوتی ہے چنانچہ عقائد کی کتابوں میں اس مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے چنانچہ رئیس الحنابلہ ابوالفضل التمیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وانكر أحمد رحمه الله على من يقول بالجسم وقال: إن الأسماء ماخوذة من الشريعة واللغة، وأهل اللغة وضعوا هذا الاسم على ذي طول و عرض وسمك وتركيب وصورة وتاليف والله تعالى خارج عن ذلك كله، فلم يجز أن يسمى جسما لخروجه عن معنى الجسمية ولم يجيء في الشريعة ذلك فباطل. (اعتقاد الإمام أحمد رحمه الله ص: ٧-٨ مخطوط)

ترجمہ: امام احمد رحمہ اللہ نے قائلین بالجسم پر انکار فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہے یقیناً اسماء الٰہیہ شریعت اور لغت سے ماخوذ ہیں۔ اور اہل لغۃ نے اس اسم (جسم) کو ذی طول و عرض و سمک اور ترکیب، صورۃ و تالیف کیلئے وضع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام معانی سے منزہ ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کو جسم کہنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ معنی جسمیت سے منزہ اور پاک ہے اور شریعت میں اسکا کوئی ثبوت نہیں۔ لہٰذا باطل ہے۔

اب آپ ابن تیمیہ کی عبارات ملاحظہ کیجیے:

(۱) وأما الشرع فمعلوم أنه لم ينقل عن أحد من الأنبياء ولا الصحابة ولا التابعين ولا سلف الأمة أن الله جسم أو أن الله ليس بجسم، بل النفي والإثبات

بدعة فی الشرع. (شرح حدیث النزول ص: ۸۰) (الاسماء الصفات ج ۲ ص ۲۹۸)

ترجمہ: بہر حال شرع میں یہ بات معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام، صحابہؓ، تابعین اور سلف امت میں سے کسی سے بھی یہ بات منقول نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے یا جسم نہیں بلکہ جسم کا اثبات یا نفی شریعت میں بدعت ہے۔

(۲) وكذلك قوله تعالى: ﴿ليس كمثله شیء وهو السميع البصير﴾ (سورة الشورى) وقوله تعالىٰ: ﴿هل تعلم له سميًا﴾ (سورة مريم) ونحو ذلك فإنه لايدل على نفی الصفات بوجه من الوجوه بل ولا على نفی مايسميه اهل الاصطلاح جسما بوجه من الوجوه.

(شرح حدیث النزول ج: ۶۲/۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قول ہے ﴿ليس كمثله شیء وهو السميع البصير﴾ اور ﴿هل تعلم له سميًا﴾ اور ان جیسے دوسرے نصوص کسی طرح بھی صفات کی نفی پر دلالت نہیں کرتے بلکہ اس چیز کی نفی پر بھی دلالت نہیں کرتے جسکو اہل اصطلاح نے جسم کہا ہے۔

(۳) وقد يراد بالجسم مايشار اليه أومايُرى أومايقوم به الصفات، والله تعالىٰ يُرى فی الآخرة وتقوم به الصفات ويشير اليه الناس عند الدعاء بأيديهم وقلوبهم ووجوههم وأعينهم، فان أراد بقوله: ليس بجسم هذا المعنى قيل له: هذا المعنى الذی قصدت نفيه بهذا اللفظ معنى ثابت بصحيح المنقول وصالح المعقول، وأنت لم تقم دليلاً على نفيه. (ايضا ج: ۱/ ۱۸۰)

ترجمہ: کبھی جسم سے مشار الیہ مراد ہوتا ہے، جس کو دیکھا جا سکتا ہو یا جس کے ساتھ صفات قائم ہو (اور اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح ہے) کیونکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا جائے گا، صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں اور لوگ دعا کے وقت اپنے ہاتھ، دل، چہرے اور آنکھوں کے ساتھ

اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔لہٰذا اگر "لیس بجسم" سے قائل کا یہی معنی مراد ہو تو اس کو کہا جائے گا کہ اس لفظ کے ساتھ جس معنی کی نفی کا تو نے ارادہ کیا ہے وہ صحیح نقل اور صریح عقل سے ثابت ہے اور تو نے اس کی نفی پر کوئی دلیل قائم نہیں کی ہے۔

ملاحظہ فرمایئے جمہور امت کا کیا مسلک ہے وہ اللہ تعالیٰ سے جسمیت کی نفی کرتے ہیں اور علامہ صاحب کتنی دلیری سے ان کے اس عقیدہ "اللّٰــه لیس بجسم" کی تردید کر رہے ہیں۔

(٤) ثم لفظ التجسيم لا يوجد في كلام أحد من السلف لا نفياً و لا إثباتاً فكيف يحل أن يقال: مذهب السلف رحمهم الله نفي التجسيم أو إثباته. (مجموع فتاوى ج:٤/١٥٢)

ترجمہ: سلف صالحین رحمہم اللہ میں سے کسی کے کلام میں لفظ تجسیم نفیاً پایا جاتا ہے نہ اثباتاً، پھر کس طرح یہ کہنا جائز ہے کہ سلف رحمہم اللہ کا مذہب تجسیم کی نفی یا تجسیم کا اثبات ہے۔

(٥) وليس في كتاب الله ولا سنة رسوله صلى الله عليه وسلم ولا قول أحد من سلف الأمة وائمتها أنه ليس بجسم، وأن صفاته ليست أجساما و أعراضا، فنفي المعاني الثابتة بالشرع والعقل بنفي ألفاظ لم ينف معناها شرع ولا عقل جهل و ضلال. (بيان تلبيس الجهمية ج:١/١٠١)

ترجمہ: کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سلف امت اور ائمہ امت رحمہم اللہ میں سے کسی کا بھی یہ قول نہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے صفات اجسام اور اعراض نہیں ہیں لہٰذا وہ معانی جو شرع اور عقل سے ثابت ہیں ان کی نفی ایسے الفاظ سے کرنا جس کا معنی شرع اور عقل نے نفی نہ کی ہو، جہالت اور گمراہی ہے۔

ابن تیمیہ کا جسمیت کی نفی کرنے کا صحیح مطلب

ملاحظہ فرمایئے کہ اللّٰــه لیس بجسم کا وہ عقیدہ جو تمام امت مسلمہ کے نزدیک

ایک مسلم عقیدہ ہے، ابن تیمیہ بے خوف وخطر ہوکر کس طرح اس کی تردید کرکے کہہ رہے ہیں کہ سلف امت اور ائمہ امت میں سے کسی کا بھی یہ قول نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم نہیں۔

ابن تیمیہ، اللہ تعالیٰ پر جسم کا اطلاق اس لیے جائز نہیں رکھتے کہ شرعاً یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے وارد نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ پر اسی لفظ کا اطلاق ہوسکتا ہے، جس کی شرع نے اجازت دی ہو۔ اگر یہ بات ابن تیمیہ کے مدنظر نہ ہوئی ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ کو جسم کہنے کی بھی جرأت کرڈالتے؛ کیونکہ جتنے بھی لوازم جسمیت ہیں، مثلاً استقرار علی العرش، جہت حسیہ، وجہ، ید وغیرہ ان سب کو اپنے ظاہری معنی سے اللہ تعالیٰ کے لیے مانتے ہیں۔

ابن تیمیہ کا یہ دعویٰ بھی حقیقت کے خلاف ہے کہ سلف امت اور ائمہ امت میں سے کسی بھی کا قول نہیں کہ اللہ جسم نہیں ہے؛ کیونکہ ابھی ابوالفضل التمیمی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے آپ نے ملاحظہ کیا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر جسم کا اطلاق ممنوع ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی لخروج عن معنى الجسمية یعنی اللہ تعالیٰ جسمیت کے معنی سے خارج ہے اور الفاظ، معنی کے تابع ہوتے ہیں، پس وہ جب معنی جسمیت سے خارج ہے یعنی جسمیت سے پاک ہے تو لفظ جسم کا اطلاق اس پر کیوں کر ہوسکتا ہے۔

مسئلہ حرکت وانتقال

اہل سنت والجماعت کے عقائد میں سے ہے کہ حرکت وانتقال، نزول وصعود اور قیام وجلوس وغیرہ مخلوق کی صفات ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے منزہ ہے: چنانچہ علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قوله تعالى: ﴿فأتى الله بنيانهم من القواعد﴾ (سورة النحل) لم يرد به إتياناً من حيث النقلة. دوسری جگہ لکھتے ہیں: إنه ليس حركة ولا نقلة تعالى الله عن صفات المخلوقين. (الأسماء والصفات ص: ٤٤٩)

ترجمہ: "فأتى الله بنيانهم من القواعد" میں اتیان سے مراد اتیان من حیث النقل نہیں

ہے اور حدیث نزول کی تشریح میں فرمایا، "اس نزول سے حرکت اور انتقال مراد نہیں (کیونکہ یہ مخلوق کی صفات ہیں) اور اللہ تعالیٰ مخلوق کی صفات سے بلند و بالا ہے"۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

﴿وجاء ربك والملك صفاً صفاً﴾ (سورۃ الفجر) والمجیء والنزول صفتان منفیتان عن اللّٰہ تعالیٰ من طریق الحرکة والانتقال من حال الی حال، بل هما صفتان من صفات اللّٰہ تعالیٰ بلاتشبیه، جلّ اللّٰہ تعالیٰ عمایقول المعطلة لصفاته والمشبهة بهاعلواً کبیراً. (الأسماء والصفات ص:٤٥٦)

ترجمہ: "وجاء ربك والملك صفاً صفاً" مجیء اور نزول ایسی صفتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ سے حرکت اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کے طور پر منفی ہے۔ بلکہ بلاتشبیہ یہ اللہ پاک کی صفات میں سے ہیں۔ اللہ پاک جل جلالہ ان سے (جو فرقہ معطلہ اور فرقہ مشبہہ کہتے ہیں) منزہ اور برتر ہے"۔

یہ تو نمونے کے طور پر ہم نے ان دو عبارتوں پر اکتفا کیا کیونکہ یہ مقام اسکی تفصیل کیلئے نہیں ہے۔ اب آپ ابن تیمیہ کی عبارتیں ملاحظہ کیجیے۔

(١) لأن الحی القیوم یفعل مایشاء ویتحرك اذاشاء ویهبط ویرتفع اذاشاء ویقبض ویبسط ویقوم ویجلس اذاشاء، لأن أمارة مابین الحی والمیت التحرك، وکل حی متحرك لامحالة، وکل میت غیر متحرك لامحالة. (الموافقه ج:٢/٢٦)

ترجمہ: کیونکہ حی القیوم جو چاہے کر سکتا ہے جب چاہے حرکت کرے، نیچے اترے اوپر چڑھے، قبض وبسط کرے، کھڑا ہو جائے بیٹھ جائے کیونکہ زندہ اور مردہ کے مابین فرق حرکت ہے ہر زندہ یقیناً متحرک ہے اور ہر مردہ لامحالہ غیر متحرک ہے۔

(٢) ثم إن الجمهور أهل السنة یقولون: إنه ینزل ولایخلو منه العرش

كما نقل مثل ذلك عن إسحاق بن راهويه وحماد بن زيد وغيرهما، نقلوه عن أحمد بن حنبل في رسالته.

(شرح حديث النزول ج:١ ص:٢٦٢)

ترجمہ: جمہور اہل السنۃ والجماعۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نیچے کی طرف اترتا ہے اور عرش اس سے خالی نہیں ہوتا جیسا کہ اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ اور حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے منقول ہے اورانہوں نے امام احمد بن حنبل کے رسالہ سے نقل کیا ہے۔

(٣) والقول الثالث وهو الصواب وهو المأثور عن سلف الأمة والمتها انه لا يزال فوق العرش ولا يخلو العرش منه مع دنوه ونزوله الى السماء الدنيا ولا يكون العرش فوقه.

(شرح حديث النزول ص:٩٩)

ترجمہ: تیسرا قول جو کہ درست اور سلف امت اور ائمہ امت سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ عرش کے اوپر ہوتا ہے آسمان دنیا کی طرف نزول اور قریب ہونے کے باوجود عرش اللہ تعالیٰ سے خالی نہیں ہوتا اور نہ عرش اللہ تعالیٰ کے اوپر ہے۔

(٤) وحينئذ فإذا قال السلف والأئمة مثل حماد بن زيد و إسحاق بن راهويه وغيرهما من أئمة اهل السنة انه ينزل ولا يخلو منه العرش لم يجز أن يقال ان ذلك ممتنع. (ايضاً ص:٩٩)

ترجمہ: جب سلف اور ائمہ جیسے حماد بن زید اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نیچے اترتا ہے اور عرش اللہ تعالیٰ سے خالی نہیں ہوتا تو یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ (یعنی نزول اور جلوس فوق العرش) ممتنع ہے۔

فصل سوم

معتبر علماء کرام کا ابن تیمیہ پر رد

میں مزید اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتا کیونکہ میری اس کتاب کا یہ موضوع نہیں ہے کہ ابن تیمیہ کے عقائد باطلہ کو ذکر کر کے ان پر رد لکھوں آپ نے علامہ ابن تیمیہ کے بعض عقائد جو یقیناً عقائد اہل السنۃ والجماعت کے خلاف ہیں ملاحظہ کئے اور ان پر رد بھی ملاحظہ کیا ان پر رد کرنے میں بندہ منفرد نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بھی ہمارے اکابر کی نظر ان کے عقائد باطلہ پر رہی ہے اور ان پر رد کیا ہے۔

ابن تیمیہ کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے بیان کردہ تفصیل

چناں چہ حافظ الحدیث شیخ الاسلام شارح بخاری ابن حجر عسقلانی الدرر الکامنہ (ص ۱۴۴ تا ۱۶۰ ج ۱) میں ابن تیمیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

واستشعر انه مجتهد فصار يرد على صغير العلماء وكبيرهم قديمهم وحديثهم حتى انتهى الى عمر بن الخطاب رضي الله عنه فخطأه في شيء فبلغ الشيخ ابرهيم الرقي الحنبلي فانكر عليه فذهب اليه واعتذر واستغفر وقال في حق عليّ كرم الله وجهه اخطأ في سبعة عشر شيئاً ثم خالف فيها نص الكتاب، منها اعتداد المتوفى عنها زوجها اطول الاجلين، وكان لتعصبه لمذهب الحنابلة يقع في الاشاعرة حتى ان سبّ الغزالي فقام عليه قوم كادوا يقتلونه وذكروا انه ذكر حديث النزول فنزل عن المنبر درجتين فقال: كنزولي هذا فنسب الى التجسيم، وافترق الناس فيه شيعاً، منهم من نسبه الى التجسيم لما ذكر في العقيدة الحموية التي ردّ عليها ابن جهبل والواسطية وغيرهما من ذلك، كقوله: ان اليد والقدم والساق والوجه صفات حقيقية لله وانه مستو على العرش بذاته فقيل له يلزم من ذلك التحيز والانقسام فقال: انا لا اسلم ان التحيز والانقسام من خواص الاجسام فالزم بانه يقول بالتحيز في ذات الله تعالى، ومنهم من ينسبه الى الزندقة لقوله: ان النبي ﷺ، و كان اشد الناس

عليه في ذلك النور البكري، فانه لما عقد له المجلس بسبب ذلك، قال بعض الحاضرين: يعزر فقال البكري: لا معنى لهذا القول فانه ان كان تنقيصاً يقتل وان لم يكن تنقيصاً لايعزر، ومنهم من ينسبه الى النفاق لقوله في عليّ كرم الله وجهه ما تقدم، ولقوله انه كان مخذولاً حيثما توجه وانه حاول الخلافة مراراً فلم ينلها وانما قاتل دون الرياسة لا للديانة، وان عثمان رضي الله عنه كان يحب المال . ولقوله ابو بكر رضي الله عنه اسلم شيخاً لايدري ما يقوله وعليّ الله وجهه اسلم صبياً والصبي لا يصح اسلامه على قول . ونسب قوم الى انه كان يسعى في الامامة الكبرى فانه كان يلهج بذكر تومرت ويطريه فكان ذلك مؤكداً لطول سجنه وله وقائع شهيرة، وكان اذا حوقق والزم يقول لم ارد هذا انما اردت كذا فيذكر احتمالاً بعيداً اه۔

ترجمہ:

ابن تیمیہ نے اپنے بارے میں مجتہد ہونے کا گمان کیا تو چھوٹے بڑے نئے پرانے علمائے کرام کی تردید کرنے لگا یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق تک پہنچا اوران کی طرف بعض مسائل میں خطاء کی نسبت کی تو شیخ ابراہیم الرقی الحنبلی تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے ابن تیمیہ پر نکیر کی تو ابن تیمیہ ان کے پاس آیا اور عذر پیش کیا اور معافی مانگی۔اور حضرت علیؓ کے بارے میں کہا کہ ان سے سترہ مسائل میں خطاء ہوئی ہے اور کتاب اللہ کے نص کی اس نے مخالفت کی ہے ان ہی مسائل میں سے یہ بھی یہ ہے کہ متوفی عنھا زوجھا کی عدت اطول الاجلین ہے حنابلہ کے مذہب کے لیے تعصب کی وجہ سے اشاعرہ کے بارے میں برابلا کہتا تھا یہاں کہ اس نے امام غزالیؒ کے بارے میں کچھ بدزبانی کی تو لوگ اس پر کھڑے ہوگئے اور قریب تھا کہ اس کو قتل کر دیتے اوران لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ ابن تیمیہ نے حدیث النزول کو ذکر کیا اور منبر سے دو سیڑھیاں نیچے آیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہی اترتا ہے جیسے میں اترا تو

تجسیم کی طرف اسکی نسبت کر گئے۔ لوگوں کی اسکے بارے میں مختلف جماعتیں ہیں بعض اسکو تجسیم کی طرف منسوب کرتے ہے کیونکہ اس نے عقیدہ حمویہ میں جس پر ابن جمیل وغیرہ نے رد لکھا ہے کچھ ایسے باتیں کہی ہیں جو تجسیم پر دال ہیں جیسا کہ وہ کہتا ہے کہ ید قدم ساق اور وجہ اللہ کے صفات حقیقیہ ہیں اور اللہ تعالی کی ذات عرش پر مستوی ہے تو اس سے کہا گیا کہ اس سے تو تحیز اور انقسام لازم آئے گا تو اس نے کہا کہ میں یہ نہیں مانتا کہ تحیز اور انقسام اجسام کے خواص میں سے ہے تو اس پر یہ بات لازم کی گئی کہ وہ اللہ تعالی کے حق میں تحیز کا قائل ہیں بعض اسکو زندقہ کے طرف منسوب کرتے ہیں کیونکہ یہ کہتا ہے کہ نبی ﷺ کے ذات کیساتھ توسل جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں نبی ﷺ کے شان کی تنقیص ہیں اور آپ ﷺ کے تعظیم کی ممانعت ہیں اور اس مسئلہ میں ان پر سب سے زیادہ سخت نورالدین بکری تھے کیونکہ جب اس مسئلہ کے وجہ سے علمائے کرام کے مجالس منعقد کیئے گئے تو بعض حاضرین نے کہا کہ ابن تیمیہ کو تعزیر دی جائے تو نورالدین بکری نے کہا کہ اس قول کا کوئی معنی نہیں کیونکہ اگر ابن تیمیہ کا یہ بات حضور ﷺ کے تنقیص ہو تو اسے قتل کر دیا جائے اور اگر یہ تنقیص نہ ہو تو پھر تعزیر بھی نہ دی جائے اور بعض لوگ اس کو نفاق کے طرف منسوب کرتے ہے کیونکہ اس نے علیؓ کے بارے میں وہ باتیں کی ہے جن کا بیان پہلے ہو چکا اور اسی طرح ابن تیمیہ حضرت علیؓ کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ جس طرف قصد کرتے شکست کھاتے اور آپؓ نے کئی مرتبہ خلافت کو حاصل کرنا چاہا تو حاصل نہ کر سکے اور کہتا ہے کہ عثمانؓ مال سے محبت کرتے تھے اور ابوبکرؓ بڑھاپے میں مسلمان ہوئے وہ نہیں سمجھتے تھے کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور علیؓ مسلمان ہوئے تو بچے تھے اور بچے کا اسلام ایک قول کے مطابق صحیح نہیں۔ اور بعض لوگ اس کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ امامت کبریٰ کے حصول کے کوشش میں تھا کیونکہ وہ تومرت کا ذکر مبالغہ کیساتھ کیا کرتے تھے اسی وجہ سے اس نے جیل میں کافی مدت گزاری اور اس کے وقائع مشہور ہے اور جب کوئی اس سے مناظرہ کرتا اور مناظرہ میں کوئی بات اس پر ثابت اور لازم کر دیتا تو یہ کہتا کہ میری یہ مراد

نہیں ہے بلکہ میری مراد تو یہ ہے اور ایک احتمال بعید ذکر کر دیا۔

علامہ یوسف بنوریؒ کا ابن تیمیہ پر رد

ماضی قریب میں مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو علامہ شاہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے امین تھے کا رد بھی بطور سند پیش خدمت ہے۔ چنانچہ الشیخ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ابو المظفر الاسفرائنیؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

قال ابو المظفر الاسفرائيني في كتابه في الملل وهو من اوثق المصادر لتمحيص مذاهب الفرق وتنقيحها (ص٦٦) ومما ابتدعوه من الضلالات مما لم يتجاسر على اطلاقه قلهم واحد من الامم لعلمهم بافتضاحه هو قولهم:بان معبودهم محل الحوادث تحدث في ذاته واقواله وارادته وادراكه للمسموعات والمبصرات بحدوث الجواهر في ذات الصانع غير المحسوس ، فرتبوا مذهبهم على قولهم الخ ... ويقول عبد القاهر البغدادي رحمه الله في التبصرة البغدادية المطبوعة باسم اصول الدين» بالآستانه » واما محمة »خراسان »من الكرامية فتكفيرهم واجب لقولهم بان الله له حد ونهاية من جهة السفل ومنها انه يماس عرشه ولقوهم ان الله محل للحوادث وقد افسدوا باجازة حلول الحوادث في ذات الله لأنفسهم دلالة الموحدين على حدوث الأجسام بحلول الحوادث و كذلك فعل البربهارية والسالمية.

ترجمہ: ابو المظفر الاسفرئینی ملل کے بارے میں اپنی لکھی گئی کتاب میں فرماتے ہیں (اور یہ کتاب فرق کے مذاہب کی تمحیص اور تنقیح کے بارے میں انتہائی معتمد ماخذ ہے) من جملہ دین میں نئی بنائی گئی ان گمراہیوں میں سے جس کو زبان پر لانے کی پچھلی امتوں میں سے کوئی

جرات نہ کر سکا اسلئے کہ ان کو اس کی شرمندگی کا علم تھا ان کا یہ قول ہے کہ ان کا معبود محل حوادث ہے جو اس کی ذات، اقوال، ارادہ اور مسموعات اور مبصرات کے ادراک میں پیدا ہوتی ہے کچھ تفصیل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں ان اس قول پر کہ اللہ تعالی کی ذات محل حوادث جواہر ہے سابقہ امتوں میں سے انہوں نے اس بات کا سوائے مجوس کے کوئی قائل نہیں پایا بلکہ انہوں نے مجوس کے عقیدہ پر اپنے عقیدے کی بنیاد رکھی اور عبد القاہر البغدادیؒ التھمر ۃ البغدادیہ میں جو کہ اصول الدین کے نام سے آستانہ سے چھپ چکی ہے فرماتے ہیں اور کرامیہ میں سے خراسان کے جو مجسمہ ہیں ان کی تکفیر واجب ہے کیونکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالی کے لیے نیچے کی طرف سے حد اور نہایت ہیں اور اللہ اپنے عرش کو مس کرتا ہے اور اسی طرح ان کے اس بات کے قائل ہونے کے وجہ سے کہ اللہ تعالی محل حوادث ہیں اور انہوں نے اپنے لیے اللہ تعالی کی ذات میں حلول حوادث کو جائز رکھنے کی وجہ سے موحدین کی حلول حوادث کے ذریعے سے حدوث اجسام پر دلیل کو فاسد کر دیا ہے، اور اسی طرح برہاریہ اور سالیہ نے بھی کیا۔

اسی صفحہ پر کچھ آگے نقل کرتے ہیں:

وقد ذكر ابو المظفر الاسفرائينى فى اواخر كتابه فى تفصيل مذهب اهل الحق فى العقائد (ص٩٧) وانت تعلم ان الحوادث لايجوز حلولها فى ذاته وصفاته لان ماكان محلا للحوادث لم يخلو منها و إذا لم يخل منها كان محدثا مثلها ولهذا قال الخليل ﷺ بين به ان من حل به من المعانى مايغيره من حال الى حال كان محدثا لايصح أن يكون الها وقال فى (ص ١٠١) "وأنت تعلم أن كل صفة قامت بذات البارى جل جلاله لم تكن إلا أزلية فلبيمة الخ. وقال فى أواخر كتابه: واعلم أن جميع ماذكرنا من اعتقاد أهل السنة والجماعة فلا خلاف فى شئ منه بين

الشافعی وأبی حنیفة وجمیع أهل الرأی والحدیث، مثل مالك والأوزاعی وداؤد والزهری واللیث بن سعد وأحمدبن حنبل، فإذن من الغریب الملغش والموسف المولم مایتوسع به الحافظ ابن تیمیه فی کتبه من تجویزقیام الحوادث وحلولها فیه، ومن اثبات الجهة وتجویزالحرکة، وقدم العرش، وتفسیرالاستواء بالاستقرار فی قوله "ولوشاء لاستقرعلی ظهربعوضه فاستقلت به بقدرته فکیف بالعرش العظیم" وتمثیل نزوله تعالی وله درجتین من المنبر وقال: کنزولی هذا، کماهومدون فی "الدرر الکامنة" للحافظ ابن حجر، وذکره ابن بطوطه الرحالة من مشاهداته، ومالی ذلك من شواذ فی الأصول والفروع لیس هذاموضع بیانها. وبالجملة کتبه فیهافوائد ونفائس ولطائف کما أن فیها مداحض ومزال الأقدام، وأشیاء سطحیة یتعجب مثلها من مثله، فقد جمع فی ثغبه صفواً وکدراً الخ .....

ولله درالقائل:

قدرلرجلك قبل الخطوموضعها　　فمن علا زلقاًعن غرة زلجا

لایغرنك صفو أنت شاربه فربماکان بالتکدیرممتزجاً

(معارف السنن ج: ۱۴۸/۴)

ترجمہ: (ابوالمظفر اسفرائنیؒ نے فرمایا) تو جانتا ہے کہ ہر وہ صفت جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو، ازلی قدیم ہوتی ہے، کتاب کے اواخر میں فرمایا "تو جان لے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے جتنے عقائد کا ہم نے تذکرہ کیا ان میں سے کسی ایک مسئلہ میں بھی امام الشافعی رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ اور جمیع اہل الرای اور اہل حدیث جیسے مالک، اوزاعی، داؤد، زہری، لیث بن سعد اور امام احمد کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، پس وہ عقائد انوکھے، وحشت میں ڈالنے والے، المسوس

رلانے والے اور درد دینے والے ہیں، جنکو ابن تیمیہ جائز قرار دیتا ہے یعنی (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) حوادث کے قیام اور اسکی ذات میں انکے حلول کو جائز قرار دینا، اور (اللہ تعالیٰ کیلئے) جہت کو ثابت کرنا اور حرکت کو جائز قرار دینا، قدم عرش پر قول کرنا، استواء کی تفسیر، استقرار (کسی چیز پر متمکن ہونا بیٹھ جانا) کرنا (جیسا کہ) اسکا قول ہے "اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ایک مچھر کے پیٹھ پر بھی بیٹھ جاتے جو اللہ تعالیٰ کو اسکی قدرت کی وجہ سے اٹھا دیتا تو عرش عظیم پر کسطرح (نہیں بیٹھ سکتا) اور اللہ تعالیٰ کی نزول کی مثال دینا کہ اللہ تعالیٰ کی منبر کے دو درجے ہیں اور کہا (اللہ تعالیٰ اترتے ہیں) جسطرح میں اترتا ہوں" جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ کی کتاب "دررکامنہ" میں مذکور ہے۔ ابن بطوطہ رحالہ نے اپنی مشاہدات میں اسکو ذکر کیا ہے۔ اصول اور فروع میں ان کے علاوہ بھی (ابن تیمیہ کے) شواذ ہیں، جنکے بیان کرنے کی یہ جگہ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ اسکی کتابوں میں فوائد، نفائس اور لطائف بھی ہیں جیسا کہ ان میں قدموں کے پھسلنے اور گرنے کے مقامات بھی ہیں وہ ایسی سطحی باتیں ہیں کہ ابن تیمیہ جیسے شخص سے ان جیسی باتوں پر تعجب ہوتا ہے پس اس نے اپنی تالاب میں اچھی اور بری دونوں چیزیں جمع کی ہیں کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے: کہ قدم رکھنے سے پہلے اپنے پاؤں رکھنے کی جگہ کا اندازہ لگالو، کیونکہ جو نا بھی میں جتنی اونچی جگہ سے پھسل جاتا ہے اتنا ہی زمین پر سخت گرتا ہے۔ صاف چیز جسکو تو پینے والا ہے تجھ کو دھوکہ نہ دیں کیونکہ کبھی گندی چیز کیساتھ اسکا امتزاج ہوتا ہے۔

امام العصر الشیخ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ابن تیمیہ پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

باب قوله وكان عرشه على الماء الخ، ذهب الحافظ ابن تيميه الى قدم العرش قدماً نوعياً. وذلك لانه اذا اخذ الاستواء بالمعنى المعروف اضطر الى قدم العرش لامحالة، مع حديث صريح عند الترمذي في حدوثه، قلت اما الاستواء بمعنى جلوسه تعالىٰ عليه، فهو باطل لايذهب اليه الا غبي وغوى كيف وان العرش قد مرت

عليه أحقاب من الدهر لم يكن شيئاً مذكوراً فهل تعقل الآن الاستواء عليه بذلك المعنى؟ نعم أقول: ان هنالك حقيقة معهودة عبر عنها بهذا اللفظ، فليس الاستواء عندى محمولا على الاستعارة، ولاعلى الحسى الذى تعقله، بل هو نحو من التجلى، وقد كشفناعنه من قبل.

(فيض البارى ج: ٤/١٩ ٥)

ترجمہ: حافظ ابن تیمیہ قدم نوعی کے ساتھ قدم عرش کو مانتے ہیں کیونکہ جب اس نے استواء کو معروف معنی کے ساتھ لیا تو لامحالہ عرش کو قدیم ماننے کی طرف مجبور ہوا حالانکہ حدوث العرش کے متعلق امام ترمذی کے نزدیک حدیث صریح موجود ہے تھوڑا سا آگے لکھتے ہیں:

امـاالاستواء: بہرحال استواء کا یہ معنی کہ اللہ تعالی عرش پر بیٹھے ہیں، سو یہ معنی باطل ہے اسکو کوئی غبی اور گمراہ ہی اختیار کر سکتا ہے کیونکہ عرش کتنے زمانے گزر گئے ہیں کہ اسکا نام ونشان بھی نہیں تھا کیا ابھی مذکور معنی کے ساتھ استواء کوئی عقل میں آنے والی بات ہے؟ ہاں میں کہتا ہوں کہ وہاں ایک معلوم حقیقت ہے جس سے اس لفظ کے ساتھ تعبیر کی گئی، پس میرے نزدیک استواء نہ تو استعارہ پر محمول ہے اور نہ اس حسی استواء پر جسکا ہم ادراک کرتے ہیں بلکہ یہ تجلی کی ایک قسم ہے جسکے بارے میں ہم نے پہلے تفصیل بیان کی ہے۔

قوله: استوى إلى السماء الخ، أثبت الله تعالى العلو على مايليق بشانه وقال الحافظ ابن تيميه: من أنكر الجهة لله تعالى، فهو كمن أنكر وجوده عن برهانه فانه وجود الممكن، كمالايكون إلافي جهة، وإنكار الجهة له إلى إنكار وجوده، كذلك الله سبحانه، لايكون إلا في جهة، وهي العلو وإنكارها ينجر إلى إنكار وجوده.

قلت: ويا للعجب ويالأسف، كيف سوى امر الممكن، والواجب؟ أما كان له أن ينظر أن من أخرج العلم كله من كتم العدم، إلى بقعة الوجود،

كيف تكون علاقته معه، كعلاقة سائر المخلوقات؟ فإن الله تعالى كان، ولم يكن معه شيء، فهو خالق للجهات، وإذن كيف يكون استواؤه في جهة، كاستواء المخلوقات، بل استواؤه كمعيته تعالى بالممكنات، وكاقربيته، والغلو في هذاالباب يشبه القول بالتجسيم، والعياذ بالله، أن تعدى حدود الشرع. (ايضاً)

ترجمہ: اللہ تعالی نے علو کو ثابت کیا کما یلیق بشانہ ابن تیمیہ نے کہا "جس نے اللہ تعالی کے لیے جہت کا انکار کیا تو یہ اس شخص کی طرح ہے جو اللہ عز برھانہ کے وجود کا منکر ہے۔ جس طرح ممکن کا وجود ایک جہت میں ہوتا ہے اور ممکن کے لیے جہت کا انکار اس کے وجود کے انکار کی طرف لے جاتا ہے، اسی طرح اللہ سبحانہ کے لیے بھی جہت ہے اور وہ جہت علو ہے، جس کا انکار وجود باری تعالی کے انکار کی طرف لے جاتا ہے۔

(علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں بہت تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ ابن تیمیہ نے واجب اور ممکن کا حال برابر کر دیا آیا وہ نظر نہیں کرتا کہ جس (ذات) نے سارے عالم کو عدم کی پوشیدگی سے وجود کے میدان کی طرف نکالا، عالم کے ساتھ کس طرح اسکا تعلق ہوگا جس طرح باقی مخلوقات کا علاقہ ہے کیونکہ اللہ تعالی کی ذات موجود تھی اور کوئی چیز اللہ تعالی کے ساتھ نہ تھی اللہ تعالی جہات کا خالق ہے تو کس طرح مخلوقات کی طرح اسکا استواء کسی جہت میں ہوگا بلکہ اللہ تعالی کا استواء ممکنات کے ساتھ معیت کی طرح ہے اور اس باب میں غلو کرنا قول بالتجسیم کے مشابہ ہے ہم اللہ تعالی کی پناہ چاہتے ہیں کہ حدود شرع میں تجاوز کریں۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"وذهب الحافظ ابن تيمية إلى كونها قائمة بالبارى تعالى، وأنكر استحالة قيام الحوادث بالبارى تعالى، وأصرعلى أن كون الشيء محلا للحوادث لا يوجب حدوثه، واستبشعه الآخرون، لان قيام الحوادث به يستلزم كونه محلا لها،

وهذا يستتبع حدوثه، والعياذ بالله. (ايضاً ص:٥٢٣)

حافظ ابن تیمیہ اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث قائم ہیں اور اللہ کی ذات کے ساتھ قیام حوادث کے محال ہونے کا انکار کیا ہے۔ ان کو اس بات پر اصرار ہے کہ کسی بات کا محل حوادث ہونا اس کے حدوث کا موجب نہیں ہے۔ دوسرے علمائے کرام نے ان کے اس اعتقاد کو قبیح شمار کیا ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے حوادث کا قائم ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ محل حوادث ہے اور اس کا محل حوادث ہونا اس کے حدوث کو مستلزم ہے۔ و العیاذ باللہ تعالی

علامہ کوثری کا ابن تیمیہ پر رد:۔

اسی طرح ہمارے قریبی دور کے ایک محقق و مدقق علم کبیر محمد زاہد بن الحسن الکوثری المتوفی ۱۳۷۱ھ جو کہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ، احمد رضا بجنوریؒ، عبد الفتاح ابوغدہ رحمہم اللہ اور دیگر محققین کے استاذ ہیں اور ایک جلیل القدر عالم ہیں۔ السیف الصقیل کے مقدمہ میں ابن تیمیہ کی تمام زندگی کا لب لباب اور خلاصہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الى أن نبغ في أواخر القرن السابع بدمشق حراني تجرد للدعوة الى مذهب هؤلاء الحشوية السخفاء متظاهراً بالجمع بين العقل والنقل على حسب فهمه من الكتب بدون استاذ يرده في مواطن الزلل، وحاشا العقل الناهض والنقل الصحيح ان يتظافرا في الدفاع عن تخريف السخفاء الا اذا كان العقل عقل صابئ والنقل نقل صبيٍّ، وكم انخدع بخزعبلاته أناس ليسوا من التأهل للجمع بين الرواية والدراية في شيء وليه مع خلطاته هؤلاء موقف في يوم القيامة لا يغبط عليه ـ ومن درس حياته يجدها كلها فتناً لا يثيرها حافظ بعقله غير مصاب في دينه، وأني يوجد نص صريح منقول أو برهان

صحیح معقول يثبت الجهة والحركة والثقل والمكان ونحو ما الله سبحانه ؟

وكل ما في الرحل أنه كان له لسان طلق، وقلم سيّال، وحافظة جيدة تقلب بنفسه بدون أستاذ رشيد صفحات كتب كثيرة جدا من النحل التي كانت دمشق امتلأت بها بواسطة الجوافل من استيلاء المغول على بلاد الشرق، فاغترّ بما فهمه من تلك الكتب من الوساوس والهواجس، حتى طمحت نفسه الى أن تكون قدوة في المعتقد والأحكام العملية فقفاه في القبيلين بما لم يفه به أحد من العالمين مما هو وصمة عار وأمارة مروق في نظر الناظرين فانفضّ من حوله أناس كانوا تعجلوا في اطرائه بادیء بدء قبل تجربته وتخلوا عنه واحداً اثر واحد على تعاقب فتنه المدونة في كتب التاريخ ولم يبق معه الا أهل مذهبه في الحشو من جهلة المقلدة، ومن ظن أن علماء عصره صاروا كلهم البأ واحداً ضده حسداً من عند أنفسهم فليتّهم عقله وادراكه قبل اتهام الآخرين، بعد أن درس مبلغ بشاعة شواذه في الاعتقاد والعمل، وهو لم يزل يُسْتَتَابُ استتابة اثر استتابة، وينتقل من سجن الى سجن الى ان أفضى الى ما عمل وهو مسجون فقبر هو وأهواؤه في البابين بموته وبرُدُود العلماء عليه وماهي ببعيدة عن متناول رواد الحقائق

مذکورہ عبارت کا آزاد ترجمہ:

یہاں تک ساتویں ہجری کے اواخر میں ایک حرانی نے سر اٹھایا اور ان ... حشویہ کے مذہب کی طرف لوگوں کو دعوت دینے لگا۔ وہ عقل اور نقل کو جمع کرنے کا ار...

دار تھا۔ اس بارے اس نے کسی استاذ سے رہنمائی حاصل نہ کی تھی بلکہ اپنے فہم کے مطابق اس نے کتابوں سے جو سمجھا تھا اسکی دعوت دیتا تھا۔ عقل ناصح اور نقل صحیح میں کہاں تعارض ہوسکتا ہے ہاں اگر عقل صابی (بے دین) کی اور نقل صبی (بچے) کی ہو تو پھر عقل اور نقل میں تعارض آسکتا ہے۔ ان کے اس مکر وفریب سے صرف وہی لوگ دھوکہ میں پڑے جو علوم نقلیہ اور عقلیہ کو جمع کرنے کی چنداں صلاحیت نہ رکھتے تھے۔

ابن تیمیہ کا اپنے اس خلطاء (شرکاء) کے ساتھ روز قیامت کو ایک موقف ہوگا جس پر کوئی رشک نہ کریگا۔ جو شخص ابن تیمیہ کی زندگی کا مطالعہ کرے گا تو اسکو ایسے فتنوں سے بھر پور پائے گا جسکو اٹھانے والا کوئی بے عقل اور بے دین ہی ہوسکتا ہے۔ صاحب عقل اور صاحب دین شخص ایسے فتنوں کو برپا نہیں کرسکتا۔ ایسی نص صریح منقول اور عقل صحیح معقول کہاں ہے؟ جو اللہ تعالی کیلئے جہت، حرکت، ثقل اور مکان وغیرہ کو ثابت کرتا ہو۔ ابن تیمیہ کے مجموعی صفات یہ تھے کہ جاری زبان، بہتے ہوئے قلم اور اچھے حافظے کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنے فہم پر اعتماد کرتے ہوئے بغیر کسی استاذ کی رہنمائی کے مختلف فرق اور ادیان کے متعلق جو کتابیں ہیں انکو مطالعہ کیا۔ یہ وہ دور تھا کہ دمشق اس قسم کی کتابوں سے بھرا ہوا تھا ان پراگندہ جماعات کے واسطے سے جو بلاد شرق پر مغول (منگول) کے غلبہ کی وجہ سے یہاں آئے تھے۔ ان کتابوں سے جو وساوس اور ھواجس (خیالات) ان کے دل میں آتے رہے ان سے دھوکہ کھاگئے یہاں تک کہ وہ عقائد اور احکام عملیہ میں مقتدی بننے کی سوچنے لگے سو احکام عملیہ اور اعتقادات میں ایسی باتیں ان سے صادر ہوئیں جو کہ کسی سے بھی صادر نہ ہوئی تھی اور جو عیب لگانے والی اور دین سے خارج کرنے کی نشانی تھی۔ سو ان کے اس عمل کے وجہ سے وہ لوگ جنہوں نے انکی مدح سرائی میں جلد بازی سے کام لیا تھا ان سے برگشتہ ہوگئے اور یکے بعد دیگرے ان سے الگ ہونے لگے یہاں تک انکے پاس سوائے انکے جاہل مقلدین کے کوئی بھی باقی نہ رہا۔

جو شخص یہ کہتا ہو کہ ابن تیمیہ کے ہم عصر علماء کرام حسد اور بغض کی وجہ سے انکے خلاف ایک جماعت ہو گئے تو ایسی شخص دوسروں پر تہمت لگانے سے قبل اپنی عقل پر تہمت لگائے۔ بعد اس کے کہ وہ مسائل اعتقادیہ اور عملیہ میں ابن تیمیہ کے جو شواذ ہیں انکی برائی سے واقف ہو۔

ابن تیمیہ سے کئی باران مسائل نے رجوع اور توبہ طلب کی جاتی رہی اور ایک جیل سے دوسری جیل کی طرف منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ وہ جیل کے اندر ہی انجام رسیدہ ہو گئے۔ سو وہ اور انکے اختیار کردہ شواذ مسائل اعتقادیہ اور فرعیہ دونوں دفن کر دئے گئے۔ ایک تو ان کے موت کے واقع ہونے کے سبب اور دوسری علماء حق کا ان کے شواذ پر رد کرنے کے سبب۔ اور علماء کرام نے ان کے خلاف جو ردود لکھے ہیں حق کے متلاشیوں کی پہنچ سے وہ دور نہیں ہیں۔

ایک تنبیہ:

بعض حضرات کو یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ کے ہم عصر علماء اور محققین نے ابن تیمیہ کی تعریف کی ہے اور ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے جن میں علامہ ذہبی، سبکی، زملکانی، ابوحیان رحمہم اللہ شامل ہیں۔ لیکن ان حضرات کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ ان علمائے کرام نے ابن تیمیہ کے علم و فضل کی یہ تعریف اس وقت کی ہے۔ کہ ان کی عمر چالیس سال کی نہ ہوئی تھی اور خود ان مدح کرنے والوں کی بھی عمر چالیس سے کم تھی۔ یعنی مادحین اور ممدوح دونوں کا عمر شباب تھا اب جب یہ دور تمام ہوا اور ابن تیمیہ نے دور کہولت کی منزلیں طے کیں اور پھر شیخوخت میں داخل ہو گئے اور مسائل اعتقادیہ اور فرعیہ میں ابن تیمیہ کا جمہور کے مخالف ہونا لوگوں پر منکشف ہو گیا تو ان کے مداح ان سے برگشتہ ہونے لگے۔ ان علماء اعلام کا ابن تیمیہ کی مدح سرائی کرنا ان کے دور شباب میں تھا جبکہ انہوں نے مسائل اصولیہ اعتقادیہ اور مسائل فرعیہ میں اپنے شواذ کا اظہار نہ کیا تھا۔ ہم مستند حوالوں کے ساتھ پہلے، زملکانی، ذہبی، ابوحیان رحمہم اللہ کی وہ عبارات نقل کرتے ہیں جو ابن تیمیہ کی مدح پر دال ہیں پھر اسکے بعد

ان ہی حضرات کے بعد کے دور کی وہ عبارتیں بھی نقل کرتے ہیں جو ان لوگوں کی ابن تیمیہ سے ناراض ہونے پر دال ہیں

حافظ زملکانی کی ابن تیمیہ کی مدح وستائش

علامہ ابن تیمیہ کی عمر جبکہ تیس سال کے لگ بھگ تھی، حافظ زملکانی نے ان کی تعریف میں لکھا ہے۔

اجتمعت فیہ شروط الاجتھاد علی وجھھا وان لہ الید الطولیٰ فی حسن التصنیف وجودۃ العبارۃ والترتیب والتقسیم والتدوین.،،

وکتب علی تصنیف لہ ھذہ الأبیات

ماذا یقول الواصفون لہ ... وصفاتہ جلت عن الحصر

ھو حجۃ للّٰہ قاھرۃ ... ھو بیننا أعجوبۃ الدھر

ھو آیۃ فی الخلق ظاھرۃ ... انوارھا اربت علی الفجر

ترجمہ۔ ابن تیمیہ میں اجتہاد کی شرطیں صحیح طور پر جمع ہوگئی ہیں۔ ان کو حسن تالیف، عبارت کی خوبی اور ترتیب وتقسیم اور تدوین میں کامل دستگاہ حاصل ہے۔

اور زملکانی نے اپنی کسی تصنیف پر یہ (تین) شعر لکھے ہیں۔

ا۔تعریف کرنے والے ان کی کیا تعریف کرینگے جبکہ ان کے اوصاف زائد از شمار ہیں۔

۲۔وہ اللہ کی غالب آنے والی حجت اور ہم میں ایک عجوبہ روزگار ہیں۔

۳۔وہ خلائق میں ایسی کھلی نشانی ہیں کہ ان کا نور فجر کے نور کی طرح واضح ہے۔

حافظ زملکانی کی ابن تیمیہ سے ناراضگی

حافظ زملکانی نے یہ مدح وستائش اس وقت کی ہے. جبکہ ابن تیمیہ کی عمر تقریبا (۳۰) سال کی تھی اور تعریف بھی ایسی کی تھی کہ آج تک تذکرہ نگار اس کو لکھتے چلے آرہے ہیں، اور جب ابن تیمیہ شیخوخت کے حدود میں داخل ہوگئے حافظ زملکانی کو ان سے نفرت ہوگئی. اور

نفرت بھی ایسی جوایذا رسانی کی حد کو پہنچ گئی ہو۔اس سلسلہ میں مولانا آزاد نے لکھا ہے
"بلاشبہ انھوں نے بھی نہایت سخت مخالفت کی، دونوں مرتبہ وہی رئیس المناظرین تھے
حافظ ابن البلقینی لکھتے ہیں: جب ابن تیمیہ سے مناظرہ قرار پایا تو زملکانی کے سوا کوئی
زبان نہ کھول سکا، حافظ ابن حجر کہتے ہیں" حتی کان اشد المتعصبین علیہ
والعاملین فی ایصال الشر الیہ وھو الشیخ الزملکانی"، یعنی زملکانی نے سب سے
زیادہ ان کے خلاف اظہار تعصب کیا اور ان کو مضرت پہنچانے میں ساعی ہوئے"

علامہ ابوحیان کی ابن تیمیہ کی مدح سرائی

علامہ ابن تیمیہ کی وفات سے اٹھائیس سال پہلے جب کہ ان کی عمر ۳۹ سال کی
تھی۔علامہ ابوحیان نے ان کو دیکھ کر جملہ ضد اولہ بین العلماء کا استعمال کیا اور کہا ما رات
عینای مثل ھذا الرجل میری آنکھوں نے اس شخص کا مثل نہیں دیکھا ہے اور پھر یہ چھ شعر
کہے

لما اتانا تقی الدین لاح لنا	داع الی اللہ فرد ماله وزر
علی محیاہ من سیما الأولیٰ صحبوا	خیر البریة نور دونه القمر
حبر تسربل منه دھرہ حبرا	بحر تقاذف من امواجه الدرر
قام ابن تیمیة فی نصر لصح	مقام سید تیم اذعصت مضر
واظھر الحق اذ آثارہ اندرست	واخمد الشر اذطار له شرر
کنا نحدث عن حبر یجیء فھا	أنت الامام الذی قد کان ینتظر

ترجمہ:۱۔ جب ہمارے پاس تقی الدین (ابن تیمیہ) آئے۔ہم سمجھ گئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی
طرف بلانے والا ایک فرد ہے اور اس کا کوئی نظیر نہیں۔

۲: اور اس کے چہرے پر ان لوگوں کا سا نور ہے جو خیر البریہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہ
چکے ہے۔اس نور کے سامنے چاند کا نور کمتر ہے (ماند ہے)

۳:وہ ایسے حبر (بہت بڑے عالم) ہیں، کہ زمانے نے ان کو اپنا جامہ بنالیا ہے اور وہ ایسے سمندر ہیں کہ جس کی موجوں سے موتی بکھرتے ہیں۔

۴:ہماری شریعت کے مدد کے واسطے سید تیم (ﷺ) کے اس موقف پر کھڑے ہوئے ہیں جبکہ مضر نے نافرمانی کی تھی۔

۵:انہوں نے اس وقت حق کا اظہار کیا جبکہ حق کے آثار مٹ چکے تھے، اور شر کو اس وقت ٹھنڈا کیا، جبکہ اس کے شرارے پھیل گئے تھے۔

۶:ہم کسی حبر (بہت بڑے عالم) کی آمد کا ذکر کیا کرتے تھے۔ لو، وہ امام جس کا انتظار کیا جارہا تھا تم ہی ہو۔

علامہ ابوحیان کی ابن تیمیہ سے برگشتگی

لیکن بعد کو صحبت سازگار نہ ہوئی۔ اور علامہ ابوحیانؒ ابن تیمیہ سے ناراض ہوگئے۔ اور ان کی محبت نفرت میں بدل گئی۔ پورے حالات کو پڑھنے اور سیاق وسباق کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ نے امام سیبویہ کے متعلق لفظ جارح کو استعمال کیا تھا جس سے ابوحیان اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ گفتگو کے قابل نہیں اور ابن تیمیہ کی لکھی ہوئی کتاب، کتاب العرش پڑھی تو یہ سمجھے کہ ابن تیمیہ مجسم ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی " دررکامنہ ج نمبر۳ ص ۳۰۸ میں نقل فرماتے ہیں۔ كان يعظم ابن تيمية ومدحه بقصيدة ثم انحرف وذكره في تفسيره الصغير بكل سوء ونسب الى التجسيم فقيل ان سبب ذلك انه بحث معه في العربية فاساء ابن تيمية على سيبويه فساء ذلك ابا حيان والحرف عنه . وقيل بل وقف له على كتاب العرش فاعتقدانه مجسم "

(ترجمہ) ابوحیان، ابن تیمیہ کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ اور ان کی تعریف کی ہے ایک قصیدہ سے پھر ان سے منحرف ہوگئے (پھر گئے) اور اپنی چھوٹی تفسیر (النہر) میں ان کا (ابن تیمیہ کا) ذکر

ہر برائی سے کیا ہے۔ اس سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوحیان نے ابن تیمیہ سے عربیت میں بحث کی۔ اور ابن تیمیہ نے سے سیبویہ کے متعلق کچھ نامائم بات کہی اور اس سے ابوحیان کو رنج پہنچا لہذا وہ ابن تیمیہ سے پھر گئے۔ اور کہا گیا ہے کہ انحراف کی وجہ یہ ہے کہ ابوحیان نے ابن تیمیہ کی کتاب العرش دیکھ لی اور وہ ابن تیمیہ کو مجسمی سمجھنے لگے۔ دررکامنہ کے پہلے حصہ میں حافظ عسقلانی نے خود ابوحیان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔

"قال نا ظرته في شيء من العربية فذكرت له كلام سيبويه فقال يفشو سيبويه قال أبو حيان وهذا لايستحق الخطاب،، ابوحیان نے کہا میں نے عربیت کے کسی مسئلہ میں ابن تیمیہ سے مناظرہ کیا اور میں نے سیبویہ کا قول بیان کیا۔ ابن تیمیہ نے کہا سیبویہ غلط کہتا ہے۔ (یہ بیان کر کے) ابوحیان نے کہا۔ یہ (ابن تیمیہ) بات کرنے کے قابل نہیں۔

علامہ ابوحیان ابن تیمیہ سے ایسے برگشتہ ہو گئے تھے کہ ۷۳۲ھ میں ابن المحب نے ابوحیان سے اُن کے اشعار سنے۔ پھر ابن المحب نے ان کے سامنے وہ اشعار پڑھے۔ جو انہوں نے ابن تیمیہ کی مدح میں کہے ہیں۔ ابو حیان نے ان سے کہا (قد كشطتها من ديواني ولا أذكره بخير) میں نے اپنے دیوان سے ان اشعار کو کاٹ دیا ہے اور میں ان کو بھلائی سے نہیں یاد کرتا۔ ابوحیان نے جس وقت اپنے دل کی برگشتگی کا اظہار کیا ہے۔ ابن تیمیہ کی رحلت کو چھ سال گزر چکے تھے۔ کوئی معمولی بات ایسی دل برداشتگی کا سبب نہیں ہو سکتی۔

علامہ علاؤالدین القونویؒ کی ابن تیمیہ کی تعریف اور پھر ان سے ناراضگی

کچھ یہی حال علامہ علاؤ الدین علی بن اسماعیل بن یوسف القونوی الشافعیؒ کا ہے۔ کہ وہ ایک عرصہ ابن تیمیہ سے محبت کرتے رہے اور ان کی طرف سے مدافعت کرتے رہے لیکن جب ابن تیمیہ نے اصول و فروع میں شذوذ کی راہ اختیار کی تو علامہ قونویؒ ان سے ناراض ہو گئے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے الدرر الکامنہ جلد (۳) صفحہ ۲۷ میں لکھا ہے حضرو

علامہ ابن جملة فحط علی ابن تیمیة فقال القونوی بالترکی هذا ما یفهم کلام الشیخ تقی الدین.

ترجمہ: قونوی کے پاس ابن جملہ آئے اور ابن تیمیہ کی تنقیص کی. آپ نے ترکی میں فرمایا، یہ شخص شیخ تقی الدین (ابن تیمیہ) کے کلام کو نہیں سمجھتا.

اب یہی علامہ قونوی ہیں کہ بعد میں ابن تیمیہ کے اعتقادات اور احکام عملیہ کے اندر شذوذ دیکھ کر ان سے ناراض ہو گئے. چنانچہ حافظ عسقلانی الدرر الکامنہ جلد ۳، صفحہ ۱۷ میں لکھتے ہیں.

کان یعظم الشیخ تقی الدین ابن تیمیة ویذب عنه مع مخالفته له فی أشیاء وتخطئته له ویقال ان الناصر قال له اذا وصلت دمشق قل للنائب یفرج عن ابن تیمیة فقال یا خوندلاَیِّ معنی سجن قال لأجل الفتاوی، قال فان کان رجع عنها افرجنا عنه . فیقال کان هذا الجواب سببا فی استمرار الشیخ ابن تیمیه فی السجن الی أن مات، الخ

ترجمہ؛ علامہ قونوی شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کی تعظیم اور ان کی طرف سے مدافعت کیا کرتے تھے باوجودیکہ مسائل میں ان سے اختلاف تھا اور ان کو برخطا جانتے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ بادشاہ الناصر نے ان کو قاضی بنایا اور کہا۔ تم دمشق پہنچو، نائب سے کہہ دو کہ ابن تیمیہ کو رہا کر دیں۔ قونوی نے دریافت کرتے ہوئے کہا جناب من وہ کس بنا پر قید ہوئے ہیں؟ بادشاہ نے کہا فتاوی کی بنا پر قونوی نے کہا اگر انھوں نے فتاوی سے رجوع کر لیا ہے، ہم ان کو رہا کر دیں گے (ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں) قونوی کا یہ جواب ابن تیمیہ کی قید کے استمرار کی وجہ ہوئی!

علامہ ذہبیؒ کا ابن تیمیہ کی تعریف کرنا

علامہ ذہبیؒ بھی ایک عرصہ تک ابن تیمیہ کے مداح رہے ہیں. اپنے معجم شیوخ میں ابن تیمیہ کے اوصاف مدائح لکھتے لکھتے تھک گئے. اور ختم نہ ہوئے تو بالآخر یہ کہہ کر خاموش

ہو جاتا پڑا۔ وھو اکبر من ان ینبه علی سیرته مثلی. وواللہ لو حلفت بین الرکن والمقام انی ما رایت بعینی مثله وانه ما رای مثل نفسه لما حنثت،،

(ترجمہ) ان کا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ مجھ جیسا شخص ان کی سیرت وفضیلت بیان کرے، قسم خدا کی اگر میں خانہ کعبہ میں بین رکن ومقام کے درمیان کھڑے ہو کر قسم کھاؤں کہ نہ تو میری آنکھوں نے انکا مثل دیکھا اور نہ خود انھوں نے اپنا مثل دیکھا، تو میری قسم سچی ہوگی اور میرے لئے کفارہ یمین نہیں۔

اور یہی حافظ ذھبی ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں۔ وھو عجیب فی استحضار السنة واستخراج الحجج منهاحیث یصدق علیه أن یقال کل حدیث لایعرفه ابن تیمیة فلیس بحدیث ولکن الاحاطة للّٰه تعالی ۔ یعنی علوم سنت کے استحضار اور ان سے دلائل وبراہین کے استنباط میں ان کا رسوخ واحاطہ عجیب وغریب ہے یہاں تک کے ان پر یہ بات صادق آتی ہے کہ جس حدیث کو ابن تیمیہ نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں۔ لیکن احاطہ تو اللہ ہی کے لئے ہے۔

علامہ ذھبیؒ کی ابن تیمیہ سے ناراضگی

علامہ ذھبی بعد میں ابن تیمیہ کے بعض مسائل میں ان کے مخالف ہو گئے۔ چنانچہ اپنی اسی مخالفت اور ناراضگی کا اظہار انہوں نے اپنے ایک رسالے "زغل العلم والطلب" میں وہ لکھتے ہیں۔ احذر المُراء فی البحث وان کنت محقا. ولا تنازع فی مسئلة لا تعتقدها. واحذر الکبر والعجب بعلمک فیاسعادتک ان نجوت منه کفافا لا علیک ولا لک فواللّٰه مارمقت عینی أو سع علما ولا اقوی ذکاء من رجل یقال له ابن تیمیة مع الزهد فی الأکل والملبس والنساء مع القیام فی الحق والجهاد بکل ممکن ولقد تعبت فی وزنه وفتشه حتی مللت فی سنین متطاولة فما وجدت آخره بین أهل مصر والشام ومَقَتَهُ نفوسهم وازدروا به

وكلهره وكفروه الا للكبر والعجب وفرط الغرام في رياسة المشيخة والازدراء بالكبار. فانظر كيف وبال الدعاوى ومحبة الظهور. نسال الله المسامحة فقد قام عليه اناس ليسوا باورع منه ولا اعلم منه ولا ازهد منه بل يتجاوزون عن ذنوب اصحابهم وآثام اصدقائهم ماسلطهم الله عليه بتقواهم وجلالتهم بل بذنوبه وماوقع الله عنه وعن اتباعه اكثر. وما جرى عليهم الا بعض ما يستحقون فلا تكن في ريب من ذلك.

(ترجمہ) مباحثہ کے وقت اپنے کو نام ونمود سے بچاؤ، چاہے تم ہی حق پر کیوں نہ ہو، اور ایسے مسئلہ میں بحث نہ کرو جس کا تم کو اعتقاد نہ ہو اور اپنے کو اپنے علم کے گھمنڈ اور غرور سے بچاؤ، تمہاری بڑی خوش نصیبی ہوگی اگر تم علم کا بوجھ اٹھانے میں برابری میں چھوٹ جاؤ کہ نہ تم پر کچھ آئے اور نہ تم کو کچھ ملے۔ خدا کی قسم میری آنکھ نے اس شخص سے جس کو ابن تیمیہ کہتے ہیں۔ کسی کو زیادہ علم اور سمجھ والا نہیں دیکھا۔ اور پھر کھانے میں، کپڑوں میں اور عورتوں کے معاملہ میں ان کا جوز ہد تھا، اور پھر قیام حق اور ہمہ وقت جہاد کے واسطے ہر ممکن ذرائع کے ساتھ ان کا کمربستہ رہنا۔ میں سالہا سال ان کے پرکھنے اور سمجھنے میں مصروف رہا اور آخر کار میں تھک گیا۔ میں غرور اور گھمنڈ، اور ریاست مشیخت کی بے پناہ ہوس، اور اکابر کی تحقیر کرنے کی یہ ذلت اس کا یہ انجام مصر وشام میں دیکھا کہ لوگوں کو اس سے نفرت ہوگئی، اور انھوں نے اس کی تکذیب وتکفیر شروع کردی۔ دیکھو اپنے چمکانے اور بلند بانگ دعاوی کرنے کا کیسا گھناؤنا وبال ہوتا ہے، ہم اللہ سے مسامحت کے طلب گار ہیں۔

ابن تیمیہ کی مخالفت پر وہ لوگ کمربستہ ہوئے جو علم تقویٰ اور زہد میں ان سے بڑھ کر نہ تھے۔ البتہ وہ لوگ اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر کرنے والے تھے۔ اللہ نے ان لوگوں کو ان کے تقویٰ اور جلالت قدر کی وجہ سے ابن تیمیہ پر مسلط نہیں کیا بلکہ یہ سب کچھ ابن تیمیہ کے گناہوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جن آفتوں

وہ بہ نسبت ان آفتوں کے جو ان پر نازل
اور تکلیفوں سے ان کو اور ان کے اتباع کو پہنچایا ہے،
ہوئیں بہت زیادہ ہیں۔ تم کو اس بات میں شک وشبہ نہ ہونا چاہئے۔"
علامہ ذہبی نے پھر علم اصول دین کے بیان میں سلف صالح کے مسلک کو پسند اور
خلف کے طریق کو ناپسند کرتے ہوئے لکھا ہے، "من حسن اسلام المرء ترکه ما لا
یعنیه" "اسلام کی خوبیوں میں سے کسی شخص کی یہ ہے کہ بیکار امور کو چھوڑ دیا جائے۔ اور پھر
تحریر فرمایا ہے۔

فان برعت فی الاصول وتوابعها من المنطق والفلسفه وآراء الاوائل ومحارات العقول واعتصمت مع ذلک بالکتاب والسنة واصول السلف ولفقت بین العقل والنقل فما أظنک فی ذلک تبلغ رتبة ابن تیمیة ولا واللّٰه تقاربها. ولقد رأیت ما آل أمره الیه من الحط علیه والهجر والتضلیل والتکفیر والتکذیب بحق وبباطل فقد کان قبل أن یدخل فی هذه الصناعة منورا مضیئا علی محیاه سیما السلف ثم صار مظلما مکسوفا علیه قتمة عند خلائق من الناس ودجالا افاکا کافرا عند اعدائه، ومبتدعا فاضلا محققا بارعا عند طوائف من عقلاء الفضلاء، وحامل رایة الاسلام وحامی حوزة الدین ومحی السنة عند عموم أصحابه، هذا ما أقول لک.

(ترجمہ) اگر تم اصول (یعنی عقائد وکلام) اور اس کے توابع منطق وحکمت وفلسفہ میں مہارت پیدا کرلو اوائل کے آراء اور محیر العقول باتوں سے بھی واقف ہو جاؤ اور ساتھ ہی کتاب وسنت اور اصول سلف کو بھی سمجھ لو، اور عقل ونقل کو آپس میں ملا دو تب بھی میں خیال نہیں کرسکتا کہ تم ابن تیمیہ کا مرتبہ پالوگے، بلکہ اللہ کی قسم تم ان کے مرتبہ کے قریب بھی نہیں جاسکتے۔ ابن تیمیہ کا جو انجام ہوا ہے وہ میرے پیش نظر ہے، کہ ان کی بے عزتی کی گئی، ان کو برا کہا گیا

ہ اوران کی تضلیل وتکفیر وتکذیب حق وناحق کی گئی (یعنی گمراہ، کافر اور جھوٹا کہا گیا)۔

اس روش کے اختیار کرنے سے پہلے خلقت کی نظر میں ان کا چہرہ نورانی اور تاباں تھا اس پر سلف صالح کے آثار ظاہر تھے، پھر وہی چہرہ ایک مخلوق کی نظر میں تاریک اور بے نور ہوا، اور اپنے دشمنوں کی نظر میں دجال، الزام تراش اور کافر ہوئے، اور سمجھدار فاضلوں کے نزدیک، نئی باتیں نکالنے والے، فاضل ومحقق وماہر بنے، اور اپنے اصحاب کے نزدیک، اسلام کا پرچم اٹھانے والے، اصول دین کی حفاظت اور سنت کو زندہ کرنے والے قرار پائے، میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں۔

النصيحة الذهبية

یہ ایک مکتوب ہے جو علامہ ذہبی نے از روئے نصیحت علامہ ابن تیمیہ کو لکھا ہے اور علامہ محمد زاہد الکوثری نے ۱۳۴۷ھ میں اس کو رسالہ ذغل العلم والطلب کے ساتھ دمشق میں چھپوایا ہے میں اس کو نقل کرتا ہوں، چوں کہ اس کا ترجمہ بعد میں لکھا جائے گا اس لیے اس مکتوب کے دس حصے کر دیے ہیں تا کہ مراجعہ کرنے میں سہولت رہے۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے۔

(۱) بسم الله الرحمن الرحيم. الحمد لله، على ذلتي يارب ارحمني واقلني عثرتي واحفظ على ايماني، واحزناه على قلة حزني، واأسفاه على السنة وذهاب أهلها، واشوقاه الى اخوان مؤمنين يعاونونني على البكاء، واحزناه على فقد أناس كانوا مصابيح العلم وأهل التقوىٰ وكنوز الخيرات، آه على وجود درهم حلال وأخ مونس، طوبىٰ لمن شغله عيبه عن عيوب الناس وتبًّا لمن شغله عيوب الناس عن عيبه.

(۲) الى كم ترى القذاة في عين اخيك وتنسى الجذع في عينك، الى كم تمدح نفسك وشقاشقك وعباراتك وتذم العلماء وتتبع عورات الناس مع علمك بنهي الرسول صلى الله عليه وسلم، لا

بلیٰ أعرف انک ... ما قدموا" بلٰی أعرف انک تذكروا موتاكم الا بخير فانهم قد افضوا الى ما قدموا" بلٰی أعرف انك تقول لي لعنصر نفسك: انما الوقيعة في هؤلاء اللذين ما شمّوا رائحة الاسلام ولا عرفوا ماجاء به محمد صلى اللّٰه عليه وسلم وهو جهاد، بلٰی واللّٰه عرفوا خيرا كثيرا مما اذا عمل به العبد فقد فاز و جهلوا شيئاً كثيرا مما لا يعنيهم ومن حسن اسلام المرء تركه مالا يعنيه.

(۳) يارجل باللّٰه عليك، كُفّ عنّا فانك محجاج عليم اللسان لاتقر ولا تنام، اياكم والاغلوطات في الدين، كره نبيك صلى اللّٰه عليه وسلم المسائل وعابها ونهى عن كثرة السؤال وقال. ان أخوف ماأخاف على أمتي كل منافق عليم اللسان. وكثرة الكلام بغير دليل تقسى القلب اذا كان في الحلال والحرام فكيف اذا كان في عبارات اليونسية والفلاسفة وتلك الكافريات التي تعمي القلوب.

(۴) واللّٰه قد صرنا ضحكة في الوجود فالى كم تنبش دقائق الكفريات الفلسفية لنرد عليها بعقولنا، يارجل قد بلعت سموم الفلاسفة ومصنفاتهم مرات وبكثرة... استعمال السموم يدمن عليها الجسم وتكمن واللّٰه في البدن.

(۵) واشوقاه الى مجلس فيه تلاوة بتدبر وخشية بتذكر وصمت بتفكر. وآها لمجلس يذكرفيه الأبرار فعند ذكر الصالحين تنزل الرحمة لا عند ذكر الصالحين يذكرون بالازدراء واللعنة.

(۶) كان سيف الحجاج اولسان ابن حزم شقيقين فواخيتهما، باللّٰه خلونا من ذكربدعة الخميس واكل الحبوب وجدوا في ذكر بدع كنا نعدها راساً من الضلال وقد صارت هي محض السنة واساس التوحيد ومن لم يعرفها

لهٰذا کافر او حمار ومن لم یکفر فهو اکفر من فرعون وتعد النصاری مثلا.

(۷) والله فی القلوب شکوک ان سلم لک ایمانک بالشهادتین فانت سعید یا خیبة من البحث فانه معرض للزلزلة والانحلال لاسیما اذا کان قلیل العلم والدین باطولیا شهوانیا، لکنه یلعک ویجاهد عنک بیده ولسانه وفی الباطن عدولک بحاله وقلبه، فهل معظم اتباعک الا قعید مربوط خفیف العقل اوعامی کذاب بلید اللحن اوغریب واجم قوی المکر اوناشف صالح عدیم الفهم فان لم تصدقنی فتشهم وزنهم بالعدل.

(۸) یامسلم الذم حمار شهوتک لمدح نفسک ، الی کم تصادقها وتعادی الاخیار ، الی کم تصدقها وتزدری بالابرار، الی کم تعظمها وتصغر العباد، الی متی تخاللها وتمقت الزهاد، الی متی تمدح کلامک بکیفیة لاتمدح بها والله احادیث الصحیحین، یالیت احادیث الصحیحین تسلم منک ، بل فی کل وقت تغیر علیها بالتضعیف والاهدار اوبالتاویل والانکار.

(۹) اما آن لک ان ترعوی ، اماحان لک ان تتوب وتنیب،اما انت فی عشر السبعین وقد قرب الرحیل . بلیٰ ، والله ما اذکر انک تذکر الموت بل تزدری بمن یذکر الموت ، فما اظنک تقبل علیٰ قولی ولا تصغی الیٰ وعظی ،بل لک همة کبیرة فی نقض هذه الورقة بمجلّدات وتقطع لی اذناب الکلام ولا تزال تنتصر حتی اقول لک، والبتة سکت. فاذا کان هذا حالک عندی وانا الشفوق المحبّ الواد فکیف یکون حالک عند اعدائک، واعداؤک والله فیهم صلحاء وعقلاء وفضلاء، کما ان اولیاءک فیهم وکذبة وجهلة وبطلة وعور وبقر.

(۱۰) قد رضیت منک بان تسبلی علانیۃ وتنطع بمقالتی سرّا برحم اللہ امرء اھدی الی عیوبی. فانی کثیر العیوب غزیر الذنوب، الویل لی ان انا لو التوب وو الفضیحتی من علام الغیوب وذوالی عفو اللہ ومسامحتہ وتوفیقہ وھدایتہ وھدایتہ والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد خاتم النبین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

النصیحۃ الذھبیہ کا آزاد ترجمہ

(۱) ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔ جمیع محامد اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اس میرے پروردگار! میری عاجزی اور کمزوری کو دیکھتے ہوئے مجھ پر رحم کر، میری لغزشوں کو معاف کر اور میرے لیے میرے ایمان کو سلامت رکھ۔

ہائے میرا غم میرے غم کی کمی پر، اور ہائے میرا افسوس سنت اور اہل سنت کے مٹنے اور رخصت ہونے پر، ہائے میرا شوق ان ایمان دار بھائیوں کا لیے جو نالہ وفغان میں میرا ساتھ دیا کرتے تھے، ہائے میرا رنج ان لوگوں کے لیے جو علم کے چراغ، تقوی کے اہل اور بھلائیوں کے خزانے تھے۔ افسوس، نہ اب حلال درہم رہا اور نہ مونس بھائی۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اپنا عیب دوسروں کی عیب بینی سے باز رکھے۔ اور بربادی ہے اس شخص کے لیے جس کو دوسروں کے عیوب کا تلاش کرنا اپنے عیوب سے غافل کردے۔

(۲) تم کب تک اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے ٹٹولتے رہو گے اور اپنی آنکھ کے شہتیر سے تغافل برتو گے، کب تک اپنے نفس اور اپنی لن ترانیوں اور تحریروں کی مداحی میں مصروف رہو گے۔ اور کب تک علماء کی مذمت میں اور لوگوں کے عیوب کی تلاش میں جتے رہو گے۔ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا ہے، آپ کا ارشاد ہے "اپنے مرے ہوئے لوگوں کا ذکر، بجز بھلائی کے نہ کرو، وہ اپنا کیا پا چکے ہیں"۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم ۲۱ بد العت کرتے ہوئے کہو گے" میری ڈانٹ ڈپٹ ان لوگوں کے لیے ہے جن کو اسلام کی

ہوا تک نہیں لگی ہے اور جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کو سمجھے تک نہیں ہیں، اور میں جو کچھ ان کے ساتھ کر رہا ہوں سراسر جہاد ہے۔" خدا کی قسم ان لوگوں کو بلا شک وشبہ اتنی اچھی باتیں معلوم ہیں کہ اگر کوئی ان پر عمل کرے، اس کا بیڑا پار ہے۔ اور وہ لوگ بہت سی غیر ضروری باتوں سے ناواقف بھی ہیں۔ اور اسلام کی خوبی میں سے یہ بات ہے کہ غیر ضروری باتوں سے اجتناب کیا جائے۔

(۳) اے بندۂ خدا، خدارا اپنی زبان کو ہم سے روکو، بے شک تم چرب زبان اور باتونی ہو، نہ تم کو قرار ہے نہ آرام "بچاؤ اپنے کو دین کی مغالطہ بازی سے" زیادہ پوچھ کچھ کرنے اور بال کی کھال نکالنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا ہے، بلکہ آپ نے اس کو برا کہا ہے، آپ کا ارشاد ہے "مجھ کو اپنی امت کے بارے میں اس شخص سے کھٹکا ہے، جو ودرخا اور چرب زبان ہو۔ جب کہ حلال وحرام سلسلہ میں بلا ضرورت اور بے دلیل زیادہ بولنا قساوت قلب کا سبب ہوتا ہے۔ تو پھر یونانیہ اور فلسفیہ عبارتوں میں انہماک کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ یہ ایسی کفریات ہیں جو دل کو اندھا کر دیتی ہیں۔

(۴) خدا کی قسم، ہم اہل جہاں کے لیے کھلونا بن گئے ہیں، تم کب تک یہ مشغلہ جاری رکھنا چاہتے ہو کہ فلسفی دقیق کفریات نکالتے رہو تا کہ ہم اپنی عقل سے ان کا رد کرتے رہیں، بندۂ خدا، تم نے فلاسفہ اور ان کی کتابوں کا زہر کثرت سے نگلا ہے اور جب کثرت سے زہر کھایا جاتا ہے تو بدن اس کا عادی ہو جاتا ہے اور وہ زہر بدن میں چھپا رہتا ہے۔

(۵) آہ میرا شوق ان پاک مجلسوں کا جن میں تدبر اور فہم کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت اور عاجزی و زاری کے ساتھ اللہ کی یاد اور نہایت خاموشی کے ساتھ ذکر وفکر میں مشغولیت رہا کرتی تھی، میں ایسی پاک مجلسوں کے واسطے آہیں بھرتا ہوں کہ جن میں ابرار کا ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ نیک بندوں کے ذکر کے وقت اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، بہ خلاف ان مجالس کے جہاں اللہ کے نیک بندوں کے ذکر حقارت اور برائی سے کیا جائے، ایسی مجالس

میں رحمت الٰہی نہیں نازل ہوتی۔

(۶) حجاج کی تلوار اور ابن حزم کی زبان ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے تم نے ان دونوں کو اپنا لیا۔ خدا کے واسطے تم ہم کو اور جمعرات کے دن والوں کے کھانے کی بدعت کو چھوڑ دو اور اس بدعت کی خبر لو، جس کو ہم گمراہوں کی جڑ سمجھا کرتے تھے اور اب وہ خالص توحید اور سنت کی اساس قرار پا گئی ہے، اگر کسی کو اس کا علم نہ ہو وہ کافر اور جو اس کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر اور اس کا کفر فرعون کے کفر سے زائد تر۔ اب تو نصاریٰ کو ہمارا اصل بنایا جا رہا ہے۔

(۷) بخدا، میرے دل میں تمہاری طرف سے شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔ اگر تمہارا خاتمہ کلمہ شہادت کے دو جملوں پر ہو جائے تو تمہاری سعادت ہے۔ ہائے بربادی اس شخص کی جو تمہاری پیروی کرے، کیوں کہ اس نے اپنے کو زندقہ اور بے دینی کے واسطے پیش کر دیا۔ خاص کر وہ شخص جو دین کا بودا، علم کا بے مایہ، اپنی خواہشات کا بندہ اور اپنے کو بڑا بنانے کا شائق ہو۔ ایسا شخص اپنے ہاتھ سے اور اپنی زبان سے یقیناً تمہارا معاون رہیگا۔ لیکن اپنے دل اور اپنے احوال سے تمہارا مخالف رہے گا۔ تمہارے ماننے والوں میں زیادہ تر، بی حضوری، نادان، جاہل، جھوٹے اور غبی افراد ہیں، یا پھر پردیسی، بڑے گھٹے مکار۔ یا خشک مزاج صالح ناسمجھ لوگ ہیں۔ اگر میری بات کا تم کو اعتبار نہ ہو تو تم ان لوگوں کے احوال کی تفتیش کرو۔ انصاف سے ان کو دیکھو اور پرکھو۔

(۸) اے مسلمان۔ تمہارے نفس کی تعریف کے لیے خواہشات کا گدھا آگے بڑھ آیا ہے۔ تم کب تک اس کو سچا سمجھتے ہوئے ابرار کی تحقیر کرو گے اور کب تک اس گدھے بڑھاتے اور اللہ کے نیک بندوں کو گھٹاتے رہو گے اور کب تک اس کو درست رکھتے ہوئے زہاد سے نفرت کرتے رہو گے اور کب تک اپنے کلام کی ایسی تعریف کرتے رہو گے کہ تم بہ خدا صحیحین کی حدیثوں کی اس طرح تعریف تم نہیں کرتے۔ اے کاش صحیحین کی حدیثیں تم سے محفوظ رہ جاتیں۔ تم ہر وقت ان کا ضعف ثابت کرنے اور ان کو بے قدر قرار دینے یا ان کی

تاویل اور انکار کرنے میں لگے رہتے ہو۔

(۹) کیا تمہارے رجوع کرنے کا وقت اب تک نہیں آیا، کیا توبہ وانابت کرنے
کی گھڑی اب تک نہیں پہنچی۔ تم سفر کے بڑھاپے میں آچکے ہو، سفر کا وقت سر پر آپہنچا ہے۔ بہ خدا،
میں یہ سمجھتا ہوں کہ تم موت کو کبھی یاد بھی نہ کرتے ہو گے بلکہ تم ہر اس شخص کا مذاق اڑاتے ہو
گے جو موت کو یاد کرتا ہوگا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم میری بات قبول کرو گے یا میری
نصیحت پر کان دھرو گے کیوں کہ تم بڑے ہامت ہو۔ تم میری اس تحریر کے رد میں جو کہ ایک
ورق کی ہے، مجلدات لکھ سکتے ہو بلکہ تم مجھ پر اس وقت تک گرجتے برستے رہو گے کہ میں چلانے
لگوں، میں ہارا۔ جب مجھ جیسے شخص کی نظر میں جو کہ تمہارا چاہنے والا اور سچا مشفق ہے تمہاری
یہ حالت ہو تو پھر دشمنوں کی نظر میں تمہاری کیا حالت ہوگی۔ میں حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ
تمہارے دشمنوں میں عقلمند اور فضیلت والے افراد بھی ہیں جیسا کہ تمہارے حمایتیوں میں فاجر،
مکار، جھوٹے جاہل، ناقص بلکہ گاؤدی تک موجود ہیں۔

(۱۰) میں تم سے اس بات پر راضی ہوں کہ تم لوگوں کے سامنے مجھ کو برا کہو، گالیاں
دو لیکن در پردہ تم میری بات سے فائدہ اٹھالو۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمتیں نازل کرے
جو میرے عیبوں کو مجھ پر ظاہر کردے۔ میں بڑا ہی گنہگار اور پر از عیوب ہوں۔ اگر میں توبہ نہ
کروں میری بربادی اور ہلاکت یقینی ہے۔ ہائے افسوس۔ علام الغیوب کے سامنے میری
رسوائی پر۔ میری دوا، صرف اس کا عفو و کرم اور اس کی توفیق اور ہدایت ہے ساری تعریف اللہ
رب العالمین کے لیے ہے وہ ہمارے آقا محمد خاتم النبیین ﷺ پر اور آپ کی آل واصحاب پر
اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائے۔"

زغل العلم والطلب اور النصیحۃ الذھبیۃ کے ثبوت پر کچھ اعتراضات اور اسکا جواب

علامہ ابن تیمیہ کے پیروان میں سے بعض افراد کا انوکھا معیار تحقیق ہے، علامہ ذہبی

کے رسالہ زغل العلم اور النصیحۃ الذھبیہ کو دیکھ کر مولانا بھوجیانی اپنی کتاب (شیخ الاسلام ابن تیمیہ) کے ص ۷۷۶ و ۷۷۷ پر لکھا ہے "ابتدائے کتاب میں اور ابھی قریب ہی امام صاحب کے متعلق حفظ ذہبی کے تاثرات کا ذکر آچکا ہے امر واقعہ یہ ہے کہ ابن تیمیہ سے ذہبی کو والہانہ محبت ہے، جس کثرت اور بہ عظمت انداز سے حضرت امام کا تذکرہ انہوں نے کیا ہے، ان کے معاصرین سے کسی مصنف نے نہیں کیا، سات سے زیادہ موقعوں پر حفاظ تاریخ الاسلام، المعجم الکبیر، المعجم الاوسط، المعجم الصغیر، المعجم المختص بالمحدثین تذکرۃ الحفاظ میں ابن تیمیہ کا تذکرہ لکھا ہے بلکہ الدرۃ البہیہ فی السیرۃ التیمیہ مستقل کتاب بھی لکھی (ابجد العلوم صفحہ ۸۱۸) کہیں مختصر کہیں مفصل۔

پانچ سطر کے بعد لکھا ہے، یہ سب اقوال العقود الدریہ، فوات الوفیات، الدرر الکامنہ، ذیل طبقات الحنابلہ، الکواکب الدریہ اور الرد الوافر وغیرہ میں یک جا ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں، حافظ ذہبی کی ان تصریحات متواترہ کو سامنے رکھا جائے، پھر ان کی طرف منسوب رسالہ "زغل العلم والطلب" کی بعض عبارتوں کو دیکھا جائے تو باور نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے ایسی کوئی تحریر لکھی ہوگی۔

اور چھ سطر کے بعد لکھا ہے، رسالہ مذکورہ موجودہ دور کے سب سے بڑے امام ابن تیمیہ کے مخالف، مصر کے شیخ محمد زاہد کوثری حنفی نے اپنے حواشی کے ساتھ دمشق میں چھپوایا تھا، اس کے ساتھ امام صاحب کے کسی شدید ترین مخالف کی ایک تحریر حافظ ذہبی کی طرف منسوب کر کے "النصیحۃ الذھبیہ لابن التیمیہ" کا عنوان دے کر ٹانک دی گئی۔

اور صفحہ ۷۸۰ میں لکھا ہے، ہاں حافظ سخاوی متوفی ۹۰۲ھ کی کتاب "الاعلان بالتوبیخ" مطبوعہ میں اس عبارت کو حافظ ذہبی کی طرف ضرور منسوب کیا گیا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کسی کو جس تحریر کا پتہ نہ چل سکا، حافظ سخاوی کے شیخ و مربی حافظ ابن حجر اس پر مطلع نہ ہوسکے۔ ذہبی کی وہ تحریر سخاوی کو کیسے مل گئی۔

یہ ہیں مولانا بھوجیانی کی نگارشات۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو۔

مولانا بھوجیانی نے جن کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، یہ سب اسی کا اثر ہے۔ نواب سید صدیق حسن خان نے ابن تیمیہ کے مسلک کو پھیلانے میں بہت کوشش کی ہے، نور رسائل کے مجموعہ کو (ردوافر وغیرہ) انہوں نے طبع کروایا ہے، کہی جگہ حاشیہ بھی لکھدیا ہے نور سالوں میں دوسرا رسالہ القول الجلی ہے، اس میں رسالہ زغل العلم والطلب کا ذکر آیا ہے۔ نواب صدیق حسن خان نے ذیل میں زغل العلم کی ان عبارتوں کو نقل کیا ہے جن میں ابن تیمیہ پر ایرادات ہیں اور پھر لکھا ہے

"فانت تری کلامه فی الشیخ فزنه بعقلك فانه ظاهر التناقض والله اعلم بالسرائر "یعنی" "ردوافر" وغیرہ میں تم ذہبی کی مدح وستائش پڑھ چکے ہو۔ اب "زغل العلم والطلب" کی عبارت پڑھو" تم دیکھ رہے ہو ذہبی کا کلام ابن تیمیہ کے بارے میں۔ تم اپنی عقل سے ذہبی کے کلام کا موازنہ کرو۔ یقیناً اس میں کھلا تناقض ہے اور بھیدوں کا جاننے والا اللہ ہے۔"

سید صدیق حسن خان کو علامہ ذہبی کے کلام میں تناقض نظر آرہا ہے۔ تناقض، توڑ اور ضد کو کہتے ہیں یعنی ذہبی نے جو کچھ پہلے لکھا ہے اب اس کی پلٹ لکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ذہبی کے کلام میں نہ تعارض ہے نہ پلٹ۔ انہوں نے اپنی متعدد کتابوں میں ابن تیمیہ کی خوبیوں کا بیان کیا ہے، برائیوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اب انہوں نے ابن تیمیہ کے عیوب کا بیان کیا ہے اور یہ عیوب ایسے ہیں کہ علم وفضل والوں میں پائے جاتے ہیں بلکہ ایسے افراد دیکھنے میں بھی آئے ہیں۔ اللہ سب کو ان عیوب سے محفوظ رکھے۔

مولانا بھوجیانی کو علامہ زاہد کوثری پر بہت غصہ آیا ہے۔ ان کی خطا صرف یہ ہے کہ انہوں نے حقیقت کا اظہار کردیا ہے جس کے اخفاء کے لیے نواب صدیق حسن خان اور امرائے نجد ساعی رہے ہیں۔ اگر علامہ ابن تیمیہ کی تحریرات صحیح طور پر سامنے آجائیں، علماء

اعلام کی ان سے بیزاری کے اسباب کا پتہ چل سکتا ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ مسئلہ صفات باری تعالیٰ میں علامہ ابن تیمیہ اپنے پیش رو حنابلہ کے مسلک پر تھے، البتہ ابن تیمیہ نے الفاظ کا چکر ڈالا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ کی تحریرات کو پڑھ کر ایک صاحب علم نے فرمایا
"باعتبار الفاظ کے ابن تیمیہ اہل تجسیم میں نہیں ہیں لیکن مفہوم اور معنی کے اعتبار سے وہ اہل تجسیم سے ہیں"

زاہد کوثری نے سالہا سال مصر، شام، ترکیہ، عراق وغیرہ کے کتب خانوں کو چھانا ہے اور نوادرات جمع کئے ہیں، چنانچہ النصیحۃ الذہبیہ ان کو دستیاب ہوئی اور انہوں نے ذغل العلم والطلب کے ساتھ اس کو چھپوایا۔ انہوں نے ابتدائی صفحہ پر لکھا ہے:

"النصیحۃ الذہبیہ لابن تیمیہ للحافظ الذہبی عن أصل منقول من نسخۃ البرھان ابن جماعۃ التی کتبھا من نسخۃ الحافظ الصلاح العلائی المأخوذۃ عن خط الذہبی"

حافظ ذہبی کی النصیحۃ الذہبیہ، برہان الدین ابن جماعہ کے نسخہ سے نقل کی گئی ہے جو کہ حافظ صلاح الدین علائی کی تحریر سے نقل کیا گیا ہے اور وہ علامہ ذہبی کی تحریر سے ماخوذ ہے"

علامہ کوثری نے علامہ سبکی کی کتاب "السیف الصقیل" بھی چھپوائی ہے اور اس کے آخر میں النصیحۃ الذہبیہ کا عکس چھاپا ہے جو کہ ابن قاضی شھبہ کے ہاتھ تحریر ہے۔ ان سب شواہد اور تحقیقات کے ہوتے ہوئے مولانا بھوجیانی لکھ رہے ہیں۔

"امام صاحب کی کسی شدید ترین مخالف کی ایک تحریر حافظ ذہبی کی طرف منسوب کرکے "النصیحۃ الذہبیہ لابن تیمیہ" کا عنوان دے کر شائع کر دی گئی"

نہ کوئی حافظ ابن تیمیہ کا دشمن ہے، نہ مخالف، حقیقت امر معلوم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ وہ علماء اعلام جو ابن تیمیہ کے مداح تھے کس بناء پر ایک ایک کرکے ان سے نہ

صرف الگ ہوئے بلکہ ان سے متنفر اور ان کے مخالف ہوئے۔

مولانا بھوجیانی نے ایک سوال کر کے بڑا پُر لطف انوکھا استدلال کیا ہے، لکھا ہے "سوال یہ ہے کہ کسی کو جس تحریر کا پتہ نہیں چل سکا، حافظ سخاوی کے شیخ و مربی حافظ ابن حجر اس پر مطلع نہ ہوسکے، ذہبی کی وہ تحریر سخاوی کو کیسے مل گئی"

علامہ ابن تیمیہ کے اتباع اور ان کے تذکرہ نگاروں کا معیار تحقیق دنیا سے نرالا ہے ان لوگوں کی منظم کوشش رہی ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کے شذوذات پر تنقید کرنے والوں کو بدنام کیا جائے اور ان کی کتابوں کو مورد ملامت بنائیں۔ جب سے حجاز مقدس پر ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کے پیروان کا تصرف ہوا ہے وہ مبارک سرزمین ابن تیمیہ اور ابن عبد الوہاب کے مسلک کیلئے وقف ہو کر رہ گئی ہے۔ علماء اہل سنت والجماعت کی صدہا کتابوں کا داخلہ وہاں ممنوع ہے، ایسی ذہنیت رکھنے والوں کا نقد و تبصرہ اسی طرح ہوسکتا ہے جیسا کہ مولانا بھوجیانی نے کیا ہے کہ اگر کوئی کتاب یا رسالہ استاذ نے نہیں دیکھا ہے شاگرد بھی نہ دیکھے۔ اگر کسی حدیث شریف کی روایت امام دار الہجرۃ مالک بن انس نے نہیں کی ہے تو امام بخاری بھی نہ کریں۔

علامہ زاہد کوثری، خلافت عثمانیہ کے دور میں وکیل مشیخت اسلامیہ کے منصب پر فائز تھے، ان کی تحقیقات اور تعلیقات کا دائرہ بہت وسیع تھا، وہ کہا کرتے تھے علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے تفسیر روح المعانی لکھی اور اس کا ایک نسخہ سلطان عبدالمجید خان کو پیش کیا، وہ نسخہ راغب پاشا کے کتب خانہ میں جو کہ استنبول میں ہے، موجود ہے۔ سید محمود آلوسی کے فرزند سید نعمان آلوسی نے اس تفسیر کو چھپوایا ہے۔ سید نعمان کی راہ و رسم نواب صدیق حسن خان سے تھی۔ جناب نواب کے اشارہ پر انہوں نے "جلاء العینین" لکھی اور ان ہی کے اشارہ پر اپنے والد کی تفسیر میں بھی کچھ تصرفات کئے ہیں اگر مطبوعہ نسخہ کا سلطانی نسخہ سے مقابلہ کیا جائے تصرفات کا پتہ چل جائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی "اپنی کتاب الدرر الکامنۃ میں ابن تیمیہ کے بعض مدائح اور بعض مزلات اور هفوات کا ذکر

الدرر الکامنۃ یہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب ہے۔ حیدر آباد دکن میں چھپی ہے اس کتاب کے پہلے حصہ کے صفحہ ۱۴۴ سے ۱۶۱ تک علامہ تقی الدین احمد ابن تیمیہ کا تذکرہ ہے شروع کے چھ صفحات میں حالات اور واقعات کا ذکر ہے۔ لکھا ہے۔ "واول ما انکروا علیہ من مقالاتہ فی شہر ربیع الاول ۶۹۸ قام علیہ جماعۃ من الفقہاء بسبب الفتوی الحمویۃ" ان کی تحریرات پر ناپسندیدگی کا اظہار پہلی مرتبہ ماہ ربیع الاول ۶۹۸ھ میں ہوا جب کہ ان کے حموی فتویٰ کے خلاف فقہاء کی ایک جماعت کھڑی ہوئی۔

چوں کہ ابن تیمیہ کی ولادت ربیع الاول ۶۶۱ھ کی ہے اس سے ظاہر ہے کہ مخالفت کی ابتدا اس وقت ہوئی ہے جب ابن تیمیہ ۳۷ سال کے تھے۔ اور چوں کہ فتوی حموی کا تعلق عقائد سے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء کا اختلاف عقائد کی بنا پر شروع ہوا ہے۔

پھر حافظ ابن حجر نے علماء کرام کی کتابوں سے ابن تیمیہ کی مدح و ستائش اور ان کے هفوات کا بیان کیا ہے تقریباً آٹھ صفحات میں محاسن کا اور تقریباً تین صفحات میں مساوی کا بیان ہے۔

محاسن میں علم و فضل، تبحر علمی، استحضار مسائل، چاروں مذاہب میں مہارت، رد بدعات، جہاد کے واسطے ہر وقت تیار رہنا، زہد، تقوی، خشیت، جرأت، اور دیگر صفات حسنہ کا بیان ہے۔ اور خوب بیان ہے۔ اور یہ مسرت کا مقام ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کی ان اچھی صفات کا انکار کسی نے نہیں کیا ہے۔ البتہ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ان کے اتباع اور طرفداران کی هفوات اور مزلات کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں نواب سید صدیق حسن خان اور امرائے نجد کی مساعی نے بڑا کام کیا ہے اور (جلاء العینین) وغیرہ کی تالیف ہوئی ہے اس کا یہ اثر دیکھنے میں ایا کہ جن افراد نے (الرد الوافر) وغیرہ کا اور پھر "جلاء العینین" وماشاکلہ کا مطالعہ کیا ہے ان کی نظر میں علماء امت محمدیہ میں ابن تیمیہ کا مثل نہیں ہے۔ چوں کہ یہ خیال

خلاف واقع ہے، اس لئے حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس کتاب سے علامہ ابن تیمیہ کی بعض ہفوات کاذکر کیا جاتا ہے۔ سہولت مراجعہ کے لئے صفحہ کا نمبر بھی لکھ دیا ہے۔

(ص ۱۵۳) كان يتكلم على المنبر على طريقة المفسرين مع الفقه والحديث فيورد في ساعة من الكتاب والسنة واللغة والنظر ما لا يقدر أحد على أن يورده في عدة مجالس كان هذه العلوم بين عينيه فيا خذ منها ما يشاء ويذر. ومن ثم نسب أصحابه الى الغلو فيه واقتضى له ذلك العجب بنفسه حتى زهى على أبناء جنسه واستشعر انه مجتهد فصار يرد على صغير العلماء وكبيرهم، قديمهم .(ص ۱۵۴) وحديثهم حتى انتهى الى عمر فخطأه في شيء فبلغ الشيخ ابراهيم الرقي وأنكر عليه فذهب اليه واعتذر واستغفر وقال في حق علي اخطأ في سبعة عشر شيئا ثم خالف فيها نص الكتاب منها اعتداد المتوفى عنها زوجها أطول الأجلين وكان لتعصبه لمذهب الحنابلة يقع في الأشاعرة حتى أنه سب الغزالي فقام عليه قوم كادوا يقتلونه.

(ترجمہ) ابن تیمیہ مفسروں کے طریقہ پر مع فقہ اور حدیث کے منبر پر بیان کیا کرتے تھے، وہ ایک گھڑی میں آیات مبارک، احادیث طیبہ، لغت اور نظر میں سے اتنا کچھ بیان کردیا کرتے تھے کہ کوئی دوسرا کئی مجلسوں میں بھی بیان نہ کر سکے۔ ان کی تقریر سن کر محسوس ہوتا تھا کہ تمام علوم ان کی نظر کے سامنے ہیں۔ وہ جس کو چاہتے ہیں بیان کرتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں چھوڑتے ہیں۔ ان کی اس جامعیت کو دیکھ کر ان کے طرفداروں نے ان کے بارے میں غلو کیا اور اس وجہ سے ان میں گھمنڈ پیدا ہوا، وہ اپنے کو اپنے ابناء جنس سے برتر سمجھنے لگے، ان کو خیال پیدا ہو گیا کہ وہ مجتہد ہو گئے ہیں، انھوں نے علماء کرام پر، کیا چھوٹے کیا بڑے، کیا اگلے کیا پچھلے، سبھی پر رد کرنا شروع کردیا۔ تا آں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچ

گئے۔ اور کسی بات میں ان کو بر خطا کہہ گئے۔ یہ بات شیخ ابراہیم رقی تک پہنچی اور انھوں نے اس پر نکیر کی۔ چنانچہ ابن تیمیہ ان کے پاس گئے اور عذر خواہی اور استغفار کی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق کہہ گئے کہ سترہ جگہ ان سے خطا ہوئی ہے اور وہ نص کتاب کی مخالفت کر گئے ہیں چنانچہ حاملہ عورت کے خاوند کے مرنے پر اطول الاجلین عدت قرار دی ہے اور حنابلہ کے تعصب کی بنا پر اشاعرہ پر اعتراضات کرتے رہتے تھے حتی کہ امام غزالی کو گالی دے بیٹھے چنانچہ لوگ برافروختہ ہوئے اور قریب تھا کہ ان کو قتل کر دیتے۔

(ص ۱۵۴) ذکر واللہ ذکر حدیث النزول فنزل عن المنبر درجتین فقال کنزولی هذا فنسب الی التجسیم ورده علی من توسل بالنبی ﷺ او استغاث. فاشخص من دمشق فی رمضان سنة خمس وسبعمائة.

بیان کیا ہے کہ انھوں نے حدیث نزول کا ذکر کیا اور وہ منبر کی دو سیڑھیاں اترے اور کہا میرے اس نزول (اترنے) کی طرح، اور اس کی وجہ سے تجسیم کی طرف ان کی نسبت کی گئی، اور رسول اللہ ﷺ کے توسل اور اور استغاثہ پر انھوں نے رد کیا ہے، بنا بریں وہ ۷۰۵ھ کے رمضان میں دمشق سے قاہرہ کو روانہ کیے گئے۔

(ص ۱۵۵ ص ۱۵۶) ونسبه قوم الی انه یسعی فی الامامة الکبری فانه کان یلهج بذکر ابن تومرت ویطریه فکان ذلک مؤکدا لطول سجنه وله وقائع شهیرة وکان اذا حوقق والزم یقول لم ارد هذا انما اردت کذا فذکر احتمالا بعیدا وکان من اذکیاء العالم وله فی ذلک امور عظیمة.

ایک جماعت کا خیال ہے کہ وہ امامت کبریٰ کے حاصل کرنے کی فکر میں تھے اور وہ ابن تومرت کا ذکر مزے لے کر کیا کرتے تھے چنانچہ ان کی قید و بند کی طوالت کے سلسلہ میں یہ وجہ بھی ممد ثابت ہوئی، اور ان کے واقعات مشہور ہیں۔ جب ان سے تحقیق کی جاتی تھی اور ان پر الزام آ جاتا تھا۔ وہ کہہ دیا کرتے تھے۔ میرا مقصد یہ تھا اور وہ دور کا احتمال بیان کر دیا

کرتے تھے۔ وہ دنیا کے سمجھداروں میں سے ایک تھے اور اس سلسلہ میں انھوں نے عظیم کام کیے ہیں۔

(ص ۱۵۱) من خالطه وعرفه فقد ينسبني الى التقصير فيه ومن لا يعلمه وخالفه قد ينسبني الى التغالي فيه وقد أوذيت من الفريقين من اصحابه واضداده. انا لا أعتقد فيه عصمة بل انا مخالف له في مسائل اصلية وفرعية فانه كان مع سعة علمه وفرط شجاعته وسيلان ذهنه وتعظيمه لحرمات الدين بشرا من البشر تعتريه حدة في البحث وغضب وشظف للخصم تزرع له عداوة في النفوس والا لو لاطف خصومه لكان كلمة اجماع فان كبارهم خاضعون لعلومه معترفون بشنوفه مقرون بندور خطأه وانه بحر لا ساحل له وكنز لا نظير له ولكن ينقمون عليه اخلاقا وافعالا وكل احد يوخذ من قوله ويترك.

جو ان سے ملا اور اس نے کو پہچانا وہ میری نسبت کوتاہی کرنے والوں سے کرتا ہے اور جو ان سے کٹا اور ان مخالف ہوا وہ میری نسبت غلو کرنے والوں سے کرتا ہے، اور مجھ کو دونوں فریقوں نے ایذا پہنچائی ہے۔ ان کے ساتھیوں نے اور ان کے مخالفوں نے،، میں ان کی عصمت کا معتقد نہیں بلکہ مجھ کو ان سے اصولی اور فروعی مسائل میں اختلاف ہے، علم کثیر شجاعت زائدہ اور فکر رسا ہوتے ہوئے اور حرمات دین کی تعظیم کرنے کے باوجود، وہ از جملہ بشر ایک بشر تھے۔ مباحثہ کے دوران میں اپنے مخالفوں کے ساتھ ترش مزاجی، غصہ، اور سختی سے پیش آتے تھے۔ جس کی وجہ سے دلوں میں عداوت کا بیج پڑ جاتا تھا۔ اگر وہ مخالفوں کے ساتھ لطف سے پیش آتے تو اتحاد کا بول بن جاتے، کیونکہ مخالفوں کے بڑے ان کے علم کے سامنے سر جھکائے ہوئے تھے اور ان کی ظفانت اور ندرت کے معترف تھے، وہ ایسا سمندر ہیں کہ اس کا ساحل نہیں اور ایسا خزانہ ہیں کہ اس کی نظیر نہیں۔ البتہ ان کے اخلاق اور افعال کو ناپسند کیا

جاتا ہے اور قبولیت اور نا قبولیت کا مدار ہی زبان پر ہے۔"

علامہ ابن حجر عسقلانی نے شرف الدین عبداللہ برادر ابن تیمیہ کے حال میں لکھا ہے۔ کان اخوہ یکرمہ ویعظمہ و کان فضلاء عصر ھما یقولون ھو اقرب من اخیہ الی طریق العلماء واقعد بمباحث الفضلاء۔

ابن تیمیہ کے بھائی ان کی تعظیم وتکریم کرتے تھے اور ان کے زمانے کے فضلاء کہا کرتے تھے بہ نسبت اپنے بھائی کے (ابن تیمیہ) کے علماء کے طور طریقوں اور فضلاء کے مباحث سے عبداللہ زیادہ واقف تھے۔"

ان علماء اعلام نے ابن تیمیہ کی مخالفت کیوں کی

اب دیکھنا یہ ہے کہ جن علماء نے ابن تیمیہ سے اختلاف کیا ہے، وہ معاصرت کی بنا پر کیا ہے یا دیگر اسباب کی بنا پر، اور پھر یہ دیکھنا ہے کہ یہ اسباب قابل مؤاخذہ ہیں یا نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں ابن تیمیہ کے ہم عصر علماء نے صدق دل سے ان کی عزت اور ایسے والہانہ انداز سے ان کی مدح وستائش کی ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ خود مولانا آزاد نے علامہ ذہبی کی وارفتگی اور عقیدت کا بیان نہایت مؤثر پیرایہ سے کیا ہے۔ ایسے عقیدت مند پاک دل افراد کا برگشتہ ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ جہاں تک میری معلومات ہیں، علماء کرام کی تاریخ میں اس قسم کا واقعہ کسی کے ساتھ پیش نہیں آیا ہے کہ دور شباب میں حمد وستائش کی انتہا ہوئی ہو اور دور کہولت وشیخوخت میں نفرت واقع ہوئی ہو۔ اگر نفرت کرنے والا ایک ہی شخص ہوتا، گنجائش تھی کہ داء معاصرت کے شکنجہ میں اس کو کس دیا جاتا لیکن یہاں تو سبھی ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

ایک اہم وضاحت

ابن تیمیہ کے بعض مداحین اوّلاً تو ان کی طرف ان غلط باتوں کی نسبت کا انکار کرتے ہیں کہ اس طرح کی باتیں ان سے ثابت نہیں لیکن جب ابن تیمیہ کی کتابوں سے

باحوالہ یہ باتیں ان کو دکھائی جاتی ہیں تو یہ لوگ ابن تیمیہ کے مدافعت کی ایک ناکام کوشش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اصل میں ابن تیمیہ دو ہیں۔ایک وہ ابن تیمیہ جو کہ شیخ الاسلام ہیں اور بے مثل عالم ہیں۔اور دوسرے وہ ابن تیمیہ ہیں جن سے یہ غلط باتیں صادر ہوئی ہیں۔ لہذا شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا دامن ان غلط باتوں سے پاک ہے۔ان لوگوں کی خدمت میں ہم عرض کرتے ہیں کہ ابن تیمیہ کے غلط عقائد کے بیان میں جن کتابوں کے حوالے دیے ہیں ان کے مصنف وہی ابن تیمیہ ہیں جن کا نام احمد بن عبدالحلیم ہے اور جو اس زمانہ میں شیخ الاسلام کے لقب سے معروف ہیں یہ بات کوئی مخفی راز نہیں ہے بلکہ ان کی یہ باتیں مطبوعہ اور متداول ہیں ان کی طرف رجوع کر کے دیکھ لیجئے کہ یہ کون سے ابن تیمیہ ہے۔اصل بات یہ ہے کہ

حبك الشئی یعمی ویصم

وعین الرضا عن کل عیب کلیلة　　ولکن عین السخط تبدی المساویا

ابن بطوطہ کی نقل کردہ حکایت پر اعتراض اور اس کا جواب

شیخ شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ اللواتی الطنجی معروف بہ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ (تحفۃ النظار فی غرائب الامصار وعجائب الاسفار) میں ابن تیمیہ کے متعلق ایک حکایت ذکر کی ہے (میں دمشق میں تھا جمعہ کے دن ابن تیمیہ کے پاس گیا وہ منبر جامع سے لوگوں کو وعظ و پند کر رہے تھے منجملہ اور باتوں کے انہوں نے یہ بات کہی۔ ان اللّٰہ ینزل الی سماء الدنیا کنزولی ھذا ۔اللہ دنیا کے آسمان پر نزول کرتا ہے،میرے اس نزول کی طرح۔اور منبر کی ایک سیڑھی اترے۔اس وقت مالکی فقیہ نے جن کی شہرت ابن الزہراء کے نام سے تھی اعتراض کیا۔عوام ان پر پل پڑے اور ہاتھوں اور جوتوں سے ان کو خوب مارا۔اسی دوران ان میں ان کے سر سے پگڑی گر گئی،ریشمین عرق چین ان کے سر پر رہ گئی،اس پر ان کی گرفت کی گئی اور ان کو حنبلی قاضی عزالدین بن مسلم کے گھر لے گئے۔قاضی نے قید کا حکم اور اس کے بعد مزید سزا (تعزیر) تجویز کی۔علماء مالکیہ اور شافعیہ نے تعزیر پر احتجاج کیا اور ملک

الامراء سیف الدین تنکیز تک بات پہنچائی، وہ عمدہ اور صالح امرائیں سے تھا، اس نے ملک الناصر واقعہ لکھا اور شرعی حجت لکھی اس میں ابن تیمیہ کی ناپسندیدہ باتیں تحریر کیں چنانچہ اس میں تین طلاق کا مسئلہ اور قبر شریف نبوی زادہ اللہ طیباً کی زیارت کا مسئلہ اور اسی طرح کی اور باتیں تھیں اور یہ شرعی حجت بادشاہ کو بھیجی۔ بادشاہ نے ابن تیمیہ کو قلعہ میں قید کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ قید ہوئے اور مرتے دم تک قید رہے۔

استاذ بیطار کی تنقید

استاذ محمد بہجت بیطار دمشقی نے ۱۳۸۰ھ (۱۹۶۱ء) میں کتاب "شیخ الاسلام ابن تیمیہ" لکھی ہے۔ اس میں "فدع فریۃ ابن بطوطہ عن ابن تیمیۃ" کے نام سے ایک مضمون ہے یعنی اس تہمت کا دور کرنا جو ابن بطوطہ نے ابن تیمیہ پر لگائی ہے استاذ بیطار نے تین وجوہات کی بنا پر ابن بطوطہ کے بیان کو افترا (تہمت) قرار دیا ہے۔ وہ تین وجوہات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ابن بطوطہ ۹ رمضان کو دمشق میں داخل ہوئے ہیں اور ابن تیمیہ ایک مہینہ پہلے اوائل شعبان میں قید ہو گئے تھے۔ لہذا انہوں نے ابن تیمیہ کو دیکھا ہے اور نہ ان سے کچھ سنا۔

۲۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں ایسی باتوں کا ذکر کیا ہے جن کی تصدیق نہ شرعاً ہوتی ہے اور نہ عقلاً، انہوں نے جامع اموی میں حضرت ذکریا کی قبر کا ذکر کیا ہے حالانکہ قبر حضرت یحییٰ کی ہے علیہما السلام، اور انہوں نے جامع اموی کی فضیلت میں ایک روایت کا ذکر کیا ہے کہ اس مسجد کی ایک نماز تیس ہزار نماز کا ثواب رکھتی ہے، اور یہ روایت موضوع ہے اور انہوں نے سفرنامہ کے پہلے حصہ کے صفحہ ۱۹۹، ۱۳۲، ۱۳۵ اور ۱۳۶ میں بادشاہوں کے دروازوں پر حاضری دینی اور ابواسحاق وغیرہ کی قبور کا ذکر کیا ہے۔ ولقرّھا ولم ینکر علیھا۔ انہوں نے ذکر کردہ امور کو برقرار رکھا ہے، ان پر نکیر نہیں کی ہے۔

۳۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ابن تیمیہ منبر جامع پر سے لوگوں کو وعظ و پند کر رہے

تھے حالانکہ جمعہ کے منبر پر سے نہ ابن تیمیہ خطبہ پڑھتے تھے اور نہ وعظ وپند کرتے تھے۔ کما
یوهمه قوله ، ونزل درجة من درج المنبر ۔ جس کا واہمہ ان کی اس بات سے ہوتا ہے کہ
ابن تیمیہ منبر کی سیڑھیوں میں سے ایک سیڑھی اترے۔ ابن تیمیہ کرسی پر بیٹھ کر وعظ وپند کیا
کرتے تھے جیسا کہ حافظ ذہبی نے بیان کیا ہے ہاں ابن عبدالہادی نے منبر کا نام لیا ہے اور
کہا ہے۔ یتکلم فی الجوامع علی المنابر ۔ وہ مساجد میں منبر پر کلام کرتے ہیں۔ ابن عبد
الہادی نے نہ منابر جمعہ کا لفظ لکھا ہے نہ منابر خطابہ کا۔ لہٰذا منبر سے مراد ہر وہ شے ہے جو زمین
سے بلند ہو جیسا کہ منبر کے لغوی مفہوم سے سمجھا جاتا ہے۔

تنقید پر تبصرہ

استاذ بیطار نے اپنے مضمون کے شروع میں لکھا ہے، عن امام الشام وشیخ الاسلام
ابن جمیۃ ۔ یعنی ابن بطوطہ نے شام کے امام اور اسلام کے شیخ کے متعلق ایسا بیان لکھا ہے۔

استاد بیطار نے ایک نیک اور عالم سیاح کے چشم دید بیان کو شامیت اور غیر شامیت
کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی ہے۔ اس صورت میں انصاف کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

استاد بیطار نے ابن بطوطہ کے دمشق میں داخل ہونے کی تاریخ پر گرفت کی ہے۔
ان کی یہ گرفت از روئے قاعدہ درست ہے۔ البتہ سفر نامہ کے مطالعہ کرنے کے بعد بعض
حقائق سامنے آتے ہیں، جن سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً بحری قزاقوں نے ان کو لوٹ
لیا۔ تمام یاداشتیں ضائع ہو گئیں، ابن بطوطہ انتیس سال سفر میں رہے۔ پھر دو سال بعد تمام
واقعات اپنے حافظہ کی رو سے لکھوائے۔ علامہ ابن تیمیہ سے ملاقات کا واقعہ ۷۲۶ھ کا ہے
انہوں نے تیس سال کے بعد اس واقعہ کو لکھوایا ہے۔ اتنی مدت کے بعد صدہا دو امصار، صدہا
افراد، صدہا واقعات اور ان سب کے ناموں کا یاد رکھنا بڑا کمال ہے۔ چہ جائے روز و ماہ
و سال۔

استاد بیطار اسـراء کے واقعہ کو دیکھیں، کوئی مسلمان اس واقعہ کی صحت سے انکار

نہیں کر سکتا، قرآن مجید میں اس کا بیان آیا ہے، باوجود اس کے دن، مہینہ اور سال کے متعلق محققین کا اختلاف ہے۔ صرف مہینے کے متعلق پانچ اقوال ہیں۔ ماہ ربیع الاول، ماہ ربیع الآخر، ماہ رجب، ماہ رمضان اور ماہ شوال۔ اور سال کے متعلق کوئی کہتا ہے۔ نبوت کے پانچ سال بعد، کوئی کہتا ہے، ہجرت سے پانچ سال پہلے، کوئی تین سال پہلے بتاتا ہے اور کوئی ایک سال پانچ مہینے تجویز کرتا ہے اور کوئی کہتا ہے صرف ایک سال قبل یہ واقعہ پیش آیا۔ اور دن کے متعلق کسی نے جمعہ، کسی نے شنبہ، اور کسی نے دوشنبہ کہا۔ اور کیا دن، ماہ اور سال میں اختلاف کی وجہ سے واقعہ کی صحت سے، پناہ بخدا، شک کیا جائے گا، اور کیا مستشرق اور مختلف تاریخوں کی روایت کرنے والوں کو۔ خدانخواستہ۔ کوئی جھوٹا اور کذاب یا افتراء پرداز کہے گا۔

واقعات نبویہ (علیٰ صاحبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ) اور حضرات صحابہ عَلَیْھِمُ الرِّضْوان اور تابعین عظام علیہم الرحمۃ کے وقائع میں اس طرح کا اختلاف بہ کثرت موجود ہے۔ ایسی صورت میں علماء اعلام کا یہی مسلک رہا ہے کہ روز وماہ وسال پر قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن واقعہ کی صحت میں شک نہیں کیا جاتا۔ افسوس ہے استاذ بیطار نے ایک تاریخی سہو کو افتراء قرار دے دیا ہے۔ ایک مرد عالم، صالح، جواد، محسن اور قاضی مسلمین کو ایک سہو کی بنا پر کذاب اور مفتری کہنا کب جائز ہے۔

ابن بطوطہ کی آمد دہلی میں سلطان جونا خان ابوالفتح محمد تغلق کے عہد میں ہوئی، اس بادشاہ کے متعلق مولوی ذکاء اللہ نے لکھا ہے۔ [1]

یہ بادشاہ عجائب روزگار سے تھا، اس کی ذات جامع اضداد تھی، بھلائیاں برائیوں پر پردہ ڈالتی تھیں اور برائیاں بھلائیوں کو خاک میں ملاتی تھیں، فیاض ایسا کہ روپیہ کو ٹھیکری سمجھتا تھا، عالموں اور فاضلوں کو لاکھوں روپیہ دیتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ جیسے اس کی لیاقت اور محامد میں دفتر کے دفتر سیاہ ہوئے ہیں ایسے کسی بادشاہ کے نہیں ہوئے۔ اس کی سخاوت کا حال سن کر سب

اطراف کے صاحب کمال اس کے دربار میں آتے اور اپنی آرزو سے زیادہ دولت پاتے،
ایک ایک دن کا خرچ اس کا اور بادشاہوں کے برسوں کے خرچ کے برابر تھا۔" الخ"

اس بادشاہ دیوانہ وفرزانہ کے واقعات کو ابن بطوطہ نے تفصیل سے لکھا ہے، ان
واقعات کو پڑھ کر لوگوں کا خیال ہوا کہ یہ غلط ہیں۔ اس سلسلہ میں علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی
نے لکھا ہے۔ [1]

قرات بخط ابن مَرْزُوقٍ اَنَّ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ بن جُرَیٍ لَخَّصَهَا وَ حَرَّرَهَا
بِاَمْرِ السُّلْطَانِ اَبِی عِنَانٍ وَ کَانَ الْبَلْفِیقِیُّ رَمَاهُ بِالْکِذْبِ فَبَرَّاَهُ ابْنُ مَرْزُوْقٍ وَقَالَ
اِنَّهُ بَقِیَ اِلٰی سَنَةِ سَبْعِیْنَ وَمَاتَ وَهُوَ مُتَوَلِّی الْقَضَاءِ بِبَعْضِ الْبِلَادِ قَالَ ابْنُ
مَرْزُوْقٍ وَلَا اَعْلَمُ اَحَدًا جَالَ الْبِلَادَ کَرِحْلَتِهٖ وَکَانَ مَعَ ذٰلِکَ جَوَادًا مُحْسِنًا۔

"ابن مرزوق کی تحریر میں نے پڑھی ہے کہ اس سفرنامہ کی کتابت سلطان ابوعنان کے حکم سے
ابوعبداللہ بن جزی نے کی ہے، اور بلفیقی نے ابن بطوطہ پر جھوٹ کا الزام لگایا تھا۔ ابن مرزوق
نے ان کی براءت کی اور کہا ہے کہ ۷۷ء تک وہ زندہ رہے۔ مرتے دم تک بعض مقامات
کے قاضی تھے، میرے علم میں نہیں کہ کسی دوسرے شخص نے ان جیسی سیاحت کی ہو۔ مع ہذا
فیاض اور احسان کرنے والے شخص تھے۔

اسلام کے مشہور و معروف مفکر علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون اپنی گراں بہا

[1] تاریخ ہندوستان جلد ۲ صفحہ ۱۰۸، ۱۰۹ [2] الدرر الکامنہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۰، ۲۸۱

تالیف، کتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر کے مقدمہ کے تیسرے باب، اٹھارہویں
فصل کے آخر میں لکھتے ہیں۔ [3]

طنجہ کے مشائخ میں اسے ایک شخص جو ابن بطوطہ کے نام سے مشہور ہیں، تقریباً بیس
سال پہلے مشرق کی طرف گئے عراق یمن ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچے وہاں کے بادشاہ اور
ولی عہد فیروز سے ملے۔ انہوں نے ان کو ملک کے کسی حصہ میں مالکی قاضی بنادیا۔ پھر وہ

مغرب کو لوٹنے اور سلطان ابوعنان سے ملے۔ ان کو اپنے دیکھے ہوئے عجائبات سنائے، ہندوستان کے واقعات بہ کثرت بیان کیے ہیں (بادشاہ کا سونے چاندی کے سکوں کا لٹانا وغیرہ) ایسی باتوں کو پڑھ کر لوگوں نے ان کی تکذیب کی۔ اتفاق سے انہی دنوں میں میری ملاقات سلطان کے وزیر فارس بن ودرار سے ہوئی جن کی شہرت چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ میں نے ابن بطوطہ کے بیان کیے ہوئے واقعات ان کو سنائے اور لوگوں کے انکار اور تکذیب کا ذکر کیا۔

انھوں نے کہا: إِيَّاكَ أَنْ تَسْتَنْكِرَ مِثْلَ هٰذَا مِنْ أَحْوَالِ الدُّوَلِ بِمَا أَنَّكَ لَمْ تَرَهُ۔

حکومتوں کے اس قسم کے واقعات کے انکار کرنے سے بنا بریں کہ تم نے نہیں دیکھے ہیں، اپنے کو بچاؤ۔ علامہ ابن مرزوق، حافظ ابن حجر عسقلانی، وزیر باتدبیر فارس بن ودرار اور علامہ ابن خلدونؒ نے کیسی درست اور انصاف کی بات کہی ہے اور ابن بطوطہؒ کی صداقت، دیانت اور صلاح کا اعتراف کیا ہے۔ اور ابن بطوطہ کا سفرنامہ سب کے سامنے ہے اس کو دیکھیں مطالعہ کریں اور سچ اور جھوٹ کا اندازہ لگائیں۔

استاذ بیطار کی گرفتیں:۔ استاذ بیطار کی تاریخی سہو کو افتراء ثابت کرنے کے لیے سفر نامہ کے پانچ مواضع کو پیش کیا ہے۔ مختصر طور پر اس سلسلہ میں کچھ کہا جاتا ہے۔ (۱) جامع

ع ملاحظہ کریں ۱۸۲،۱۸۱

اموی میں حضرت یحییٰ کی قبر ہے، ابن بطوطہ نے حضرت ذکریا کا نام لکھا ہے۔ بے شک قبر حضرت یحییٰ کی ہے نہ حضرت ذکریا کی۔ اور یہ بھی ایک معمولی سہو ہے، اس خبر میں مہتم بالشان یہ بات ہے کہ مسجد میں ایک نبی کی قبر ہے۔ رہا حضرت ذکریا اور حضرت یحییٰ کا قصہ، تو یہ سہو کا ثمرہ ہے، تیس سال کے بعد سینکڑوں واقعات کے لکھوانے میں اس قسم کا سہو ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے اور نہ کوئی منصف مزاج اس کی وجہ سے ابن بطوطہ کو مفتری اور کذاب کہے گا۔

سرداردوعالم ﷺ کاارشادگرامی ہے[1] رُفِعَ عَنْ اُمَّتِیَ الْخَطَاءُ وَالنِّسْیَانُ ۔ میری امت سے خطااور بھول کی گرفت اٹھالی گئی ہے۔

(۲) جامع اموی میں نماز پڑھنے کی فضیلت میں جو روایت ابن بطوطہ نے لکھدی ہے اس کے متعلق اگر بیطار اظہار حقیقت کرتے ہوئے لکھ دیتے کہ یہ روایت موضوعی ہے۔ مناسب تھا۔ لیکن اس روایت کے لکھ دینے کی وجہ سے ابن بطوطہ پر رد وطعن درست نہیں، ابن بطوطہ نہ محدث تھے اور نہ انہوں نے اس روایت کو لکھ کر دعویٰ کیا ہے کہ یہ روایت ثابت اور صحیح ہے سینکڑوں بلکہ ہزاروں علماء کرام اپنی لاعلمی کی وجہ سے اپنی کتابوں میں موضوعات لکھ گئے ہیں، چوں کہ ان حضرات کا فعل لاعلمی اور ناواقفی کی بناء پر ہوا ہے ان پر کسی نے نکیر نہیں کی ہے۔ دمشق وشام اور جامع اموی کے متعلق دور بنی امیہ میں موضوعات کا خوب چرچا ہوا ہے محدثین کو اللہ تعالیٰ اجر دے کہ انہوں نے احادیث مبارکہ کی تطہیر کا کام خوب کیا ہے۔

[1] سیوطی کی الجامع الصغیر ملاحظہ کریں

(۳) صفحہ ۱۹۹ میں ابن بطوطہ نے ان مصائب اور آلام کا بیان کیا ہے جو بلاد ترکمان میں مقام کنکوک جاتے وقت پیش آئے تھے، وہ برف کے طوفان میں گھر گئے تھے زندہ بچنے کی توقع نہ تھی، اللہ نے ان پر کرم کیا اور وہ بچ گئے، سمجھ میں نہیں آتا کہ استاذ بیطار کو اس واقعہ میں کیا قباحت نظر آگئی ہے۔ ابن بطوطہ نے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ پر عمل کرتے ہوئے اپنے رب کے احسان کا بیان کیا ہے ان کا یہ فعل شایان مدح ہے نہ مذمت۔

(۴) صفحہ ۱۳۲ میں حضرت سید احمد برادر حضرت علی رضا کی قبر ہے یہ اہل بیت اطہار کے ایک فرد ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین، ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اہل شیراز کو ان سے محبت ہے اور وہ ان کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ نے طلب کرتے ہیں۔

(۵) صفحہ ۱۳۶ میں حضرت ابو اسحاق کی قبر اور ان کی خانقاہ کا بیان کیا ہے۔ لکھا ہے کہ ان کی قبر مقام کازرونی میں ہے جو شیراز سے کچھ فاصلہ پر ہے، جس کو کوئی تکلیف پیش

آتی ہے وہ ان کی خانقاہ، جاتا ہے، وہاں کے مجاورین قرآن مجید کا ختم اور ذکر شریف کرکے حضرت شیخ کے مزار پر حاضر ہو کر دعا کرتے ہیں، فَتُقْضٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ اور اللہ کے اذن سے وہ کام ہو جاتا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ہندوستان اور چین کے لوگوں کو اگر سمندر میں طوفان گھیر لیتا ہے وہ اللہ سے دعا کرتے ہیں ابو اسحاق کے واسطے کچھ مانتے ہیں اور پھر وہ نذران کی خانقاہ کو پہنچاتے ہیں۔

استاذ بیطار نے چوتھے اور پانچویں واقعے پر نکیر کی ہے اور (فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ فَلَمَّا نَجَّاھُمْ اِلَی الْبَرِّ اِذَا ھُمْ یُشْرِکُوْنَ) سے استدلال کیا ہے (ترجمہ) پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے اللہ کو نرے اسی پر رکھ کر نیت۔ پھر جب بچالایا ان کو زمین کی طرف اسی وقت لگے شریک پکڑنے۔

حضرت شاہ عبدالقادر نے موضح قرآن میں لکھا ہے۔

مکہ کے لوگ اللہ کے گھر کے طفیل دشمنوں سے پناہ میں تھے اور سارے ملک عرب میں فساد تھا۔ بتوں کے جھوٹے احسان مانتے ہیں یہ سچا احسان اللہ کا نہیں مانتے۔"

کہاں مشرکوں کا فعل اور کہاں مسلمانوں کا عمل۔ مسلمان کے پیش نظر " اِبْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ " ہے (اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ) اولیا کا وسیلہ در حقیقت ان کے اعمال اور اعلیٰ خصوصیات کا وسیلہ ہے، امام ابوالمؤید الموفق بن احمد المکی متوفی ۵۶۸ھ نے امام شافعی کا یہ قول سند کے ساتھ لکھا ہے لے

اِنِّیْ لَاَتَبَرَّکُ بِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَجِیْئُ اِلٰی قَبْرِہٖ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ زَائِرًا فَاِذَا عَرَضَتْ لِیْ حَاجَۃٌ صَلَّیْتُ رَکْعَتَیْنِ وَجِئْتُ اِلٰی قَبْرِہٖ وَسَاَلْتُ اللّٰہَ الْحَاجَۃَ عِنْدَہٗ فَمَا تَبْعُدُ عَنِّیْ حَتّٰی تُقْضٰی۔

میں ابو حنیفہؒ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور زیارت کے لیے ہر روز ان کی قبر پر جاتا ہوں، اور جب مجھ کو کوئی حاجت پیش آتی ہے میں دو رکعت پڑھ کر ان کی قبر پر جاتا

ہوں اور اللہ سے اپنی حاجت طلب کرتا ہوں اور کچھ ہی وقت گزرتا ہے کہ میری حاجت پوری ہوجاتی ہے۔

ابن بطوطہ اہل سنت وجماعت کے مسلک پر ہیں۔ بلاوجہ کی ردو تشنیع درست نہیں۔

منبر:۔ ابن بطوطہ نے منبر کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں استاذ بیطار نے عجیب بحث کی ہے۔ اگر علامہ ابن تیمیہ کے خاص شاگرد اور ان کا تذکرہ اور مرثیہ لکھنے والے حافظ مورخ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عبدالہادی منبر کا لفظ نہ لکھتے، استاذ بیطار ابن بطوطہ کو کذاب لکھ دیتے۔ چوں کہ ابن عبدالہادی کی عبارت سے ابن بطوطہ کی تائید ہوتی ہے اس لیے ان کو یہ عجیب بحث لکھنی پڑی۔ وہ کہتے ہیں۔ ۱

ابن بطوطہ نے منبر الجامع (مسجد کا منبر) لکھا ہے۔ حالانکہ ابن تیمیہ کرسی پر بیٹھ کر وعظ کیا کرتے تھے جیسا کہ علامہ ذہبی نے لکھا ہے۔

وقد اشتهر أمره وبَعُد صيته في العالم، وأخذ في تفسير الكتاب العزيز أيام الجُمَعِ على كرسي من حفظه ۔ان کی (ابن تیمیہ کی) کیفیت مشہور ہوئی اور عالم میں ان کا آوازہ دور تک پھیلا، انہوں نے جمعہ کے دنوں میں قرآن عظیم کی تفسیر از روئے حافظہ کرسی پر سے کرنی شروع کی۔ اس حافظ مورخ ابن عبدالہادی نے لکھا ہے۔

ثم الشيخ جلس يوم الجمعة (اى بد مشق) على عادته، وقال وهو يصف حاله وأعماله بمصر: يتكلم في الجوامع على المنابر من بعد صلاة الجمعة الى العصر۔

پھر (ابن تیمیہ) حسب عادت جمعہ کے دن بیٹھے (دمشق میں) اور ابن عبدالہادی نے مصر میں ان کے احوال واعمال کا ذکر کیا، (اور لکھا) مساجد میں جمعہ کی نماز کے بعد سے عصر تک منبروں پر سے وعظ کیا کرتے تھے۔

ابن عبدالہادی نے نہ منابر الجمعہ کا لفظ لکھا ہے نہ منابر الخطابہ کا، لہذا منبر کے لفظ

ہے۔ہروہ شے جوزمین سے بلند ہو۔ اور لکھا
ہے اکا مطلب كُلُّ مَا ارتفع عن الأرض ہے۔ فكيف غفل ابن بطوطة عن ذلك۔ اس بات سے ابن بطوطہ کس طرح
لکھا ہے۔
غافل ہو گئے۔

ابن بطوطہ نے چشم دید واقعہ بیان کیا ہے۔ بھلا اس میں غفلت کا کیا سوال۔ غفلت
تو اس عبارت میں ہوتی ہے جو سنائی جاتی ہے۔ استاذ بیطار کو ذہبی کی عبارت کسی کتاب میں مل
گئی۔ چوں کہ وہ عبارت ان کے مطلب کی تھی اس کو ایک اصل ثابت قرار دے کر ابن
عبدالہادی کی عبارت کی من مانی تاویل میں مصروف ہو گئے۔ اور ابن بطوطہ کو صاحب غفلت
قرار دے دیا۔

علامہ ذہبی نے اگر اپنی کسی تحریر میں کرسی کا لفظ لکھا ہے تو دوسری تحریر میں منبر کا لفظ
لکھا ہے۔ مؤرخ وفقیہ ابوالفلاح عبدالحئی بن العماد حنبلی نے اپنی تاریخ میں ۷۲۸ھ کے احوال
میں علامہ ابن تیمیہ کا تذکرہ چھ صفحات میں لکھا ہے۔ ابن عماد نے علامہ ذہبی کی جو عبارت نقل
کی ہے اس میں تحریر ہے۔ ل

ثم جلس عقب ذلك مكان والده بالجامع على منبر أيام الجمع لتفسير القرآن العظيم۔

"پھر اس کے بعد اپنے والد کی جگہ مسجد میں منبر پر ایام جمع میں قرآن عظیم کی تفسیر
کے لیے بیٹھے۔"

ل ملاحظہ کریں شذرات الذهب ج ۶ ص ۸۱

حافظ ذہبی کی تحریرات کا مطالعہ اگر دقیق نظر سے کیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ وہ
مقصد کا اظہار کرتے ہیں الفاظ کی طرف چنداں متوجہ نہیں ہوتے، لہذا انہوں نے کہیں کرسی
لکھ دی اور کہیں منبر۔ استاذ بیطار اگر مزید تحقیق کرتے ایسی عجیب بحث نہ کرتے۔ حافظ ابن
کثیر کا حال گزر چکا ہے کہ ان پر ابن تیمیہ کی محبت کا غلبہ تھا، انہوں نے اپنی تاریخ میں لکھا

لے

جلس الشیخ تقی الدین المذکور یوم الجمعۃ عاشر صفر بالجامع
الاموی بعد صلاۃ الجمعۃ علی منبر قد ھُیّیَٔ لتفسیر القرآن العزیز۔

جمعہ ۱۰ صفر ۷۱۲ھ کو جامع اموی میں شیخ تقی الدین (ابن تیمیہ) مذکور ایک خاص منبر پر جو کہ
ان کے واسطے مہیا کیا گیا تھا قرآن عزیز کی تفسیر کے واسطے بیٹھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے
الدرر الکامنہ میں لکھا ہے۔[2] وکان یتکلم علی المنبر" وہ منبر پر سے وعظ کیا کرتے
تھے۔ اور لکھا ہے۔[3] فلما کرروا انہ ذکر حدیث النزول فنزل عن المنبر درجتین
فقال کنزولی ھذا ۔ بیان کیا ہے کہ انہوں نے حدیث نزول کا ذکر کیا اور وہ منبر کی
دو سیڑھیاں اترے اور کہا، میرے اس اترنے کی طرح۔"

حافظ ابن کثیر کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ کے واسطے منبر مہیا کیا گیا
تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ منبر تین سیڑھیوں کا ہو جو کہ مسنون طریقہ ہے۔ کیونکہ عرب ممالک میں
عام طور سے بارہ سیڑھیوں کا منبر ہوا کرتا ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ اس منبر کی پستی کی وجہ سے
حافظ ابن حجر نے کسی جگہ کرسی سے تعبیر کردی ہو۔ بہر حال یہ محقق ہے کہ علامہ ابن تیمیہ منبر پر
وعظ کیا کرتے تھے۔

اگر استاد بیطار نے بلاوجہ مرد صالح ابن بطوطہ پر افتراپردازی کا الزام لگایا ہے،

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۱۴ ص ۲۲۶ [2] دررکامنہ ج ۱ ص ۱۵۲ [3] دررکامنہ ج ۱ ص ۱۵۴

ایک دوسرے محقق نے۔ جہاں دیدہ بسیار گوید دروغ۔ لکھ کر اپنے دل کا غبار نکالا ہے۔ یہ ہے
علامہ ابن تیمیہ کے اتباع کا طریقہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

کچھ الرد الوافر اور جلاء العینین کے بارے میں:-

علامہ ابن حجر عسقلانی" کی الدرر الکامنہ کا حال آپ نے مطالعہ کیا اس کتاب کے
اندر تقریبا ۸ صفحات میں حافظ عسقلانی" نے ابن تیمیہ کے محاسن کا اور تقریبا ۳ صفحات میں

مساوی کا بیان کیا ہے۔ محاسن میں علم وفضل تبحر علمی اور دیگر صفات حسنہ کا بیان کیا ہے بلا شبہ خوب بیان ہے۔ اور یہ مسرت کا مقام ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کی ان اچھی صفات کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ البتہ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ان کے اتباع اور طرفداران کے ہفوات اور زلات کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اس سلسلہ میں نواب سید صدیق خان اور امرائے نجد کے مساعی نے بڑا کام کیا ہے۔ اور جلاء العینین کی تالیف ہوئی جو کہ سید محمود آلوسی کے فرزند سید نعمان آلوسی نے لکھی ہے۔ سید نعمان کی راہ ورسم نواب صدیق حسن خان سے تھی۔ جناب نواب کے اشارہ پر انہوں نے جلاء العینین لکھی۔ اس کا اثر یہ دیکھنے میں آیا کہ جن افراد نے الرد الوافر وغیرہ کا اور پھر جلاء العینین کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کی نظر میں علمائے امت محمدیہ میں ابن تیمیہ کا مثل نہیں۔ اور ظاہر ہے یہ خیال خلاف واقعہ ہے۔ اور ان کتابوں کا یہ طرز اور رویہ بھی خلاف انصاف ہے۔ کہ صرف محامد کا ذکر بڑھ چڑھ کر کیا ہے اور هفوات پر دہ ڈالا جائے۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ ایک طرف ان کی صفات کا اقرار کیا جائے۔ اور ان کے هفوات اور زلات کو امت سے چھپایا نہ جائے بلکہ اسے امت کے سامنے آشکارا کیا جائے۔ جلاء العینین وغیرہ میں صرف محاسن اور صفات پر ہی زور دیا گیا ہے۔ اور ابن تیمیہ کے اسی پہلو سے بحث کی گئی ہے۔ اور ان کے دوسرے خطرناک پہلو سے بالکل بھی بحث نہیں کی گئی۔ اسی لیے بعض لوگ جلاء العینین وغیرہ کا مطالعہ کر کے ابن تیمیہ کو ایک بے مثل عالم سمجھتے ہیں۔ اور ان کو ہر مسئلہ اور ملتہ میں امام بنا کر ان کی پیروی کرتے ہیں۔

﴿فصل چہارم﴾

ابن تیمیہ کا متقدمین اور متأخرین کے مسلک کی مخالفت اور متأخرین کے خلاف فتوے

آپ نے یہ بات جان لی ہے کہ صفات متشابہات کے بارے میں متقدمین اور متأخرین کا کیا مسلک ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ سلف صالحین ان آیات متشابہات پر ایمان

رکھتے ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث میں جہاں پر بھی وجہ، ید، عین، نزول وغیرہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اس پر ان کا ایمان ہے اور ان صفات متشابہات کو اس معنی پر جو اللہ تعالیٰ کی شان عالی کے لائق ہو ثابت مانتے ہیں۔ اور ان الفاظ کی ظاہری معنی جو یا تو جسم ہے یا لوازم جسم ہے ان سے اللہ تعالیٰ کو منزہ مانتے ہیں۔ اور متاخرین اہل سنت ان آیات وصفات اور احادیث صفات کی تاویل کرتے ہیں۔ ان دونوں مسلکوں کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اب آپ ملاحظہ فرمایئے۔ کہ ابن تیمیہ تفویض اور تاویل جو کہ جمہور اہل سنت وجماعت سلف وخلف کا مذہب ہے ان کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ چنانچہ اپنی کتاب الاسماء والصفات صفحہ نمبر ۸ میں سلف وخلف کے عقیدہ رکھنے والوں اغبیاء اور سلف کے ناقدروان وغیرہ القابات سے یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولا یجوز أن یکون الخالفون أعلم من السالفین کما قد یقوله بعض الأغبیاء ممن لم یقدر قدر السلف بل ولا عرف عن اللّٰه ورسوله والمؤمنین به حقیقة المعرفة المأمور بها: من أن ((طریقة السلف أسلم وطریقة الخلف أعلم وأحکم)). وإن کانت هذه العبارة إذا صدرت من بعض العلماء قد یعنی بها معنی صحیحاً.

ترجمہ:۔ پھر صفات باری تعالیٰ کے متعلق جو کلام ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ اس فتویٰ میں اس کو ذکر کرنا ممکن نہیں۔ تلاش کرنے والا اس بات کو جان سکتا ہے اور یہ بات بھی جائز نہیں کہ خلف سلف سے زیادہ علم والے ہوں۔ جیسا کہ بعض اغبیاء کہتے ہیں جو سلف کی قدر سے ناواقف ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ان پر ایمان رکھنے والوں سے اس حقیقی معرفت کو نہیں جانا ہے جو کہ مامور بہا ہے کہ طریقة السلف أسلم وطریقة الخلف اعلم واحکم اگر چہ یہ عبارت بعض علماء سے صادر ہو تو صحیح معنی بھی رکھتی ہے۔

پھر ان علماء کو مبتدعین کا لقب دیتے ہوئے فرماتے ہیں

فإن هؤلاء المبتدعين الذين يفضلون طريقة الخلف من المطلقة ومن حذا حذوهم على طريقة السلف : إنما أتوا من حيث ظنوا أن طريقة السلف هي مجرد الإيمان بألفاظ القرآن والحديث، من غير فقه لذلك بمنزلة الأميين الذين قال الله فيهم. ﴿ ومنهم أميّون لا يعلمون الكتاب إلا أمانيّ﴾ وأن طريقة الخلف هي استخراج معاني النصوص المصروفة عن حقائقها بأنواع المجازات وغرائب اللغات

ترجمہ:۔ یہ مبتدعین جو خلف مطلقہ اوران کے قدم پر چلنے والے کے طریقے کوسلف کے مذہب پر ترجیح دیتے ہیں اس جہالت میں اس لیے واقع ہوئے ہیں۔کہ ان کا یہ گمان تھا کہ سلف کا مسلک قرآن وحدیث کو سمجھے بغیر صرف ان کے الفاظ پرایمان لانا ہے گویا سلف ان لوگوں کے مثل ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ﴿ ومنهم اميّون لا يعلمون الكتاب إلا أمانيّ﴾ اوران کا یہ گمان تھا کہ خلف کا مسلک یہ ہے کہ مختلف قسم کے مجازات اور غریب لغات کے ذریعے سے ان نصوص کے معنی کو نکالا جائے جن کو اپنے حقائق سے پھیرا گیا ہے۔

آپ پہلے جان چکے ہیں کہ سلف کا مسلک تفویض ہے اس کے بارے میں مختلف قسم کے عبارات جیسے (لا تفسرها، وما أدركنا أحداً يفسرها ،وتفسيره تلاوته وليس لأحد أن يفسره) ان سب عبارات کا یہی مطلب ہے کہ ان آیات صفات اور احادیث صفات کے الفاظ پرایمان لایا جائے۔اوران کے معنی میں غور وخوض نہ کیا جائے بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے۔علماء اہل سنت جیسے امام رازیؒ ،امام غزالیؒ وغیرہ علماء کرام نے سلف کے مسلک کی بالکل صحیح تشریح کی ہے۔علامہ صاحب ان علماء پر تہمت لگا رہے ہیں کہ انہوں نے متقدمین کے مسلک کی غلط تشریح کی ہے۔

اورایک اور بہتان یہ لگاتے ہیں کہ ان علماء نے خلف کے مسلک کو سلف کے مسلک

پر ترجیح دی ہے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ طریقۃ السلف اسلم وطریقۃ الخلف اعلم واحکم۔ حالانکہ طریقۃ السلف اسلم کا مطلب یہ ہے کہ اگر سلف ان صفات کو اپنے ظاہری معنی پر حمل کرتے تو قرآن کے محکمات مثلاً لیس کمثلہ شیء کی مخالفت لازم آتی۔ اس لیے ان لوگوں نے ان آیات اور احادیث پر ایمان رکھا اور ان کے معنی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اس سبب سے انہوں نے زیادہ سلامتی والی راہ اختیار کی اور طریقۃ الخلف احکم کی مطلب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے اس کے معنی کی تعین کی۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ کی شان عالی کے لائق معنی پر حمل کیا۔ لہٰذا صفات محکمات کی مخالفت بھی لازم نہ آئی اور مشبہہ اور مجسمہ کے اعتراضات کا جواب بھی ہو گیا اس بات کو ابن تیمیہ غلط رخ پر لے جا رہے ہیں۔ اس کچھ آگے امام رازیؒ، امام غزالیؒ اور اسی طرح اہل سنت علماء پر ظن فاسد وور رس گرائی، گمراہی، جہل وضلال کو جمع کرنے کے القابات سے یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فهذا الظن الفاسد أوجب ((تلك المقالة)) التي مضمونها نبذ الإسلام وراء الظهر، وقد كذبوا على طريقة السلف، وضلوا في تصويب طريقة الخلف، فجمعوا بين الجهل بطريقة السلف في الكذب عليهم، وبين الجهل والضلال بتصويب طريقة الخلف)۔

ترجمہ: سو اسی ظن الفاسد کی بنیاد پر ان لوگوں نے ایسا عقیدہ اختیار کیا جس کا حاصل اسلام کو پس پشت ڈال دینا ہے۔ سلف پر ان لوگوں نے افتراء کیا اور خلف کے طریقے کو درست کہنے کے بہ سبب گمراہ ہوئے۔ سو انہوں نے دو چیزیں جمع کیں۔

(۱) سلف پر جھوٹ بول کر ان کے مذہب کو نہ سمجھ سکے۔

(۲) خلف کے طریقہ کو درست کہہ کر جہل اور کذب میں مبتلا ہوئے۔

علامہ نے سلف اور خلف کے مسلک کو مجروح کرنے کے لیے اور ان کے مسلک وحشت ناک شکل میں پیش کرنے کے لیے اپنی ترکش کے سارے تیر چلائے اب ان کی بہتان تراشی کو،

ترکش میں صرف ایک ہی تیر باقی ہے اور وہ اسلام سے خارج کرنے اور کفر و شرک میں داخل کرنے کا تیر، سو اس کو بھی انہوں نے استعمال کرنے سے گریز نہیں کیا اور یہ تیر بھی آزما ڈالا

اگلے صفحہ نمبر ۹ میں کہتے ہیں۔

(فلما اعتقدوا انتفاء الصفات فی نفس الأمر، وكان مع ذلك لا بد للنصوص من معنى، بقوا مترددين بين الإيمان باللفظ وتفويض المعنى، وهي التي يسمونها طريقة السلف. وبين صرف اللفظ إلى معان بنوع تكلف. وهي التي يسمونها طريقة الخلف. فصار هذا الباطل مركباً من فساد العقل والكفر بالسمع، فإن النفي إنما اعتمدوا فيه على أمور عقلية ظنوها بينات وهي شبهات والسمع حرفوا فيه الكلم عن مواضعه.)

ترجمہ:۔ پھر جب ان کا یہ اعتقاد تھا کہ نفس الامر میں یہ صفات اللہ تعالیٰ سے منتفی ہیں حالانکہ ان نصوص کا کوئی معنی تو ہونا چاہئے تو وہ دو چیزوں کے درمیان تردد میں واقع ہوئے۔

(۱) لفظ پر ایمان رکھنا اور معنی مراد کی اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کرنے جس کو یہ لوگ سلف کا طریقہ کہتے ہیں۔

(۲) ان الفاظ کو بالکلف کسی معنی مجازی پر حمل کرنا اور اس کو یہ لوگ خلف کا طریقہ کہتے ہیں۔ سو یہ باطل فساد عقل اور کفر بالنقل سے مرکب ٹھہرا (فساد عقل تو اس لیے ہے) کہ نفی صفات میں انہوں نے ایسے امور عقلیہ پر اعتماد کیا ہے جن کو یہ لوگ واضح دلائل سمجھتے ہیں حالانکہ وہ محض شبہات ہیں (اور نقل سے انکار اس لیے ہے) کہ انہوں نے کلام اللہ میں تحریف کی اور الفاظ کو اپنے معانی سے پھیر دیا)

یہاں علامہ نے سلف کے مسلک کو نفی صفات قرار دیا ہے حالانکہ یہ محض غلط بیانی ہے اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اور (فصار هذا الباطل مركباً من فساد العقل والكفر بالسمع) میں علماء امت کو کافر قرار دیا ہے اس سے کچھ آگے لکھتے ہیں۔

(فلما انتهى أمرهم على هاتين المقدمتين الكاذبتين: كانت النتيجة استجهال السابقين الأولين والتابعيهم، واعتقاد انهم قوماً امين، بمنزلة الصالحين العامة، لم يتبحروا في حقائق العلم بالله، ولم يطلعوا الدقائق العلم الإلهي، وأن الخلف الفضلاء حازوا قصب السبق في هذا كله)۔

ترجمہ:۔ پھر جب کہ ان کے عقیدے کی بنیاد انہی دو کفری اور جھوٹے مقدموں پر تھی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ سابقین اولین کو جاہل جانا جائے اور ان کے امّی ہونے کا عقیدہ رکھا جائے۔ گویا سلف صالحین ان عام صلحاء کی طرح تھے جنہوں نے معرفت الٰہیہ کے حقائق میں تبحر حاصل نہیں کیا اور علم الٰہی کے دقائق کو نہ سمجھا اور خلف ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمام چیزوں میں سبقت حاصل کی۔ یہاں پر علماء کرام کے اعتقاد کو کفر کے لقب سے نواز رہے ہیں۔ پھر یوں فرماتے ہیں۔

ثم هذا القول إذا تدبره الإنسان وجده في غاية الجهالة، بل غاية الضلالة.)

لیجئے جناب علامہ صاحب گزشتہ آٹھ صدیوں کے اہل السنۃ والجماعۃ علماء کرام پر کفر کی مہر ثبت فرما چکے ہیں۔ انکے اس فتوی کی ضد میں امام غزالیؒ، امام رازیؒ، امام نوویؒ، علامہ ابن عربی مالکی، ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی، ملا علی القاری، تفتازانی، سید شریف جرجانیؒ جیسے لوگ آتے ہیں کیونکہ یہ حضرات چاہے محدثین ہوں یا متکلمین سب متاخرین علماء ہیں۔ متقدمین بھی اس فتوی کی ضد میں آجاتے ہیں امام بیہقی اور لالکائی کے حوالہ سے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ متقدمین علمائے کرام کا صفات متشابہات کے بارے میں بالکل وہی مسلک تھا جس کو ابن تیمیہ کفر اور جہالت، ضلالت، ابتداع، فساد عقل اور دوسرے قبیح ترین القابات سے یاد کرتے ہیں۔ اگر ان صفات کے معنی مراد کی اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کرنا بھی کفر ہے اور متکلمین اہل السنۃ کے طریقہ کے مطابق اس کی تاویل بھی کفر ہے۔ تو اب اسلام کیا ہے

ایک ہی چیز باقی رہ جاتی اور وہ ہے ان صفات کو اپنے ظاہر پر حمل کرنا جو یقیناً جسم یا لوازم جسم ہیں اور یہ مذہب بعینہٖ مجسمہ اور مشبہہ کا مسلک ہے گویا وہی خالص اسلام کے حاملین ہیں۔

افسوس صد افسوس جو شخص سلف اور خلف کے بارے میں اتنا جارات منہ ہو کر ان سب پر کفر کی مہر لگائے اور اس کے باوجود اس کو شیخ الاسلام کہا جائے اگر ان جیسے لوگ شیخ الاسلام بن جائے تو پھر وہ دن دور نہیں کہ اسلام مسخ شدہ شکل میں لوگوں کے سامنے آئیگا۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا اہل حق اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے دین پر قائم رہیں گے اور ہمیشہ اللہ کے دین کی حفاظت کرتے رہیں گے۔

علامہ کوثریؒ نے ابن تیمیہ کے بارے میں کیا خوب کہا ہے وہ اپنے مشہور ومعروف رسالہ الاشفاق فی احکام الطلاق میں لکھتے ہیں۔(ولو قلنا لم یبل الإسلام فی الأدوار الأخیرة بمن هو أضر من ابن تیمیه فی تفریق کلمة المسلمین لما کنا مبالغین فی ذلک)۔(ص ۷۲)

ابن تیمیہ نے فقہ اور اصول فقہ، حدیث اور اصول حدیث میں جو خدمات انجام دی ہیں ان کا کون منکر ہے۔ لیکن کب اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ان عقائد باطلہ کو قبول کیا جائے اور اس کی تردید نہ کی جائے۔ علامہ زمخشری انتہائی جلیل القدر لغوی، نحوی اور مفسر بلکہ علم البیان کے تو امام ہیں لیکن کیا اس کے باوجود عقائد اعتزال کو کسی نے حق کہا ہے اور اسکو قبول کیا ہے شارح رضی جو علم النحو اور صرف میں بلند پایہ محقق ہیں لیکن شیعہ ہیں کیا ان کے عقائد تشیع کو علمائے سنت نے قبول کیا ہے یا جیسا کہ ابن خزیمہ ایک جلیل القدر محدث ہیں لیکن جب اسماء وصفات کے بارے میں انہوں نے کتاب التوحید لکھی جس میں انہوں نے مسائل صفات میں تفرد کی راہ اختیار کی تو علمائے السنۃ نے ان کی تردید ہے چنانچہ امام رازی نے سورہ شوریٰ آیت نمبر ۱۰ لیس کمثله شیئ کے تحت ان پر رد کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود علم حدیث کے اندر ان کی جلالت قدر اپنی جگہ برقرار ہے۔ یہی وہ میزان ہے جس پر صحابہ کرام سے لے

کر اب تک اہل حق چلے آ رہے ہیں اور قیامت کے قیام تک چلتے رہیں گے۔
فائدہ:۔ آپ یہ سوچتے ہونگے کہ علامہ ابن تیمیہ نے ان عبارات میں کہاں پر امام رازیؒ اور امام غزالیؒ کا نام لیا ہے آپ ہی ابن تیمیہ کے کلام کو غلط رخ پر لے جا رہے ہیں اس بارے میں عرض یہ ہے کہ ابن تیمیہ کی مراد یہاں پر قطعی طور پر امام رازیؒ امام غزالیؒ وغیرہ ہیں۔ کیونکہ یہ سارا کلام طویل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

(کقول بعض رُء سائھم)

نهاية إقدام العقول عقال ، وأكثر سعي العالمين ضلال

وأرواحنا في وحشة من جسومنا وحاصل دنيانا أذى ووبال

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا سوى أن جمعنا فيه قيل وقالوا

لقد تأملت الطرق الكلامية، والمناهج الفلسفية: فما رأيتها تشفي عليلاً ولا تروي غليلاً، ورأيت أقرب الطرق طريقة القرآن۔ اقرأ في الإثبات، (الرحمن على العرش استوى) ، (إليه يصعد الكلم الطيب)۔

یہاں پر بعض روسائہم سے مراد امام رازی ہیں کیونکہ یہ اشعار اور یہ کلام ان ہی کا ہے لہٰذا ابن تیمیہ یہاں جن علماء پر رد کر رہے ہیں ان سے مراد امام رازی وغیرہ ہی ہیں۔ ابن تیمیہ تو اتنی جرأت کرے کہ دین الٰہی کے عظیم الشان سپاہی امام رازی جیسے انسان کو کبھی تو مبتدع اور غبی کہتے ہیں اور کبھی خائن اور جاہل کہتے ہیں۔ مگر ان اہل حق کی دفاع کرتے ہوئے اگر ابن تیمیہ کے متعلق کچھ کہا جائے تو بڑے بڑے لوگ اور اہل السنہ اور دیوبند کے بعض دعویدار بھی شور مچانے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اکابر کے حق میں گستاخی نہ کرو۔ آپ خود سوچئے کہ گستاخ کون ہے کیا سلف کے مسلک کو تجہیل اور خلف کے مسلک کو تضلیل کہنے والا اور اکابر متکلمین پر کفر کے فتوی لگانے والا گستاخ ہے یا ان علماء کی دفاع

کرنے والا اور ابن تیمیہ کے گمراہ کن عقائد سے لوگوں کو آگاہ کرنے والا گستاخ ہے حقیقت بھی ہے کہ اول الذکر شخص گمراہ ہے۔ لیکن اہل زمانہ کی ناانصافی دیکھئے کہ ثانی الذکر کو گستاخ کہا جارہا ہے فالی اللّٰہ المشتکی۔

(فائدہ) ہم جو یہ فریاد کررہے ہیں اس میں ہم منفرد نہیں ہے بلکہ یہ فریاد ہم سے پہلے ایک جلیل القدر عالم شیخ سلامہ قضاعی نے بھی کی۔ کہ ابن تیمیہ علماء امت کی تکفیر کرتے ہیں بلکہ امام غزالی اور امام الحرمین پر یہود اور نصاریٰ بھی سخت کافر ہونیکا فتویٰ لگاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام قضاعی "فرقان القرآن بین صفات الخالق وصفات الأكوان" صفحہ نمبر ۲۱ میں فرماتے ہے والعجب انك ترى إمام المدافعين عن بيضة أهل التشبيه وشيخ اسلام أهل التجسيم ممن سلبه من الكرامة وجهلة المحدثين الذين يحفظون وليس لهم فقه فيما يحفظون أحمد بن عبد الحليم المعروف بابن تيمية يرمي إمام الحرمين وحجة الإسلام الغزالي بأنهم اشد كفرا من اليهود و النصارى في كتابه "الموافقة" المطبوع على هامش منهاجه لقولهما بالتنزيه وهما لم ينفردا به بل هو قول المحققين من علماء الملة الاسلامية من الصحابة فمن بعدهم الى زمانه والى زماننا والى أن يأتى أمر الله دیکھئے ابن تیمیہ کے بارے میں شیخ سلامہ کے ان الفاظ کو اور سوچئے: يرمى إمام الحرمين وحجة الإسلام الغزالي بأنهم أشد كفرا من اليهود و النصارى.

ابن تیمیہ تفویض سے متعلق اقوال نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ بذات خود معنی کی تفویض کے قائل نہیں

آپ نے صفات متشابہات کے بارے میں ابن تیمیہ کے مسلک کو ملاحظہ کیا ابن تیمیہ ان صفات کے معنی مراد کی معلومیت کے قائل ہیں۔ اور ان کی تفویض نہیں کرتے بلکہ ان صفات کو ظاہری معنی پر حمل کرتے ہیں۔ البتہ کیفیت کی تفویض اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں۔

قابل تعجب بات یہ ہے کہ تفویض کے قائل نہ ہونے کے باوجود وہ تفویض سے متعلق علمائے کرام کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ وہ اقوال ایسے ہیں کہ صراحتاً اس مسلک پر دال ہیں جن کو ہم نے سلف کا مسلک قرار دیا ہے۔ جیسے کتاب الاسماء والصفات جلد ۲ صفحہ نمبر ۹۷ میں ابوالمعالی الجوینی کا قول نقل کرتے ہیں: وكذلك قال أبو المعالي الجويني في كتابه " الرسالة النظامية" اختلفت مسالك العلماء في هذه الظواهر، فرأى بعضهم تأويلها، والتزم ذلك في آي الكتاب، وما يصح من السنن، وذهب أئمة السلف إلى الانكفاف عن التأويل، وإجراء الظواهر على مواردها، وتفويض معانيها إلى الرب۔ اس کے اندر یہ آخری الفاظ وتفويض معانيها إلى الرب بھی سلف کا مسلک ہے۔ اور صفحہ ۹۷ پر امام بیہقیؒ کی کتاب الاسماء والصفات سے یہ عبارت نقل کی ہے: أما المتقدمون من هذه الأمة فإنهم لم يفسروا ما كتبنا من الآيات والأخبار في هذا الباب۔ اور یہی عبارت ہم نے متقدمین کے مسلک کے بیان میں ذکر کی تھی۔

اور صفحہ ۳۹ پر امام محمدؒ کا یہ قول ذکر کیا ہے: عن محمد بن الحسن صاحب أبي حنيفة، قال: اتفق الفقهاء كلهم. من المشرق إلى المغرب. على الإيمان بالقرآن والأحاديث، التي جاء بها الثقات عن رسول الله ﷺ في صفة الرب عزوجل: من غير تفسير ولا وصف ولا تشبيه: الخ۔ یہ قول ہم نے تفویض کے مسلک کے بیان میں ذکر کیا تھا۔

اور صفحہ نمبر ۳۱ میں امام مکحول اور زہری کا قول "أمروها كما جاءت" اور امام مالک، سفیان ثوریؒ، لیث بن سعد اور امام اوزاعی کا قول "أمروها كما جاءت بلا كيف" نقل کیا ہے حالانکہ یہ دونوں قول صراحتاً تفویض پر دلالت کرتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی کو بُرا کہنا:

عماد حنبلی نے لکھا ہے:

"ناظر التقی الدین ابن تیمیة وظهرا علیه و کان ذلک من اسباب محنته و کان شدید الانکار علی الامام فخر الدین. حدثنی شیخی العلامة ابو عبدالله الایلی ان عبدالله بن ابراهیم الزنوری اخبره انه سمع ابن تیمیة ینشد لنفسه"

محصل فی اصول الدین حاصله من بعد تحصیله علم بلا دین

اصل الضلالة والافک المبین فما فیه فاکثره وحی الشیاطین

قال و کان فی یده قضیب فقال " والله لو رأیته لضربته بهذا القضیب"

علامہ ابو زید عبدالرحمٰن اور علامہ ابو موسیٰ عیسیٰ فرزندان محمد) نے ابن تیمیہ سے مناظرہ کیا اور یہ دونوں بھائی ابن تیمیہ پر غالب آئے۔ اور یہ واقعہ ابن تیمیہ کے اسباب محن میں سے ایک سبب ہوا۔

ابن تیمیہ امام رازی پر شدت سے انکار کیا کرتے تھے۔ میرے شیخ علامہ ابو عبداللہ ایلی نے مجھ سے بیان کیا کہ عبداللہ بن ابراہیم زنوری نے ان سے بیان کیا کہ ابن تیمیہ نے میرے سامنے اپنے یہ دو شعر پڑھے۔

(۱) اصول دین میں محصل کو پڑھنے کے بعد یہ خلاصہ نکلتا ہے کہ اس کتاب کا علم بغیر دین کے ہے۔

(۲) یہ کتاب گمراہی اور خالص جھوٹ کی اساس ہے۔ اور اس کا بیشتر حصہ شیاطین کی وحی ہے۔

زنوری نے یہ بھی کہا کہ اس وقت ابن تیمیہ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ انہوں نے خدا کی قسم کھا کر یہ بات کہی "اگر میں ان کو (امام فخر الدین کو) دیکھ لیتا۔ اس چھڑی

ابن تیمیہ کی تعریف میں بعض علماء کا غلو

علامہ ابن تیمیہ تمام گزرے ہوئے ائمہ دین سے بہ درجات و مراتب افضل و برتر ہیں۔ اس سلسلے میں استاد ابوزہرہ نے لکھا ہے:-

"و إننا بعد دراسة حياته و عصره لانجد من السهل دراسة علمه، لأنه لم يكن متخصصا كالأئمة السابقين، فأبو حنيفة كان فقيها، و لم يعرف إلا بأنه فقيه، و إن كانت له في صدر حياته جولة في علم الكلام، فقد أطرح الخلاف في علم الكلام إلى التخصص في استنباط الأحكام، و مالك كان فقيها و محدثا، و لم تكن قد تميزت التفرقة بين الفقه و الحديث تميزا كاملا، و الشافعي و إن كان الفصيح الأديب قد تخصص في الفقه و أصوله و هكذا ...... و لذلك كانت دراسة علومهم سهلة، لأنها ناحية واحدة، و النواحي الأخرى كانت آراء اعتنقوها بوصف كونهم علماء مسلمين، لا بوصف كونهم متخصصين، أما ابن تيمية فجولاته في الفقه جعلته فقيه عصره و جولاته في علم الكلام جعلته أبرز شخصيته فيه، و تفسيراته للقرآن الكريم و دراسته أصول التفسير و ضعه المناهج لها جعلته في صفوف المفسرين، و له في كل هذه العلوم آراء مبنية على فحص و دراسة، و بعد أول من جهر بها، و إن كان يقول: إنها مذهب السلف و ليست بدعا ابتدعه و لا بديعا ابتكره، و إنما هي رجعة إلى حيث كان الإسلام في أبان مجده أيام كان غضا لم تلق عليه السنون غبار التقاليد و النسيان".

"ابن تیمیہ کی حیات اور ان کے زمانے کو سمجھ لینے کے بعد ان کے علمی رتبے کا سمجھنا ہمارے واسطے کوئی آسان کام نہیں۔ وہ ائمہ سابقین کی طرح کسی ایک فن میں خصوصی مہارت

ان کو صرف ایک فقیہ ہونے کی حیثیت سے کچھ امتیاز نہیں رکھتے تھے۔ ابو حنیفہؒ ایک فقیہ تھے، اگرچہ ابتدائی دور میں انہوں نے علم کلام میں جولانی دکھائی ہے اور علم کلام کے اختلافات نے ان کے واسطے راستہ ہموار کردیا کہ وہ فقہ میں اور مسائل کے استنباط کرنے میں مہارت پیدا کرلیں، اور مالکؒ ایک فقیہ اور محدث تھے اور اس وقت تک فقہ اور حدیث میں پوری طرح تفریق بھی نہیں ہوئی تھی، اور شافعیؒ اگرچہ فصیح وادیب تھے اور انہوں نے فقہ اور اس کے اصول میں مہارت پیدا کرلی ہے، اور اسی طرح .... بنابریں ان ائمہ کے علوم کا سمجھنا کل ہے کیوں کہ ان کے علوم کا ایک ہی رخ ہے اور دوسرے جوانب وہ آراء ہیں جن کو مسلمان عالم ہونے کی بنا پر انہوں نے اپنایا ہوا تھا نہ اس بنا پر کہ ان علوم میں ان کی امتیازی شان تھی، بہ خلاف ابن تیمیہ کے کہ ان کی فقہی جولانیوں نے ان کو اپنے زمانے کا فقیہ، علم کلام میں ان کی تگ ودتاز نے ان کو ایک ماہر کلامی اور قرآن مجید کی تفسیر کرنے اور اصول تفسیر کو سمجھنے اور اس کے مناہج مرتب کرنے نے ان کو مفسروں کی صف میں شامل کردیا۔ ان تمام علوم میں ابن تیمیہ کی ایسی آراء ہیں کہ جن سے ان کی سمجھ اور ان کی کاوش کا پتہ چلتا ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابن تیمیہ ہی نے ان آراء کو ابتداءً بیان کیا ہے اگرچہ وہ کہا کرتے تھے کہ یہ سلف کا مسلک ہے میں نے کوئی نئی بات نہیں کہی ہے اور نہ کسی قسم کی جدت پیدا کی ہے بلکہ اس کیفیت کی طرف بازگشت ہے جب کہ اسلام اپنے عہد کے دور میں تروتازہ تھا اور اس پر تقالید اور نسیان کا گرد نہیں جما تھا"۔

رسائل ثلاثہ (رد وافر وغیرہ) اور جلاء العینین وغیرہ پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ امت اسلامیہ میں ابن تیمیہ کی نظیر نہیں اور ان کے مقابلہ میں چاروں اماموں کا ذکر کرنا درست نہیں۔ کیوں کہ ایک فقیہ وکلامی، دوسرے فقیہ ومحدث اور تیسرے ادیب اور فقہ واصول فقہ کے ماہر۔

ائمہ اربعہ کی جلالت علم اور ان کی امامت کو جمہور امت اسلامیہ نے تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کا متبع اللہ کے فضل وکرم سے ناجی ہے۔

استاد ابوزہرہ کے کلام میں ایک بڑا سقم یہ ہے کہ انہوں نے تین اماموں کا ذکر کیا
چوتھے امام کا نام نہیں لیا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز   ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

آج کل مصر وغیرہ میں بچوں کے پڑھانے والے ملاجی کو فقیہ کہتے ہیں۔ شاید ابوزہرہ نے تین اماموں کو اس حیثیت کا فقیہ سمجھ لیا ہو، یہ حضرات مجتہد مطلق تھے۔ ان کے فقہ کا کیا کہنا۔ سرداردوعالم ﷺ کا ارشاد ہے: الناس معادن كمعادن الذهب و الفضة، خيارهم في الجاهلية خيارهم في الإسلام إذا فقهوا. لوگوں کی مثال سونے چاندی کی کان کی ہے۔ جو لوگ جاہلیت کے دور میں مختار تھے وہ اسلام میں بھی مختار ہیں جب کہ وہ فقیہ ہوں۔ یعنی عقل ودانش والے ہوں۔ قرآن مجید اور احادیث شریفہ کی باریکیوں سے واقف ہوں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے احوال میں علمائے کرام نے لکھا ہے کہ محدث شہیر امام اعمش رحمہ اللہ نے امام اعظم رحمہ اللہ سے کہا: من أين لك هذا؟ تم نے یہ بات کہاں سے کہی ہے؟ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: أنت حدثتنا عن أبي صالح عن أبي هريرة عن رسول الله ﷺ بكذا. تم نے ہم سے از ابوصالح از ابوہریرہ از رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ یہ سن کر امام اعمش رحمہ اللہ نے آپ سے کہا: يا معشر الفقهاء! أنتم الأطباء و نحن الصيادلة اے فقہا کی جماعت! تم اطبا ہو اور ہم عطار ہیں۔ یعنی تمہارا کام احادیث کا سمجھنا اور مسائل و احکام کا استنباط کرنا ہے اور ہم بمنزلہ عطار کے ہیں کہ احادیث کا جمع کرنا ہمارا کام ہے۔

نوٹ: ماقبل مضامین کے بعض مقامات میں ''ابن تیمیہ اور اس کے ہم عصر علماء'' سے استفادہ کیا گیا ہے۔

﴿فصل پنجم﴾

• مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (المعروف بہ علی میاںؒ)

کے اعتراضات کے جوابات

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی باوجود اس کے بڑی علمی شخصیت کے مالک تھے، انہوں نے عالم اسلام خصوصاً عالم عرب کی بیداری کے لیے بیش قیمت تصانیف ومقالے لکھے ہیں لیکن وہ علامہ ابن تیمیہ کی منطق کے رد میں لکھی گئی دو کتابوں "نقض المنطق" اور "الرد علی المنطقیین" سے بہت متاثر دکھائی دیتے ہیں اور ابن تیمیہ کے اس کام کو اپنی کتاب میں تجدیدی کارنامہ قرار دیتے ہیں۔ ذیل میں ان کے بیان کردہ اعتراضات کو نقل کر کے ان کے جوابات دیے جاتے ہیں۔

متکلمین اور فلاسفہ کے طریقہ کار کی وحدت کا اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض: مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تاریخ دعوت وعزیمت (ج: ۲، ص: ۲۳۹) میں نقض المنطق کے حوالے سے ابن تیمیہ کا علم کلام پر اعتراض نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان کے نزدیک متکلمین وفلاسفہ نے ایک ہی طرح کی غلطی کا ارتکاب کیا اور تمام اختلافات کے باوجود ان کا طریقہ کار ایک ہے۔ ان دونوں گروہوں کی غلطی اور کمزوری یہ ہے کہ انہوں نے قیاس سے اس چیز کو حاصل کرنا چاہا جو قیاس سے حاصل نہیں ہو سکتی اور فطرت اور نبوت دونوں سے کش مکش اور زور آزمائی کی۔ اس لیے ان دونوں کی تحقیقات میں غلطیاں زیادہ اور نفع کم ہے۔

جواب: ابن تیمیہ کا متکلمین اور فلاسفہ کو اس بات میں ایک جیسے سمجھنا کہ انہوں نے قیاس سے اس چیز کو حاصل کرنا چاہا جو قیاس سے حاصل نہیں ہو سکتی، صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ متکلمین کا مقصد عقائد اسلامیہ کو دلائل قطعیہ (عقلیہ ونقلیہ) سے ثابت کرنا ہے۔ بخلاف فلاسفہ کے کہ وہ الٰہیات میں بحث کرتے ہیں مگر شریعت کی نظر سے نہیں بلکہ عقل کی نظر سے۔ جب کہ متکلمین حضرات اسلام کے مسلمہ عقائد کو سامنے رکھ کر نہایت متقن انداز میں استدلال کرتے ہیں اور فلاسفہ کی کج روی اور غلط نظریات پر سخت رد کرتے ہیں۔ بلکہ

ہے کہ عقائد وکلام کی کتابوں میں جا بجا نظریہ قدم عالم، ہیولی وصورت جسمیہ، لسطریۃ الواحد لا یصدر إلا عن الواحد پر آپ کو سنجیدہ تنقید ملے گی۔ پس ان دونوں کے مکاتب فکر میں فارق ہوتے ہوئے دونوں کو ایک سمجھنا درست نہیں۔

نیز ابن تیمیہ کا یہ قول "فطرت ونبوت دونوں سے کش مکش اور زور آزمائی کی ہے"، خلاف واقع ہے۔ پس یہ قول یوں صحیح ہے کہ متکلمین نے فطرت ونبوت دونوں کے لیے کش مکش اور زور آزمائی کی ہے۔ ہاں! فلاسفہ کے جو مسائل، شریعت اسلامیہ کے متصادم ہیں، ان کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ فطرت ونبوت سے کش مکش اور زور آزمائی کی ہے۔

متکلمین پر غیر ضروری تطویلات کا اعتراض اور اس کا جواب:

اعتراض: ابو الحسن علی ندوی متکلمین اور فلاسفہ کے طرز استدلال کی تنقیص کرتے ہوئے نقض المنطق کے حوالے سے ابن تیمیہ کا قول نقل کرتے ہیں:

متکلمین اور فلاسفہ کے طرز استدلال اور دلائل کے متعلق ان کی رائے یہ ہے کہ اس میں غیر ضروری تطویل اور تکلفات ہیں۔ جن حقائق اور مقاصد کو ان متکلمین نے ان طویل دلائل ومقدمات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ اس سے زیادہ آسانی سے اختصار اور فطرت کے مطابق ثابت کیے جاسکتے ہیں۔ فلاسفہ متکلمین نے ان کو ثابت کرنے کے لیے ناحق طول طویل اور پیچ دار راستہ اختیار کیا۔ وہ اپنے کسی پیش رو کا مقولہ لکھتے ہوئے اس کی مثال دیتے ہیں۔ کسی شخص سے پوچھا گیا کہ تمہارے کان کہاں ہیں؟ اس نے اپنا دایاں ہاتھ سر پر سے اٹھا کر بائیں کان تک بمشکل پہنچایا اور کہا کہ یہ، حالاں کہ سیدھے طریقے پر اپنے دائیں ہاتھ سے دائیں کان یا بائیں کان کی طرف اشارہ کرسکتا تھا۔ اس موقع پر انہوں نے کسی شاعر کا شعر لکھا ہے۔

اقام یعمل ایاما رویته وشبه الماء بعد الجهد بالماء

بہت دن تک آدمی غور کرتا رہا اور اپنے دماغ پر زور دیتا رہا۔ بڑی محنت کے بعد پھر پانی

کی تعریف یہ کی کہ وہ پانی ہے۔

جواب: یہاں ابن تیمیہ متکلمین اور فلاسفہ کے طریقہ استدلال اور طویل دلائل پر رد کر رہے ہیں۔ مگر یہ تنقید اس لیے درست نہیں کہ کسی بھی موضوع کو اجمالی طور پر بھی تحریر کیا جاتا ہے اور تفصیلی طور پر بھی۔ جیسا کہ علم فقہ میں متون بھی ہیں جو کہ مختصر ہیں مثلاً تنویر الابصار، تحفۃ الفقہاء، مختصر القدوری، کنز الدقائق وغیرہ۔ اسی طرح شروح و تفصیلی فتاویٰ بھی ہیں مثلاً شامی، بدائع الصنائع، عالمگیری، فتح القدیر وغیرہ۔ اب اگر کوئی فقہ کے ان تفصیلی دلائل شروح کے تفصیلی دلائل کی عیب جوئی کرتے ہوئے کہے کہ فقہاء نے مسائل اور مقاصد کو طویل دلائل اور مقدمات سے ثابت کرنے کی جو کوشش کی ہے، اس کی کیا ضرورت ہے؟ تو ظاہر ہے کہ یہ کتنی نامناسب اور خلاف واقع بات ہوگی۔ اسی طرح متکلمین نے علم کلام کی مختصر کتابیں بھی لکھی ہیں اور مفصل کتابیں بھی تحریر کی ہیں۔ جیسے شرح المقاصد، شرح المواقف، ابکار الافکار، المطالب العالیۃ، تبصرۃ الأدلۃ وغیرہ؛ تاکہ اگر اس فن کا طالب علم تفصیلاً علم کلام کے مقاصد کو جاننا چاہے تو ان کتابوں کی طرف مراجعت کر سکے۔ پس اگر علم فقہ میں تفصیلی شروح کا لکھا جانا عیب نہیں سمجھا جاتا تو پھر علم کلام میں اس کو کیوں عیب سمجھا جاتا ہے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ ابن تیمیہ متکلمین پر اعتراض کر رہے ہیں، حالاں کہ ان میں دین اسلام کے بڑے بڑے اکابرین بھی داخل ہیں؟ اعتراض بھی ایسے انداز میں کہ ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ کسی سے پوچھا گیا کہ تمہارے کان کہاں ہیں؟ الخ بجائے اس کے کہ ہم ایسے متکلمین (جنہوں نے مسکت دلائل کے اسلحہ سے دشمنان عقائد اسلام کے حملوں سے عقائد اسلام کا احسن طریقے سے دفاع کیا) کے حق میں شکر اللہ مساعیہم الجمیلۃ کہیں، ہم ان کو اپنے تمسخرات کا ہدف بناتے پھر رہے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی

عربی کا ایک شعر جس کا مستحق ایک کوڑھ مغز انسان کو ہونا چاہیے تھا، از راہ تمسخر اس کو علمائے اسلام پر چسپاں کرنا اور خود اپنے کمال عقل کا اظہار کرنا ہے کا انصاف ہے۔ فیا للعجب

متکلمین پر ایک افتراء اور اس کی تردید

اعتراض: مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت کے صفحہ ۳۳۰ پر "الرد علی المنطقیین" کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

ان کو متکلمین کی اس بات سے اختلاف ہے کہ ان مقاصد کو ثابت کرنے کے لیے وہی طریقہ استدلال اور وہی مقدمات ہیں جو ان متکلمین نے اختیار کیے ہیں اور ان کے لیے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض اوقات یہ طریقہ استدلال اور یہ مقدمات تو صحیح ہوتے ہیں لیکن یہ کہنا غلط ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ اور طریقہ استدلال اور دوسرے مقدمات نہیں ہیں؛ اس لیے کہ مطالعہ اور تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کا علم انسانوں کے لیے زیادہ ضروری ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دلائل اور اس کی معرفت کو بھی اسی طرح آسان اور عام بنا دیتا ہے۔ اس بنا پر صانع کے اثبات اور اس کی توحید کے دلائل اور نبوت کے علامات اور دلائل بہت کثیر ہیں اور لوگوں کے لیے ان کی معرفت کے ذرائع اور راستے بھی بہت کثیر ہیں۔ ان متکلمانہ دلائل اور مقدمات کی اکثر لوگوں کو سرے سے ضرورت ہی نہیں۔ اور ضرورت بھی عام طور پر انہی لوگوں کو ہوتی ہے جو ان کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے یا دوسرے طریقوں سے اعراض کرتے ہیں۔

جواب: متکلمین نے یہ بات کہاں کہی ہے کہ عقائد حقہ کے اثبات کے لیے ہمارے اختیار کردہ مقدمات اور طریقہ استدلال کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ ان کی طرف اس بات کی نسبت کرنا خلاف واقع ہے۔ ہاں! متکلمین، علمائے اسلام کے ایسے علما کا نام ہے جنہوں نے اسلامی عقائد کو دلائل و براہین عقلیہ ونقلیہ سے ثابت کیا اور عقائد اسلامیہ کو دلائل نقلیہ اور عقلیہ سے ثابت کرنے کا نام ہی علم کلام ہے۔

اسلامی عقائد کو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے مبرہن کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی

کہ جب فلسفہ اور پھر الٰہیات جیسا اہم موضوع یونانی زبان سے عربی زبان میں منتقل ہوا اور معتزلہ اور ان جیسے عقائد رکھنے والے فرق باطلہ نے اپنے باطل خیالات کے اثبات کے لیے فلسفہ کو استعمال کیا تو انہی متکلمین نے عقائد حقہ کا صحیح نقشہ پیش کیا اور اس پر دلائل عقلیہ اور نقلیہ پیش کیے اور اسلامی عقائد کو الٰہیات فلاسفہ (جو اللہ سے عقلی طور پر بحث کرتے ہیں) سے جدا کر کے صحیح اور فاسد میں تمیز کی۔ یہ متکلمین کا ایک ایسا عظیم کارنامہ ہے جس پر وہ تعریف وسپاس کے مستحق ہیں۔ اب بجائے اس کے کہ ان کے ان دینی خدمات کو سراہا جائے، ان کی مذمت کرنا انتہائی ناانصافی ہے۔

جہاں تک متکلمین کے اس قول (ہمارے طریقہ استدلال اور ہمارے اختیار کردہ مقدمات کے علاوہ ان عقائد کے اثبات کے لیے اور کوئی راستہ نہیں ہے) کا تعلق ہے تو یہ محض الزام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اسلامی عقائد کے اثبات کے لیے اگر دلائل کثیر ہیں تو صحیح ہے۔ متکلمین کا طریقہ استدلال اور مقدمات بھی انہی کثیر سے میں ایک ہے

ابن تیمیہ کی متکلمین پر بے جا تنقید اور اس کا رد

اعتراض: جناب ابوالحسن علی ندوی نے صفحہ ۲۲۱ پر ابن تیمیہ کا علم کلام اور فلسفہ کو مزید ہدف تنقید بنانے کا ذکر اس عنوان سے کیا ہے:

وہ اپنی کتابوں میں بڑے شد و مد سے اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ مقاصد شریعت، حقائق غیبیہ اور حقائق دینیہ کے اثبات کے لیے سب سے بہتر، طاقتور اور دلنشین اسلوب اور طرز استدلال قرآن مجید کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اہل کلام اور فلسفہ نے مطالب الٰہیہ پر جو دلائل عقلی قائم کیے ہیں، ان کے مقابلے میں قرآن مجید کے دلائل کہیں زیادہ مکمل اور بلیغ و موثر ہیں۔ پھر اس کے ساتھ وہ ان بڑے بڑے مغالطوں سے بھی پاک وصاف ہے جو ان فلاسفہ و متکلمین کے دلائل میں پائے جاتے ہیں۔

جواب: جواباً مؤدبانہ گزارش ہے کہ ابن تیمیہؒ بھی عجیب قسم کے ہیں۔ ایک جانب تو متکلمین وفلاسفہ کو ایک جماعت مان کران پر رد کرتے ہیں۔ حالاں کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ متکلمین، اسلامی عقائد کو دلیل سے ثابت کرنے والی جماعت کا نام ہے اور اہل سنت والجماعت کے عقائد کے ترجمان ہیں، جب کہ فلاسفہ عقل کی بنیاد پر بات کرتے ہیں۔ دونوں کو ایک سمجھتے ہوئے ایک جیسی بات سے دونوں پر رد کرنے کا کیا مطلب ہے؟

باقی اس بات سے کون انکار کرتا ہے کہ قرآن کریم کے دلائل اعلیٰ اور ارفع کہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید خالق کائنات کا کلام ہے اور متکلمین کے دلائل (عقائد حقہ کے اثبات کے لیے جو فی نفسہ کتنے بھی اعلیٰ کیوں نہ ہوں، مگر پھر بھی) مخلوق کا کلام ہے۔ پس مخلوق کے بیان مخلوق کا خالق کے بیان غیر مخلوق سے کیا نسبت۔ قرآن کریم کا علم کلام سے مقابلہ کرتے ہوئے یہ کہنا کہ ان کے مقابلے میں قرآن مجید کے دلائل کہیں زیادہ مکمل اور بلیغ و مؤثر ہیں، یہ تعبیر بھی مناسب نہیں۔ ہاں! جب کسی مخلوق کے بیان کا مخلوق کے بیان سے مقابلہ ہو تو ایک کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ زیادہ بلیغ ہے اور دوسرا بلیغ نہیں ہے، یہ صحیح ہے۔

نیز ابن تیمیہ کا یہ فرمانا کہ قرآن کریم ان بڑے بڑے مغالطوں سے بھی پاک ہے جو فلاسفہ اور متکلمین کے دلائل میں پائے جاتے ہیں، یہ تعبیر بھی نامناسب ہے؛ کیوں کہ قرآن کریم جیسے بڑے بڑے مغالطوں سے پاک ہے، اسی طرح چھوٹے سے چھوٹے مغالطوں سے بھی پاک ہے۔

متکلمین کی تردید میں ابن تیمیہ کی سعی لاحاصل

اعتراض: مولانا ندوی اپنی کتاب دعوت وعزیمت کے ص ۱۳۲ میں صحابہ کرام کا امتیاز کے عنوان سے متاخرین متکلمین اور فلاسفہ پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان کے یعنی ابن تیمیہ کے نزدیک اس کا نتیجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو نبوت کے فیض یافتہ تھے جو معرفت اور علوم حاصل ہوئے وہ بڑے مکمل اور گہرے ہیں ان میں تکلف کا نام و نشان نہیں ہے۔

اس سے آگے علی میاں رحمۃ اللہ علیہ، ابن تیمیہ کی کتاب نقض المنطق کے حوالہ سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:

صحابہ کرام باوجود اس کے کہ علم نافع اور عمل صالح کے اعتبار سے کامل ترین خلائق تھے، تکلفات سے بالکل پاک و بری تھے۔ کسی صحابی کی زبان سے ایک یا دو لفظ حکمت ومعارف کے نکل جاتے ہیں اور ان دو لفظ کے اثر و برکت سے پوری کی پوری قوم کو ہدایت نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے لوگ صفحے کے صفحے ان تکلفات اور شطحات سے بھر دیتے ہیں جو محض غیر ضروری مباحث اور نو ایجاد آراء و نظریات ہیں۔

جواب: اس بات میں دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ حضرات صحابہ کرام کے مبارک علوم کے ساتھ غیر کے علوم کا مقابلہ نہیں ہو سکتا؛ کیوں کہ صحابہ کرام معادن علم و فضل تھے، اور نبوت سے بالذات فیض یافتہ تھے، وحی الٰہی کے نزول کا منظر ان کے سامنے تھا اور نبی کریم ﷺ کی زندگی، ان کے اقوال و افعال ان کے مشاہدہ میں تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسی مبارک اور پاکیزہ ہستیوں کے علوم کے مقابلے میں جو کوئی بھی ہو، اس کے علم کی کیا حیثیت ہے۔ بلکہ صحابہ کرام کے بعد اگر کسی کے علم کا اعتبار ہو سکتا ہے تو وہ بھی اس وجہ سے کہ اس کا ماخذ و مصدر صحابہ کرام ہی کے علوم ہیں۔

ابن تیمیہ کا یہ قول (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باوجود... الی قولہ یہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے) تو بالکل درست ہے۔ البتہ متکلمین حضرات (کیوں کہ بقول علامہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی مراد دوسرے لوگوں سے متاخرین متکلمین ہیں، جو فلسفہ اور علم کلام سے

شارح ہیں) کو ہدف تنقید بنانا اور ان کے بارے میں یہ کہنا: ''اس کے مقابلہ میں دوسرے لوگ ملبے کے صفحے ان تکلفات اور شطحات سے بھر دیتے ہیں جو محض غیر ضروری مباحث اور نو ایجاد آراء نظریات ہیں''، درست نہیں ہے، کیوں کہ متکلمین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے عقائد کے شارح اور ترجمان ہیں۔ ان کی کتابوں میں جو طویل ابحاث ہیں، ان کا انھوں نے ایجاد اور اختراع نہیں کیا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے علم کلام کو لے کر اپنی قوت استدلالیہ کے ذریعہ سے تفصیل کے ساتھ عقائد کو مختلف کتابوں میں بیان کیا۔ پس علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ان کو شطحات و تکلفات اور نو ایجاد آراء اور نظریات کہنا انتہائی زیادتی اور حد سے تجاوز ہے۔

علم منطق پر اعتراضات سے پہلے ایک ضروری تمہید

ابن تیمیہ اور ابوالحسن ندوی کے علم منطق پر اعتراضات کے جوابات دینے سے پہلے بطور تمہید علم منطق کی [مختصر] کی معرفت ضروری ہے۔ علم منطق کی تعریف، علم منطق کا فائدہ اور تیسرا یہ کہ اس علم کا نام میزان کیوں رکھا گیا اور یہ کس کے لیے میزان ہے؟

پہلی بات علم منطق کی تعریف ہے، جو پہلے بھی گزر چکی ہے کہ یہ وہ علم ہے جو نظر و فکر میں واقع ہونے والی غلطی سے بچاتا ہے۔ یعنی جب کسی امر مجہول کو حاصل کرنے کے لیے معلوم امور (یا تو وہ اس بنا پر معلوم ہوں گے کہ وہ بدیہی ہوں گے، یا پھر ہوں گے تو نظری لیکن دلیل سے ان کو ثابت کیا گیا ہوگا) کو ترتیب دی جاتی ہے تو اس ترتیب میں غلطی واقع ہوسکتی ہے۔ اس غلطی سے بچنے کے لیے جن قواعد کو منضبط کیا گیا ہے، اس کا نام علم منطق ہے۔ مثلاً ایک آدمی عالم کے حادث ہونے کو نہیں جانتا، لیکن وہ عالم کے متغیر ہونے اور ہر متغیر کے حادث ہونے کو جانتا ہے۔ اب اس نے ان دونوں معلوم امور کو اس طرح جوڑا کہ العالم متغیر کو صغریٰ اور کل متغیر حادث کو کبریٰ بنا دیا۔ پس ان دونوں قضیوں کو ترتیب دینے سے ایک مجہول حقیقت یعنی العالم حادث کا علم ہوگیا۔ پس اس ترتیب میں کبھی کبھار غلطی واقع ہوجاتی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے جن قواعد کو مرتب کیا گیا ہے، اس کو علم منطق کہتے ہیں۔

ہیں۔ اس تعریف سے دوسری چیز یعنی علم منطق کا فائدہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس علم کی وجہ سے آدمی معلومات کو ترتیب دینے کے دوران غلطی سے محفوظ رہتا ہے۔

جہاں تک تیسری بات یعنی اس علم کا نام میزان رکھنے کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ میزان کا لغوی معنی وہ آلہ ہے جس سے کسی چیز کو تولا جاتا ہے۔ چوں کہ اس علم کے ذریعے فکر کو تولا جاتا ہے کہ کون سی فکر صحیح ہے اور کون سی غلط، اس لیے اس کو میزان کہا جاتا ہے۔ پس جو فکر اس فن کے قواعد کے مطابق ہو، اس کو صحیح کہا جائے گا اور جو مطابق نہ ہو، وہ غلط قرار دی جائے گی۔

مثلاً حدوث عالم کے اثبات کے لیے العالم متغیر اور کل متغیر حادث کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس دلیل کے دونوں مقدمات (مادہ اور ہیئت دونوں اعتبار سے) علم منطق کے قواعد کی رو سے صحیح ہیں۔ ان میں کوئی سقم نہیں ہے؛ کیوں کہ صغریٰ (العالم متغیر) موجبہ ہے جو کہ شکل اول کے انتاج کی شرط کے موافق ہے۔ نیز مادہ کے اعتبار سے بھی یہ صحیح ہے؛ کیوں کہ تغیر کا معنی یہ ہے کہ ایک چیز کی پہلی والی حالت ختم ہو جائے اور دوسری حالت اس پر طاری ہو جائے۔ اسی طرح کبریٰ یعنی کل متغیر حادث شکل اول کے انتاج کی شرط کے موافق کلیہ ہے۔ نیز مادہ کے اعتبار سے بھی اس میں کوئی سقم نہیں ہے؛ کیوں کہ حادث کا معنی یہ ہے کہ وہ چیز اپنے وجود میں آنے سے پہلے معدوم تھی۔ پس جب قیاس کے دونوں مقدمے صحیح ہیں تو نتیجہ بھی صحیح ہوگا۔

اس کے برعکس قدم عالم کے لیے جو دلیل پیش کی جاتی ہے (العالم مستغن عن المؤثر و کل مستغن عن المؤثر قدیم) اس میں مقدمہ اولیٰ العالم مستغن عن المؤثر صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ عالم ممکن ہے یعنی اس کی جانب وجود اور جانب عدم دونوں برابر ہیں۔ جانب وجود کو جانب عدم پر ترجیح دینے کے لیے مرجح کا ہونا ضروری ہے، ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی جو کہ باطل ہے۔ اسی مرجح کو مؤثر کہتے ہیں۔ پس یہ بات غلط ٹھہری کہ عالم،

موڑ سے مستغنی ہے۔

یہاں ایک چوتھی بات بھی بطور فائدہ کے عرض کی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ علم منطق کی تعریف اور فائدہ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اس علم کا عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

منطق یونانی کا سحر اور رعب کے عنوان سے منطق پر اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض: اب ان تمہیدی باتوں کے عرض کرنے کے بعد ہم ابن تیمیہ کے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں، جن کو ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے ابن تیمیہ کے تجدیدی کارناموں میں سے ایک کارنامہ قرار دیا ہے۔ سب سے پہلے ابوالحسن علی ندویؒ نے جو عنوان دیا ہے، وہ ہے "منطق یونانی کا سحر اور رعب عالم اسلام پر"۔ اس عنوان کے ذیل میں فرماتے ہیں:

ابن تیمیہ نے فلسفہ پر اجمالی و تفصیلی تنقید کرنے اور اس کے بکثرت مسائل و مباحث کو خالص عقلی و استدلالی طریقہ پر رد کرنے اور کمزور و بے بنیاد ثابت کرنے کے بعد یونان کے مایہ ناز علم منطق پر بھی ناقدانہ نظر ڈالی ہے۔ علمائے اسلام پر منطق کا سحر فلسفہ سے کچھ زائد ہی غالب تھا اور اس کے سرتاپا معقول و مدلل اور محکم و مبرہن ہونے پر عام طور پر اتفاق تھا۔ ساعد قرطبی کے بیان کے مطابق تیسری ہی صدی میں منطق کی کتابوں کا عام رواج ہوگیا تھا۔ پانچویں صدی میں امام غزالیؒ نے بھی منطق کو بڑی اہمیت دی اور اس کو تمام علوم کا مقدمہ قرار دیا۔ اپنی معرکۃ الآرا کتاب "المستصفی" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"هي مقدمة العلوم كلها و من لا يحيط فلا ثقة بعلومه اصلاً". (منطق تمام علوم کا مقدمہ ہے۔ جس کو اس پر عبور نہیں اس کو اپنے علوم پر مطلقاً اعتبار نہیں کرنا چاہیے) اپنی دوسری کتاب (مقاصد الفلاسفہ) میں لکھتے ہیں:

اما المنطقيات فاكثرها على منهج الصواب، والخطاء نادر فيها، و انما يخالفون أهل الحق فيها بالاصطلاحات والإيرادات دون المعاني والمقاصد

إذ غرضها تهذيب طرق الاستدلالات، وذلك مما يشترك فيه النُظار.

ترجمہ: جہاں تک منطقی مسائل ومباحث کا تعلق ہے تو واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر درست اور ثابت ہیں اور ان میں غلطی شاذ نادر ہے۔ اگر ان یونانی علماے منطق کا اہل حق سے کوئی اختلاف بھی ہے تو محض اصطلاحات اور اعتراضات کا ہے معانی اور مقاصد کا نہیں؛ اس لیے کہ اس فن کی غرض طرق استدلال کی درستگی اور اصلاح ہے اور اس بارے میں تمام اہل نظر متفق ہیں۔

ساتویں صدی کے مشہور حکیم وفلسفی ابن رشد کو منطق کے بارے میں اتنا غلو اور اعتقاد تھا کہ وہ اس کو انسانی سعادت کا سرچشمہ اور معیار سمجھتا تھا، اور اس کے بغیر حقیقت تک پہنچنا اس کے نزدیک ناممکن تھا۔ اس کا سوانح نگار لکھتا ہے:

كان متهوساً بمنطق أرسطو وقال عنه: إنه مصدر السعادة للناس وإن سعادة الإنسان تقاس بعلمه بالمنطق، والمنطق أداة تسهل الطريق الشاقة في الوصول إلى الحقيقة التي لا يصل إليها العامة بل بعض الخاصة بفضل المنطق.

ترجمہ: ابن رشد پر ارسطو کی منطق سے عشق تھا۔ اس کے بارے میں ان کا قول ہے کہ وہ انسانوں کے لیے سعادت کا منبع ہے۔ کسی انسان کی سعادت کے لیے صحیح پیمانہ یہ ہے کہ وہ منطق کتنی جانتا ہے۔ منطق ایک ایسا آلہ اور ذریعہ ہے جو اس حقیقت تک پہنچنے کا راستہ آسان کر دیتا ہے، جس تک عوام تو کیا بعض خواص بھی نہیں پہنچ سکتے۔

یونان کی اس منطق کے دفتر کو علماے اسلام نے ہمیشہ ادب اور احترام کے ہاتھوں سے لیا اور وہ اس کے دعاوی و مقدمات اور اصول وکلیات سے مرعوب سے رہے۔ فلسفہ پر تنقیدات، اس کی تشریح کا کام تو طویل طویل وقفوں کے بعد کسی حد تک ہوا لیکن ہمارے علم میں کسی نے مستقل طور پر منطق یونانی کے علمی محاسبے ومحاکمے کی ضرورت نہیں سمجھی اور اس موضوع پر کوئی بڑی محققانہ اور مفصل کتاب نہیں ملتی۔ ابن تیمیہ پہلے وہ شخص ہیں جنھوں

نے اس کو مستقل موضوع بنایا اور اس پر آزادانہ اور مجتہدانہ تبصرہ اور تنقید کی۔ اس موضوع پر ان کی ایک مختصر اور مجمل کتاب 'نقض المنطق' اور دوسری مفصل کتاب 'الرد علی المنطقیین' ہے۔ آخر الذکر کتاب میں انہوں نے فنی اور علمی طور پر منطق کے قضایا، مبادی اور حدود و تعریفات اور جزئیات و کلیات سے بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس فن کو علمائے اسلام نے جتنی اہمیت دی ہے اور اس کو جس قدر مسلم الثبوت اور محکم سمجھا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

جواب: مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے بذات خود اس عبارت میں اقرار کیا ہے کہ تیسری صدی ہجری سے اکابر علما نے اس علم منطق کو قبول کیا اور اس کو رواج دیا۔ امام غزالیؒ جیسے جلیل القدر عالم نے اس کو تمام علوم کا مقدمہ قرار دیا اور جس شخص کو علم منطق پر عبور نہیں اس کے علوم کو نا قابل اعتبار قرار دیا۔ ابن رشد مالکیؒ نے اس کو انسانی سعادت کا سرچشمہ اور معیار سمجھا۔ خود ندویؒ کے اقرار کے مطابق اس منطق کے دفتر کو علمائے اسلام نے ہمیشہ ادب اور احترام کے ہاتھوں سے لیا۔ پس جب علمائے اسلام کی جماعت نے اس علم کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ امام غزالیؒ اور علامہ ابن رشدؒ جیسے معتمد علماء (جن پر اہل سنت کے تمام علما کا اعتماد ہے) اور علمائے دیوبند تک تمام اہل حق نے اس علم کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے، تو حیرت ہے کہ علامہ ندوی رحمہ اللہ علمائے حق کی اتنی بڑی جماعت کو چھوڑ کر صرف ایک ایسے شخص کی رائے کو لے رہے ہیں، جنہوں نے تمام اہل حق کے راستے کو چھوڑ کر ایک الگ راستہ اختیار کیا ہوا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ علامہ ندوی رحمہ اللہ اتنے جلیل القدر علما کی تائید کرتے ہوئے ابن تیمیہ پر ان کی مخالفت کی وجہ سے رد کرتے۔

آگے ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ فلسفہ کا مقابلہ تو کسی حد تک ابن تیمیہ کے علاوہ اور علمائے اسلام نے بھی کیا ہے مگر منطق کا مقابلہ کرنے، اس کا سحر اور جادو توڑنے میں ابن تیمیہ اکیلے ہیں۔

بندہ کی طرف سے بیان کردہ منطق کی تعریف وغیرہ، اسی طرح مقاصد الفلاسفہ کی عبارت اما المنطقیات الخ، نیز المنقذ من الضلال کا سابقہ بیان اس بات میں صریح ہے کہ منطق کا دائرہ کار صرف استدلال ہے کہ کون سا صحیح ہے اور کون سا نہیں اور اس علم کا عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس جب منطق کی تمام کتابیں اور جن لوگوں نے منطق پر تبصرہ کیے ہیں، سب اس بات پر متفق ہیں کہ منطق کے مسائل طرق استدلال میں صحیح اور فاسد کے بیان تک محدود ہیں، تو نہ جانے ندوی کو علم منطق سے ایسی کیا خار ہے کہ وہ ابن تیمیہ سے زیادہ اس کی توہین میں لگے ہوئے ہیں۔

حیرت اس بات پر ہے کہ علامہ ندوی رحمہ اللہ نے خود منطق کی تصویب کے بارے میں امام غزالی رحمہ اللہ (جو منطق کے علاوہ فقہ اور احادیث میں بھی یکتائے روزگار ہیں اور انہوں نے اپنی خداداد صلاحیت واستعداد کی بنا پر لوگوں کو فلسفہ کی صحیح اور فاسد باتوں سے آگاہ بھی کیا) کا قول نقل کیا ہے، لیکن جب علم منطق پر رد کرنے لگے تو نہ پوری امت کے نیک نظر کی رعایت کی اور نہ امام غزالی رحمہ اللہ جیسی جلیل القدر شخصیت کی حق گوئی کی پرواہ کی۔ صرف ایک ابن تیمیہ ہیں کہ منطق کی رد میں انہی کا اتباع کیے جا رہے ہیں۔ سب سے زیادہ تعجب تو اس پر ہوتا ہے کہ عقائد کے باب میں بھی ابن تیمیہ کی پیروی کر رہے ہیں، جیسا کہ ان کی کتاب 'تاریخ دعوت وعزیمت' ص ۴۳ تا ص ۴۷ سے یہ بات بالکل عیاں ہے۔ ابن تیمیہ کا یہ تجدیدی مذہب جو حقیقت میں تجدیدی مذہب ہے اور اہل سنت کے مسلک سے خروج ہے، لیکن علامہ ندوی نے اس کو کس انداز میں بیان کیا ہے، اس کی ایک جھلک ص ۴۴ میں لکھے گئے اس پیراگراف میں ملاحظہ کیجیے:

شیخ الاسلام نے اس کا مبسوط ومفصل جواب دیا۔ صفات کے بارہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین، مجتہدین، متقدمین رحمہم اللہ (امام ابوالحسن اشعری، قاضی ابوبکر باقلانی اور امام الحرمین تک) کا مسلک ان کے اقوال اور ان کی تصانیف سے بیان کیا، اور ان کی کتابوں کے اقتباسات

سے ثابت کیا کہ سب حضرات ان صفات پر ایمان لانا ضروری سمجھتے ہیں۔

گویا کہ ندویؒ حق اسی کو سمجھتے ہیں جیسا کہ ابن تیمیہ عقیدہ رکھتے ہیں حالاں کہ ان کا مسلک اسماء وصفات کے بارے میں صحابہ وتابعین اور سلف صالحین سے مختلف ہے۔ پس چاہیے تو یہ تھا کہ علامہ ندویؒ یہ چیزیں ان کے تفردات میں سمجھتے اور جمہور امت کی مخالفت نہ کرتے اور علماے دیوبند کے قافلہ میں شامل ہو کر ان کی راہ اپناتے اور علماے دیوبند نے علم منطق اور حکمت کے بارے میں جو راستہ اختیار کیا ہے اس کی اتباع کرتے لیکن انہوں نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو سارے علماء امت پر ترجیح دی۔

جہاں تک ان حضرات کے اس قول (یونان کے اس علم کے دفتر کو علماے اسلام نے ہمیشہ ادب اور احترام کے ہاتھوں سے لیا) کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ جناب عالی! علم کے فوائد ان علماے اسلام رحمہم اللہ پر جب منکشف ہوئے اور استدلال کو صحیح پیش کرنے میں اس علم کی تاثیر کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تو اسی وجہ سے انہوں نے اس کو احترام کے ہاتھوں سے لیا۔ اس کے اصول اور مقدمات وکلیات صدق اور حقیقت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قابل استفادہ تھیں، اس لیے علماے اسلام اس علم سے مستفید ہوئے۔ اس کے بارے میں ندویؒ کی یہ تعبیر کہ علماے اسلام ان علوم سے مرعوب رہے، بالکل مناسب نہیں۔

علم منطق کی تعریف، غرض وغایت وغیرہ سے اس علم کی ضرورت وافادیت واضح ہوتی ہے۔ چناں چہ اسی ضرورت کے احساس نے علماے اسلام کو مجبور کیا کہ وہ اس کو احترام کے ہاتھوں سے لیں۔ حیرت ہے کہ علامہ ندویؒ جیسے نباض زمانہ کی نظر اس حقیقت کی طرف کیوں نہیں گئی کہ آخر علمائے اسلام نے کیوں اس علم کو احترام کے ہاتھوں سے لیا۔ ظاہر ہے یہ اس علم کے اہمیت کی دلیل ہے؛ کیوں کہ علماے اسلام حقائق کو زیادہ جاننے والے تھے اور یہی لوگ مفید اور غیر مفید میں امتیاز کرنے والے تھے۔ پس اگر یہ علم غیر مفید تھا تو پھر علماے اسلام

نے اس کو ہاتھوں ہاتھ کیوں لیا۔

جہاں تک ندویؒ کے قول (آخر الذکر کتاب میں انہوں نے فنی اور علمی طور پر علم) کا تعلق ہے، تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ کسی چیز سے فنی طور پر بحث کرنا ماہر فن کا کام ہوتا ہے۔ جیسا کہ مسئلہ نحویہ میں فنی طور پر بحث کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ماہر فن نحو نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ اب ہم بصد ادب واحترام پوچھتے ہیں کہ آخر وہ کون سا فن ہے، جس میں مہارت کی بناء پر ابن تیمیہ نے علم منطق کے مسائل پر فنی طور سے بحث کی ہے حتی کہ علمائے اسلام کا اس کو اہمیت دینا اور مسلم الثبوت سمجھنا غلط ثابت ہوتا ہے؟ اگر بالفرض وہ فن علم منطق ہے تو اس فن غیر محکم وغیر مسلم (بقول آپ حضرات کے) میں وہ صلاحیت کہاں سے آگئی کہ اس نے ابن تیمیہ کو اجتہاد کے اس منصب پر بٹھا دیا، جس کی بنا پر انہوں نے منطق کے غیر محکم اور غیر مسلم ہونے کا فتوی داغ دیا۔ اگر وہ فن کوئی اور علم ہے تو پھر ابن تیمیہ کے علم منطق پر اعتراضات سرے سے معتبر ہی نہیں ہیں؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ کسی فن پر اعتراض تبھی معتبر ہوگا جب معترض کو اس فن میں مہارت کاملہ حاصل ہو۔

سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے ابن تیمیہ کی جن دو کتابوں 'نقض المنطق' اور 'الرد علی المنطقین' کا تذکرہ کیا ہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس میں فنی طور پر علم منطق کے مسائل پر بحث کی ہے۔ ان دو کتابوں کے بارے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ ان میں علم منطق پر جو اعتراض کیے گئے ہیں، ان کو آج تک علمائے کرام نے کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔ وہ اتنے غیر معقول ہیں کہ کسی نے ان کو اس قابل نہیں سمجھا کہ ان کا جواب دیں۔ چناں چہ دارالعلوم دیوبند کے مشہور ومعروف استاذ حضرت مولانا نافع گل صاحب رحمہ اللہ جو علوم نقلیہ میں مہارت کے ساتھ ساتھ معقولات کے بھی امام تھے، ان سے کسی نے پوچھا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتابوں پر علمائے کرام نے رد لکھا ہے لیکن ان کی کتاب 'الرد علی المنطقین' پر رد کیوں نہیں لکھا گیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اپنے مباحث کے ضعف اور غیر معقول مؤاخذات کی

چونکہ یہ کتاب اس قابل ہی نہیں کہ اس پر رد کیا جائے؛ کیوں کہ تردید کی صلاحیت بھی اس چیز کی اہمیت پر ہوتی ہے۔

منطق علوم عقلیہ کی میزان نہیں کے عنوان سے اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض: مولانا ابوالحسن علی ندوی ص ۱۳۶ پر ''منطق علوم عقلیہ کی میزان نہیں'' کے عنوان کے تحت ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کو اس بات سے انکار ہے کہ وہ علوم عقلیہ کی میزان ہے، اور اس پر استدلال و استنتاج کا اور علم یقین تک پہونچنے کا انحصار ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

لوگ کہتے ہیں کہ منطق علوم عقلیہ کی میزان ہے اور اس کی رعایت و پابندی ذہن کو فکری غلطی سے بچالیتی ہے۔ جیسے فن عروض شعر کے لیے اور نحو و تصریف عربی کے مرکب مفرد الفاظ کے لیے میزان کا درجہ رکھتے ہیں اور جس طرح آلات ہیئت اوقات کے لیے میزان ہیں۔ لیکن یہ واقعہ نہیں ہے؛ اس لیے کہ عقلی علوم ان اسباب ادراک کے ذریعہ سے حاصل کیے جاسکتے ہیں جو اللہ تعالی نے بنی آدم کی فطرت میں ودیعت کیے ہیں۔ ان کا کسی شخص معین کے وضع کیے ہوئے میزان پر انحصار نہیں۔ اور جس طرح عربیت میں تقلید کے بغیر چارہ نہیں؛ اس لیے کہ وہ ایک قوم کی عادت ہے جو صرف سماع سے معلوم کی جاسکتی ہے، اور اس کے قوانین کا ذریعہ علم صرف استقراء ہے اس طرح عقلیات میں تقلید نہیں چلتی۔ اس طرح سے کیل، وزن، عدد و شمار اور زراعت وغیرہ میں پیمانوں کی ضرورت ہے، منطق یونانی کی وضع و ایجاد سے پہلے بھی دنیا کی قومیں حقائق اشیاء کو جانتی تھیں اور اس کی وضع و ایجاد کے بعد بھی اکثر قومیں ہیں جو منطق کی مدد کے بغیر حقائق اشیاء کو جانتی سمجھتی ہیں، اور تمام دنیا کی قوموں کے اکثر عقلاء ارسطو کے ان اصول و قواعد کو سیکھے بغیر حقائق کو سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ بھی اگر اپنی حالت پر غور کریں گے تو ان کو محسوس ہوگا کہ ان کے نفوس کو اس وضعی فن کے بغیر حقائق کا علم حاصل ہوتا ہے۔

جواب: علم منطق کا ابتدائی طالب علم حاجت الی المنطق کے بیان میں یہ بات جان لیتا ہے کہ اگر فطرت انسانی صحیح اور فاسد کے امتیاز میں کافی ہوتی تو اتنے بڑے بڑے عالم کے حدوث اور قدم میں مختلف نہ ہوتے؛ حالاں کہ وہ سب سے زیادہ فطرت انسانی کے نیک آثار کے ترتب کے مستحق تھے پھر بھی ان کی فطرت کارفرما نہ ہوسکی اور اختلاف کے دلدل سے نہ نکل سکے اور باوجودیکہ فطرت عالیہ کے حامل تھے متعدد مسائل میں اختلاف کا شکار رہے۔ پس منطق کے اس ابتدائی مسئلہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فطرت انسانی صحیح اور فاسد کے امتیاز میں کافی نہیں ہے۔

حیرت ہے ابن تیمیہ کے اس قول پر کہ عقلی علوم ان اسباب ادراک کے ذریعے حاصل کیے جاسکتے ہیں جو اللہ تعالی نے بنی آدم کی فطرت میں ودیعت کیے ہیں، حالاں کہ علم منطق کا ابتدائی طالب علم بھی یہ بات جانتا ہے کہ وہ اسباب ادراک جو اللہ تعالی نے بنی آدم کی فطرت میں ودیعت کیے ہیں، عقلی علوم کے حصول میں اور صحیح و فاسد کے امتیاز میں کافی نہیں ہیں۔ نیز یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ وہ اسباب ادراک جو فطرت انسانی میں ودیعت رکھے گئے ہیں، ان کے کوئی مخصوص قواعد وضوابط نہیں ہیں جن کے حصول سے عقلی علوم کا حصول آسان ہو بلکہ اگر سوچ سے کام لیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہی قواعد منطقیہ انسانوں کے اعلی طبقہ یعنی علما اور حکما نے فطرت انسانیہ ہی کے ذریعے بنائے ہیں۔ پس ابن تیمیہ جس فطرت کی کفایت کو علم منطق کے متبادل کے طور پر پیش کرتے ہیں، تو ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ فطرت انسانیہ کا کرشمہ تھا کہ پہلے اس نے قواعد وضوابط کی شکل میں ایک علم بنام علم منطق تیار کیا۔

جہاں تک ابن تیمیہ کے قول (منطق کی وضع اور ایجاد سے پہلے بھی دنیا کی قومیں حقائق اشیا کو جانتی تھیں الخ) کا تعلق ہے تو یہ اس لیے صحیح نہیں کہ منطق اس لیے نہیں ہے کہ اس سے حقائق اشیاء پہچانی جاتی ہیں بلکہ علم منطق حقائق تک پہنچنے کے قوانین کا مجموعہ ہے۔

اس کی وضع اور ایجاد کا مقصد یہ ہے کہ مطالب تک پہنچنا آسان ہو جائے۔ یہ بات صحیح ہے کہ منطق کی ایجاد سے پہلے بھی اور بعد میں بھی بہت سی قومیں حقائق اشیاء کو علم منطق کی مدد کے بغیر جانتی ہیں، لیکن علم منطق نے اس کے اندر کافی آسانی پیدا کی ہے کہ ان ہی قوانین کی مدد سے دلیل کا جاننا اور کسی دعوی کے اثبات کے لیے اسے کام میں لانا آسان ہو گیا۔ پس جو چیز علم منطق کی وضع سے پہلے اور اس کی وضع کے بعد موجود تھی، علم منطق نے اس کو نقصان نہیں پہنچایا بلکہ فائدہ پہنچایا ہے۔ لہٰذا یہ علم منطق کے مفید ہونے کی دلیل ہے نہ کہ اس کے غیر مفید ہونے کی۔

یہ بعینہٖ ایسی بات ہے کہ کوئی کہے کہ عربی زبان علم نحو و علم صرف کے وضع کرنے سے پہلے بھی موجود تھی اور بعد میں بھی بہت سی قومیں صرف ونحو کے قواعد کو جانے بغیر بے تکلف عربی بولنے پر قادر ہیں، پس علم نحو وصرف کی ضرورت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتنا کمزور استدلال ہے! کیوں کہ نحو وصرف کے وجود میں آنے سے عربی زبان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ ان علوم نے عربی زبان کی خدمت کی اور ان کو فائدہ دیا۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ کسی چیز کا سیکھنا اور سکھانا اس چیز کے قواعد کی صورت میں آنے کے بعد ہی ممکن ہے۔ پس اگرچہ تدوین قواعد منطق سے پہلے بھی دلیل موجود تھی اور بعد میں بھی دلیل پائی جاتی ہے، لیکن دلیل کیا چیز ہے؟ اس کے لیے منطق ہی سے اپنی حاجت پوری کرنی پڑے گی۔

منطقی حدود وتعریفات پر تنقید اور اس کی تردید

اعتراض: مولانا ابوالحسن علی ندویؒ "بہت سی منطقی حدود وتعریفات مخدوش اور کمزور ہیں"، کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ کا اس سے بھی انکار ہے کہ منطقی حدود و تعریفات پورے طور پر جامع ومانع اور قطعی طور پر مکمل ہیں اور ان پر کسی اعتراض کی گنجائش

نہیں۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

وصاروا يعظمون أمر الحدود و يدعون أنهم هم المحققون لذلك، و إن ما يذكره غيرهم من الحدود إنما هي لفظية لاتفيد تعريف الماهية و الحقيقة بخلاف حدودهم و يسلكون الطرق الصعبة الطويلة و العبارات المتكلفة الهائلة، و ليس لذلك فائدة إلا تضييع الزمان واتعاب الأذهان و كثرة الهذيان و دعوى التحقيق بالكذب و البهتان، و شغل النفوس بما لاينفعها بل قد يضلها عما لابد لها منه و إثبات الجهل الذي هو أصل النفاق في القلوب وإن ادعوا أنه أصل المعرفة و التحقيق۔

ترجمہ: اہل منطق حدود منطقیہ کی اہمیت میں بڑا مبالغہ کرنے لگے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اس فن کے محقق ہیں اور یہ کہ ان کے علاوہ دوسرے علما جو حدود بیان کرتے ہیں وہ لفظی ہوتی ہیں اور ماہیت اور حقیقت کو پورے طور پر بیان نہیں کرتیں بخلاف ان کے حدود کے۔ اور اہل منطق بڑے دشوار اور طویل راستے اختیار کرتے ہیں اور بڑی پر تکلف اور مرعوب کرنے والی عبارتیں استعمال کرتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ سوائے اضاعت وقت، دماغی تکان، کثرت ہذیان اور تحقیق کے دعوی اور لاف زنی کے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ نفوس کو ایسی چیزوں میں مشغول کرتے ہیں جو کچھ مفید نہیں بلکہ بعض اوقات گمراہی اور جہالت آفرینی کے سوا جو قلوب کے نفاق کا ذریعہ ہے کچھ اور حاصل نہیں، اگر چہ ان کا دعوی ہے کہ یہ معرفت اور تحقیق کی بنیاد ہے۔

جواب: ابن تیمیہ کے اس مضمون کے مندرجات کا جواب دینے سے پہلے بطور فائدہ کے ایک بات عرض کی جاتی ہے۔

مناطقہ کے ہاں اولاً تعریف کی دو قسمیں ہیں: حقیقی اور لفظی۔ پھر تعریف حقیقی کی دو قسمیں ہیں: حد اور رسم۔ چناں چہ صاحب سلم معرف کی تعریف یوں کرتے ہیں: معرف

الشیء ما یحمل علیه تصوراً تحصیلاً او تفسیراً، والثانی اللفظی والأول الحقیقی. یعنی وہ تعریف جو معرف پر تصوراً تحصیلاً محمول ہو وہ معرف حقیقی ہے اور جو تصوراً تفسیراً محمول ہو وہ معرف لفظی ہے۔ پھر اس کی توضیح میں علمائے منطق فرماتے ہیں کہ اگر تعریف سے مقصود صورت غیر حاصلہ کی تحصیل ہو، مثلاً اسد کی حقیقت پہلے سے حاصل نہ ہو یعنی وہ پہلے سے یہ نہ جانتا ہو کہ اسد کی حقیقت کیا ہے اور اس سے کہا جائے الأسد حیوان مفترس تو یہ تعریف حقیقی ہے۔ اگر وہ جانتا ہو کہ اسد کی حقیقت حیوان مفترس ہے مگر کسی نے اس کے سامنے حیوان مفترس کے معنی پر دلالت کرنے کے لیے لفظ اسد کے بجائے غضنفر کہا اور اس نے پوچھا: ما الغضنفر؟ اس کے جواب میں پہلے شخص نے کہا: الغضنفر هو الأسد تو یہ تعریف لفظی ہے۔ پس یہاں لفظ اسد، غضنفر کی حقیقت نہیں بتلا رہا، بلکہ اس کا حمل صرف لفظ کی تفسیر تک محدود رہا، بخلاف تعریف حقیقی کے کہ اس میں معرف کا حمل امر مجہول کی تحصیل کے لیے ہوتا ہے۔

اب ہم ابن تیمیہ کے مضمون کے مندرجات کی طرف آتے ہیں۔

1۔ ابن تیمیہ کے قول: وصاروا یعظمون أمر الحدود (مناطقہ حدود منطقیہ کی اہمیت میں بڑا مبالغہ کرنے لگے) کے بارے میں عرض یہ ہے کہ ہر فن کی کچھ اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں۔ اسی طرح علم منطق میں بھی کچھ اصطلاحات ہیں، جن میں کلیات خمس یعنی جنس، نوع، فصل، خاصہ اور عرض عام کچھ زیادہ مشہور ہیں اور ان ہی سے منطقی تعریفات وجود میں آتی ہیں۔ ان میں سے جنس، نوع اور فصل کو ذاتیات جب کہ خاصہ اور عرض عام کو عرضیات کہتے ہیں۔ مناطقہ کا کہنا یہ ہے کہ اگر تعریف فصل قریب کے ساتھ ہو تو حد ہے، اور اگر خاصہ کے ساتھ ہو تو رسم ہے۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اگر جنس قریب ہو تو وہ حد یا رسم، تام ہے ورنہ ناقص۔ پھر حد اور رسم میں سے حد زیادہ مفید ہے؛ کیوں کہ اس کے ذریعے کسی چیز کی ذاتیات معلوم ہوتی ہیں۔

چوں کہ مناطقہ ہی حد، رسم، ذاتیات، عرضیات وغیرہ اصطلاحات کے موجد ہیں، اس لیے وہ ان سے زیادہ واقف ہیں۔ پس مناطقہ کا حدود کی تعظیم کرنا اور ان کا اس بارے میں متفق ہونا ایک امر واقعی ہے۔ ظاہر ہے اس میں اعتراض والی کوئی بات نہیں ہے۔

2۔ ابن تیمیہ کا قول: ان ما یذکر ہم غیر ہم من الحدود إنما هي لفظية ایک منطقی کے لیے محل نظر اس لیے ہے کہ حد کو تعریف لفظی میں سے بھی قرار دیا جا رہا ہے، حالاں کہ حد کا وجود تعریف حقیقی کے اندر منحصر ہے۔ پس ابن تیمیہ کا حدود کو لفظی کہنا درست نہیں، ورنہ تو قسم (حد) اپنے مقسم (تعریف حقیقی) سے اعم ہو کر تعریف لفظی کو بھی شامل ہو جائے گی، حالاں کہ قسم کا اپنے مقسم سے اعم ہونا جائز نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ علامہ ابن تیمیہ جیسی عبقری شخصیت کس طرح ایسے مسئلہ میں غلطی کا ارتکاب کر رہی ہے، جس کو منطق کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے۔

3۔ جہاں تک ابن تیمیہ کے قول: و بسلکون الطرق الصعبة کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ منطقی تعریفات اور اصطلاحات ان لوگوں کے لیے مشکل ہیں جن کو اس علم سے مناسبت نہ ہو۔ یہ صرف علم منطق کی خصوصیت نہیں، بلکہ ہر علم کا یہی حال ہے کہ جس علم کے ساتھ کسی کو کوئی مناسبت نہ ہو تو اس علم سے اس کے لیے استفادہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

4۔ منطقی تعبیرات پر رد کرتے ہوئے ابن تیمیہ فرما رہے ہیں: و لیس للملك فائدة إلا تضييع الزمان منطق کا مقصود یہ ہے کہ انسان اس بات کو جان لے کہ اپنے دعویٰ پر کس طرح دلیل پیش کرے، ایسی دلیل جس کے اندر کسی قسم کی کمزوری نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس میں کذب، بہتان اور کثرت ہذیان کہاں سے آ گیا؟ کذب، خلاف واقع بات کو کہتے ہیں جب کہ بہتان، کسی پر جھوٹ باندھنے کا نام ہے۔ پس ہمیں یہ بات سمجھائی جائے کہ منطق میں کون سی بات خلاف واقع ہے، یا منطق نے کس پر بہتان باندھا ہے۔ منطق کا کام تو صرف دلیل اور اثبات مدعیٰ ہے۔ اس میں کذب، بہتان تراشی اور ہذیان وغیرہ امور نہیں ہیں۔

غرض ابن تیمیہ کے منطق پر کیے گئے تمام اعتراضات خلاف واقع اور بے جان ہیں

ان سے وہی شخص متاثر ہو سکتا ہے جس کو منطق سے واقفیت نہ ہو۔ چناں چہ یہی وجہ ہے کہ ابن تیمیہ کی اس کتاب کے ہوتے ہوئے ہمارے اکابر علمائے دیوبند نے نصاب کے اندر منطق کی تمام کتابوں کو برقرار رکھا۔ مولانا قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد سہارنپوری، شاہ انور شاہ کشمیری جیسے اساطین علم ابن تیمیہ کی اس کتاب سے کبھی بھی متاثر نہ ہوئے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

اعتراض: سید ابوالحسن علی ندوی 'کوہ کندن کاہ برآوردن' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

ایک جگہ وہ ثابت کرتے ہیں کہ منطق درحقیقت ایک کوہ کندن وکاہ برآوردن کا سا عمل ہے کہ محنت اور بحث بہت زیادہ اور حاصل محصول بہت کم۔

'نقض المنطق' میں فرماتے ہیں: یہ بات واضح ہے کہ منطق کو واجب قرار دینا محض ان لوگوں کا قول ہے جو غالی اور حقیقت سے ناآشنا ہیں۔

جواب: علوم آلیہ کے وجوب کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص صرف ونحو سے ناواقف ہے تو وہ عربیت کو نہیں جان سکتا۔ عربیت سے واقف ہونے کے لیے صرف ونحو کا سیکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کے اعجاز اور اس کی فصاحت وبلاغت کے مقام اعلیٰ کو جاننا معانی وبیان کے جاننے پر موقوف ہے۔ پس علم معانی وعلم بیان کے وجوب کا مطلب بھی ہے کہ قرآن کریم کے اعجاز کے جاننے کے لیے اس کا سیکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح منطق کا مقصود دلیل کا جاننا، اس کی صحت وسقم اور قوت وضعف کے قواعد سے واقف ہونا ہے۔ ہر شخص کو اپنے دعوی پر دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، تو دلیل کے پیش کرنے سے پہلے دلیل اور احوال دلیل سے واقفیت ضروری ہے اور یہ بات علم منطق کے ذریعے حاصل ہوگی۔ الحاصل منطق کے وجوب کا وہی مطلب ہے جو علم صرف، نحو، معانی وبیان کے ضروری ہونے کا ہے۔

ایک افتراء اور اس کا رد

منطق کا اثر ذہن اور قوت بیانیہ پر کے عنوان کے تحت

اعتراض: علامہ ندوی لکھتے ہیں: ان کے نزدیک منطق سے اکثر اوقات یہ نقصان بھی پہنچا ہے کہ طبیعت کی جولانی اور زبان و خیالات کی روانی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔ چناں چہ جو لوگ قواعد منطقیہ اور منطقی اسلوب کی بڑی پابندی کرتے ہیں ان میں ژولیدہ بیانی، مشکل پسندی واغلاق اور ایک طرح کی ذہنی بچی پیدا ہو جاتی ہے۔ چناں چہ متاخرین کے متون اور پچھلے دور کی نصابی کتابیں اس کا واضح نمونہ ہیں۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں: و مازال نظار المسلمين يعيبون طرق أهل المنطق و يبينون ما فيها من العي و اللكنة و قصور العقل وعجز المنطق ويبينون أنها إلى إفساد المنطق العقلي و اللساني أقرب منها إلى تقويم ذلك.

ترجمہ: مسلمان اہل نظر و مناظرہ شروع سے اہل منطق پر کڑی تنقید کرتے رہے کہ اس میں اشتغال کرنے والوں میں اکثر یہ عیب پیدا ہو جاتا ہے کہ بے تکلف اظہار خیال نہیں کر سکتے۔ ان کی زبان و قلم میں ایک طرح کی بندش اور رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ ذہن اپنا پورا کام نہیں کرتا اور زبان ساتھ نہیں دیتی۔ اور وہ اس بات کو واضح کرتے رہے کہ بجائے ذہن اور زبان کی ترقی اور تقویت کے اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ ذہن اور زبان کو اس نے نقصان ہی پہنچایا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: إذا اتسعت العقول وتصوراتها اتسعت عباراتها، وإذا ضاقت العقول والتصورات بقي صاحبها كأنه محبوس العقل و اللسان كما يصيب أهل المنطق اليوناني تجده من أضيق الناس علما و بيانا و أعجزهم تصورا وتعبيرا، و لهذا من كان منهم ذكيا إذا تصرف في العلوم و سلك

مسلك أهل المنطق طول و ضيق و تكلف و تعسف، وغايته بيان البين و إيضاح الواضح من العي وقد يوقعه ذلك في أنواع من السفسطة التي عافى الله بها من لم يسلك طريقه.

ترجمہ: قاعدہ یہ ہے کہ جب عقول وتصورات میں وسعت ہوتی ہے تو عبارتوں میں بھی وسعت ہوتی ہے، اور دماغ تنگ اور تصورات محدود ہوتے ہیں تو انسان ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ عقلی اور لسانی طور پر محبوس ہے جیسے کہ منطق یونانی سے اشتغال کرنے والوں کو اکثر پیش آتا ہے۔ تم دیکھو گے کہ وہ اپنے علم وبیان میں بڑے تنگ دامن اور اپنے تصور وتعبیر میں بڑے عاجز نظر آتے ہیں۔ اسی لیے ان میں سے جو ذکی بھی ہوتا ہے جب علوم میں تصرف کرتا ہے اور اہل منطق کا راستہ اختیار کرتا ہے تو تطویل وتضییق اور تکلف ومشقت سے کام لیتا ہے اور زیادہ سے زیادہ اس کا کارنامہ یہ ہوتا ہے کہ ایک معلوم چیز کو بیان اور ایک واضح چیز کو زیادہ واضح کردے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ منطق کے اشتغال سے اس کے ذہن وزبان پر قفل سے پڑ گئے ہیں۔ بعض اوقات وہ سفسطہ اور حقائق اشیاء کے انکار کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے وہ لوگ محفوظ ہیں جنہوں نے ان اہل منطق کا راستہ اختیار نہیں کیا ہے۔

جواب: ہم بار بار اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ علم منطق کے ذریعہ سے دلیل کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ذہن کے اندر وسعت پیدا ہوگی۔ پس منطق کا نتیجہ ذہن کی تنگی اور لکنت کو قرار دینا ایک بے معنی بات ہے۔ منطق کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ نطق سے ہے اور اس علم کے ذریعہ سے نطق ظاہری یعنی بات چیت اور نطق باطنی یعنی تعقل کے اندر قوت پیدا ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ اس کے ذریعہ سے دلیل کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ پس جب ایک آدمی کو دلیل کی معرفت حاصل ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس کے کلام میں قوت ہوگی اور وہ اپنے مدعا کو احسن طریقے

سے ثابت کر سکے گا، اور سوچ و فکر کی غلطی سے محفوظ ہوگا۔

غور کیجیے! امام رازیؒ علم منطق کے امام ہیں۔ جب انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر کی طرف توجہ فرمائی تو مفاتیح الغیب (جو کہ تفسیر کبیر کے نام سے معروف ہے) جیسی عظیم الشان تفسیر لکھی۔ اصول فقہ کے اندر المحصل نامی کتاب لکھی۔ اسی طرح علامہ تفتازانی کی مطول، مختصر المعانی اور تلویح وغیرہ اور سید شریف جرجانیؒ کی علوم معارف سے بھرپور کتابیں اس بات کی دلیل ہے کہ منطق سے نطق ظاہری اور نطق باطنی کے اندر قوت پیدا ہوتی ہے نہ کہ ضعف و عجز، لکنت اور بندش کلام۔ پس علم منطق کے فائدے سے آنکھیں بند کرنا اور اس کے بارے میں خلاف واقع بات کرنا کتنی بڑی ناانصافی ہے۔

نیز ابن تیمیہ کا قول "إنها إلى افساد المنطق" صحیح نہیں ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ "إنها إلى إصلاح المنطق العقلي واللساني أقرب" اسی طرح "تجده من أضيق الناس علما وبيانا" کی جگہ "تجده من أوسع الناس علما وبيانا" اور " وأعجزهم تصورا وتعبيرا " کی جگہ " أقدرهم تصورا وتعبيرا " کہنا چاہیے۔ نیز ان کی بات " ولهذا من كان منهم ذكيا" ایک بے دلیل اور بے بنیاد بات ہے۔

"بعض مستثنیات" کے عنوان سے بعض علمائے منطق کے فضل و کمال کا اعتراف

اعتراض: علامہ ابوالحسن علی ندویؒ 'بعض مستثنیات' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

امام ابن تیمیہ کے سامنے بعض ایسے اشخاص بھی ہیں جو یونانی علم و حکمت میں انہماک رکھنے اور ان علوم میں درجہ امامت تک پہونچنے کے باوجود بڑے شگفتہ قلم، خوش تحریر اور ادیب تھے۔ مثلاً ابن سینا جس کا قصیدہ روح عربیت کا بڑا عمدہ نمونہ اور جس کی تحریروں میں اہل حکمت کے برخلاف حلاوت و بلاغت پائی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک یہ اسلامی اور عربی ادب و لٹریچر سے اشتغال اور علوم اسلامیہ کا فیض ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ

ابن سینا کے حالات وسوانح سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ومن وجد في بعض كلامه فصاحة و بلاغة كما يوجد في بعض كلام ابن سينا وغيره فلما استفاده من المسلمين من عقولهم و لاستنهم، و إلا فلو مشى على طريقة سلفه و أعرض عما تعلمه من المسلمين لكان عقله و لسانه يشبه عقولهم و ألسنتهم"

ترجمہ: "ان فلاسفہ اہل منطق سے جس شخص کے کلام میں کچھ فصاحت یا بلاغت محسوس ہوتی ہے جیسے کہ ابن سینا کی بعض تحریروں میں نظر آتی ہے تو مسلمانوں کے عقول وآداب سے فائدہ اٹھانے کا نتیجہ ہے، ورنہ اگر وہ اپنے پیش روں کے راستہ پر چلتا رہتا اور اس نے مسلمانوں سے جو علوم حاصل کئے ہیں ان سے اعراض کرتا تو اس کی عقل وزبان بھی ان ہی کے عقل زبان کی طرح کوتاہ اور قاصر نظر آتی"

جواب: بہت خوب آخر کار اپنے کلام سابق کی رد میں ان سے ایسا کلام صادر ہوگیا جو کہ ان کے کلام سابق کے ابطال کے لیے کافی ہے۔ ابن تیمیہ نے علمائے منطق میں سے ایک عالم بوعلی سینا کی کتاب کا مطالعہ کیا اور یہ بات معلوم کرلی کہ مناطقہ میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہ قادر الکلام عربی دان ہیں۔ یہ صرف بوعلی سینا کا خاصہ نہیں، دیگر ماہرین منطق بھی ایسے ہیں۔

مثلاً امام غزالی، امام رازی رحمہ اللہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوجائے گی کہ وہ فصیح وبلیغ عربی پر قدرت رکھتے تھے۔ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ جو منطق کے ایک عظیم امام کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن علم الصرف میں سعدیہ جیسی شاندار تصنیف ان ہی کی ہے۔ اسی طرح تلخیص المفتاح کی شرح مطول بھی انہوں نے لکھی ہے جو کہ معانی اور بیان کی کتابوں میں سے ایک ضخیم کتاب ہے۔ اسی طرح عقائد میں مقاصد اور شرح مقاصد علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کی عربی زبان میں کتاب ہے جس میں انہوں نے اہل حق کے مسلک کو کافی

تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح علامہ سیف الدین آمدی رحمہ اللہ جو کہ علم منطق کے ماہر بھی ہیں لیکن عقائد پر عربی زبان میں ان کی ایک بے نظیر کتاب ابکار الافکار بھی ہے۔ پس علم منطق کی ان اساطین کا باوجود اس کے کہ علم منطق میں پوری مہارت رکھتے ہیں، عربی زبان میں مختلف فنون ادبیہ اور کلامیہ میں ایسی مفید کتابیں لکھنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ منطق نطق ظاہری اور باطنی کا مقوی ہے۔ یہ تو ماہرین منطق کے چند علما کے نام ہم نے پیش کیے ہیں۔ بے شمار علمائے منطق ایسے ہیں جو علم منطق کے اندر مہارت کے باوجود عربی تحریر و تقریر میں ملکہ تامہ رکھتے ہیں۔ علمائے دیوبند میں سے شاہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کو دیکھیے جو کہ عظیم الشان محدث ہیں اور علم منطق اور فلسفہ میں اتنی مہارت رکھتے ہیں کہ ان کے حدوث عالم کے بارے میں مستقل رسائل ہیں۔ عربی زبان کے ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے اور عربی زبان میں ان کے مستقل قصائد موجود ہیں۔ اسی طرح علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ جو کہ سلم العلوم کے حافظ تھے علم کلام اور فلسفہ میں پوری مہارت رکھتے تھے اور عربی کے ایک فصیح شاعر بھی تھے۔ چناں چہ القصائد العوریہ کے نام سے ان کا دیوان موجود ہے۔ عربی نثر لکھنے پر بھی ان کو کافی قدرت حاصل تھی۔ شاہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی سوانح پر عربی زبان میں نفحۃ العنبر نامی کتاب انہی کی ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ علوم عقلیہ کے ماہر تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے عربی میں صحیح مسلم کی شرح 'فتح الملہم' بھی لکھی ہے، جس پر انہیں علمائے عرب سے بہت زیادہ داد ملی ہے۔

اعتراض: علامہ ابو الحسن علی ندوی ص: ۲۵۱ پر 'منطق کے متعلق اجمالی رائے' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> ان تنقیدات اور تبصروں کے بعد اس فن کے متعلق ان کی اجمالی رائے خود ان کے الفاظ میں یہ ہے: فنحتہ المنطق فطري لا يحتاج إليه وما يحتاج إليه ليس فيه منفعة إلا معرفة اصطلاحهم وطريقهم أو مصطلحهم

ترجمہ: منطق کا جتنا حصہ درست اور مفید ہے وہ تو فطری ہے جس کی ایک سلیم الفطرت کو ضرورت نہیں۔ اور جتنے حصے کی ضرورت ہے اس کا بھی فائدہ صرف اتنا ہے کہ اہل فن کی اصطلاحات ان کا طریقہ استدلال یا ان کی غلطیاں معلوم ہو جاتی ہیں۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: إني كنت دائماً أعلم أن المنطق اليوناني لا يحتاج إليه الذكي ولا ينتفع به البليد.

ترجمہ: میرا ہمیشہ سے یہ خیال تھا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے فطری ذکاوت عطا فرمائی ہے اس کو تو اس یونانی منطق کی ضرورت نہیں، اور جو اس ذکاوت سے محروم ہے اس کو اس منطق سے کوئی بڑا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

جواب: علم منطق اصطلاحات کا نام ہے جن کو علمائے کرام نے ایک خاص شکل میں مرتب کیا ہے۔ اس کے ذریعہ دلیل کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح علم صرف ونحو ایسے قواعد کا نام ہے جن کو سیکھ کر عربیت پہچانی جاتی ہے۔

ابن تیمیہ نے علم منطق کے ترک کے لیے جو دلیل پیش کی ہے، یہ تو ہر علم کے ترک پر چسپاں کی جا سکتی ہے۔ پس اس دلیل کے ذریعے تو تمام علوم آلیہ کا استحصال ہو جائے گا۔ مثلاً علم نحو کے بارے میں بھی یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ذکی اس کا محتاج نہیں اور بلید یعنی کمزور ذہن والا شخص اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ معاملہ تو ہر علم کے بارے میں ہے کہ ذکی اور تیز ذہن والا شخص اس کو با آسانی سیکھ لیتا ہے۔ کمزور ذہن والا شخص اس سے نفع نہیں اٹھا سکتا اور متوسط ذہن والا شخص تھوڑی سی محنت کر کے اسے حاصل کر لیتا ہے۔

بلادت ذہن اور قوت ذہن یہ تو اللہ تعالیٰ کی تقسیمات ہیں۔ اسی امور فطریہ کو ایک علم کے رد میں پیش کرنا بے جا تکلف اور ناانصافی ہے۔ دنیا میں کتنے قابل ڈاکٹر ہوں گے جو اپنے فن میں ایک سند کی حیثیت رکھتے ہوں گے، لیکن ان کی یہ ذکاوت ان کو عربی سیکھنے کے لیے علم صرف ونحو سے مستغنی نہیں کر سکتی۔ اپنی قوت حافظہ کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ وہ قواعد صرفیہ

نحو یہ کو بآسانی سیکھ لیں، لیکن ان قواعد وضوابط تک بذات خود نہیں پہنچ سکتے کہ ان کو سمجھا کر سکیں بلکہ ان کے لیے انہی قواعد کو سیکھنا ضروری ہوگا جن کو سیبویہ وغیرہ نے مرتب کیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ایک شیء کے دو وجود ہوتے ہیں: ایک وجود نفس الامری اور دوسرا وجود تعلیمی۔ نفس الامر میں تو ایک شیء ہوتی موجود ہوتی ہے لیکن جب اس کی تعلیم وتعلم کا مرحلہ آتا ہے تو اس کے لیے قواعد وضوابط کا ہونا ضروری ہے۔ بلا قواعد وضوابط کے اس کی تعلیم وتعلم نہیں ہو سکتی۔ مثلاً عربیت کا ایک وجود نفس الامری ہے کہ عرب لوگ یہ زبان بولتے ہیں اور اس کو استعمال کرتے ہیں۔ مگر جب عربی زبان کی تعلیم وتعلم کا مرحلہ آتا ہے کہ جو لوگ عرب نہیں ہیں وہ اس زبان کو سیکھیں۔ تو اب قواعد وضوابط کی حاجت پیش آئے گی اور ایسے شخص کو صرف ونحو وغیرہ کی کتابیں پڑھنی ہوں گی۔

اسی طرح ایک علم منطق کا وجود نفس الامری ہے۔ عام طور پر جو لوگ باتیں کرتے ہیں، یا کسی مسئلہ میں بحث کرتے ہیں تو دلائل پیش کرتے ہیں اور دلائل کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ تو منطق کا نفس الامری وجود ہے، لیکن ایک ان دلائل کی تعلیم اور تعلم کا معاملہ ہے۔ یہ بغیر قواعد وضوابط کے ناممکن ہے۔

اعتراض: سید ابوالحسن علی ندوی "دینی اور الٰہی حقائق کے بارے میں منطق کی بے بسی" کے عنوان کے تحت علم منطق کے رد میں ابن تیمیہ کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد علامہ ابن خلدون کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

نقض المنطق میں لکھتے ہیں: اتنی بات مسلم ہے کہ لکڑی، سیسہ اور پتھر کو تولنے کے لیے جو ترازو بنائے گئے ہیں، ان پر سونے چاندی کو نہیں تولا جا سکتا۔ نبوت کا معاملہ اور انبیاء جن حقائق کو لے کر آئے ہیں، وہ علوم میں اس سے کہیں زیادہ رفیع اور نازک ہیں جتنا کہ سونا مالیات میں ہے۔ تمہاری منطق اس کے لیے کوئی میزان نہیں بن سکتی: اس لیے کہ اس میزان میں جہل وظلم دونوں جمع ہیں، یا تو وہ ان کے وزن ودرجہ سے واقف نہیں

اور ان کو وزن کرنے اور ان کی حیثیت بیان کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں اس لیے جاہل ہے، یا وہ حق کا انکار کرتی ہے اور اس کو قبول نہیں کرتی ہے اس لیے ظالم ہے، حالاں کہ وہ حق ہے جس کا طبائع انسانی کے پاس کوئی بدل نہیں اور نہ ان علوم سے کسی کو استغنا ہے اور اسی پر بنی نوع کی سعادت منحصر ہے۔

اسی موقع پر نامناسب نہ ہوگا کہ نویں صدی کے ایک دوسرے سلیم الطبع اور نقاد عالم ابن خلدونؒ کا ایک اقتباس بھی پیش کر دیا جائے جو بالکل اس مفہوم و معنی کو ادا کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں مخلص اور منصف سلیم الطبع انسان محض اپنی سلامت طبع سے کس طرح ایک حقیقت تک پہونچ جاتے ہیں اور ان میں خیالات و افکار کا کیسا توارد ہوتا ہے عقل کے محدود ہونے اور حقائق دینیہ غیبیہ کا احاطہ کرنے سے قاصر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

عقل ایک صحیح ترازو ہے۔ اس کے فیصلے یقینی ہیں، جن میں کوئی جھوٹ نہیں لیکن تم اس ترازو میں امور توحید، امور آخرت، نبوت، صفات الٰہی اور وہ تمام امور و حقائق جو ماورائے عقل ہیں تول نہیں سکتے۔ یہ لاحاصل کوشش ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ایک ترازو دیکھی جو سونے کا وزن کرنے کے لیے ہے اس کو اس ترازو میں پہاڑوں کے تولنے کا شوق پیدا ہوا، جو ناممکن ہے۔ اس سے ترازو کی صحت پر کوئی حرف نہیں آتا لیکن اس کی گنجائش کی ایک حد ہے۔ اسی طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے جس سے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتی۔ وہ اللہ اور اس کے صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے کہ وہ اس کے وجود کا ایک ذرہ ہے۔

جواب: یہ بات پہلے کئی بار گزر چکی ہے کہ علم منطق کا مقصد طریقہ استدلال کا سیکھنا ہے۔ اس علم کے میزان ہونے کا بھی یہی مطلب ہے کہ یہ ایک ترازو ہے جس کے ذریعے افکار صحیحہ اور افکار فاسدہ کو تولا جاتا ہے۔ الٰہیات، نبوات وغیرہ سے علم منطق کا کوئی

کام نہیں اور نہ ہی یہ ابحاث منطق کے اندر بیان کیے جاتے ہیں۔ پس یہ کہنا کہ دینی اور الٰہی حقائق میں منطق بے بس ہے اور اس کو علم منطق کا سبب رد اور عیب قرار دینا قطعاً نامعقول بات ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، علامہ ابن خلدونؒ کا کلام ابن تیمیہ کی تائید کے طور پر نقل کر رہے ہیں۔ گویا جو بات ابن تیمیہ نے کہی ہے وہی بات علامہ ابن خلدونؒ کہہ رہے ہیں۔ اصل میں علامہ ندوی علیہ دونوں کی بات ایک سمجھ رہے ہیں کہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن خلدونؒ منطق پر رد کر رہے ہیں، حالاں کہ دونوں کے کلام میں واضح فرق ہے؛ کیوں کہ علامہ ابن خلدونؒ کے کلام کا تعلق علم منطق سے نہیں بلکہ وہ عقل کے بارے میں بحث کر رہے ہیں اور ابن تیمیہ منطق کا رد کر رہے ہیں۔ شیخ ندویؒ جیسی شخصیت کا ان دونوں کے کلام کا حاصل ایک قرار دینا باعث تعجب ہے۔

اعتراض: مولانا علی میاںؒ "منطق پر تفصیلی اور فنی تنقید اور ابن تیمیہ کے اجتہادات اور اضافات" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> ابن تیمیہ نے فن منطق پر محض اجمالی تبصرہ اور اصولی اعتراف پر اکتفا نہیں کی بلکہ پورے فن پر ایک ناقدانہ اور مجتہدانہ نظر ڈالی اور اس کا علمی احتساب کیا۔ انہوں نے اس کے بہت سے اصول و مسلمات کے تسلیم کرنے سے انکار کیا اور ان پر خالص عقلی اور فنی حیثیت سے بحث کی۔ اس کی بہت سی تعریفات و حدود کو مخدوش و کمزور ثابت کیا اور ان سے بہتر تعریفات و حدود پیش کیے۔ اس کے بہت سے قضایا اور ان کی ترتیب سے اختلاف کیا۔ قیاس کے مقابلہ میں جو ارسطو کے منطق کی اساس ہے، استقراء کی ترجیح ثابت کی اور اس کو حصول علم و یقین کا زیادہ طبعی، سہل اور محفوظ طریقہ بتلایا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے منطق و فلسفہ میں کئی جدید نظریات پیش کیے اور فن میں اضافے کیے۔

جواب: ابن تیمیہ نے منطق کے قواعد و ضوابط پر اعتراضات کیے۔ اگرچہ آپ

نے ملاحظہ کیا کہ ان کے سب اعتراضات بے جا، غیر معتبر اور نا قابل التفات ہیں۔ انہوں نے تمام علم منطق کو ان کے زعم کے مطابق نا قابل اعتبار قرار دیا۔ اگر چہ ان کے اعتراضات تو نا قابل اعتبار ہیں، لیکن جب وہ ایک فن کو غیر معتبر قرار دے رہے ہیں، تو پھر اس میں نئے اجتہادات اور اضافات کرنے کا کیا مطلب؟ ظاہر ہے کہ ان کے یہ نئے اجتہادات و اضافات، علم منطق کے نئے قواعد و ضوابط ہی ہوں گے، تو یہ جدید علم منطق اور وہ اجتہادات و اضافات کہاں ہیں؟ ارسطو کی منطق پر اعتراض کرنے والے اس جدید منطق کو اپنے ہاں کیوں رواج نہیں دے رہے؟

انتہائی تعجب کی بات ہے کہ علامہ ندوی رحمہ اللہ استقرا کو قیاس پر ترجیح دینے کو ابن تیمیہ کے اجتہادات اور اضافات میں سے شمار کر رہے ہیں، حالانکہ یہ بات عقل کے بالکل خلاف ہے؛ کیوں کہ استقرا کہتے ہیں کسی شی کی تمام جزئیات کو تلاش کر کے اس میں حکم کلی لگانا۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کا استقرا تو ہے نہیں کہ اس کا علم تمام کلیات و جزئیات پر محیط ہے اور کوئی بھی جزئی اس سے مخفی نہیں ہے۔ یہ تو انسان کا استقرا ہے کہ وہ شی کی جزئیات میں ایک بات دیکھتا ہے اور اس پر حکم کلی لگا دیتا ہے۔ اب اس بات کا قوی امکان ہے کہ ان جزئیات میں کوئی جزئی اس سے رہ گئی ہو اور اس کی تلاش کے احاطے میں نہ آئی ہو اور اس کے اندر وہ حکم نہ ہو، اور اس سے اس کا لگایا ہوا حکم کلی منقوض ہو جائے؛ کیوں کہ سلب جزئی، ایجاب کلی کی نقیض ہے۔ اسی لیے مناطقہ کہتے ہیں کہ استقرا یقین کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ مفید ظن ہوتا ہے، بخلاف قیاس کہ اس کے مقدمات ایسے ہوتے ہیں کہ یا تو پہلے سے بدیہی ہوتے ہیں، یا اگر نظری ہوں تو دلائل سے ان کو بدیہی ثابت کر دیا جاتا ہے۔ پس ان سے جو حکم بطور نتیجہ کے نکلے گا وہ بدیہی ہوگا اور عند العقل مسلم ہوگا۔ جیسے العالم متغیر ایک مسلمہ قضیہ ہے؛ کیوں کہ عالم کے اندر تغیر ہر لحظہ ہمارے مشاہدے میں ہے اور کل متغیر حادث بھی ایک مسلم قضیہ ہے؛ کیوں کہ تغیر کہتے ہیں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا اور حادث موجود بعد العدم کو کہتے ہیں۔ تو اس کے موجود

ہونے سے پہلے وہ معدوم تھا اور عدم سے وجود کی طرف منتقل ہوا۔ الحاصل تغیر، ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال کا نام ہے اور حدوث کے اندر بھی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال ہوتا ہے۔ پس ہر متغیر حادث ہے۔ اب جب قیاس کے ہر دو قضایا ثابت ہو گئے اور خصم نے ان دونوں کو مان لیا تو اس کو ایک اور قضیہ بھی لازماً ماننا پڑے گا یعنی العالم حادث۔ پس ان دونوں قضیوں کو مان کر وہ اس تیسرے قضیے کا بالکل انکار نہیں کر سکتا، اسی لیے قیاس مفید یقین ہے۔ اب کتنی عجیب بات ہے کہ ایک شخص ایک ظنی شیء کو ایک قطعی اور یقینی شیء پر ترجیح دے اور اس کی تغلیط کرنے کی بجائے اس کی اس غلطی کو اس کا مجتہدانہ کارنامہ قرار دیا جائے۔

اعتراض: شیخ ابوالحسن علی ندوی ''علوم عقلیہ میں تقلید درست نہیں ہے'' کے عنوان کے تحت ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"هب أن الأمر كذلك فهذه العلوم عقلية محضة ليس فيها تقليد لقائل، وإنما تعلم بمجرد العقل فلايجوز أن تصحح بالنقل بل ولايتكلم فيها إلا بالمعقول المجرد فإذا دلّ المعقول الصريح على بطلان الباطل منها لم يجز ردّه فإن أهلها لم يدعوا أنها ما خوذة عمّن يجب تصديقه بل عن عقل محض فيجب التحاكم فيها إلى موجب العقل الصريح"

ترجمہ: ''فرض کرو کہ بات یوں ہی ہے لیکن یہ علوم تو خالص عقلی علوم ہیں جن میں کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں۔ یہ تو مجرد عقل سے معلوم کیے جاتے ہیں، اس لیے نقل کے ذریعہ ان کی تصحیح درست نہیں اور ان میں خالص معقولات کی بناء پر کلام کیا جاتا ہے۔ پس جب معقول صریح ان میں سے کسی باطل کے بطلان پر دلالت کرے تو اس کا مسترد کرنا جائز نہیں؛ اس لیے کہ خود علمائے منطق نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ وہ کسی ایسی ہستی یا ذریعہ سے ماخوذ ہے جس کی تصدیق واجب ہے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ ان کا تعلق عقل محض سے

۲۔ اس لیے ان کے بارے میں عقل صریح کے موجبات ہی کی طرف رجوع کرنا صحیح اور اس کے فیصلہ کو قبول کرنا ضروری ہوگا"

جواب: ابن تیمیہ کا یہاں پر لفظ تقلید استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔ علم منطق احکام کا نام نہیں ہے جس میں کوئی کسی کی تقلید کرے بلکہ منطق تو قواعد وضوابط کا نام ہے جو عقلاً بالکل صحیح ہیں۔ پس اگر کوئی آدمی کسی ضابطے میں کوئی خامی دیکھے اور اس ضابطے کے مقابلے میں اپنی طرف سے دوسرا ضابطہ (جو ہر لحاظ سے صحیح ہو) ایجاد کرکے اس فن میں شامل کردے تو اس کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ اہل فن بڑی خوش دلی سے اس کو قبول کریں گے۔

یہاں سوچنے کی بات ہے کہ منطق کا وہ کون سا ضابطہ ہے جس کو ابن تیمیہ نے عقلی دلائل کی روشنی میں غلط ثابت کردیا ہو اور پھر اس کی جگہ کوئی صحیح ضابطہ رکھا ہو جو عقل کے بالکل موافق ہو۔ لیکن ابن تیمیہ اور ان کے گرد پھرنے والے ہمیں ایک بھی ضابطہ نہیں دکھا سکتے۔ پہلے سے جو قواعد وضوابط موجود ہیں وہ صحیح بھی ہیں اور صریح اور عقلی طور پر اس کے اندر کوئی غلطی اور خامی بھی نہیں ہے اور ابن تیمیہ نے ان کے مقابلے میں کچھ بھی پیش نہیں کیا، جس سے سابقہ قواعد میں کوئی غلطی ثابت ہو جائے۔ جو کچھ اعتراضات انہوں نے کیے ہیں، ان کا حال تو آپ دیکھ چکے۔ منطق کے موجودہ قواعد ارسطو اور ابن سینا جیسے لوگوں کے وضع کردہ ہیں، جن کے انتہائی قوی العقل ہونے پر اپنے اور پرائے سب کا اتفاق ہے۔

اعتراض: مولانا ابوالحسن علی ندوی نے "عالم اسلام کے پچھلے دور میں علوم عقلیہ کا جمود وانحطاط اور ابن تیمیہ کے کام کی اہمیت" کے عنوان کے تحت طویل کلام کیا ہے جو محض بے سود ہے اور تطویل لاطائل کے قبیل سے ہے۔ اس کے آخر میں لکھتے ہیں:

"اس عقلی جمود وتقلید کے دشت بے نشان میں ابن تیمیہ کا یہ مجتہدانہ کارنامہ اور فلسفہ ومنطق یونانی کی علمی تنقید وحاسبہ ایک سنگ میل اور چراغ راہ کی حیثیت رکھتا ہے اور نئے اجتہاد وتفکر کا دروازہ کھولتا ہے"۔

جواب: علم منطق عقلی جمود و تقلید کا دشت بے نشان نہیں ہے بلکہ محکم اصول اور پختہ قواعد سے عبارت علم ہے، جو عقلی اعتبار سے بالکل صحیح ہیں اور اس کے سیکھنے سے عقل کی تیزی اور قوت حاصل ہوتی ہے۔

ابن تیمیہ کا منطق پر رد کرنا کیسا مجتہدانہ کارنامہ ہے، اس کا حال آپ نے ملاحظہ کرلیا۔ ان کے قواعد منطقیہ پر کیے گئے تمام اعتراضات بالکل نا قابل التفات ہیں۔ کسی فن کے ساتھ ادنیٰ تعلق رکھنے والے سے ایسے اعتراضات صادر نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ وہ اس فن کا مجتہد ہو۔

باقی رہے نئے اجتہادات اور فکر کے دروازے تو یہ خالی کھنڈرات کے دروازے ہیں کہ اندر کچھ بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر انہوں نے نیا فکر و اجتہاد کیا بھی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ جدید علم منطق کو وجود میں آنا چاہیے، حالاں کہ منطق کے وہی قواعد اور ضوابط تا حال برقرار ہیں۔

علامہ ندوی علم منطق کی رد میں ابن تیمیہ کی متعدد عبارات نقل کرنے کے بعد "منطق کا صحیح مقام اور فائدہ" کے عنوان کے تحت ابن تیمیہ کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں جس میں انہوں نے منطق کی افادیت کا اقرار کیا ہے۔ چناں چہ نقل کرتے ہیں:

"يفتق الذهن ويدربه ويقوّيه على العلم فيصير بالصدد مثل كثرة الرّمي بالنشاب وركوب الخيل تعين على قوة الرّمي والركوب وان لم يكن ذلك وقت قتال، وهذا مقصد حسن"

ترجمہ: "یہ بات بھی ہے کہ علوم منطقیہ میں غور و مطالعہ سے ذہن کھلتا ہے اور اس کی مشق ہوتی ہے بالکل جس طرح سے تیر اندازی اور شہسواری کی مشق سے نشانہ ٹھیک ہوتا ہے اور گھوڑے کی سواری آسان ہو جاتی ہے اور لوگ جنگ سے پہلے بھی ان چیزوں کی مشق کرتے ہیں اور یہ ایک اچھا مقصد ہے"۔

تبصرہ: آخرکار حق بات انہوں نے کہہ دی۔ ہم پہلے سے یہ بات کہہ رہے ہیں کہ منطق سے مقصود اپنے مدعا پر دلیل پیش کرنے کے طریقے کو جاننا ہے۔ ہر علم کے اندر استدلال اور اثبات مدعا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے مدعا پر ایسی دلیل پیش کرنے کا طریقہ جاننا جس کے اندر کسی قسم کی کمزوری نہ ہو، یہی علم منطق سے مقصود ہے۔ پس منطق کا کام دلیل اور احوال دلیل کی معرفت ہے۔ اس بات کا اقرار خود ابن تیمیہ بھی اپنے قول "وھذا مقصد حسن" سے کر رہے ہیں۔ پس جب منطق کے مقصود کی افادیت کا علامہ ابن تیمیہ خود اقرار کر رہے ہیں پھر آخر کیا وجہ ہے کہ وہ منطق پر رد کرتے ہیں۔ اگر ان کے اس کلام کے اندر غور کیا جائے تو یہ سابقہ تمام کلام سے رجوع کی حیثیت رکھتا ہے۔

﴿فصل ششم﴾

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

کا منطق، حکمت اور کلام پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

جن لوگوں نے منطق، حکمت اور علم کلام پر اعتراضات کیے ہیں، ان میں تیسرے نمبر پر مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے اعتراضات اور پھر ان کے جوابات بھی ملاحظہ ہوں:

اعتراض: ان کا سب سے پہلا اعتراض یہ ہے کہ ہندوستانی نصاب تعلیم ان علوم ثلاثہ سے خالی تھا۔ یہ علوم اس نصاب کا حصہ نہیں تھے۔ چناں چہ مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "نظام تعلیم و تربیت" میں صفحہ نمبر ۱۴۸ سے ۱۵۱ تک اس بات کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ یہاں ہم ان کے اس مضمون کے چیدہ چیدہ اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ سب سے پہلے "معقولات کا الزام" کے عنوان سے ابتدا کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

"جو کچھ آج ہے یہی کل بھی تھا۔ جن دماغوں کی یہ منطق ہے، ان کی طرف سے ایک بڑا الزام ہندوستانی مولویوں پر یہ بھی ہے کہ ان کے نصاب کا بڑا حصہ ان لفظی گورکھ دھندوں اور ذہنی موشگافیوں بلکہ عقلی کج بحثیوں میں گم ہو گیا ہے، جن کی تعبیر عموماً

'معقولات' کے لفظ سے کی جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اسلامی حکومت نے جس وقت اس ملک میں دم توڑا اور اپنی آخری سانس پوری کی ہے، اس وقت عربی تعلیم گاہوں میں جو نصاب مروج تھا اس کا یہی حال تھا۔ متن، متن کے ساتھ شرح، شرح کے ساتھ حاشیہ، حاشیوں کا ایک بے پایاں سلسلہ تھا جو پڑھایا جاتا تھا اور قدیم درس گاہوں میں شاید بھی پڑھایا جاتا ہے۔ لیکن معقولات کی بھرمار کا یہ قصہ کیا ہمیشہ سے ہے؟ میں اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، گویا یہ اس کی اجمالی تاریخ ہوگی۔ اس ملک کے تعلیمی نصاب کو جن انقلابات سے گزرنا پڑا ہے، ظاہر ہے کہ ساتویں صدی یعنی باضابطہ وطن بنا کر مسلمان اس ملک میں جب آباد ہوئے تو اس وقت عربی زبان عقلی علوم کی کتابوں سے معمور ہو چکی تھی۔ اس لیے ہمارا وہ حال تو ہو نہیں سکتا تھا، جو ان اسلامی ممالک کا ہے جہاں پہلی صدی ہی میں اسلام پہنچ چکا تھا۔ ان ممالک میں مدت تک مسلمانوں کے تعلیمی نصاب میں نہ منطق تھی نہ فلسفہ نہ یہ چیزیں تھیں نہ ہو سکتی تھیں لیکن جس زمانہ میں ہم اس ملک میں آئے ہیں، اس وقت اگرچہ سب کچھ ہو سکتا تھا الخ"

اس ابتدائی عنوان اور بیان کے بعد آگے اپنے قول "لیکن معقولات کی بھرمار کا یہ قصہ کیا ہمیشہ سے ہے؟ میں اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، گویا یہ اس کی اجمالی تاریخ ہوگی" میں تفصیل پیش کرتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان میں رائج نصاب کی تین منزلیں ہیں۔

پہلی منزل فارسی کی کتابوں کی، جس کے ساتھ کچھ نہ کچھ عربی کی ابتدائی کتابیں بھی تھیں۔

دوسری منزل جو باضابطہ عربی اور اسلامی علوم کے سیکھنے کا مرحلہ ہے، اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"یہ حصہ علم بھی دو منزلوں میں منقسم ہے۔ ایک ابتدائی حصہ جس کو ضروری علم کے نام

سے یاد کرتے ہیں اور دوسرا منتہیانہ حصہ جس کو بنام درجہ فضل یاد کرتے ہیں۔ پہلے والے میں ابتدائی کتب علم صرف ونحو وفقہ تا کافیہ، مفصل، شرح جامی، مجمع البحرین وشرح وقایہ پڑھاتے ہیں۔ دوسرا حصہ جو بنام درجہ "فضل" ہے، اس میں منتہیانہ کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔"

اس سے آگے ان صفحات میں ان کتابوں کا نام لیا ہے۔ ان میں ہدایہ، اصول بزدوی، تفسیر کشاف، مشارق، مصابیح، عوارف، کنز الدقائق، حسامی، مفتاح العلوم کی شروح و تعلیقات، شرح صحائف، غایۃ التحقیق، منار کی شرح اضافۃ الانوار، نور الانوار، تفسیر مدارک، عمدۃ الاعجاز، مقامات حریری کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن علم کے ان دونوں حصوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان میں منطق نہیں تھی۔ "ضروری علم" والے درجہ میں علم منطق کے شامل نصاب نہ ہونے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"بہر حال اگر میرا یہ قیاس صحیح ہے کہ فضل کے مقابلہ میں علم کا جو ضروری درجہ تھا، اس میں بھی صرف ونحو اور فقہ کی دو کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، تو سمجھا جا سکتا ہے کہ اس درجہ تک ہمارے نصاب میں اس زمانے کی حد تک نہ منطق کی کوئی کتاب داخل تھی اور نہ فلسفہ کی"۔

اسی طرح دوسری درجہ "فضل" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ درجہ بھی منطق، فلسفہ اور کلام سے خالی تھا۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

"بہر حال اس زمانہ کے ضروری اور نصاب فضل دونوں کے متعلق جہاں تک میری جستجو کا تعلق ہے، یہی معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر وحدیث، فقہ، اصول فقہ کی دینیات میں اور نحو و صرف، ادب، معانی، بیان وغیرہ کی عربیت کے سلسلہ میں تعلیم ہوتی تھی۔ نیز ابھی اس سے بحث نہیں کہ یہ تعلیم کس حد تک کافی ہو سکتی تھی، اس کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ میں بالفعل یہ کہنا چاہتا ہوں کہ معقولات کہ جس کے الزام سے ہندی نظام تعلیم کو بدنام کیا جا رہا ہے اس کا ان صدیوں میں یعنی ساتویں اور آٹھویں میں پتہ بھی نہیں چلتا۔ انتہا یہ

ہے کہ منطق وفلسفہ، ریاضی وغیرہ تو دور کی چیزیں، علم کلام تک کی کتابوں کا ذکر عام علماء کے تدریسی نظام میں نہیں ملتا۔"

اس کے آگے مزید لکھتے ہیں:

"سکندر لودھی ۸۹۴ھ میں تخت نشین ہوا، یعنی نویں صدی گویا گزر رہی تھی، اس وقت یہاں کے نصاب میں منطق اور کلام دونوں علوم کا سرمایہ لے دے کر قطبی اور شرح صحائف پر ختم ہو جاتا تھا۔ قطبی کو تو خیر سب جانتے ہیں لیکن یہ شرح صحائف کوئی اتنی ہی معمولی کتاب ہے کہ طاش کبری زادہ نے اس کی شرح کا تو ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ صحائف کے متن کے متعلق لکھا ہے۔ "الصحائف للسمرقندي لم أقف على ترجمته (ص:۲۹)

بہر حال شرح شمسیہ یعنی قطبی کے ساتھ ممکن ہے منطق کے بعض چھوٹے رسائل ایساغوجی وغیرہ بھی پڑھائے جاتے ہوں، بلکہ کلام کی حالت تو اس سے بھی زبوں تر معلوم ہوتی ہے۔ فتاوی تاتارخانیہ میں کلام اور کلامی مباحث کے متعلق یہ عجیب فقرے پائے جاتے ہیں جسے خصوصیت کے ساتھ دولت ترکیہ عثمانیہ کے ایک عالم نے اپنی ایک کتاب میں نقل کیا ہے۔ ہندوستان کے علماء کا جو خیال اس زمانہ تک اس علم کے متعلق تھا، چوں کہ اس کا پتہ چلتا ہے، میں بھی نقل کرتا ہوں۔ فتاوی تاتارخانیہ میں علم کلام کے متعلق اس رائے کا اظہار کیا گیا ہے:

"إنها تؤدي إلى إثارة الفتن والبدع و تشويش العقائد أو يكون الناظر فيه قليل الفهم أو طالباً للغلبة لا للحق۔" (منقول از: مفتاح السعادۃ)

آج ممکن ہے کہ قدیم علمائے ہند کے اس فیصلے کو تنگ نظری پر محمول کیا جائے گا لیکن تجربہ نے بتایا ہے کہ کلامی مباحث جس زمانہ میں کسی ملک میں چھڑے ہیں، بجز فتنوں کی پیدائش اور نئے نئے خیالات، نئی نئی موشگافیوں کے اس کا حاصل کسی زمانہ میں بھی کچھ نہیں نکلا۔ انتهى كلام الگيلاني.

جواب: علامہ مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کے اس کلام میں دو باتیں قابل ذکر ہیں:

پہلی بات یہ کہ ہندوستانی نصاب تعلیم ساتویں اور آٹھویں صدی میں معقولات یعنی منطق و حکمت سے بالکل خالی تھا اور نویں صدی میں بھی یہ علوم صرف قطبی اور شرح صحائف تک محدود تھے۔

دوسرے نمبر پر علم کلام سے نفرت کا اظہار اور اس پر تاتارخانیہ کی عبارت سے تائید پھر یہ بات: ''لیکن تجربہ یہ بتا رہا ہے کہ کلامی مباحث جس زمانہ میں کسی ملک میں چھڑے ہیں، بجز فتنوں کے پیدائش اور نئے نئے خیالات نئی نئی موشگافیوں کے اس کا حاصل کسی زمانہ میں بھی کچھ نہیں نکلا''۔

پہلی بات کا جواب تو علمائے دیوبند سے پہلے کے علمائے کرام کا علوم ثلاثہ کے ساتھ تعلق والے باب میں آچکا ہے، جس کا حاصل یہ تھا کہ علامہ گیلانی رحمہ اللہ کی یہ بات حقیقت کے بالکل برعکس ہے؛ کیوں کہ ساتویں، آٹھویں اور نویں صدی میں علم منطق، حکمت اور کلام کے بڑے بڑے نامور علما گزرے ہیں۔

رہی دوسری بات تو اس کے دو جواب ہیں۔ ایک اجمالی اور دوسرا تفصیلی۔

اجمالی جواب یہ ہے کہ علم کلام کا مقصود عقائد حقہ کی حفاظت اور اس کو فرق باطلہ کے حملوں سے بچانا ہے۔ ہر زمانہ میں اہل حق نے اس علم کلام کو لے کر فرق باطلہ کا مقابلہ کیا اور ان کے اعتراضات کا مُسکت جواب دیا۔ اہل حق علمائے کرام کا یہ دفاع اہل باطل کے مقابلہ میں لازماً اختلافی اور نزاعی صورت اختیار کرے گا، اسی کو علامہ گیلانی رحمہ اللہ فتنوں کی پیدائش سے تعبیر کر رہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اہل باطل کے مقابلے میں اہل حق کو خاموش رہنا چاہیے؟ کیا ان فرق باطلہ کے لوگوں کو آزاد چھوڑ دینا چاہیے تاکہ وہ لوگوں کے عقائد خراب کرتے پھریں؟ یقیناً کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہوگا کہ ایسے حالات میں اہل حق خاموش ہو کر بیٹھ جائیں بلکہ ہر معاملہ میں محتاط رائے رکھنے والے حضرات کی بھی یہی رائے ہوگی کہ نبی کریم

ﷺ کے ان ورثا پر فرض ہے کہ وہ اہل باطل کا مقابلہ کریں۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ کسی چیز کی ماہیت اور حقیقت، اسی طرح اس کے موضوع اور اس کے فوائد واغراض معلوم کرنے سے پہلے اس کی صحت اور عدم صحت، جواز وعدم جواز پر بات کرنا اور یہ فیصلہ سنانا کہ اس سے فتنے پیدا ہوتے ہیں، صحیح نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے کرام کتاب شروع کرنے کے وقت اس علم کی تعریف، موضوع اور غرض بیان کرتے ہیں۔ اس لیے ہم بھی پہلے علم کلام کی تعریف کرتے ہیں، پھر اس کے بعد علم کلام کی صحت اور عدم صحت، جواز اور عدم جواز کا فیصلہ آپ خود کریں۔

علامہ ابن خلدونؒ اس کی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں

"هو العلم الذي يتضمن الحجاج عن العقائد الإيمانية بالأدلة القطعية و الرد على المبتدعة المنحرفين في الاعتقادات من مذاهب السلف و أهل السنة"

یعنی یہ وہ علم ہے جو ادلہ قطعیہ کے ساتھ عقائد ایمانیہ کا دفاع کرتا ہے، اور عقائد میں اہل سنت اور سلف کے مذاہب سے انحراف کرنے والے بدعتی لوگوں پر رد کرتا ہے۔

علامہ تفتازانیؒ نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

العلم المتعلق بالأحكام الأصلية أي الاعتقادية يسمى علم التوحيد والصفات.

شرح مقاصد میں تعریف یوں بیان کی ہے:

"هو العلم بالعقائد الدينية عن الأدلة اليقينية"

علامہ عضد الدین ایجیؒ نے مواقف میں یہ تعریف کی ہے:

"الكلام علم يقتدر معه على إثبات العقائد الدينية بإيراد الحجج و دفع الشبه"

یعنی علم کلام وہ علم ہے جس میں دلائل پیش کرنے اور شبہات دفع کرنے سے عقائد دینیہ

کے ثابت کرنے پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔

موضوع اس علم کا عقائد دینیہ ہے۔ اس علم کی غرض وغایت میں علما کے مختلف اقوال ہیں۔ چناں چہ علامہ تفتازانی شرح المقاصد میں فرماتے ہیں:

"غايته تحلية الإيمان بالإيقان، و منفعته الفوز بنظام المعاش و نجاة المعاد"

یعنی غرض اس کا ایمان کو ایقان سے سنوارنا اور فائدہ اس کا یہ ہے کہ دنیا میں معاش کا نظام صحیح ہو اور آخرت میں عذاب سے نجات ملے۔

علامہ ایجی "مواقف میں اس کی غرض یوں بیان فرماتے ہیں:

"و هي أي فائدة علم الكلام أمور، الأول الترقي من حضيض التقليد إلى ذروة الإيقان، و الثاني إرشاد المسترشدين بإيضاح المحجة و إلزام المعاندين بإقامة الحجة، و الثالث حفظ قواعد الدين عن أن تزلزلها شبه المبطلين، و الرابع أن يبنى عليه العلوم الشرعية فإنه أساسها، إليه يؤول أخذها و اقتباسها، و الخامس صحة النية و الاعتقاد إذ بها يرجى قبول العمل، و غاية ذلك كله الفوز بسعادة الدارين"

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ صاحب مواقف نے پانچ فوائد بیان کیے ہیں:

(1) انسان کا تقلید کے گڑھے سے نکل کر ایقان کی چوٹی تک پہنچ جانا۔

(2) ہدایت حاصل کرنے والوں کو سیدھا راستہ بتانا اور معاندین کو دلائل سے شکست دینا۔

(3) دین کے قواعد کی حفاظت کرنا تاکہ مبطلین کے شبہات سے متزلزل نہ ہو۔

(4) علوم شرعیہ کا اس پر مبنی ہونا؛ کیوں کہ علم کلام ہی علوم شرعیہ کے لیے بنیاد ہے اور اسی کی طرف علوم شرعیہ کا رجوع ہوتا ہے۔

(5) نیت اور اعتقاد اس کے ذریعہ صحیح ہو جائے؛ کیوں کہ صحیح نیت اور اعتقاد ہی سے اعمال کی قبولیت ہوتی ہے۔ ان پانچ فوائد کا حاصل دو جہاں کی سعادت کا حصول ہے۔

امام غزالیؒ المنقذ من الضلال میں علم کلام کے متعلق فرماتے ہیں:

"إنما مقصوده حفظ عقيدة أهل السنة و حراستها عن تشويش أهل البدعة فقد ألقى الله تعالى إلى عباده على لسان رسوله عقيدة هي الحق على ما فيه صلاح دينهم و دنياهم، كما نطق بمعرفة القرآن والاخبار، ثم ألقى الشيطان في وساوس المبتدعة أموراً مخالفة للسنة، فلهجوا بها و كادوا يشوشون عقيدة الحق على أهلها، فأنشأ الله تعالى طائفة المتكلمين، و حرك دواعيهم لنصرة السنة بكلام مرتب، يكشف عن تلبيسات أهل البدعة المحدثة على خلاف السنة المأثورة، فمنه نشأ علم الكلام و أهله. فلقد قام طائفة منهم بما ندبهم الله تعالى إليه فأحسنوا الذب عن السنة، و النضال عن العقيدة المتلقاة بالقبول من النبوة۔" (المنقذ من الضلال ص:۱۳)

علم کلام سے مقصود عقیدہ اہل سنت و جماعت کی حفاظت اور اہل بدعت کی تشویش سے اس کو بچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبان مبارک پر حق و سچ عقیدہ اپنے بندوں کی طرف نازل فرمایا، جس میں ان کی دنیاو آخرت کی کامیابی ہے، جیسا کہ قرآن واحادیث اس کی معرفت پر ناطق ہیں۔ شیطان نے مبتدعہ کے وسوسوں میں مخالف سنت امور کو ڈال دیا پس وہ اس میں مشغول ہو گئے اور اہل حق پر ان کے حق عقیدہ کو مشکوک کرنے لگے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے متکلمین کی جماعت کو پیدا کیا اور ایک مرتب کلام کے ذریعے نصرت سنت کے لیے ان کے دواعی کو متحرک کیا، جو اہل بدعت کی ان تلبیسات کا پردہ چاک کر دے جو سنت منقولہ کے خلاف ایجاد کیے ہوئے ہیں۔ پس علم کلام اور متکلمین اسی وجہ سے وجود میں آئے۔ اہل سنت میں سے ایک جماعت ان تحقیقات میں لگ گئی، جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان کو مدعو کیا۔ انہوں نے سنت کا بہترین دفاع کیا اور اس عقیدے کے دفاع کے لیے اہل بدعت پر تیر پھینکے جس کو نبوت

کی طرف سے سندِ قبولیت حاصل ہے۔

ان مختلف اکابر علمائے کرام کی مختلف تعبیرات سے علم کلام کی تعریف، نیز اس کے موضوع اور غرض کی تعیین، اسی طرح اس کی تدوین سے لے کر آج تک تمام علما کا اس کے پڑھنے پڑھانے پر اتفاق، یہ سب باتیں اس کی واضح دلیل ہیں کہ اہل اسلام کو علم کلام کی کتنی اشد ضرورت ہے۔ نیز علمائے دیوبند کے نصاب میں شرح عقائد نسفی، شرح عقائد جلالی اور شرح مواقف کا بعض حصہ اور خیالی وغیرہ کا نصاب میں شامل ہونا بھی اس پر قوی دلیل ہے کہ عقائد اسلامیہ کو دلائل سے مستحکم کرنا اور اغیار کے اعتراضات اور شبہات کو ختم کرنا ہی اس کا اولین مقصد تھا۔ اسی طرح اہل سنت کے معتبر اور مستند علمائے کرام نے ان علوم کو پڑھا اور پڑھایا لیکن آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ علم کلام کی کوئی بات اسلامی عقائد کے خلاف ہے۔ بھلا جو چیز عقائد اسلامیہ کی حفاظت کے لیے مرتب کی گئی ہے، اس کے اندر ان عقائد کی مخالف باتیں کیسے آسکتی ہیں؟

آپ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح عقائد کا اول تا آخر مطالعہ کیجیے۔ ہر جگہ آپ کو علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اہل حق کا دفاع اور اہل باطل کا مقابلہ کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ کہیں مشبہ کے اعتراضات کے جوابات دے رہے ہیں تو کہیں معتزلہ کے عقائد ردیہ پر حملوں کا توڑ کر رہے ہیں۔ اسی طرح اہل سنت کے جن علما نے بھی علم کلام کے اندر تصنیف کی ہے اور اس بارے میں قلم چلایا ہے، ان کے پیش نظر یہی مقصد اور یہی سبب تھا۔ پس ان چشم کشا اور واضح حقائق کے ہوتے ہوئے علامہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول (لیکن تجربہ یہ بتا رہا ہے کہ کلامی مباحث جس زمانہ میں الخ) کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

اعتراض: دوسرا بڑا اعتراض جس کا ذکر ص: ۱۸۷ میں اس طرح کرتے ہیں:

"ہمارے تعلیمی نصاب میں صدیوں معقولات کا حصہ صرف قطبی اور شرح صحائف تک محدود تھا، تو پھر آئندہ کیا واقعات پیش آئے جن کا آخری نتیجہ وہ ہوا کہ خالص اسلامی

کتابوں کے مقابلہ میں معقولات کا پلہ اتنا جھک گیا کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے عربی مدارس میں منطق وفلسفہ وکلام کے سوا گویا دوسرے فنون کی کتابیں پڑھائی ہی نہیں جاتی تھیں۔

واقعہ یہ ہے کہ آخر زمانہ میں ہمارا جو نصاب درس نظامی کے نام سے مشہور ہوا، اس میں حدیث کی ایک کتاب مشکوٰۃ اور تفسیر میں جلالین، بیضاوی کی صرف ایک سورۃ بقرہ کے بعد شرح وقایہ کی اولین اور ہدایہ کی آخرین یعنی مسادہ فقہ کی ایک ہی کتاب ہوئی، گویا بیضاوی کی ایک سورۃ اگر لحاظ کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ضرورت والے نصاب میں نہیں بلکہ نصاب فضل میں بھی خالص دینیات کی کل تین کتابیں جلالین، مشکوٰۃ، شرح وقایہ وہدایہ کے سوا کنز وقدوری کے مختصر فقہی متون کے بعد تقریباً چالیس پچاس کتابیں جو پڑھائی جاتی تھیں وہ خاص عقلیات کی کتابیں ہیں، یا ایسی کتابیں ہیں جن کا بظاہر تعلق تو کسی دوسرے فن سے ہے لیکن درحقیقت ان کا طرز بیان اول سے آخر تک وہی معقولات کی کتابوں کا سا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ شرح ملا جامی بہ ظاہر نحو کی کتاب ہے لیکن جاننے والوں سے مخفی نہیں ہے کہ نحوی مباحث کو بھی اس میں عقلیت کا رنگ دیا گیا ہے۔ اور جب نحو کی کتاب کا یہ حال ہے تو پھر اصول فقہ یا کلام کی جو کتابیں ہیں ان میں منطقیت اور عقلیت کی جس حد تک گنجائش پیدا ہو سکتی تھی ظاہر ہے۔

آج ہی نہیں، ابتدا سے علما کے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اصول فقہ کو فقہ سے وہی نسبت ہے جو منطق کو فلسفہ سے ہے (دیکھیے مسلم الثبوت) باقی علم کلام کے متعلق تو سب ہی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا وہ ایک فلسفہ ہے۔ اور یہ واقعہ بھی ہے کہ جب عنصریات کائنات الجو تک کے مباحث کلامی کتابوں کے اجزا بنا دیے گئے ہیں تو اس کے فلسفہ ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ یہی حال ان کتابوں کا ہے جو عربیت کے نام سے پڑھائی جاتی ہیں یعنی معانی، بیان، بدیع کی دونوں نصابی کتابیں مختصر المعانی اور مطول۔

پڑھنے والوں کو ان کتابوں میں جتنی ذہنی لذت ملتی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ اسی حد تک وہ ان علوم کے مسائل کا حقیقی مذاق بھی اپنے اندر پیدا کر سکتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے جس کا نہایت صفائی کے ساتھ ہمیں اقرار کرنا چاہیے۔"

اپنے اس خیال کی تکمیل کے لیے ص: ۱۸۷ کے حاشیہ نمبر (۱) تا آخر حاشیہ میں رقم طراز ہیں:

"درس نظامیہ کے نصاب فضل یا انتہائی کتابوں کے نصاب میں دینیات کی صحیح معنوں میں کل تین کتابیں داخل ہیں۔ ان کے سوا جو کچھ ہے، وہ خالص عقلیات یا نیم عقلیات ہی کی کتابیں ہیں، جن کی تعداد چالیس پچاس سے متجاوز ہے۔ ممکن ہے کہ جنہوں نے غور نہیں کیا ہو انہیں کچھ اچنبھا سا ہو، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کتابوں کی ایک اجمالی فہرست ہی دے دی جائے۔ جلالین، مشکوٰۃ، ہدایہ مع شرح وقایہ معلوم ہو چکا کہ در حقیقت اس کورس میں حقیقی دینیات کی یہی تین کتابیں ہیں۔ اب سنیے! اول سے آخر تک اس نصاب میں کیا پڑھایا جاتا ہے۔ صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، قال اقول، میزان منطق، بدیع المیزان، مرقاۃ، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، سلم، ملاحسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، بعض مقامات میں شرح سلم بحر العلوم، شرح مطالع (خالص منطق میں) ہدیہ سعیدیہ، میبذی، صدرا، شمس بازغہ، بعض مقامات میں شرح ھدایۃ الحکمۃ خیرآبادی، شرح اشارات، شفاء (فلسفہ میں) توجیہ، تصریح، شرح چغمینی، بعض مقامات میں تذکرہ، بست باب، ہیئت میں اقلیدس، مبادی، الحساب (ریاضی میں) ان کے سوا میر زاہد ملا جلال، میر زاہد امور عامہ، اکثر مقامات میں میر زاہد رسالہ و ملا جلال کے ساتھ بحر العلوم یہ کتابیں کچھ خاص طریقہ کی ہیں، جنہیں بجز معقولات کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اب اصول فقہ میں اصول شاشی، حسامی، نور الانوار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، علم کلام میں شرح عقائد نسفی، شرح عقائد جلالی اور بعض مقامات میں شرح تجرید قوشجی،

شرح تجرید کے حواشی قدیمہ وجدیدہ امیر باقر کی الافق المبین جس کا شمار امور عامہ کے
مباحث ہی میں ہونا چاہیے۔ میں نے عرض کیا تھا مختصر المعانی اور مطول کا شمار بھی اسی
سلسلہ میں ہونا چاہیے اور شرح جامی کو بھی میں اسی قبیلہ کی کتاب قرار دیتا ہوں۔ یاد رکھنا
چاہیے کہ میں نے اس سلسلہ میں عموماً ان ہی کتابوں کا شمار کرایا ہے جو درس نظامیہ
پڑھانے والی تعلیم گاہوں میں آج سے چالیس پچاس برس پیشتر تقریباً دوامی حیثیت
سے پڑھائی جاتی تھیں ان کے سوا بھی مرزا جان خوانساری، میر باقر، صدر شیرازی، شریف
جرجانی کے حواشی، عبدالحکیم سیالکوٹی کے حواشی، خیر آبادیوں میں مولانا فضل حق، مولوی
عبدالحق کے حواشی ہیئت وھندسہ میں کرۂ وغیرہ کی کتابیں مزید برآں تھیں۔ اگر ان کو بھی
شمار کیا جائے تو شاید تعداد پچاس سے آگے بڑھ جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کتابوں
کا نام مستحضر نہ رہا ہو۔"

جواب:

اس اعتراض کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ درس نظامی ایسا نصاب ہے جس کے کمال اور
صحت پر تمام اہل علم متفق ہیں تو ایسے متفقہ نصاب پر ایک شخص کے اعتراضات چاہیے وہ کتنا ہی
بڑا کیوں نہ ہو اس کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔

اب تفصیلی جواب ملاحظہ کیجیے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ علامہ مناظر احسن
گیلانی رحمۃ اللہ علیہ وہ شخصیت ہیں، جنھوں نے خود اپنے زمانہ طالب علمی میں ان علوم کو پڑھا، بلکہ ان
ہی علوم کے مرکز ٹونک میں مولانا برکات احمد ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا۔ چناں چہ خود اپنی کتاب
"نظام تعلیم وتربیت" کے صفحہ نمبر ۹ میں فرماتے ہیں:

"ساری عمر پڑھنے پڑھانے میں گزری اور وہ بھی ایک خاص حال میں تعلیم کے ابتدائی
دن اپنے دیہاتی مستقر گیلان (بہار) میں گزرے۔ وہاں سے اٹھا "راجپوتانہ ٹونک"
کی ایک معقولی اور منطقی آزاد درس گاہ مولانا برکات احمدؒ کے حلقہ درس میں پہنچا دیا گیا۔

آٹھ، نو سال گزارے۔"

علوم منطق و حکمت و کلام کو اپنے استاد مولانا برکات احمد ٹونکیؒ سے پڑھنے کا قصہ خود اپنی کتاب کے ص: ۱۳۹ کے حاشیہ پر یوں بیان فرماتے ہیں:

"خاکسار نے مولانا برکات احمد ٹونکیؒ سے بحث علم کا رسالہ قطبیہ اس طریقہ سے پڑھا تھا۔ قطبیہ، قطبیہ کی شرح میر زاہد کی، میر زاہد کی منہیہ، پھر دونوں کے حواشی غلام یحییٰ بہاری کے، پھر مولانا عبدالعلی بحر العلوم کا حاشیہ، اور ان سب پر مولانا عبدالحق خیر آبادی کا حاشیہ، بیچ بیچ میں خود مولانا بھی اپنے ان حواشی کو پڑھاتے تھے جو اپنے استاد کے حاشیہ پر انہوں نے لکھے تھے یعنی مولانا عبدالحق کے حاشیہ پر حاشیہ۔"

چوں کہ مولانا برکات احمد ٹونکیؒ کا علم کلام، منطق اور حکمت کے ساتھ خصوصی تعلق تھا، اس لیے مولانا گیلانیؒ نے مذکورہ علوم کی کتابیں انہیں سے پڑھی تھیں۔ مولانا برکات احمدؒ کے متعلق علامہ لکھنویؒ نزهة الخواطر میں فرماتے ہیں:

"و انتهت إليه رئاسة الدرس في العلوم العقلية، و أمه الطلاب من الأفاق و تخرجت عليه جماعة من الفضلاء أصبحوا من بعد أساتذة كبارا و صاروا يرحل إليهم من جهات بعيدة، و هو شديد التعصب على أهل الحديث، طويل اللسان عليهم، و له توغل في الفلسفة"

دوسرے تصانیف کے بارے میں فرماتے ہیں:

"و له مؤلفات الأنهار الأربعة في التصوف، و القول الضابط في الوجود الرابطي، و امام الكلام في تحقيق الأجسام في الفلسفة، و حواش في الفلسفة و علم الكلام و حاشية على الجامع الترمذي"

مولانا برکات احمد ٹونکیؒ کا تبحر علمی درس نظامی میں بالعموم اور علم کلام، منطق اور حکمت میں بالخصوص معلوم ہوتا ہے کہ علامہ گیلانیؒ کو بھی ان علوم میں ایک بلند مقام حاصل ہوا

ہوگا؛ کیوں کہ علامہ گیلانی نے مولانا برکات احمد ٹونکی کے ساتھ آٹھ، نو سال گزارے اور ان فنون کی کتب علیا پڑھیں۔ چناں چہ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ایک مدت تک اسی درس نظامی کی کتابوں کی تدریس سے متعلق رہے بلکہ دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی۔ چناں چہ اپنی کتاب "نظام تعلیم وتربیت" کے ص: ۱۰ میں فرماتے ہیں:

"دیوبند ہی میں دارالعلوم کے ماہوار مجلات القاسم والرشید کی ادارت کی۔ کچھ درس و تدریس کی خدمت سر انجام دیتا رہا"۔

پس جب تک حضرت مولانا گیلانی درس نظامی کی درسگاہوں سے متعلق رہے، اس وقت تک درس نظامی کے متعلق ان کے خیالات دیگر علمائے کرام جیسے رہے، لیکن جب ان کی وابستگی ایک مغربی تعلیم گاہ سے ہوگئی تو ان کے خیالات میں تغیر آ گیا۔ چناں چہ اپنی کتاب "نظام تعلیم وتربیت" کے ص: ۱۰ میں خود فرماتے ہیں:

"اور مقدر نے بالآخر میرا آخری ٹھکانہ مشرق کی اس جامعہ کو بنایا جس نے پہلی دفعہ مغربی علوم وفنون، طور طریقہ، رنگ و ڈھنگ میں مشرقیت کے اجزا و عناصر شریک کیے ہیں۔ بیس سال سے زیادہ مدت گزری جب سے زیر ظل عافیت سلطان العلوم، سلطان الشعراء، شاہ جم جاہ، معارف پناہ، مخدوم الملت، محبوب الامۃ، سراج الشرق، وارث السلطنت المغلیۃ، شہریار دکن، جلالۃ الملک النواب میر عثمان علی خان بہادر ایدہ اللّٰہ بنصرہ العزیز و خلد اللّٰہ ملکہ اسی جامعہ میں معلم الصبیانی کی خدمت انجام دے رہا ہوں۔ خالص مشرقی مدارس کی تعلیم کے بعد مغربی طرز کی اس جامعہ کے ہر شعبہ میں میرے عملی اشتراک نے خیالات کا ایک سلسلہ تعلیم کے متعلق پیدا کر دیا ہے"۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ نصاب، جس کی صحت اور کمال پر پوری امت کا اتفاق ہے، اس پر ایک شخص (خواہ وہ علمی دنیا میں کتنا ہی معتبر کیوں نہ ہو) کے اعتراضات کی کیا حیثیت ہو سکتی

افسوس صد افسوس! کہ علامہ گیلانیؒ کو جن علوم کے پڑھنے سے علمی پختگی حاصل ہوئی تھی اور جس نصاب کی بدولت وہ علمی دنیا میں ایک بلند مقام تک پہنچے، انہوں نے اس نصاب کی مخالفت شروع کی۔ اس درس نظامی کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کی کوشش کی، جس کی بدولت ان کے شجرہ علم کی آبیاری ہوئی تھی۔

اس سے زیادہ افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ آج اس متفق علیہ اور جامع نصاب کی بجائے ایسے نصاب کے لانے کی کوشش کی جارہی ہے، جو دینی تعلیم میں پختگی کے بجائے ضعف کا باعث ہے۔ آج دارالعلوم دیوبند کی طرف منسوب مدارس کا بورڈ وفاق المدارس علم منطق، حکمت اور علم کلام کو نصاب سے خارج کر رہا ہے۔

اگر یہ بات گستاخی نہ ہو تو عرض کیے دیتا ہوں کہ آج کل مدارس میں رائج نصاب درس نظامی کے بجائے درس وفاقی کے نام کا زیادہ مستحق ہے۔ جو طلبہ اس نصاب کو پڑھ کر فارغ ہو رہے ہیں، ان میں وہ استعداد نہیں رہی جو درس نظامی کے پڑھنے والوں کو میسر تھی۔ بڑے دکھ اور افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ آج کل کے فضلا میں بہت کم ایسے ہیں جو کافیہ سے اوپر کے درجات کے پڑھانے کی صلاحیت رکھتے ہوں بلکہ اس کے پڑھانے والے بھی وہ علما ہیں جو قدیم درس نظامی سے فارغ التحصیل ہیں، یا پھر مارتونگ، چکیسر اور ان جیسے دوسرے منطقی مراکز سے علم منطق وحکمت کے پڑھنے والے ہیں؛ کیوں کہ علمی استحکام ان ہی علوم کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ محض "حاصل ومحصول" کی ایک بحث کی وجہ سے پوری شرح جامی کو منطقی کتاب قرار دیا جارہا ہے، بلکہ تلخیص اور مختصر المعانی تک کو نیم منطقی کتابوں کا نام دیا جارہا ہے وگرنہ حقیقت میں یہ علم معانی، بیان اور بدیع کی کتابیں ہیں، حتی کہ مختصر المعانی پر تو حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ نے حاشیہ بھی لکھا ہے۔ کیا کہیے جب کسی علم پر زوال آتا ہو تو

جس نے بھی ان علوم ثلاثہ کی مخالفت کی ہے اور اس کے لیے کیا کیا بہانے بناتے جاتے ہیں۔ جس نے بھی ان علوم ثلاثہ کی مخالفت کی ہے اور اس کے خلاف میں کچھ لکھا ہے، اگر اس کو بغور دیکھا جائے تو اس میں کوئی جان نظر نہیں آتی۔ لیکن حق حق ہی ہوتا ہے وہی آخر غالب آتا ہے اور وہی زبان پر جاری ہوتا ہے۔

چوں کہ حق یہی ہے کہ ان علوم کے ساتھ نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام کا ماضی وابستہ ہے اور پورا عالم اسلام ان سے ہر دور میں مستفید رہا ہے۔ پورے عالم اسلام میں دیگر علوم کے ساتھ ساتھ ان کا پڑھنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ ان علوم کے بغیر طالب علم کا علمی مقصد ادھورا تھا اور ان علوم کے بغیر علم کا دعویدار نیم مولوی سمجھا جاتا تھا۔ ان علوم کے پڑھے بغیر نہ تو کوئی دستار فضیلت کے باندھنے کا حق دار سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی کوئی یہ جرأت کر سکتا تھا کہ ان علوم کے پڑھے بغیر دستار فضیلت باندھ سکے۔ چوں کہ اس بات کی گواہی خود تاریخ کے اوراق دے رہے ہیں اور یہ حقیقت تاریخ کا مطالعہ کرنے والے سے اوجھل نہیں رہ سکتی، اس لیے علامہ گیلانی رحمہ اللہ کو اپنے خلاف حقیقت دعویٰ (ماضی میں ہندوستانی کے تعلیمی نصاب کا ان علوم ثلاثہ سے خالی ہونا) کے اثبات کے لیے ایک تاویل کا سہارا لینا پڑا، اس سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ آخر حق ان کی زبان پر جاری ہو گیا۔ اپنی کتاب کے ص: ۱۵۳ میں "ایک غلط فہمی کا ازالہ" کے عنوان سے یوں رقم طراز ہیں:

"لیکن کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اتنے دنوں تک ہندوستان ان عقلی علوم سے ناآشنا رہا، میرا مطلب یہ ہے کہ ایک مسئلہ تو نصاب کا ہے۔ نصاب کی حد تک تو میرا دعویٰ ہے کہ نہ صرف ضروری بلکہ فرض کے درجوں میں بھی معقولات کا عنصر صرف قطبی اور شرح صحائف تک محدود تھا۔ یعنی لازمی طور پر اس نصاب کے ختم کرنے والوں کو معقولات کی جن کتابوں کا پڑھنا ضروری تھا وہ صرف یہ تھیں"۔

جواب: اس کے جواب میں ہم بصد ادب یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر آں جناب سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ حضرت! ہندوستان کا وہ نصاب (جس میں معقولات کا حصہ لے

ہے کہ صرف قطبی اور شرح صحائف تک محدود تھا) کہاں ہے؟ کیا کسی نے آج تک اپنی کسی تصنیف میں اس نصاب کا ذکر کیا ہے؟ کیا کہیں مطبوعہ یا مخطوطہ کی شکل میں اس نصاب کو دیکھا جاسکتا ہے؟ میرا خیال ہے کہ اس مطالبہ کے ساتھ "جواب ندارد" والا معاملہ ہی ہوگا۔

اس کے برعکس ہم نے پچھلے صفحات میں ساتویں، آٹھویں اور نویں صدی کے علما کا تذکرہ کیا، جس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر نصاب میں معقولات کا عنصر نہ ہوتا تو اتنی کثیر تعداد میں معقولات میں شہرت پانے والے کہاں سے پیدا ہوئے؟ یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ پڑھنے کے درجے تک کوئی بھی اس سے محروم نہ تھا۔ ہاں! سند فراغ حاصل کرنے کے بعد کسی عالم نے ایک فن میں اور دوسرے نے کسی دوسرے فن میں شہرت حاصل کی۔ جو علمائے کرام معقولات میں مشہور نہ ہوئے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ انہوں نے معقولات کو پڑھا ہی نہیں۔

آگے فرماتے ہیں:

"لیکن جو لوگ کسی خاص فن یا شعبۂ زندگی میں ترقی کرنا چاہتے تھے، ان کے لیے راستہ بند نہ تھا"۔

جواب: اس پر علامہ گیلانی کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ چند مخصوص لوگ اس علم میں ترقی کے خواہش مند تھے۔ انہوں نے شہرت پائی ہے اور باقی لوگوں نے ان علوم کو نہیں پڑھا، بلکہ طالب علم بحیثیت طالب علم سب کے سب ان علوم کو پڑھتے تھے۔

آگے علامہ گیلانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اسی زمانہ میں، جس وقت اس ملک میں مذکورہ بالا نصاب نافذ تھا، ہم دیکھتے ہیں کہ عوام ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے سلاطین و ملوک کے متعلق کتابوں میں لکھا جاتا ہے۔ مثلاً محمد تغلق ہی کے متعلق آپ کو عام تاریخوں میں یہ فقرہ ملے گا:

دراکثر علوم خصوص تاریخ و معقولات و نظم و انشاء و غیرہم مہارت تام داشت۔"

جواب: معقولات کی طلبا اور عوام میں مقبولیت کی اس سے بڑی سند اور کیا ہوگی؟ جب سلاطین جو امور سلطنت سے ایک لمحہ کے لیے فراغت نہیں پا سکتے تھے، ان علوم کے دل دادہ تھے تو ایک طالب علم جس نے اپنے آپ کو علم کے لیے وقف کیا ہوا تھا، وہ کیسے ان علوم کی تحصیل میں پیچھے رہ سکتا تھا؟ ویسے بھی عربی کہاوت ہے "الناسُ علی دین ملوکھم"

اس سے آگے صفحہ: ۱۵۷ میں فرماتے ہیں:

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ محمد تغلق کے متعلق جب کہا جاتا ہے کہ معقولات میں مہارت تامہ رکھتا تھا تو اس مہارت کا کیا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ اس نے عام مروجہ نصاب کے مطابق صرف قطبی اور صحائف تک علوم عقلیہ کی تعلیم ختم کر دی تھی، اور باوجود اس کے بھی اس کا شمار فنون عقلیہ کے ماہرین میں تھا یہ خیال درست ہو سکتا ہے کہ درسا تو اس کی تعلیم عقلی علوم کی ان ہی کتابوں تک محدود تھی، آئندہ اس نے صرف مطالعہ کے زور سے اپنی قابلیت بڑھائی تھی۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ قطبی صرف منطق کی ایک کتاب ہے، فلسفہ کے کسی مسئلہ سے اس کتاب کو دور کا بھی تعلق نہیں۔

رہی صحائف وہ تو عقائد کی ایک مختصر کتاب تھی۔ بھلا اس کے پڑھنے والے کی نظر الٰہیات، طبعیات و ریاضیات وغیرہ کے فلسفیانہ ابواب تک کیسے پہنچ سکتی ہے۔ اور بغیر ان کتابوں کو پڑھ کر بذات خود کوئی شفاء، اشارات، مجسطی وغیرہ کا مطالعہ کر سکتا ہے اور ہم محمد تغلق ہی کو دیکھتے ہیں کہ وہ زیادہ شائق انہی کتابوں کا تھا۔ البدر الطالع شوکانی کے حوالے سے صاحب نزہہ نے محمد تغلق کا یہ واقعہ نقل کیا ہے:

اھدی الیہ رجل أعجمي الشفاء لابن سینا بخط یاقوت في مجلد واحد فاجازہ بمال عظیم یقال إنہ قدرہ مائتا ألف مثقال أو أکثر. (ص: ۱۳۰)

ترجمہ: ایک ایرانی شخص نے محمد تغلق کے دربار میں ابن سینا کے شفا کا نسخہ پیش کیا جو

یاقوت کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، اور ایک جلد میں تھا۔ تغلق اس سے اتنا خوش ہوا کہ پیش کرنے والے کو اس نے بڑا انعام دیا، جس کا اندازہ کیا گیا تو دو لاکھ مثقال یا اس سے زیادہ ہوگا۔

اس کی تصریح شوکانی نے نہیں کی ہے کہ مثقال سے کیا مراد ہے، چاندی کی یہ مقدار تھی یا سونے کی؟ صبح الاعشی میں بھی قلقشندی نے ابن الحکیم الطیاری کے حوالہ سے تغلق ہی کا یہ قصہ نقل کیا ہے:

"إن شخصاً قدم له كتباً بحثى له حثية من جوهر كان بين يديه قيمتها عشرون ألفا مثقال من الذهب"

ترجمہ: ایک آدمی نے محمد تغلق کے سامنے چند کتابیں پیش کیں تو بادشاہ نے جواہرات جو اس کے سامنے رکھے ہوئے تھے دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر اس کے حوالہ کیے۔ ان جواہرات کی قیمت سونے کے سکہ کے لحاظ سے بیس ہزار مثقال تھی۔

قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں بھی معقولات ہی کی تھیں"۔ (انتہی کلام الگیلانی)

جواب: ان پیراگراف میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ محمد تغلق نے صرف قطبی اور شرح صحائف تک کتب پڑھی ہوں اور باقی کتب کو بذریعہ مطالعہ کے حل کیا ہو؛ کیوں کہ بزور مطالعہ قطبی کا پڑھنے والا علم حکمت کے مسائل کو نہیں سمجھ سکتا بلکہ قطبی اور علم حکمت میں سے ہر ایک کو استاذ سے پڑھنا ضروری ہے۔ پس مصنف کا یہ قول اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس زمانے میں حکمت، منطق و کلام سب علوم نصاب میں داخل تھے۔ نیز اس زمانے میں جن علوم کا رواج تھا، اس کو بادشاہ وقت بھی پڑھنے کا نہ صرف طلب گار بلکہ ان علوم کے ساتھ محبت اور قدر دانی کا یہ عالم تھا کہ ابن سینا کی کتاب 'الشفاء' کے ہدیہ کرنے والے کو بیس ہزار سونے کے سکے دے دیے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ محمد تغلق کے بارے میں جو کہا جاتا ہے کہ ان کی محبت کا

تعلق صرف معقولات کے ساتھ تھا، درست نہیں! کیوں کہ ان کی یہ محبت سب علوم کے ساتھ تھی۔ چناں چہ علامہ گیلانیؒ اپنی کتاب "نظام تعلیم وتربیت" کے صفحہ ۱۲۷ میں لکھتے ہیں:

"مولانا محمد عبدالعزیز اردبیلیؒ نے محمد تغلق کو ایک دن ایک حدیث سنائی جو بادشاہ کو بے حد پسند آئی۔ بہت خوش ہوا۔ اتنا خوش ہوا کہ جوش مسرت میں اس نے مولانا عبدالعزیز اردبیلیؒ کے قدم چوم لیے اور حکم دیا کہ سونے کے سینی میں دو ہزار تنکے لائے جائیں۔ خود بادشاہ نے اٹھ کر مولانا پر ان تنکوں کو نچھاور کیا اور کہا کہ سینی کے ساتھ یہ تنکے بھی آپ کے ہیں"۔ انتہی

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد تغلق کی محبت تمام علوم کے ساتھ تھی حتی کہ ایک حدیث کے سنانے پر ایک عالم کو سونے کی سینی معہ دو ہزار تنکوں کے مرحمت فرماتے ہیں۔ پس اس سے علامہ گیلانیؒ کے قول (ہم محمد تغلق کو دیکھتے ہیں کہ وہ زیادہ شائق معقولات کی کتابوں کا تھا) کا بطلان بالکل واضح ہے۔

"یہ تو بیچ میں ایک بات آگئی آگے علامہ گیلانیؒ صفحہ ۱۵۸ پر فرماتے ہیں:
بہر حال محمد تغلق کے اس اعلیٰ فلسفیانہ مذاق کو دیکھتے ہوئے یہ باور کرنا مشکل ہے کہ کسی استاد سے پڑھے بغیر اتنی بصیرت ان علوم میں اس نے پیدا کر لی تھی۔ آخر فلسفہ تاریخ نہیں ہے، جس میں مزاولت اور کثرت مطالعہ سے آدمی چاہتا ہے تو تبحر پیدا کر سکتا ہے۔ پھر جب تاریخ ہمیں بتلاتی بھی ہے کہ مولانا عضد الدین ایجیؒ جن کے متعلق نزهة الخواطر میں ہے:

أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة، قرأ عليه شاه محمد تغلق، أعطاه أربعة مأة آلاف تنكة يوم ولي الملك.

ترجمہ: منطق وفلسفہ کے سربرآوردہ علما میں سے ایک ہیں (اور یہی مولانا عضد الدین، تغلق کے استاد تھے جیسا کہ اسی کتاب میں ہے کہ) محمد تغلق شاہ نے انھی مولانا

عضد الدین سے تعلیم پائی تھی (ان کی تعلیم سے محمد تغلق کس حد تک متاثر تھا، اس کا اندازہ آپ کو اس واقعہ سے ہوسکتا ہے جو اس کتاب میں ہے کہ) چار لاکھ ٹنکے اس نے مولانا کو اس دن عطا کیے، جس دن وہ ملک کا والی ہوا (یعنی تخت نشین ہوا)

میرا خیال ہے کہ تغلق نے ان ہی مولانا عضد الدین رحمۃ اللہ علیہ سے فلسفہ اور معقولات کی کتابیں پڑھی تھیں"۔

علامہ گیلانیؒ کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ محمد تغلق رحمۃ اللہ علیہ نے معقولات کی کتابیں باقاعدہ درساً اساتذہ سے جن میں ایک مولانا عضد الدینؒ بھی ہیں، پڑھی تھیں۔ تاریخ کی کتابوں کی طرح ان کو محض مطالعہ کے زور سے حل نہیں کیا تھا۔

علامہ مناظر احسن گیلانیؒ مزید آگے فرماتے ہیں:

"اب ظاہر ہے کہ جس زمانہ میں بادشاہ کا رجحان ان علوم کی طرف ہو، ناممکن ہے کہ ملک کے باشندوں پر اس کا اثر نہ پڑے۔ بھلا جس زمانہ میں منطق و فلسفہ کے اساتذہ کو چار چار لاکھ روپیہ وقت واحد میں بطور انعام بخشا جاتا ہو، فلسفہ کی ایک ایک کتاب کے معاوضہ میں پیش کرنے والے کو دو دو لاکھ مثقال مل رہے ہوں، اس زمانہ میں لوگوں کا جتنا رجحان بھی ان علوم کی طرف زیادہ ہوگیا ہو، محل تعجب نہیں ہوسکتا۔ خصوصاً ایسے زمانہ میں جب "الناس علی دین ملوکہم" کے عام کلیہ کا مبالک پر زیادہ اثر ہو"۔

علامہ گیلانیؒ اقرار کرتے ہیں کہ عام رجحان یہ تھا کہ معقولات کا پڑھنا ضروری سمجھا جاتا تھا، خاص طور پر جب بادشاہان وقت کا ان سے محظوظ ہونے کا یہ حال ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ جب ایک فن نصاب میں داخل ہو تو ضرور خواص و عوام اس کی طرف مائل ہوں گے۔

آگے علامہ گیلانیؒ مزید عام رواج کا ذکر کرتے ہیں:

غالباً یہی وجہ ہے کہ محمد تغلق کے عہد میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے علما جو منطق و فلسفہ، ریاضی، ہیئت، ہندسہ میں کافی مہارت رکھتے ہیں دلی میں ان کی معتول تعداد پائی جاتی ہے۔

وہی مولانا معین الدین عمرانی ہیں جو شیراز قاضی عضد کو لانے کے لیے بھیجے گئے تھے،

علاوہ علوم دینیہ کے لکھا ہے:

"کان ذالوة في النظر ممارسة جيدة في المنطق والكلام"۔

یعنی ان کی نظری قوت بڑی دقیق تھی۔ منطق اور کلام میں زبردست مہارت رکھتے تھے۔

محمد تغلق ہی کے درباریوں میں ایک مولانا علم الدین بھی تھے۔ البرنی نے اپنی تاریخ

فیروز شاہی میں ان کی خصوصیت ہی یہ بیان کی ہے کہ معقولات کے تمام فنون میں یگانہ

روزگار تھے۔ صاحب نزہۃ نے بھی لکھا ہے:

أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية، كان يدرس و يفيد بدهلي۔

ترجمہ: علوم حکمیہ (فلسفیانہ علوم) میں ان کا شمار سربرآوردہ لوگوں میں تھا۔ یہ دلی میں

درس دیتے تھے اور لوگوں کو علمی فوائد پہنچاتے تھے۔ آگے یہ بھی لکھا ہے:

جعله محمد شاه تغلق نديما له، و كان يقربه، و يذاكره في العلوم۔

ترجمہ: محمد شاہ تغلق نے ان کو اپنا مصاحب بنالیا تھا۔ بادشاہ کے مقربین میں تھے۔ محمد

شاہ ان سے علمی مسائل میں بحث ومباحثہ کرتا تھا۔

اور کچھ ایک محمد تغلق ہی کی خصوصیت نہیں ہے۔ تغلق سے پہلے اور تغلق کے بعد جن جن

خاندانوں کے سلاطین دلی میں یا دوسری صوبہ داری حکومتوں میں تھے، تقریباً ہر ایک کے

زمانہ میں ان علوم کے ماہرین کا ایک گروہ پایا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت ان

کو اسی لیے وظائف، جاگیر وغیرہ دے کر ٹھہرا دیتی تھی کہ ملک میں نصابی علوم کی تعلیم کے

بعد کسی خاص فن کا اگر کسی کو ذوق ہو تو اپنی اس علمی پیاس کو ان لوگوں سے بجھا سکتا ہے۔

فیروز تغلق کے زمانہ میں مولانا عبدالعزیز دہلوی ایک مشہور عالم تھے جن کی خصوصیت یہ

بیان کی جاتی ہے:

أحد العلماء المبرزين في العلوم الحكمية۔

یعنی فلسفیانہ علوم میں اپنے وقت کے سربرآوردہ لوگوں میں تھے۔

صاحب نزھۃ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابن ہی مولانا عبدالعزیز نے سنسکرت کی ایک کتاب جس کا نام باراہی سنگھتا لاجکل بہت بن مارادہ مہرتایا ہے اس کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا ہے۔ لکھا ہے:

ترجم منها أحكام الكسوف و الخسوف و كائنات الجو و علامات المطر و علم القيافة و الفال وغيرها.

ترجمہ: اسی کتاب سے مولانا عبدالعزیز نے چاند گرہن، سورج گرہن اور فضائی حوادث (ابر وباد وغیرہ) بارش کی علامتیں، علم قیافہ اور فال وغیرہ کا ترجمہ کیا۔

نزھۃ سے ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اس فارسی کتاب کا ایک نسخہ عالی جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی مدظلہ العالی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

فیروز شاہ ہی کے عہد میں مولانا جلال الدین کرمانی رحمہ اللہ ایک عالم تھے، لکھا ہے:

كان عالماً بارعاً في المعقول و المنقول.

عقلی اور نقلی علوم میں ماہر تھے۔ (انتہی کلام الگیلانی)

تبصرہ: حقیقت یہ ہے کہ اس دور سے پہلے اور اس کے بعد تا آخر معقولات کے پڑھنے اور پڑھانے کا رواج تھا۔ یہ علوم شروع تا آخر تک مروجہ نصاب کا حصہ رہے۔ ان کا داخل در نصاب ہونا نہ کسی حکمران کی مرہون منت تھا اور نہ کسی خاص دور کا اثر تھا۔

علامہ مناظر احسن گیلانی آگے ص: ۱۹۰ پر فرماتے ہیں:

میں صرف چند نظائر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ استیعاب مقصود نہیں ہے۔ بتانا صرف یہ ہے کہ جس زمانہ میں ہندوستان کا عام تعلیمی نصاب معقولات میں صرف قطبی اور شرح صحائف تک محدود تھا، ان ہی دنوں میں عقلی علوم کے ان ماہرین کی ایک بڑی جماعت اس ملک میں درس وتدریس میں مصروف تھی۔ جن لوگوں کو ان علوم کا شوق ہوتا تھا، وہ

بطور اختیاری مضامین کے عام نصاب کی تکمیل کے بعد ان علوم کو پڑھا کرتے تھے۔

جواب: اس پیراگراف میں پہلے تو علامہ گیلانی یہ فرما رہے ہیں کہ ہندوستان میں معقولات کا عام تعلیمی نصاب قطبی اور شرح صحائف تک محدود تھا۔ ساتھ میں اس کا بھی اقرار کر رہے ہیں کہ اسی دور میں معقولات کے ماہرین کی ایک بڑی جماعت درس و تدریس میں مصروف تھی۔

اگر ان دونوں باتوں کو اکٹھا کیا جائے تو پہلا قول ظاہراً ایک مفروضہ سا لگتا ہے! کیوں کہ عقلی علوم کے ماہرین کی ایک بڑی جماعت کا پایا جانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ علوم، مروجہ نصاب کا حصہ تھے۔ عقلی علوم کا نصاب کا حصہ نہ ہونے کی صورت میں نہ تو ان علوم کے ماہرین کی بڑی جماعت تیار ہو سکتی ہے اور نہ ہی عام طلبہ میں ان کے سیکھنے کا شوق پیدا ہو سکتا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ علامہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم علمی شخصیت کیسے اس بات پر ڈٹی ہوئی ہے کہ نصاب میں عقلی علوم کا حصہ صرف قطبی اور شرح صحائف تک محدود تھا۔ کیا یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ معقولات کا عام نصاب تو محدود ہو لیکن خارجی طور پر ماہرین فن کی درس و تدریس کی محفلیں آباد ہوں؟

حقیقت یہ ہے کہ معقولات کی طرح عقلی علوم بھی نصاب کا حصہ تھے۔ طلبہ ان علوم کو بوجہ شامل نصاب ہونے کے پڑھ رہے تھے۔ بعض علما ان میں مہارت کی اس حد تک پہنچے کہ اس میں کتابیں تالیف کیں اور اسی میں شہرت پائی۔ بعض دیگر علما نے بھی ان علوم کو پڑھا مگر انہوں نے کسی دوسرے فن میں شہرت حاصل کی۔ یہ بالکل ایسی بات ہے کہ حدیث کی کتابیں تو سب طلبہ پڑھتے ہیں مگر فارغ ہونے کے بعد سب اس فن میں ماہر نہیں ہوتے اور نہ ہی شیخ الحدیث کہلاتے ہیں بلکہ ماہرین فن بعض ہوتے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح ان علوم کے پڑھنے والے سب طلبہ تھے مگر مہارت ہر کسی کو حاصل نہ ہوئی۔

"ہندوستان میں معقولات کے داخل در نصاب ہونے کے متعلق مزید فرماتے

ہیں:

لوگوں کو معلوم نہیں ہے ورنہ جب کتابوں میں یہ لکھا ہوا تھا کہ منطق وفلسفہ کے مشہور امام علامہ قطب الدین رازی تحتانی کے براہ راست شاگرد بھی ہندوستان پہنچ کر فنون عقلیہ کی تعلیم دے رہے تھے، تو اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں ان علوم کے متعلق کون کون سی کتابیں پڑھائی جاتی ہوں گی؟ میرا مطلب یہ ہے کہ فیروز تغلق نے علاء الدین خلجی کے بنائے ہوئے تالاب کے بند پر جو ایک خوبصورت عمارت تیار کی تھی، جس کے متعلق برنی کے حوالے سے صاحب نزھۃ نے نقل کیا ہے:

"كان بنائها طويل العماد متسع الساحة كثير القباب و الصحون لم يعمر مثلها قبلها و لا بعدها".

ترجمہ: اس کی عمارت لمبے لمبے اونچے اونچے ستونوں پر قائم تھی اور ایک وسیع میدان میں تھی۔ عمارت پر بکثرت قبے بنے ہوئے تھے۔ نیز بکثرت درمیان درمیان میں صحن تھے۔ ایسی عمارت مدرسہ کی نہ اس سے پہلے بنی نہ بعد میں۔

البرنی نے تو یہاں تک اس عمارت کے متعلق مبالغہ کیا ہے:

"إنها من عجائب الدنيا في ضخامتها و سعة ممرها و طيب مائها و هوائها ما ابتغى من دخلها عنها حولا".

اپنی جسامت اور عظمت نیز وسیع گزرگاہوں، پاکیزہ آب وہوا کے لحاظ سے اس کا شمار دنیا کے عجائبات میں ہونا چاہیے۔ جو اس میں داخل ہوجاتا ہے پھر اس سے نکلنا نہیں چاہتا۔

عمارت جب تیار ہوگئی تو اس دانش پژوہ، معارف پرور بادشاہ نے اس کا مصرف یہ کیا کہ علامہ قطب الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید مولانا جلال الدین دوانی جب ہندوستان تشریف لائے تو آپ کو اسی عمارت میں ٹھہرایا گیا، اور مولانا نے اس عمارت کو اپنا مدرسہ بنالیا۔ نزھۃ الخواطر میں ان ہی مولانا جلال الدینؒ کے متعلق یہ الفاظ ہیں:

"احد العلماء المشهورين بالدرس و الإفادة، قرأ العلم على الشيخ قطب الدين الرازی ؒ شارح الشمسية و قدم الهند".

درس وافادہ میں جو علما مشہور ہیں ان میں یہ ایک سربرآوردہ عالم آپ کی ذات بھی ہے۔ آپ نے شمسیہ کے شارح شیخ قطب الدین رازیؒ سے علم حاصل کیا اور ہندوستان تشریف لائے۔

آگے اسی بالائے بند کی عبارت میں مولانا کے درس وتدریس کا قصہ بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خاص فن (معقولات) کے سوا مولانا اس مدرسہ میں حدیث و تفسیر کا بھی درس دیتے تھے۔ لکھا ہے:

"كان يدرس الفقه و الحديث و التفسير و غيرها من العلوم النافعة".

ترجمہ: وہ فقہ، حدیث وتفسیر اور دوسرے نفع بخش علوم کی وہاں تعلیم دیتے تھے۔

صاحب نزہۃ نے اس کے بعد اس کی بھی تصریح کی ہے وانتفع به ناس كثير و اخذوا عنه. یعنی ان سے لوگوں کو بہت نفع پہنچا اور بکثرت لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا"۔ (انتہی)

تبصرہ: حاصل یہ ہے کہ شاہان ہندوستان میں فیروز تغلقؒ نے ایک نہایت حسین وجمیل عمارت کا مستحق بھی عقلی علوم کے حامل علامہ جلال الدین دوانیؒ کو سمجھا اور اس میں ان کو ٹھہرایا۔ مولانا نے اس کو اپنا مدرسہ بنالیا اور بکثرت ان سے لوگوں نے نفع حاصل کیا۔ پس ان حقائق کے ہوتے ہوئے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ علامہ گیلانیؒ فرماتے کہ ہندوستان میں ایسے بڑے مناطقہ کے شرف ورود نے ہندوستانی نصاب کو ایسا کامل بنادیا کہ وہ منقولات کے ساتھ ساتھ معقولات پر بھی مشتمل تھا، مگر حضرت نصاب کو باستثناء دو کتابوں کے معقولات کی کتابوں سے خالی قرار دے رہے ہیں اور معقولات میں ماہرین کا وجود بعض لوگوں کے شوق کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں۔ فيا للعجب!

مزید لکھتے ہیں:

"اور صرف قطب الدین رازی ہی نہیں بلکہ اہل تاریخ خصوصاً دکن کی تاریخ کے جاننے والوں پر مخفی نہیں کہ بہمنی حکومت کا مشہور علم دوست اور خود عالم متبحر حکیم بادشاہ سلطان فیروز شاہ بہمنی نے مولانا فضل اللہ انجو سے تعلیم حاصل کی تھی۔ مولانا غلام علی آزاد نے مولانا انجو کے متعلق لکھا ہے:

"فضل اللّٰہ اینجو شاگرد رشید علامہ تفتازانی بود".

یعنی فضل اللہ انجو، علامہ تفتازانیؒ کے شاگرد رشید ہیں۔

صرف یہی نہیں بلکہ علامہ تفتازانیؒ کے معاصر وہم چشم علامہ سید شریف جرجانیؒ کے براہ راست پوتے میر مرتضیٰ شریفی نے بھی ہندوستان کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا۔ ملا عبدالقادر نے ان کے متعلق لکھا ہے:

نبیرہ میر سید شریف جرجانی ست قدس سرہ در علوم ریاضی و اقسام حکمۃ و منطق و کلام فائق بر جمیع علمائے ایام بود.

ترجمہ: یہ (میر مرتضیٰ) میر سید شریف جرجانیؒ کے پوتے ہیں۔ ریاضی اور فلسفہ کے تمام شعبے، منطق اور کلام میں اپنے عہد کے تمام علماء پر ان کو برتری حاصل تھی۔

اور یہ چیزیں تو خیر ان کے گھر کی لونڈیاں تھیں۔ بڑا امتیاز ان کا یہ تھا کہ در مکہ معظمہ رفتہ علم حدیث در ملازمت شیخ ابن حجر اخذ کردہ اجازت تدریس یافت.

ترجمہ: مکہ معظمہ جا کر علم حدیث انہوں نے شیخ ابن حجرؒ سے حاصل کیا اور اس کے پڑھانے کی اجازت حاصل کی۔

یعنی وہی علم جس کے متعلق باور کرایا گیا ہے کہ اس میں ہندوستان کی بضاعت مزجاۃ ہے، حرم کے مسند الوقت سے اس کی تعلیم اور سند حاصل کر کے میر صاحب نے ہندوستان میں اپنے فیض کا دریا جاری کیا تھا۔ بزاؤنی نے لکھا ہے:

که از مکہ معظمہ میر صاحب بدکن آمدہ و از دکن بہ آگرہ آمدہ بر اکثرے از

علماء سابق و لاحق تقدیم یافت و بدرس علوم و حکم اشتغال داشت تا در

سنہ اربع وسبعین وتسعماۃ ۹۷۴ھ بردلعہ رضوان خرامید صفحہ ۳۲۱۔

ترجمہ: پہلے دکن تشریف لائے اور دکن سے آگرہ (اکبر بادشاہ کے زمانہ میں) آئے،

یہاں پانچ کران کو اگلے پچھلے علما سب پر تقدم حاصل ہوا۔ میر صاحب کا شغل علوم اور

حکمت کا پڑھنا پڑھانا تھا"۔ (انتھی کلام الگیلانی)

<u>تبصرہ:</u> اس میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ فیروز شاہ بھی علم دوست

بادشاہ تھا اور اس نے مولانا فضل اللہ انجو کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا۔ نیز اس بات کا

بھی اقرار ہے کہ سید شریف جرجانیؒ کے پوتے سید مرتضی شریفؒ بھی ہندوستان میں علوم

عقلیہ کی نشر واشاعت میں مصروف تھے۔ سوچنے کی بات ہے کہ یہ سارے امور ہندوستان

میں علوم عقلیہ کے داخل درنصاب ہونے کی علامتیں ہیں یا نصاب سے خارج ہونے کی؟

اس سے آگے فرماتے ہیں:

"اب جو قطب رازی یا تفتازانی و جرجانی کے علمی بلند پائگی سے ناواقف ہیں، ان کو اندازہ ہو یا نہ ہو لیکن اہل علم کا جو گروہ ان بزرگوں کے کمالات وفضائل سے واقف ہے، خصوصاً عقلی علوم میں جو مقام ان لوگوں کا تھا، وہ کیا ایک لحہ کے لیے یہ مان سکتا ہے کہ ہندوستان عقلی علوم وفنون جن کا اس زمانہ میں رواج تھا، ان سے بیگانہ رہ سکتا تھا۔ افسوس ہے کہ کوئی مفصل فہرست مجھے ان کتابوں کی نہ مل سکی جو ہندوستان میں منطق وفلسفہ، کلام، ریاضی، ہندسہ وہیئت وغیرہ کی پڑھائی جاتی تھیں۔ یوں بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب ان بزرگوں کے یعنی رازی وتفتازانی کے براہ راست تلامذہ اور میر سید شریف کے سگے پوتے اس ملک میں اپنے حلقہائے درس قائم کیے ہوئے تھے، تو متداول کتابوں میں کون سی کتاب ہوگی جو نہ پڑھائی جاتی ہوگی۔ آج بھی جن کتابوں پر ہمارے یہاں

کے علوم عقلیہ کی انتہا ہوتی ہے، مثلاً شرح مطالع منطق میں، محاکمات فلسفہ میں، شرح مواقف، شرح مقاصد کلام میں، جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ ساری کتابیں ان ہی بزرگوں کے رشحات قلم کے نتائج ہیں"۔ (نظام تعلیم وتربیت ص: ۱۵۳ تا ۱۶۴)

تبصرہ: اس میں تو اس بات کا صاف اقرار ہے کہ ایسے بڑے لوگوں کے ہندوستان میں رونق افروز ہونے سے ہندوستانی نصاب تعلیم کا علوم عقلیہ سے خالی ہونا مشکل

اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے تو اس وعدے کی تکمیل کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کے دلوں میں ایک مخصوص شوق پیدا فرمایا اور قرآن مجید کی حفاظت کے جتنے ممکن راستے تھے، ان کے دلوں میں القا کر دیے۔

مثلاً قرآن کریم عربی زبان میں ہے تو اس زبان کی حفاظت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے مختلف لوگوں کے دلوں میں کتب لغت کی تصنیف کا شوق ڈالا۔ پس لسان العرب، صحاح، قاموس، اس کی شرح تاج العروس اور مصباح المنیر جیسی بلند پایہ کتب وجود میں آئیں، جس سے عربی الفاظ کے معانی محفوظ ہو گئے۔

اسی طرح علمائے کرام کے ایک طبقے کو علم صرف کی استعداد سے نوازا اور انہیں اسی فن میں تصنیف کی توفیق عطا فرمائی۔ پس میزان الصرف، زرادی، زنجانی، دستور المبتدی، پنج گنج، صرف میر، مراح الارواح، علم الصیغہ، فصول اکبری، شافیہ، جاربردی اور رضی شرح شافیہ جیسی کتابوں کا وجود ممکن ہوا۔ ان کتب کی برکت سے غیر عرب کے لیے عربی صیغوں کی پہچان آسان ہو گئی۔

اسی طرح حضرت علیؓ اور ان کے شاگرد ابوالاسود دوئلی پر علم نحو کی ضرورت منکشف کی۔ ان حضرات نے مبارک ابتدا کرتے ہوئے اس فن کے ابتدائی اصول وضع کیے۔ علامہ سیبویہ کی الکتاب اور علامہ زمخشری کی المفصل وغیرہ سے باقاعدہ تصانیف کا آغاز ہونے لگا

اور پھر کافیہ، ہدایۃ النحو، شرح ملا جامی، نحو میر اور ان کتب کے متعدد شروح وحواشی نے علمائے نحو کی محفلوں کی رونق اور بڑھا دی۔

اسی طرح قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کی فصاحت و بلاغت کے رموز واسرار تک پہنچنے کے لیے علم معانی، بیان اور بدیع کی ضرورت علما کے دلوں میں ڈالی، جس سے اسرار البلاغۃ، دلائل الاعجاز، مفتاح العلوم، تلخیص المفتاح اور ان کے شروحات مثلاً مطول اور مختصر المعانی، نیز مختصر المعانی کے حواشی میں حاشیہ دسوقی اور حاشیہ تجرید، نیز مطول پر سید جرجانی کے بہترین حواشی وغیرہ وغیرہ کتب نے وجود پایا۔

چوں کہ علم کلام سے ان عقائد کی حفاظت ہوتی ہے، جن کا اعتقاد رکھنا بندوں کے لیے ضروری ہے۔ پس متکلمین اسلام کے دلوں میں اس علم کی حفاظت کا داعیہ پیدا کیا گیا اور ان کو اس فن میں کتابیں تصنیف کرنے کی توفیق سے نوازا گیا۔ شرح مواقف، شرح مقاصد، شرح عقائد نسفی، شرح عقائد جلالی اور خیالی وغیرہ کتب اسی توفیق کی مرہون منت ہیں۔

دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے چوں کہ دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا دلیل کی پہچان کے لیے ایک مخصوص علم کی ضرورت تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے علم منطق کی معرفت اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالی؛ تا کہ اس علم کے ذریعے دعویٰ کو دلیل کے ذریعے قابل تسلیم بنانے کی اہلیت پیدا ہوا۔ لہٰذا علمائے منطق کو صغریٰ و کبریٰ، ایساغوجی، مرقات، تہذیب المنطق، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، سلم العلوم، قاضی، حمد اللہ، ملا حسن، زواہد ثلاثہ جیسی عمدہ کتب کی تصنیف کی توفیق سے نوازا گیا۔

علم حکمت کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تا کہ بندگان خدا میں عالم سفلی سے عالم علوی تک کے رموز واسرار تک پہنچنے کی صلاحیت پیدا ہو اور بالآخر یہی علم معرفت خداوندی کا ذریعہ بنے

ہر گیاہے کہ از زمین روید — وحدہ لاشریک می گوید
برگ درختان سبز در نظر ہوشیار — ہر ورقے دفتر است معرفت کردگار

پس اس علم کے حاملین کے سینوں کو ہدایۃ الحکمت سے لے کر میبذی، صدرا، شرح اشارات کی تصنیف کے لیے کھول دیا۔

اسی طرح قرآن وحدیث سے مسائل نکالنے کی استعداد علماء وفقہاء میں پیدا فرمائی۔ اس کی برکت سے نور الایضاح، مختصر القدوری، کنز الدقائق، شرح وقایہ، شرح نقایہ، ہدایہ اور اس کے حواشی، بدائع الصنائع، درمختار اور ردالمحتار جیسا عظیم علمی سرمایہ معرض وجود میں آیا۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن کریم کی سب سے پہلی تشریح اسی ہستی کے فرمان سے ہو سکتی تھی، جن پر قرآن کریم نازل ہوا۔ ان کے گفت کو گفت خداوندی اور ان کے قول و فعل کو امت کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا گیا۔ پس ایسے عالی المرتبت پیغمبر کے قول وفعل کی حفاظت اور تمام عالم میں اس کی نشر واشاعت کے لیے صحیح بخاری سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک کی کتب کو وجود ملا۔

قرآن کریم کی بالذات حفاظت کے لیے علم تفسیر کی استعداد سے بندگان خدا کو نوازا گیا۔ پس تفسیر بالروایۃ میں تفسیر طبری اور تفسیر ابن کثیر، معرفۃ الاحکام میں تفسیر قرطبی اور تفسیر مظہری وغیرہ، قرآن کے سور، رکوع اور آیات کے آپس میں ارتباط کے انکشاف کے لیے نظم الدرر اور حمید الرحمٰن، قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت کے رموز واسرار کے اظہار کے لیے تفسیر کشاف اور اس پر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی، نیز قرآن کریم کے سربستہ رازوں کو کھولنے کے لیے علم کے بے تاج بادشاہ علامہ فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر جیسی عظیم الشان کتب وجود میں آئیں۔

الغرض ہر علم اور فن کے وجود میں آنے کے اپنے مخصوص اہداف ومقاصد تھے، جن کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے عبقری شخصیات اور مناسب رجال کار پیدا فرمائے۔ پھر ان کے دلوں میں اس فن کی ضرورت اور اہمیت کا احساس پیدا کر کے ان کو اس علم کی مناسب استعداد عطا فرمائی اور ان کو اس فن کے معرض وجود میں آنے کا سبب بنایا۔

ایک زمانہ تک مدارس و مکاتب میں کوئی خاص نصاب تعلیم مقرر نہیں تھا بلکہ ہر زمانے میں علمائے کرام اپنے فہم کے مطابق ہر فن سے کتابیں منتخب کر کے پڑھاتے رہتے تھے۔ ایک وقت آیا کہ نصاب کے بارے میں اس انتشار کو رفع کرنے کے لیے بارہویں صدی میں عالم کبیر، استاد اساتذۃ الہند علامہ نظام الدین سہالوی ابن قطب الدین السہالوی الشہید المتوفی ۲۲ جمادی الاول ۱۱۶۱ھ نے اپنے زمانے کے علمائے کرام کے مشورے اور اتفاق سے ایک نصاب بنام درس نظامی مرتب کیا اور ان کی قیادت میں ایک منقحہ اور مفید جامع نصاب وجود میں آیا، جس سے تشتت اور افتراق کا شکار تعلیمی نظام کا خاتمہ ہوگیا۔

اب جب کہ یہ مقصد روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ہر علم کے اپنے اپنے مقاصد اور اہداف ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی واضح ہے کہ ہر فن میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے کچھ آسان ہیں اور کچھ مشکل، کسی میں اجمال ہے تو کسی میں تفصیل، بعض ان میں تمام مسائل فن کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور بعض ایسے نہیں ہیں۔ پس علمائے کرام نے علم کے مختلف درجات بنائے اور بڑی سوچ و فکر سے جس کتاب کو جس درجہ کے لیے مناسب سمجھا، اس کو اسی درجہ کے لیے منتخب کر دیا۔

مثلاً درجہ ثانویہ عامہ کے لیے صرف میں علم الصیغہ، فقہ میں مختصر القدوری، منطق میں مرقات اور نحو میں ہدایۃ النحو وغیرہ ایسی کتابیں جمع کی گئیں جو کہ اگرچہ مختلف الموضوع ہیں مگر سب کتابیں ایک ابتدائی طالب علم کے ذہن کے سمجھنے کی ہیں۔ پس اس درجہ کے لیے صرف میں میزان اور شافیہ مناسب ہیں اور نہ ہی نحو میں نحو میر اور کافیہ۔

اسی طرح جب ضرورت پڑی کہ علم حدیث، دین کے سمجھنے کے لیے قوی اور مفصل ماخذ ہے تو اگرچہ پہلے صحاح ستہ درس نظامی کا حصہ نہیں تھیں لیکن جب حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے انداز تدریس اور فہم حدیث کے اعلیٰ معیار نے اور ان کے بعد شاہ عبد الغنی، رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند، انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام مدنی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا خلیل احمد

سہارن پوری، بقیۃ السلف مولانا زکریا اور یوسف بنوری کے انداز بیان اور عظیم الشان تصنیفات نے صحاح ستہ کی تدریس آسان کردی تو یہ کتب بھی درس نظامی کا حصہ بن گئیں۔

ان بزرگوں کی تصنیفات لامع الدراری، فیض الباری، فتح الملہم، بذل المجہود، معارف السنن وغیرہ نے جہاں ایک طرف صحاح ستہ کو عام فہم کردیا وہاں دوسری طرف امام ابوحنیفہؒ کے فقہ کی اولیٰ بالحدیث ہونے کی بند گرہیں بھی کھول دیں۔ الحاصل ہر علم کی مختلف کتابیں مختلف درجات میں واقعی ایک بڑے مقصد کے لیے نصاب میں داخل کی گئیں۔

اب علامہ مناظر احسن گیلانی صاحبؒ کے فرمان کی طرف آتے ہیں

"واقعہ یہ ہے کہ آخر زمانہ میں ہمارا جو نصاب درس نظامی کے نام سے مشہور ہوا، اس میں حدیث کی ایک کتاب مشکوۃ اور تفسیر میں جلالین، بیضاوی کی صرف ایک سورۃ بقرہ کے بعد شرح وقایہ کی اولین اور ہدایہ کی آخرین یعنی معتادہ فقہ کی ایک ہی کتاب ہوئی، گویا بیضاوی کی ایک سورۃ اگر لحاظ کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ضرورت والے نصاب میں نہیں بلکہ نصاب فضل میں بھی خالص دینیات کی کل تین کتابیں جلالین، مشکوۃ، شرح وقایہ وہدایہ کے سوا کنز وقدوری کے مختصر فقہی متون کے بعد تقریبا چالیس پچاس کتابیں جو پڑھائی جاتی تھیں وہ خاص عقلیات کی کتابیں ہیں، یا ایسی کتابیں ہیں جن کا بظاہر تعلق تو کسی دوسرے فن سے ہے لیکن درحقیقت ان کا طرز بیان اول سے آخر تک وہی معقولات کی کتابوں کا سا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ شرح جامی بہ ظاہر نحو کی کتاب ہے لیکن جاننے والوں سے مخفی نہیں ہے کہ نحوی مباحث کو بھی اس میں عقلیت کا رنگ دیا گیا ہے"۔

تبصرہ: یہ قول کئی وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

(۱) یہ خلاف واقع ہے کیوں کہ دینیات کی محض یہی کتابیں داخل نصاب نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت ساری کتب درس نظامی کا حصہ ہیں۔

(۲) اس قول کے ذریعے بڑے بڑے علمائے کرام کی بہترین اور منظم کاوش کو بڑی آسانی کے ساتھ رد کرنے کی جرات کی گئی۔

(۳) ہر علم کے اپنے اپنے مقاصد ہونے کے باوجود کس طرح یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ سب کتابیں عقلیات کی ہیں۔

(۴) آخر میں شرح جامی کو بالخصوص ہدف تنقید بنایا گیا ہے، حالاں کہ شرح جامی ایک ایسی کتاب کی شرح ہے جس میں محض مسائل فن کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے اور سیبویہ، زمخشری اور ابن حاجب کی تحقیقات نحویہ کا مشترکہ نتیجہ ہے (کیوں کہ کافیہ کا ماخذ علامہ زمخشری کی مفصل ہے اور مفصل کا ماخذ علامہ سیبویہ کی الکتاب ہے) شرح جامی، کافیہ کی شرح ہے اور اس کے مسائل نحویہ کو دلائل سے مدلل کرتی ہے۔ جہاں علامہ ابن حاجبؒ نے مثال پیش نہیں کی، علامہ جامی ؒ وہاں مثال پیش کر کے کافیہ کے مسائل کو آسان کر دیتے ہیں۔ بعض مقامات پر رضی، ہندی، غایۃ التحقیق وغیرہ سے بیان مذاہب یا بعض دوسری تحقیقات میں مدد لے کر مزید سہولت پیدا کر دیتے ہیں۔

اس حقیقت کے ہوتے ہوئے علامہ گیلانیؒ کے قول (کہ نحوی مباحث کو اس میں عقلیت کا رنگ دیا گیا ہے) کا جواب عرض کیا جاتا ہے۔

اگر عقلیت کا رنگ دینے کا مطلب یہ ہے کہ منطقی مسائل کو اس میں شامل کیا گیا ہے تو پورے شرح جامی میں ایک مسئلہ بھی منطقیہ نہیں ہے۔ حد تو یہ ہے کہ کافیہ کی اس عبارت "و قد علم بذلك حد كل واحد منها" میں لفظ حد استعمال کیا گیا ہے، جس کے متعلق علامہ جامی ؒ فرماتے ہیں کہ یہاں حد سے جامع مانع تعریف مراد ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ شرح جامی میں منطقی اصطلاحات کا استعمال تو کیا، خود متن کافیہ میں ایک لفظ حد آیا ہے، جس کے منطقی اصطلاحات میں سے ہونے کا شبہ تھا، علامہ جامیؒ اس کے بارے میں فرمار ہے ہیں کہ یہاں اس کا منطقی معنی یعنی تعریف الشيء بالذاتيات مراد نہیں، بلکہ اس سے مراد جامع مانع تعریف ہے)

اگر علامہ گیلانیؒ کا مطلب یہ ہے کہ اس میں مسائل نحو کو عقلی دلائل سے مدلل کیا گیا

اس معنی سے تو کوئی علم خالی نہیں بلکہ ہر علم کے مسائل کو دلائل عقلیہ سے ثابت کیا گیا
مثلاً علم صرف کے مسائل اعلال، ابدال وغیرہ کے قوانین عقلی دلائل سے ثابت ہیں۔
اگر عقلیت کے رنگ دینے کا مطلب یہ ہے کہ دلائل ذکر کرنے میں صغری و کبری، مقدمہ شرطیہ، مقدمہ استثنائیہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں تو اس جیسے الفاظ پوری شرح جامی میں آپ کو نہیں ملیں گے، اگر چہ واقع میں کوئی بھی دلیل اس سے خالی نہیں ہوتی جیسے کہ اہل فن جانتے ہیں۔

اگر اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس میں عقل کو استعمال کیا گیا ہے تو عقل اللہ تعالیٰ نے دی ہی استعمال کرنے کے لیے ہے۔ اس میں کسی خاص فن کی خصوصیت نہیں ہے۔ سب علوم، عقل کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں؛ کیوں کہ علم نام ہے "حصول صورۃ الشیٔ فی العقل" کا۔ پس خدا جانے کہ حضرتؒ کے قول عقلیت کا رنگ دینے کا مطلب کیا ہے؟ اور وہ رنگ ہے کیا جو دیا گیا ہے؟

جس طرح شرح جامی میں عقلیت کا رنگ دینے کا کوئی صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آتا اسی طرح ان کا یہ کہنا "اور جب نحو کی کتاب کا یہ حال ہے تو پھر اصول فقہ یا کلام کی جو کتابیں ہیں، ان میں منطقیت اور عقلیت کی جس حد تک گنجائش پیدا ہو سکتی تھی، ظاہر ہے"۔ اس میں بھی عقلیت کا رنگ دینے کا وہی مطلب ہو سکتا ہے جس کو ماقبل میں بیان کیا گیا، جس میں ایک بھی صحیح نہیں تھا۔

آگے علم کلام کے متعلق مزید فرماتے ہیں:

"باقی علم کلام کے متعلق تو سب ہی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا وہ ایک فلسفہ ہے۔ اور یہ واقعہ بھی ہے کہ جب عنصریات کائنات الجو تک کے مباحث کلامی کتابوں کے اجزا بنا دیے گئے ہیں تو اس کے فلسفہ ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے"۔

__تبصرہ:__ یہ بات اس لیے صحیح نہیں ہے کہ علم کلام کی جو کتابیں درس نظامی میں

داخل ہیں، ان میں شرح عقائد، اس کا حاشیہ خیالی اور شرح مواقف کا ایک حصہ امور عامہ داخل نصاب ہیں۔ ان کتابوں کے اس حصہ میں عنصریات کائنات الجو کے مباحث کا ذکر نہیں ہے۔ شرح عقائد کو اول سے آخر تک مطالعہ کریں تو آپ کو اس میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں ملے گا۔ ماقبل میں ہم نے شرح عقائد کے متن کا خلاصہ بھی پیش کیا، اس سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ پس جب اس میں فلسفہ کا کوئی مسئلہ موجود نہیں ہے تو اس کے حاشیہ خیالی میں ممکن ہی نہیں کہ یہ مباحث آجائیں؛ کیوں کہ وہ شرح عقائد ہی کے مسائل پر تعلیقات کا نام ہے۔

باقی جہاں تک شرح مواقف کے ایک حصے کا تعلق ہے تو جب اس کا موضوع ہی امور عامہ ہے تو اس میں عنصریات اور کائنات الجو کے مسائل کیسے پائے جائیں گے؟ الغرض مسئلہ درس نظامی کا چل رہا ہے اور درس نظامی میں شامل علم کلام کی کتابوں میں فلسفہ کے مسائل مذکور نہیں ہیں۔ پس بجائے یوں کہنے کے (کہ ان کے فلسفہ ہونے میں کون شبہ کرسکتا ہے) یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ان کے فلسفہ نہ ہونے میں کون شبہ کرسکتا ہے؟

ہاں! فلسفہ کے وہ مسائل جو شریعت سے متصادم ہیں، ان کو توڑنے کے لیے علم کلام معرض وجود میں آیا ہے۔ جیسے جسم کا ہیولی اور صورت سے مرکب ہونا۔ پس علم کلام موافق شریعت یہ ثابت کرتا ہے کہ اجسام نہ تو اجزاء لاتتجزی سے مرکب ہیں، نہ ہی ہیولی اور صورت کی ضرورت ہے اور نہ جسم ان سے مرکب ہے۔ اس بحث کو پہلے ہم نے امام غزالیؒ کی کتاب 'المنقذ من الضلال' سے ثابت بھی کیا ہے۔

مطول اور مختصر المعانی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں

''یہی حال ان کتابوں کا ہے جو عربیت کے نام سے پڑھائی جاتی ہیں یعنی معانی، بیان، بدیع کی دونوں نصابی کتابیں مختصر المعانی اور مطول۔ پڑھنے والوں کو ان کتابوں میں جتنی ذہنی لذت ملتی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ اسی حد تک وہ ان علوم کے مسائل کا حقیقی مذاق بھی اپنے اندر پیدا کرسکتے

ہیں۔ یہ حقیقت ہے جس کا نہایت صفائی کے ساتھ ہمیں اقرار کرنا چاہیے"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تلخیص المفتاح، مختصر المعانی اور مطول کے علاوہ ہمارے پاس کون سی کتاب ہے، جو ان کی متبادل ہو اور علم معانی، بیان و بدیع کی تعلیم میں ان سے زیادہ مفید ہو؟ اگر جواب نفی میں ہے تو کیوں ہم طالبانِ علم کو اس بڑے خیر سے محروم کر رہے ہیں؟

بلکہ علمائے کرام نے ان کتابوں کو بھی درس نظامی میں شامل نہیں کیا، جو ان سے پہلے اس فن میں لکھی گئی تھیں۔ مثلاً اس فن کے شیخین عبدالقاہر جرجانی کی اسرار البلاغۃ و دلائل الاعجاز اور علامہ سکاکی کی مفتاح العلوم کی قسم ثالث، باوجود اس کے کہ ان کتابوں کو کیسے شیوخ فن نے تصنیف کیا۔

چوں کہ اسرار البلاغۃ و دلائل الاعجاز کے علوم و مسائل مع مزید فوائد کے سہل اور مع عبارت کے ساتھ مفتاح العلوم کی قسم ثالث میں آ گئے۔ پھر مفتاح العلوم کے معارف و مسائل مختصر عبارت کے ساتھ تلخیص المفتاح میں منتقل ہو گئے۔ پھر جب ان تینوں کتابوں کے مجموعے یعنی تلخیص المفتاح کو وجود ملا تو اکابر علمائے کرام نے اسے نصاب میں رکھا۔ اس کی اہمیت و افادیت کو اس وقت کو اور چار چاند لگ گئے جب علامہ تفتازانیؒ جیسے یگانہ روزگار شخصیت نے تمام علوم کی روشنی میں پہلے مطول اور پھر مختصر المعانی جیسی شروح سے اس کی توضیح و تشریح کی۔ پس علم معانی، بیان و بدیع ایک بہتر، نئے انداز اور مع عبارت کے ساتھ علمائے کرام کے سامنے پیش ہوا اور پھر یہی دو کتابیں (مطول، مختصر المعانی) درس نظامی کا جزء بن گئیں۔ مطول پر سید شریف جرجانی، عبدالحکیم سیالکوٹی اور حسن چلپی جیسے حواشی سے مزید اس علم کے نکات، اسرار و رموز، معارف و عوارف کھل کر سامنے آ گئے۔ اسی طرح مختصر المعانی علامہ دسوقی، علامہ بنانی اور شیخ الہند مدظلہ کے حواشی سے مزین ہو کر اور بھی کامل ہو گئی۔

برادر محترم مولانا ابن الحسن عباسی صاحب
کے اعتراضات اور ان کا علمی جائزہ

اسی طرح جن کتابوں میں ان علوم پر اعتراضات کیے گئے ہیں، ان میں ایک کتاب بنام "دینی مدارس" مرتبہ مولانا ابن الحسن عباسی صاحب بھی ہے۔ کتاب کے صفحہ ۸۸ پر فرماتے ہیں:

"۲۲ فروری ۱۹۴۷ء کو لکھنو میں عربی مدارس کے نصاب کے بارے میں ایک کمیٹی کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد ؒ نے دینی مدارس کے نصاب کے متعلق ایک فکر انگیز خطبہ ارشاد فرمایا۔ یاد رہے مولانا آزاد خود درس نظامی پڑھے اور پڑھائے ہوئے ہیں۔ نحو صرف کی ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں:

صرف و نحو (گرامر) ایک بنیادی چیز ہے، جس کے بغیر عربی زبان کو ہم نہیں سیکھ سکتے۔ آپ جس چیز کو ڈھونڈنے نکلے ہیں وہ عربی گرامر نہیں ہے بلکہ وہ اسلامی علوم وفنون ہیں، جو صندوق میں بند ہیں اور ان پر قفل چڑھا ہوا ہے۔ آپ کو کنجی کی تلاش ہے اور صرف و نحو وہ کنجی ہے جس سے اس صندوق کا قفل کھل سکتا ہے..... لیکن صرف و نحو کی تعلیم جو ہمارے مدارس میں دی جارہی ہے، وہ صحیح نہیں ہے"۔ (دینی مدارس ص:۸۸)

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ نصاب کی تبدیلی میں ایسے لوگوں کی مداخلت صحیح نہیں ہے جن کی محنت کا یہ میدان نہیں جیسے مولانا ابوالکلام آزاد۔ بے شک آپ ہمارے ان چند بڑے رہنماؤں میں سے ہیں، جن کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے مگر ہر کسی کی بات ہر جگہ قبول نہیں ہوا کرتی۔ جیسا کہ امام رازیؒ نے ابن خزیمہؒ کے متعلق فرمایا تھا کہ کہ ابن خزیمہ حفظ احادیث اور احادیث کے متون واسانید کے علل جاننے میں بے مثل شخصیت تھے، لیکن علم کلام میں ان کا یہ مقام نہیں۔ یاد رہے کہ امام رازیؒ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب ابن خزیمہؒ نے "التوحید و إثبات صفات الرب" تصنیف فرمائی تھی۔ اس مذکورہ کتاب میں ابن خزیمہؒ نے ایسی باتیں لکھی ہیں جو اہل سنت و جماعت کے عقائد کے موافق نہیں تھیں۔ امام رازیؒ نے آیت شریفہ: ﴿ليس كمثله شيء و هو السميع البصير﴾

کے تحت ان کے متعلق لکھا: "و هو في الحقيقة كتاب الشرك." اور علامہ سلامہ قضاعیؒ اپنی کتاب فرقان القرآن میں فرماتے ہیں: "إن الإمامة في الحفظ والعلم بالعلل في متون الأحاديث و أسانيدها لاتقتضي الإمامة المطلقة في كل فن."

بالکل اسی طرح بے شک ابوالکلام آزادؔ اپنے خصوصی کمالات میں ایک بڑے مقام پر تھے مگر نصاب کے بارے میں ان کی بات مسموع نہیں۔ گلشن قاسمی اور گلشن رشیدی میں اس کو قائم اور جاری رکھنا اور اس وقت کے اجلہ علما کا اس پر اتفاق اور اس نصاب کے پڑھنے والوں کی تبحر علمی اور ہر فن میں کمال اس پر بین ثبوت ہے کہ یہ نصاب صحیح ہے۔ پس ابوالکلام آزادؔ کیسے کہتے ہیں "کہ صرف و نحو کی جو تعلیم ہمارے مدارس میں دی جارہی ہے، وہ صحیح نہیں"۔

اسی طرح تھوڑا آگے صفحہ ۸۹–۹۰ میں ابن الحسن عباسی صاحب کافیہ جیسی مقبول ترین کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یہ ساتویں صدی کے مشہور عالم علامہ ابن حاجب کی تصنیف ہے۔ درس نظامی میں فن نحو کی یہ کتاب بڑی معیاری سمجھی جاتی ہے۔ نصاب میں داخل دیگر عام متون کی طرح متن کافیہ میں بھی اختصار اس حد تک کیا گیا ہے کہ عبارت پیچیدہ اور مشکل بن گئی ہے اور مصنف نے کوشش کی ہے کہ عبارت چاہے چیستان اور معمہ ہی کیوں نہ بن جائے تاہم اختصار کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ اب تک داخل نصاب اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم رہا ہے کہ پچاس تک اس کی شروح لکھی گئی ہیں اور صدیوں بہترین دماغ اور اعلیٰ علمی صلاحیتوں کی یہ جولان گاہ بنی رہی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کافیہ اور اس سے زیادہ اس کا مروّجہ انداز درس بجائے اس کے کہ طالب علم کو فن نحو سے مناسبت پیدا کرائے، اصل مقصود سے ایک حد تک اس کو دور لے جاتا ہے"۔

جواب: علم نحو کے اندر سیکڑوں کتابیں متون اور شروح کی شکل میں لکھی گئی ہیں۔

امام سیبویہ کی "الکتاب" امام مبرد کی "المقتضب" علامہ زجاج کی "الجمل" ابوعلی فارسی کی شیرازیات، عسکریات، بغدادیات، حلبیات وغیرہ۔ اسی طرح متاخرین میں علامہ زمخشری کی المفصل اور اس کی شرح ابن یعیش، علامہ ابن مالک رحمۃ اللہ علیہ کا الفیہ اور اس کی شرح اشمونی، ابن مالک رحمۃ اللہ علیہ ہی کی تسہیل الفوائد اور بدرالدین دمامنی رحمۃ اللہ علیہ کا اس پر ایک شاندار حاشیہ، اسی طرح ان کی الکافیہ اور علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کی اس پر مفصل شرح۔ نیز اس کے علاوہ اور بھی علم نحو کی سیکڑوں کتابیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ نصاب میں علم نحو کی کتابیں منتخب کرتے وقت یہ سب کتابیں اکابر کے سامنے تھیں مگر ان سب میں علامہ ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کافیہ کو منتخب کرنا اس کے معیاری اور مفید ہونے کی کافی شافی دلیل ہے۔

اصل میں درس نظامی پڑھنے سے مقصود یہ ہے کہ ہر فن میں ایسی کتابوں کو پڑھا جائے کہ اس کے پڑھنے کے بعد اس فن کی ہر کتاب کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصود کافیہ سے بخوبی حاصل ہوتا ہے۔ اس کے اندر مسائل کو انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جس کے حل کرنے میں طالب علم کو کافی محنت کرنی پڑتی ہے۔ پس جب ایک طالب علم اس مشکل متن کو حل کرتا ہے تو اس کے لیے فن نحو کی بقیہ کتابیں سمجھنا آسان ہو جاتی ہیں۔ کافیہ کے بعد اس کی مقبول ترین شرح، شرح جامی کو طالب علم پڑھتا ہے تو وہ مسائل نحو کے دلائل اور کلام عرب کی حکمتیں اور اسرار ورموز جان لیتا ہے۔

اسی متن اور اسی شرح پر ہمارے اکابر دیوبند مولانا قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند، شاہ انور شاہ کشمیری، حسین احمد مدنی، شبیر احمد عثمانی جیسے اساطین علم کو اعتماد تھا۔ خود بھی اس کو پڑھا اور دوسروں کو بھی پڑھایا۔ افسوس کہ مولانا ابن الحسن عباسی صاحب ان کتابوں کو غیر معتمد ٹھہرا رہے ہیں۔ انہوں نے اکابر کا ان کتابوں پر اعتماد کا بھی کوئی لحاظ نہیں کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ یہ کتابیں اور ان کا مروجہ انداز درس طالب علم کو اصل مقصود سے ایک حد تک دور لے جاتا ہے۔ ہم پہلے یہ عرض کر چکے ہیں کہ کافیہ کے داخل درنصاب ہونے کا مقصد

صرف یہ نہیں کہ انسان محض مسائل فن سیکھ لے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ اس مشکل اور پیچیدہ کتاب کو حل کر کے دیگر کتابوں کا سمجھنا اس کے لیے آسان ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات محض ان کتابوں سے حاصل نہیں ہو سکتی، جن میں صرف فن سکھایا جاتا ہے۔

اگر ایک منٹ کے لیے یہ بات تسلیم کی جائے کہ کافیہ وغیرہ یہ کتابیں فن سے اور مقصد سے دور لے جاتی ہیں، تو کیا وہ اکابر جنہوں نے ان کو نصاب میں داخل کیا، یا وہ اکابر دیوبند جنہوں نے اس کو نصاب میں باقی رکھا، علم اور طلبہ کے دشمن اور بدخواہ تھے کہ ایسی کتاب کو داخل نصاب کیا، جو فن نحو سے دور لے جاتی ہے؟ یا یہ حضرات نا سمجھ اور کم عقل تھے کہ اپنے طلبا کو ایسی نقصان دہ کتاب پڑھاتے رہے؟ کیا عباسی صاحب کا مبلغ علم ان اکابر کے مبلغ علم سے اتنا تیز ہے کہ ان نقصانات کی حقیقت تک اکابر نہ پہنچ سکے اور عباسی صاحب پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی؟

مکرر عرض ہے کہ کافیہ لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم اس مشکل متن کو حل کر لے، تاکہ نحو کی باقی کتابوں کا سمجھنا اس کے لیے آسان ہو۔ جو شخص مشکل راستوں پر چلنا سیکھ لیتا ہے وہ ہموار راستوں پر با آسانی چل سکتا ہے۔ یہ متن چیستان اور معمہ اس شخص کے لیے ہے، جس کی کوئی علمی استعداد نہ ہو۔ باقی جو صاحب استعداد اور صاحب ذوق طلبا ہیں، ان کے لیے یہ کتاب اور اس کا ہر مسئلہ لعل و جواہر سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔

کیا ابن حاجبؒ کی اس کتاب کو چیستان اور معمہ سے تعبیر کرنا ان کی شان عالی میں گستاخی نہیں ہے؟ کوئی بات کہنے اور لکھنے سے پہلے ہزار بار سوچنا چاہیے کہ میں جو یہ بات کہہ رہا ہوں، اس کے کیا نتائج ہیں اور یہ بات کن کے بارے میں کہہ رہا ہوں؟ علامہ ابن حاجبؒ کی کتاب کے بارے میں یہ باتیں کہنا گویا اپنے آپ کو ان کے مقابلہ میں بڑا سمجھنا اور ان کی تنقیص کرنا ہے۔ بھلا وہ کون ہے جو لوگوں کی زبان درازیوں سے محفوظ رہا ہو۔

ـ ومن ذا الذي ترضى سجاياه كلها   كفى المرء نبلا أن تعد معايبه

وقال آخر:

وما أحد من ألسن الناس سالما — ولو أنه ذالك النبي المطهر

فإن كان سكيتاً يقولون أبكم — وإن كان منطيقاً يقولون أهذر

وإن كان صواماً وبالليل قائماً — يقولون زراق يرائي و يمكر

علامہ یوسف بنوریؒ جبل العلم اور ایک معتبر شخصیت ہیں۔ انہوں نے کافیہ اور اس جیسی دوسری متون کے بارے میں فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں کاغذ اور سیاہی کی قیمت تھی اور ذہن اور وقت کی قیمت نہ تھی؛ اس لیے متن کے اندر اتنے اختصار سے کام لیا گیا کہ اس پر سیاہی اور کاغذ زیادہ صرف نہ ہو اور ذہن اور وقت کافی خرچ ہو۔ انہوں نے اپنے اسی رائے کی بنا پر کافیہ کی بجائے شرح ابن عقیل تجویز فرمائی اور اس کو اپنے مدرسہ میں داخل درس کیا۔ علامہ بنوریؒ اتنی معتبر شخصیت ہونے کے باوجود ان کی یہ رائے ان ہی تک محدود رہی اور اس کو کسی نے قبول نہ کیا۔ پس میری اور آپ کی کیا حیثیت کہ اکابر کے اس منتخب شدہ نصاب کے بارے میں کچھ کہیں۔

اسی صفحہ میں کچھ آگے فرماتے ہیں:

"جس طالب علم نے دو سال تک نحو کی تعلیم حاصل کی اس کی حقیقی ضرورت اب یہ ہے کہ نحوی قواعد کے صحیح استعمال پر اس کی صلاحیت میں پختگی پیدا کی جائے۔ نحو کے مطابق صحیح عربی پڑھنے، لکھنے اور بولنے کی اس کی استعداد بڑھائی جائے اور جن قواعد سے اب تک وہ واقف نہیں، ان کی تمرین اور اجرا کرایا جائے؛ تاکہ دو سال نحو پڑھنے والا طالب علم تیسرے سال عبارت خوانی اور عربی تقریر و تحریر میں نحوی غلطیوں سے محفوظ رہے کہ فن نحو کی تعلیم سے یہی مقصود ہے لیکن کافیہ میں طالب علم کی توجہ نحو کے بجائے علامہ ابن حاجب ؒ کی مغلق اور مختصر عبارتوں کے حل، ان پر وارد ہونے یا وارد کیے جانے والے اشکالات و جوابات اور لفظی موشگافیوں کی طرف مبذول رہتی ہے جس کا یہ نتیجہ یہ نکلتا ہے اور یہی نکلنا چاہیے کہ کافیہ پڑھنے والے بہت

سے طلبہ کو متن کافیہ اس پر وارد اشکالات وجوابات، خودساختہ توجیہات تو ازبر ہوتے ہیں کہ ان کی محنت وصلاحیت اسی میں صرف ہوئی ہے تاہم عربی عبارت پڑھتے اور لکھتے ہوئے وہ بیسیوں نحوی غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں"۔

جواب: دو الگ الگ مقاصد ہیں، ایک مسائل فن اور دوسرا عبارت میں قوانین کا اجرا۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ علامہ ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ کی کافیہ علامہ سیبویہ اور علامہ زمخشری کے مجموعی فکر کا نتیجہ ہونے کی وجہ سے مسائل فن میں نہایت جامع کتاب ہے۔ ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ انداز بیان میں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن بارہا یہ بات عرض کی گئی ہے کہ اس کتاب کے داخل درنصاب ہونے کا مقصد ہی یہی ہے کہ اس کی پیچیدہ اور مشکل عبارت کو حل کر کے طلبہ میں استعداد پیدا کی جائے۔

جہاں تک دوسرے مقصد یعنی عبارت میں قوانین کے اجرا کا تعلق ہے تو وہ تو نحو کی ہر قسم کی کتاب کے پڑھانے کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے، خواہ وہ کافیہ ہو یا کوئی اور کتاب ہو۔ کیا کافیہ کے اندر کوئی ایسی بات ہے کہ وہ اپنے پڑھانے والے استاد کو روکتی ہے کہ تم طلبا کو ان قواعد کا اجرا نہ کراؤ۔ یہ تو استاد کی ہمدردی، شفقت اور خیر خواہی پر موقوف ہے کہ قواعد نحو کے پڑھانے کے ساتھ ساتھ اجرا بھی کرائے تا کہ طلبہ کو اور بھی زیادہ فائدہ ہو۔

آگے ابن الحسن عباسی صاحب نے صرف ونحو کے مروجہ طریقہ کو غیر مفید ثابت کرنے کے لیے مولانا عبدالعزیز میمنی کی ایک کتاب سے اقتباس نقل کیا ہے، جس کے ذریعہ علم صرف اور نحو کی مروجہ کتابوں کی اپنے مقصد میں ناکامی ثابت کرنے کی لاحاصل کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۹ میں فرماتے ہیں:

"پہلے پہل جب میں کاٹھیاواڑ سے دہلی آیا تو تین سال صرف ونحو کی ابتدائی تعلیم میں ضائع ہوئے اور شرح جامی تک پہنچا۔ اس کے بعد یکا یک توفیق الٰہی نے رہنمائی کی اور معلوم ہوا کہ میں غلط راستہ پر جا رہا ہوں، چناں چہ یہ سب میں نے چھوڑ دیا اور حسب

ذیل کتابوں کی مع شروح کے بہت غائر نظر سے مطالعہ کیا۔صرف میں شروح شافیہ،نحو میں شروح الفیہ اور مفصل، الاشباہ والنظائر اور تسہیل الفوائد وغیرہ۔الغرض فقہاء اور منطقیین کی نحو سے نجات ملی"۔

جواب: عبدالعزیز میمنی کی اس عبارت کے ابتدائی حصے پر ذرا غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ آں جناب نحو میر، ہدایۃ النحو اور کافیہ وغیرہ کے پڑھنے کو ضیاع وقت سے تعبیر کر رہے ہیں۔ کیا یہ اکابر کے منتخب شدہ نصاب اور ان کی تصنیف کردہ کتابوں کے بارے میں توہین نہیں ہے؟ مزید برآں یہ کہ ان کا یہ ارشاد (اس کے بعد یکا یک توفیق الٰہی نے رہنمائی کی اور معلوم ہوا کہ میں غلط راستے پر جا رہا ہوں) بظاہر بہت بڑی جرأت ہے۔ان کی اس بات سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اکابر دیوبند قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند، اشرف علی تھانوی، حسین احمد مدنی، شاہ انور شاہ کشمیری غلط راستے پر چلے اور طلبا کو بھی غلط راستے پر چلایا اور توفیق الٰہی ان سیکڑوں اولیا کی رہنمائی ہوئی اور صرف میمنی صاحب کی رہنما ہوئی۔

ان سے سوال یہ ہے کہ شروح شافیہ، شروح الفیہ وغیرہ کے مطالعہ کی صلاحیت اور استعداد کہاں سے آئی؟ کیا یہ صلاحیت ان ہی وقت ضائع کرنے والی کتابوں سے حاصل ہوئی؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر یہ کتابیں وقت ضائع کرنے والی نہ ہوئیں اور یہ اپنے مقصد میں کافی وشافی ٹھہریں۔اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ نہیں جی! مطالعہ کی استعداد ان کتابوں سے نہیں بنی، تو پھر یہ استعداد کہاں سے آئی؟ ظاہر ہے کہ جب ایک طالب علم اپنے گھر سے طلب علم کے لیے نکلتا ہے تو وہ اپنے ساتھ منتہی کتابوں کے مطالعہ کی صلاحیت لے کر نہیں نکلتا۔

یہاں دل چسپ بات یہ ہے کہ علامہ ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ کی کافیہ کے چھوڑنے کو منطقیین کی نحو سے نجات قرار دیا گیا، حالاں کہ شافیہ بھی ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے، جس کے پڑھنے کو توفیق الٰہی کی رہنمائی سے تعبیر کیا گیا۔شافیہ کے متن میں بھی کافیہ کی طرح کا اختصار کیا گیا ہے۔آخر کیا وجہ ہے کہ کافیہ کا اختصار تو ہر کسی کو کھٹک رہا ہے اور اس کے پڑھنے کو

وقت کا ضیاع اور مقصد سے دوری قرار دیا جارہا ہے، جب کہ شافیہ کا اختصار قبولیت کی سند حاصل کر کے توفیق الٰہی کی رہنمائی جیسے القابات سے نوازا جارہا ہے۔ کہیں اس کے ساتھ کسی قسم کے تعصب کا عمل دخل تو نہیں ہے؟ ظاہر ہے کہ تعصب اور ضد کی آنکھ تمام محاسن کو چھپالیتی ہے اور کسی شی کی محبت اندھا اور بہرا کردیتی ہے۔

و عین الرضی عن کل عیب کلیلة   و لکن عین السخط تبدی المساویا

تھوڑا آگے میمنی صاحب کی یہ عبارت نقل فرماتے ہیں:

"کافیہ کے بعض غلط سلط مسائل نے ہم کو نحو سے بیزار کیا۔ مثلاً لا یضاف موصوف إلی صفة، و لا صفة إلی موصوفها، و جامع الغربي و نحوه شاذ حالاں کہ پوری عربی زبان ان اضافتوں سے لبریز ہے۔ نیز بعض اس قسم کی چیزیں جن میں تاویلات کا دروازہ کھولا گیا ہے اور ناحق ایک متعلم نحو کو فضول کی کنج کاوی اور مدالعت یا مملہ کی مصیبت میں پھنسایا ہے، ان کتابوں نے بدظن کر دیا کہ طالب علم کا مقصد اپنی عربیت کی اصلاح ہے نہ کسی شخص کی طرفداری۔" (مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص:۱۰۹)

جواب: مولانا عبد العزیز میمنی کا قول (کافیہ کے بعض غلط مسائل) ایک غلط اور نامناسب تعبیر ہے۔ فن نحو کے مسائل سے واقف شخص کے لیے ایسی بات کہنا قطعاً مناسب نہیں ہے۔ کافیہ، فن نحو میں ایک مختصر متن ہے۔ علم نحو کے اکثر مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں ائمہ نحو کا اختلاف ہوتا ہے۔ متن کے اندر ماتن وہ مذہب ذکر کرتا ہے، جو اس کے نزدیک راجح ہوتا ہے۔ پھر شارحین کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ باقی مذاہب بھی ذکر کریں اور دلائل بھی۔ علامہ ابن حاجب رحمہ اللہ متاخرین نحاۃ میں سے ایک جلیل القدر نحوی ہیں اور علم نحو کے بیسیوں مسائل میں اپنی رائے رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ اس فن کے ایک مجتہد ہونے کی حیثیت سے یہ حق رکھتے ہیں کہ اپنی کتاب میں وہی مذہب ذکر کریں، جو ان کے نزدیک راجح ہو۔ پس ان دو مسئلوں (لا یضاف موصوف إلی صفة و لا صفة إلی موصوفها) کو اسی تناظر میں

دیکھنا چاہیے۔

نصاب میں کافیہ کے بعد اس کی ایک بہترین شرح، شرح جامی کو اس لیے شامل کیا گیا ہے تاکہ اس طرح کے مسائل کا صحیح مطلب اور پوری تفصیل سامنے آجائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسئلہ پر سرسری نگاہ ڈال کر اور اس کی پوری حقیقت کا ادراک کیے بغیر اس پر غلط ہونے کا فتوی لگا دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ علامہ ابن حاجبؒ نے دلائل کی روشنی میں جو مسئلہ قوی اور راجح سمجھا، اس کو ذکر کر دیا۔ اب اس میں کون سی بات غلط ہے؟ اگر آپ کے نزدیک کوئی اور قول راجح ہو اور اس پر دلائل بھی ہوں، تو آپ اس کو لے لیں۔ البتہ حقیقت یہ ہے کہ علامہ جامی ؒ کی تفصیل کی روشنی میں اگر اس مسئلہ میں غور کیا جائے تو آپ کو حق علامہ ابن حاجبؒ کے ذکر کردہ قول میں منحصر نظر آئے گا، چہ جائیکہ آپ اس پر غلط ہونے کا فتوی لگائیں۔

یہ بات صرف علامہ ابن حاجبؒ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ابن مالکؒ کا اپنی کتابوں تسہیل، الکافیہ اور الفیہ میں بھی یہی طرز ہے کہ کسی مسئلہ میں ان کو جو قول راجح نظر آتا ہے، اس کو ذکر کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی مختلف کتابوں میں ایک مسئلہ کے متعلق مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ اب کیا ان کے ان مسائل کو غلط قرار دیا جائے گا؟ کیا علامہ زمخشری کے مفصل میں اختیار کردہ اقوال بھی غلط قرار دیے جائیں گے؟ اگر یہ سلسلہ چل پڑا تو پھر تو علم نحو کی یہ تمام معتبر کتابیں "غلط سلط مسائل" پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ٹھہریں گی۔ ان مصنفین کی حیات میں ان کی کتب پر اگر اس طرح کے اعتراض کیے جاتے تو ممکن تھا کہ وہ یوں جواب دیتے۔

قل بماشئت في مسبة عرضي ۔ فسكوتي عن اللئيم جواب

ما أنا عادم الجواب و لكن ۔ ما من الأسد أن تجيب الكلاب

کافیہ پر رد سے فارغ ہونے کے بعد مولانا ابن الحسن عباسی صاحب صفحہ: ۹۲ میں

شرح جامی کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

"علامہ جامی کی یہ شرح اس لحاظ سے واقعی ایک شاہ کار ہے لیکن پہلی اور اصل چیز نفس فن پر عبور اور اس سے مناسبت ہے۔ مثلاً مذکورہ قاعدے کے جاننے کے بعد ضرورت اس کے اجرا اور مشق کی ہے کہ فاعل جہاں جہاں آئے، اس کو مرفوع پڑھنے کی استعداد پیدا اور پختہ کی جائے۔ ثانی یہ کہ عرب اس کو مرفوع کیوں پڑھتے ہیں؟ یہ ثانوی درجہ کی چیز ہے۔ ایک ایسے طالب علم کو جسے عربی اسلوب پر قدرت نہیں، جو عربی سلیس اور رواں پڑھنے کی ابھی پختہ استعداد نہیں رکھتا، جو نحوی قواعد کے صحیح استعمال کی ٹھوس صلاحیت سے عاری ہے اور جس کی بڑی ضرورت عربی سے بہتر واقفیت ہے، نحوی قواعد کے فلسفے یاد کرانا اور فن نحو کے اسرار و رموز سمجھانا خشت بنیاد کی اٹھان تعمیر میں نقش و نگار اور گل بوٹے بنانے کے مترادف ہے۔ مثلاً شرح جامی کی ابتدا میں اسم اور حرف کے درمیان فرق واضح کرنے کے لیے فلسفیانہ انداز کی ایک بحث 'حاصل محصول' کے عنوان سے کی گئی ہے۔ درس کے دوران اس عنوان کے تحت جو بحثیں چھیڑی جاتی ہیں اور شارحین نے جس شوق سے اس بحث کی فلسفیانہ ڈوری کو طول دیا ہے متوسط کیا، ایک اعلیٰ درجہ کے ذہین طالب علم کا دماغ بھی اتھل پتھل ہو جاتا ہے کہ خدایا! ماجرا کیا ہے؟ حالاں کہ وہ بات آسان انداز میں پیش کی جا سکتی ہے اور پیش کی گئی ہے، جسے دیکھ کر بے اختیار زبان پر یہ شعر آ جاتا ہے۔

ذرا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے اسے
بڑھا دیا ہے زیب داستان کے لیے

دو صفحوں پر مشتمل حاصل محصول کی اس بحث کے معرکۃ الآرا ہونے کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ زمانہ حال کے ایک محقق عالم نے ساڑھے چار سو صفحات کی پوری ایک کتاب صرف اس بحث کی شرح میں لکھی۔ ظاہر ہے اس قسم کی علمی تدقیقات اور لغوی اسرار و رموز متخصصین اور ماہرین فن کے مطالعہ کی چیز تو ہو سکتی ہے تاہم ثانوی درجہ کی یہ

علمی موشگافیاں عام نصاب میں پڑھانے کی مستحق ہیں نہ مفید"۔

جواب: یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ شرح جامی میں مسائل کافیہ کے دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔ جیسے قدوری میں نفس مسئلہ کا بیان ہے اور اس کے بعد ہدایہ میں ہر مسئلہ کے لیے نقلی اور عقلی دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ اب اگر بقول آپ کے قاعدہ کے لیے دلیل پیش کرنا فلسفہ کہلاتا ہے اور یہی وجہ شرح جامی کے مردود ہونے کی ہے، تو یہ بات تو ہدایہ کے اندر بھی ہے۔ تو کیا شرح جامی کی طرح ہدایہ پر بھی اعتراض کیا جائے گا اور اس کو فقہ کے فلسفہ کی کتاب قرار دے کر اس سے بھی جان چھڑائی جائے گی؟

آگے جو بیان ہے کہ ایک طالب علم کو جسے عربی اسلوب پر قدرت نہیں جو عربی سلیس اور رواں پڑھنے کی ابھی پختہ استعداد نہیں رکھتا جو عربی کے صحیح استعمال کی ٹھوس صلاحیت سے عاری ہے اور جس کی بڑی ضرورت عربی سے بہتر واقفیت ہے نحوی فلسفے یاد کرانا اور فن نحو کے اسرار و رموز سمجھانا خستہ بنیاد کی ڈگمگاتی تعمیر میں نقش و نگار اور گل بوٹے بنانے کے مترادف ہے۔ انتہی کلامہ۔

تبصرہ: یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ مسائل یاد کرنا اور اجرا و مشق دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ نحو میر، شرح مأۃ عامل، ہدایۃ النحو اور کافیہ پڑھ کر بھی اگر ایک طالب علم اجرا اور مشق سے محروم رہا ہے تو آخر شرح جامی کا اس میں کیا قصور ہے؟ نحو کی چار پانچ کتابوں میں مسائل اور فن کو یاد کرنے کے بعد بھی اگر شرح جامی میں دلائل نہ پڑھائے جائیں تو پھر یہ کب پڑھائے جائیں گے؟ سوچنے کی بات ہے کہ کیا شرح جامی جیسی کتاب کا پڑھنا اجرا و مشق کے لیے ہے؟ کیا یہ بات (کہ علامہ جامی رحمہ اللہ کو اپنی کتاب میں نحو کے اسرار و فلسفہ بیان کرنے کے بجائے اجرا و مشق پر زور دینا چاہیے تھا) مناسب ہے؟

نیز مولانا قاسم نانوتویؒ سے لے کر مولانا انور شاہ کشمیریؒ، خلیل احمد سہارنپوریؒ، حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد زکریاؒ، مفتی محمد شفیعؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، شبیر احمد عثمانیؒ تک جیسے

اکابر علمائے دیوبند نے بھی شرح جامی پڑھی۔ وہ عربیت میں بھی سب سے آگے رہے۔ بذل المجهود، اوجز المسالك، معارف السنن، لامع الدراري، فيض الباري، فتح الملهم جیسی عربی کی ضخیم کتابیں لکھیں اور شرح جامی پر اعتراض کرنے والوں سے عربیت میں کم نہیں تھے۔

افسوس صد افسوس کہ شارح جامیؒ کی تقادیر (جو متن میں بیان کیے گئے مسائل کلیہ میں مقدر فرمائے ہیں) کو مورد الزام ٹھہرایا جا رہا ہے۔ اب سوچنا چاہیے کہ ان تقدیرات کی وجہ کیا تھی؟ ظاہر ہے کہ شارح جامیؒ کے دماغ میں کوئی فتور نہیں تھا کہ وہ فضول میں یہ مشقت اٹھاتے، بلکہ متن کی ظاہری عبارت پر کوئی اعتراض وارد ہو رہا تھا اس اعتراض سے چھٹکارا پانے کی سبیل یہی تھی کہ تقدیری عبارت لگائی جائے۔ بعد کے شارحین مثلاً تحریر سنبت، خادمۃ الکافیہ، سوال کابلی، سوال ہانسولی، ملا عصام اور ملا عبد الغفور وغیرہ نے یہ خدمت کی کہ علامہ جامیؒ کی بیان کردہ تقدیرات سے ان کے مقصد کو واضح کیا۔

مثلاً علامہ ابن حاجبؒ اسم کی تعریف ان الفاظ سے فرماتے ہیں "الاسم ما دل على معنى فى نفسه" علامہ جامیؒ ما کی تفسیر كلمة دلت سے فرماتے ہیں۔ پھر شرح جامی کے شروح و حواشی اس تفسیر کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اگر ما کی تفسیر شیء سے کی جاتی تو پھر یہ تعریف زيد قائم پر صادق آتی۔ اور اگر اس کی تفسیر اسم سے کی جاتی تو پھر معرَّف، خود تعریف کا جز بن جاتا، اس لیے اس کی تفسیر كلمة سے کی گئی۔ اب کیا یہ وضاحتیں لغو اور فضول ہیں؟ اسی اسم کی تعریف میں شارح نے فى نفسه سے پہلے کائن مقدر فرمایا۔ اب کیا اس تقدیر کی وجہ جاننا گناہ کا کام ٹھہرے گا؟

اسی طرح تعریف کے ذیل میں فى نفسه کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ذکر کیے۔ دوسرے احتمال کو علامہ جامیؒ نے علامہ ابن حاجب رحمہ اللہ کی دوسری کتاب الایضاح سے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

قال المصنف في الإيضاح شرح المفصل: الضمير في ما دل على معنى في نفسه يرجع إلى المعنى.

اس کے بعد ظرفية الشيء لنفسه کا اعتراض واقع ہو رہا تھا تو اس کے دفع کی خاطر فرمایا أي ما دل على معنى باعتباره في نفسه پھر باعتباره في نفسه کی تفسیر بالنظر إليه في نفسه سے کی؛ تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہاں اعتبار کا معنی تقدیر محض ہے، جو محال اور ممتنع میں بھی فرض کیا جاسکتا ہے۔ پس اس صورت میں اسم کی تعریف حرف پر بھی صادق آتی؛ کیوں کہ حرف کا معنی اگرچہ نفس الامر میں مستقل نہیں ہے لیکن اس کو مستقل فرض کیا جاسکتا ہے؟

اس اعتراض کو رفع کرنے کے لیے علامہ ابن حاجبؒ نے بالنظر إليه في نفسه لاکر یہ واضح کیا کہ "اعتبار" یہاں تقدیر محض اور فرض کے معنی میں نہیں بلکہ یہاں اعتبار کا دوسرا معنی ہے، وہ نظر ہے؛ کیوں کہ اعتبار نظر کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ پس معنی یہ ہوا کہ اسم وہ کلمہ ہے، جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جس میں اعتبار اور نظر اسی معنی تک محدود ہو اور اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کا اس میں کوئی دخل نہ ہو۔ جیسے زید کہ اپنے معنی پر دلالت کرنے میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں تو یہ اسم ہے، بخلاف حرف کے جیسے 'من' کہ 'سرت من البصرة' میں اپنے معنی جو 'ابتدا' ہے پر دلالت کرنے میں دو اور چیزوں کا محتاج ہے۔ ایک وہ چیز جس کی ابتدا ہو رہی ہے، جس کو عربی میں ما يبتدأ منه کہا جاتا ہے جیسے سیر۔ دوسری چیز وہ جگہ ہے، جہاں سے سیر کی ابتدا ہو رہی ہے، جس کو عربی میں ما منه الابتداء کہا جاتا ہے جیسے بصرہ۔ پس ان دونوں چیزوں کے بغیر 'من' اپنے معنی ابتدا پر دلالت نہیں کرسکتا۔

اس کے بعد یہ فرمارہے ہیں کہ کسی چیز میں دو طرح کا اعتبار کیا جاسکتا ہے، جیسے اہل عرب کا قول ہے "الدار في نفسها حكمها كذا" اس کا مطلب یہ ہے کہ دار کی اپنی ذات کے اعتبار سے قیمت پانچ لاکھ ہے، قطع نظر دیگر امور خارجیہ کے مثلاً برلب سڑک ہے، مسجد

ملتی ہے، ہسپتال نزدیک ہے، اشیائے ضرورت کی دکانیں ساتھ لگی ہوئی ہیں وغیرہ۔ اگر دار کے ساتھ ان سہولیات کا بھی اعتبار کیا جائے تو پھر اس کی قیمت دس لاکھ ہے۔ یہی معنی ہے علامہ ابن حاجب رحمہ اللہ کی اس عبارت کے: الدار في نفسها حكمها كذا أي لا باعتبار أمر خارج عنها كذا۔

پھر علامہ جامیؒ، ابن حاجب کی اس کلام کی مزید تفصیل سید المحققین سید شریف جرجانیؒ کے حاشیہ رضی سے نقل کرتے ہیں کہ مثلاً ابتدا کے معنی پر دو لفظ دلالت کرتے ہیں ایک الابتداء مصدر اور دوسرا کلمہ من۔ البتہ ان دونوں میں فرق ہے کہ الابتداء معنی ابتدا پر دلالت کرنے میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں، جب کہ مـــن اس معنی پر دلالت کرنے میں دوسری چیزوں کا محتاج ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدا اگرچہ مـا یبتدأ بہ اور ما منہ الابتداء کے درمیان ایک نسبت ہے اور اس کا تعقل ان دونوں کے بغیر نہیں ہو سکتا لیکن ابتدا کا معنی سمجھنے کے لیے اس کے متعلق کا اجمالی علم کافی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کوئی خاص کام ہو، جس کی ابتدا کی جائے یا خاص جگہ، جہاں سے ابتدا کی جائے تب ابتدا کے معنی سمجھ میں آئیں۔ بلکہ یہ کافی ہے کہ کوئی نہ کوئی کام ہے، جس کی ابتدا کی جارہی ہے اور کوئی نہ کوئی جگہ ہے، جہاں سے ابتدا ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ابتدا کے متعلق کا یہ اجمالی تعقل خود لفظ الابتداء سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ پس الابتـــــداء معنی ابتدا پر دلالت کرنے میں غیر کا محتاج نہ ہوا۔ بخلاف "من" کے کہ وہ اپنے معنی ابتدا پر دلالت کرنے میں مستقل نہیں بلکہ ما یبتدأ بہ اور ما منـہ الابتداء کے تصور کا محتاج ہے؛ کیوں کہ اس کے طرفین جزئی، معین اور مخصوص ہوتے ہیں، اس طریقہ سے کہ ان مخصوص طرفین کے بغیر وہ معنی ذہن میں نہیں آسکتا۔

یہی معنی ابتدا جو الابتـــداء مصدر کا مدلول ہے، امور خارجہ میں جوہر کے مشابہ ہے عدم احتیاج إلى الغير میں، جب کہ وہ معنی ابتدا جو مدلول ہے کلمہ 'من' کا امور خارجہ میں عرض کے مشابہ ہے احتیاج إلى الغير میں۔ پس علامہ جامی رحمہ اللہ نے معنی اسمی اور معنی حرفی

کے درمیان فرق کو مزید واضح کرنے کے لیے سید جرجانی کے حاشیہ رضی پر ذکر کردہ حاصل و محصول کی بحث کو نقل کیا ہے، جس کے ذریعے یہاں کافیہ میں معنی اسمی اور معنی حرفی کے درمیان فرق بیان کرنے میں مدد لی گئی ہے۔

اسی طرح اس فرق سے مزید فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے مذ و منذ اسمی اور حرفی کے درمیان فرق، اسی طرح اس بحث سے ذو اور فوق کے اسم ہونے میں کوئی تردد نہیں رہا کہ فوق مثلاً اگرچہ دو چیزوں کا محتاج ہے ایک اس چیز کا جو اوپر ہے اور دوسری وہ جس پر فوقیت ہے لیکن یہ طرفین بوجہ کلی اور غیر معین ہونے کے ذہن میں خود بخود آتے ہیں اور فوق کے مدلول کے استقلال میں کوئی نقص نہیں آیا۔ پس فوق اسم رہا اور حرف نہ بنا۔

آخر اس بحث میں کون سی بڑی مشکل ہے کہ ابن الحسن صاحب اس کو فلسفیانہ بحث قرار دے کر اس سے کنارہ کشی کی ترغیب دے رہے ہیں۔ وہ اس پر حیرت کا اظہار کر رہے ہیں کہ آخر شارحین کو اس میں کیا نظر آیا کہ اس کی تشریح میں ایسی طوالت اختیار کی کہ اعلیٰ درجہ کے ذہین طالب علم کے دماغ کی چولیں تک ہل گئیں۔

جناب عالی! اصل ماجرا یہ ہے کہ وہ علوم اور وہ مکمل درسِ نظامی جو دیوبند میں پڑھایا جاتا تھا اور جس میں علم منطق، علم حکمت اور علم کلام کی اہم کتابیں داخل نصاب تھیں اور دیوبند کے اکابر اس کو شوق سے پڑھتے پڑھاتے رہے، اس سب کچھ کو داؤ پر لگا دیا گیا اور اس کو صفر میں ضرب دے کر نصاب سے نکالا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج طلبہ ان علوم سے محروم ہو گئے ہیں اور یہ علوم ہمارے درمیان اجنبی بن کر رہ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ آج طلبا اہم اکابر کی تحقیقات سے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر جان چھڑا رہے ہیں۔

اعتراض: جناب ابن الحسن عباسی صاحب علم بلاغت کی دو عظیم کتابوں مختصر المعانی اور مطول پر رد کرتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۹۸ پر تحریر فرماتے ہیں:

"معانی و بلاغت میں علامہ تفتازانی کی لکھی ہوئی 'تلخیص المفتاح' کی شروح 'مختصر المعانی' اور

"مطول داخل نصاب ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں کتابیں اس فن کی تعلیم کے لیے بالکل ناکافی ہیں۔ متن، شرح اور حاشیہ کے انداز سے عصری ذوق بے گانہ ہو رہا ہے۔ درسی نصاب میں معتد بہ فائدہ کے لیے کم از کم فن کی پہلی کتاب صرف اور صرف اصطلاحات وامثلہ پر مشتمل ہونی چاہیے، جس کے لیے 'دروس البلاغۃ' اور 'البلاغۃ الواضحۃ' مفید تر کتابیں ہیں۔ 'مختصر المعانی' اور 'مطول' عالم اسلام کے علمی دور انحطاط میں لکھی گئی ان کتابوں میں سے جن میں لفظی موشگافیوں اور عبارتی تعقیدات کو نقطہ کمال سمجھا گیا۔ بے شک ذہن کی جلا، وقت نظر اور تدقیق کے کمال کو حاصل کرنے کے لیے یہ موزوں ترین ہوں تو ہوں لیکن فن کی اصطلاحات ومباحث میں ان سے بصیرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد:

علامہ تفتازانیؒ ایک غیر معمولی شخصیت تھے۔ انہوں نے جو متن وشرح لکھی وہ ان کی زندگی میں بہت مقبول تھے۔ علامہ تفتازانیؒ کی کتابوں کی مقبولیت اس زمانہ میں اس لیے ہونے لگی تھی کہ اسلامی علوم کا دماغی تنزل شروع ہو چکا تھا اور ترقی کا دور ختم ہو چکا تھا۔ ان کتابوں سے بجائے اس کے کہ آگے چل کر ترقی کے دروازے کھلے ہوں ایک حد تک نقصان پہنچا۔ یہ بھی میرا عقیدہ ہے کہ ادب عربی اور عربی بلاغت کو مطول نے سخت نقصان پہنچایا"۔ (خطبات آزاد ص: ۳۵۴)

جواب: اس عبارت میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

(1) لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں کتابیں اس فن کی تعلیم کے لیے بالکل ناکافی ہیں۔ متن، شرح اور حاشیہ کے انداز سے عصری ذوق بے گانہ ہو رہا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آخر دیوبند کے اکابر نے مطول اور مختصر المعانی کو کیوں اتنا اہم سمجھ کر دار العلوم دیوبند میں بطور نصاب رکھا اور پھر مختصر المعانی پر شیخ الہندؒ کا حاشیہ لکھنا کیا اس کی افادیت کی کھلی دلیل نہیں ہے؟ آخر کیا وجہ ہے کہ بلاغت کی دسیوں کتابوں بشمول اسرار البلاغۃ اور دلائل الاعجاز کے (جو اس فن کے بانی عبد القاہر جرجانی کی تصانیف ہیں) میں

اس کو درس وتدریس کے لیے منتخب کیا جاتا ہے؟ مزید دل چسپ بات یہ ہے کہ تلخیص المفتاح کی ایک شرح مطول کا داخل نصاب ہونے کے باوجود مختصر المعانی (جو اسی مصنف کی دوسری شرح ہے) کو بھی نصاب میں داخل کیا جاتا ہے۔ کیا یہ ان کتابوں کی ہمہ جہتی اور کمال پر قاطع دلیل نہیں ہے؟

افسوس کہ علم میں پختگی نہ ہونے نیز علم منطق، علم کلام اور علم حکمت نہ پڑھنے اور مختصر المعانی میں و فیہ نظر جیسی عبارات کی وجہ نظر بیان نہ کر سکنے کی وجہ سے ہمارے بعض دوست ان علوم اور ان کتابوں پر اعتراض کرنے لگے۔ افسوس ہے کہ اتنی قابل قدر کتابیں جو علم کی تعبیر میں اپنی مثال آپ ہیں، جن کو پڑھنے سے کتنے عبقری علما پیدا ہوئے، ان کے بارے میں آج یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ کتابیں فن کی تعلیم کے لیے بالکل ناکافی ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ جس فن کے لیے انہیں ناکافی قرار دیا جا رہا ہے، اس فن سے مراد کیا ہے؟ اگر اس فن سے مراد بلاغت وتوابع بلاغت ہے تو اس فن میں تو ان کتابوں کے کافی ہونے کی حقیقت واضح ہے، اور اگر اس جملہ کی حقیقت کچھ اور ہے تو بصد ادب وہ حقیقت ذرا کھل کر بتانے سے ہمیں مشکور فرمائیں۔

(2) مختصر المعانی اور مطول عالم اسلام کے علمی دور انحطاط میں لکھی گئی کہ جس میں لفظی موشگافیوں اور عبارتی تعقیدات کو نقطۂ کمال سمجھا گیا۔

اس کے بارے میں بھی عرض ہے کہ مختصر المعانی اور مطول تو دور انحطاط کی کتابیں ہیں، مگر یہ لوگ اپنے اس دور میں جو علم کی ترقی اور عروج کا دور ہے اور آئے دن جرجانی، تفتازانی، رازی، غزالی، گنگوہی، نانوتوی، شیخ الہند اور مدنی جیسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں، ذرا مہربانی فرما کر مطول اور مختصر جیسی ایک صفحہ کی عبارت پیش فرمائیں تا کہ دور حاضر کے علمی دور عروج ہونے کا ثبوت مہیا ہو سکے۔

افسوس کہ وہ ابوالکلام آزاد جو اپنے انقلابی سوچ اور اپنے وقت کی دینی تحریکوں کے

رواں دواں اور اپنے مضامین وخطبات کے ذریعے لوگوں میں آزادی کا جذبہ اجاگر کرنے والی عظیم شخصیت تھے۔ اگر ایک طرف ان کی یہ مذکورہ صفات سب کے ہاں مسلم ہیں تو دوسری طرف اس شخصیت کی (جو درس نظامی کے کتابوں کے ایک باقاعدہ مدرس نہ ہونے کی وجہ سے) نصاب کے متعلق بات میں کوئی وزن نہیں۔ اگر نصاب کے متعلق دیوبند کے مشہور اساتذہ کچھ کہتے تو ان کی بات الگ تھی۔

﴿عرض احوال مصنف﴾

ضبط وتحریر: شاهد الدین اور کزلی هنگو

حامدًا ومصلیاً   امابعد!

مصنف دامت برکاتہم العالیہ کی ولادت، خاندانی پس منظر، ابتدائی تعلیم وتربیت اور تدریس.

ولادت باسعادت: حضرت مولانا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ضلع سوات کی تحصیل مٹہ کے ایک مضافاتی گاؤں بازخیلہ میں ایک نہایت متقی، دیندار اور صوم وصلوٰۃ کے پابند گھرانے میں آنکھ کھولی۔

خاندانی پس منظر:

آپ کے والد ماجد کا نام حافظ القاری محمد جمیلؒ بن نور محمد بن نور حسن بن شیخ بابا ہے۔ جب کہ شیخ بابا کے دوسرے بھائی کا نام مستان بابا تھا۔ (سیدو شریف مینگورہ کے سرکاری محکمہ مال کے ریکارڈ میں ان کا تذکرہ مستان بابا اور شیخ بابا کے ناموں سے ہے) مولانا رشید احمد صاحب کے کل چار بھائی ہیں۔ جن میں سب سے بڑے بھائی کا نام محمد سعید ہے جو کہ مینگورہ میں سرکاری محکمہ میں انجینئر ہے، دوسرا بھائی محمد ادریس ہے جو کہ مٹہ شہر میں واقع شامزئی پراپرٹی ڈیلر کے نام سے پراپرٹی کا کام کررہا ہے۔ تیسرا بھائی انور سعید ہے جو کہ پاک آرمی میں بحیثیت خطیب دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ چوتھا بھائی اختر سعید ہے جو کہ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے ریگولر LLB کرنے کے بعد سوات کورٹ

میں وکالت کی پریکٹس کرتے ہیں۔اور سوات یونیورسٹی میں شعبہ قانون سے بھی منسلک ہیں
آپ کا نسبی تعلق افغانوں کے ذی وقار قبیلہ یوسفزئی میں بازد خیل سے ہے۔جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ دریائے سوات کے دونوں کناروں پروادی کے اندر یوسفزئی قبیلہ کی جو شاخ آباد ہے وہ اکوزئی کہلاتی ہے، اکوزئی کی ذیلی شاخ جو دریائے سوات کے شمال مغرب کے پہاڑوں میں آباد ہے وہ شامزئی کہلاتی ہے۔شامزئی کی مزید تین شاخیں ہیں۔ان میں سے ایک حسن خیل جو کہ عین دریائے سوات کے مغربی کنارے پر آباد ہے۔جس کا ذیلی شاخ بازد خیل کہلاتا ہے۔

چنانچہ اسی خاندان کے تذکرہ میں خان روشن خان اپنے مشہور تصنیف "یوسفزئی قوم کی سرگذشت" میں صفحہ ۳۱۴ پر رقمطراز ہے "شامی بن خواجہ کے اولاد شامیزئی سے مشہور ہے، شامی کے تین بیٹے تھے اول ملا خیل جس کے اولاد ملا خیل سے مشہور ہے، دوم حسن جس کے اولاد حسن خیل سے مشہور ہے، حسن خیل کے ذیلی شاخ یہ ہے، پائندہ خیل، بازد خیل، نصرہ دین خیل ہے، جن میں بازد خیل سمبٹ، بیدرہ اور گیری میں آباد ہے"۔

اس زمانے میں لوگوں کا دستور یہ تھا کہ ایک گاؤں کے لوگ تقریباً سات سال تک ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ان لوگوں کے یہاں رہنے کو (کلوغی) کہا جاتا تھا اسی طرح ہر سات سال بعد یہ کلوغیاں بدلتی رہتی تھی۔ جب آپ کے خاندان کی کلوغی بازخیلہ میں تھی اس دوران آپ کے جد امجد شیخ بابا نے شیخ المشائخ حضرت اخوند عبدالغفور صاحب (جو بادشاہ سوات کے دادا تھے) کے ہاتھ پر بیعت کی۔جب بازخیلہ سے کلوغی بدلنے کا وقت آیا تو شیخ بابا نے اپنی قوم سے درخواست کی کہ مجھے بازخیلہ میں مستقل سکونت دی جائے تاکہ میں اپنے مرشد کے دئے ہوئے اوراد اور اذکار اطمینان کے ساتھ جاری رکھ سکوں۔ چنانچہ ان کا (دوتر) وہاں ہی باقی رہا ان مختلف مواضع جو کہ انزرپٹے، ہاڑئی، نجے، منگے، بیٹی اور شورگرہ ہیں ان کو دوتری حصہ دے دیا گیا اور اسی بازخیلہ میں رہ کر ذکر الہی میں مشغول ہو گئے۔

(دوتر) ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی شخص کو یوسفزئی کی طرف سے جائیداد کا حصہ دیا جاتا تھا اسے (دوتر) کہا جاتا ہے۔ آپ کی باقی قوم سنہف، بیدرہ اور بیدرہ کے دوتر میں ایک چھوٹا گاؤں جو" گیری" کے نام سے مشہور ہے، میں قوم بازخیل آباد ہے۔ سنہف میں کوچی خان جاگیردار، اکبر خان، اور بیدرہ میں بادر خان، ہمایون خان، حاجی خان، مولانا دوری خان صاحب (فاضل دیوبند) فیض الرحمان اور فتلہ ڑہ میں میر شیر علی خان، احسان اللہ خان اور بازخیلہ میں مولانا یونس، مولانا محمد یوسف، اور شمس الھادی اسی خاندان سے ہیں۔ آپ کی قوم بازید خیل کا ایک خاندان زیریں سوات تھانہ کے بالمقابل دریائے سوات کی دوسری جانب شموزو میں آباد ہے۔ یہاں پر اقبال خان اور ان کا خاندان معروف اور مشہور ہے۔

آپ کا سلسلہ نسب ماں کی طرف سے یہ ہے: والدہ محترمہ بنت مولانا جان محمد بن غلام سید بابا بن نور علی بابا۔ مولانا جان محمد صاحب جو کہ بہت بلند پایہ شخصیت تھے اور محدث عصر حضرت العلامہ مولانا انور شاہ کشمیری کے دروس میں شریک ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں مولانا یوسف بنوری رقم طراز ہیں:

ماہ شعبان ۱۳۸۶ھ کے ۲۳ تاریخ مطابق ۶ دسمبر ۱۹۶۶ء بروز دوشنبہ ریاست سوات کے مشہور عالم مولانا جان محمد صاحب بعارضہ قلب طویل علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے۔ مرحوم ریاست سوات کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جنکے پورے زندگی اب اپنے ملکی عوام کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں خاموشی سے گزری، صاحب نسبت مخلص باخدا بزرگ تھے خشوع وخضوع سے نماز پڑھا کرتے تھے نالہائے سحری میں دیدہ ودل کے حسرتیں نکالا کرتے تھے، ہمارے رفیق کار مولانا فضل محمد صاحب استاد حدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے والد ماجد تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت

الفردوس نصیب فرمائیں، اور پسماندگان کو اس جانکاہ صدمہ میں صبر جمیل وشکیبائی نصیب فرما کر اجر جزیل عطا فرمائے۔

خدا کا شکر ہے کہ مرحوم کے دو فرزند مولانا فضل محمد صاحب اور قاری فضل حلیم صاحب علم وعمل اور خاموشی کے ساتھ دین کی خدمت کرنے میں اپنی والد محترم کے صحیح جانشین ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی مزید توفیق مرحمت فرمائے۔

(بصائر وعبر ج۲، ص۷۰۱)

مولانا جان محمد صاحب کے چار بیٹے شیخ الحدیث مولانا فضل محمد صاحب، مولانا فضل حلیم صاحب جب کہ یہ دونوں فاضل دیوبند تھے ڈاکٹر سید محمد صاحب اور حکیم حافظ حسین احمد صاحب تھے۔ حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ میری دادی محترمہ کے وفات پانے کے بعد میرے دادا محترم نور محمد نے میرے والد صاحب کو پنجاب چکوال کے ایک مشہور پیر غلام حبیب صاحب کے ہاں حفظ کے لئے بھیج دیا۔ میرے والد محترم پیر غلام حبیب کے گھر میں رہا کرتے تھے، صغر سنی میں وہاں رہنے کے سبب والد محترم وہاں پنجابی بولنے لگے۔

وہاں سے جب واپس لوٹے تو مولانا فضل محمد صاحب (جو کہ دیوبند سے فراغت کے بعد درشخیلہ کے برلبِ کے مسجد "خانانو جمات" میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر چکے تھے) سے کتابیں پڑھنی شروع کیں۔ مولانا فضل محمد صاحب کے والد محترم مولانا جان محمدؒ چونکہ ایک بہت بڑے عالم تھے اور مولانا ولی محمد صاحب عرف سنڈاکی باباجی کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ جب مولانا جان محمد صاحب کو پتہ چلا کہ محمد جمیل حافظ قرآن ہیں تو انہوں نے اس سے کہا کہ مجھے اپنے گھر لے چلیں۔ چنانچہ آپ کے والدان کو اپنے گھر لے آئے۔ یہاں پر مولانا جان محمد صاحب نے آپ کے دادا سے بیٹے کے حافظ قرآن ہونے کی وجہ سے رشتے کی خواہش ظاہر کی یوں قرآن مجید کی محبت کی وجہ سے دو مختلف خاندانوں کے درمیان رشتہ قائم

ہوا۔اس کے بعد آپ کے والد صاحب نے کراچی کے مشہور قاری حامد حسن صاحب سے ایک سال قراۃ کے اسباق پڑھے۔آپ کے پردادا نور الحسن کے تین بھائی تھے محمود الحسن، ابو الحسن اور غلام حسن تھے اور دادا نور محمد کی کے دو بھائی تھے خلیل الرحمان اور حاجی حضرت حسن اور والد کا صرف ایک بھائی ہے جس کا نام محمد کریم ہے اور آپ کے والد صاحب کے تین چچا زاد بھائی ہیں جو حضرت حسن کے بیٹے ہیں۔جو کہ محمد اسماعیل،شاکر اللہ اور مفتاح الدین ہیں۔

ابتدائی تعلیم وتربیت اور تدریس

حضرت نے ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، ناظرہ قرآن مجید اور آخری چند پاروں کا حفظ بھی ان سے کیا، اور پرائمری میں چوتھی جماعت پاس کی، پانچویں جماعت میں ابھی دو مہینے گزرے تھے، کہ آپ کے والد صاحب نے آپ کو اپنے ماموں مولانا فضل حلیم صاحب کے ساتھ جہلم حفظ قرآن کی غرض سے لے گئے، دو مہینے جہلم میں قاری محمد حنیف صاحب کے پاس گزارے، اگلے سال مشورے کے مطابق آپ نے حفظ کے بجائے درجہ اعدادیہ میں اسلام آباد کے مدرسہ عربیہ اسلامیہ واقع F64 مکان نمبر (E 11/7) میں اعدادیہ میں داخلہ لیا۔جس میں مولانا فضل حلیم صاحب مدرس تھے، یہ مدرسہ مولانا بنوری صاحب نے قائم کیا تھا، مولانا حسین اختر صاحب اس کے مہتمم تھے، اور اس وقت وہاں کے اساتذہ کرام مولانا فضل حلیم صاحب، مولانا حبیب الرحمن ہزاروی صاحب، مولانا ریحان الدین صاحب، مولانا حسین احمد صاحب بنوں، مولانا یونس صاحب اور مولانا عبد الغفور صاحب تھے۔ان میں سے بعض فضلائے دیوبند بھی تھے آپ نے وہاں دو سال گزارے۔ اسی عرصہ میں آپ کو بڑے مشاہیر علماء سے ملاقات کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔جن میں قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دار العلوم دیوبند) مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب وغیرہ شامل تھے۔آپ نماز جمعہ پڑھنے کے لیے مولانا سیف اللہ خالد خطیب کی مسجد نزد چائنہ ایم پی سی، یا مولانا عبد اللہ صاحب لال مسجد آبپارہ اور راولپنڈی کے

راجہ بازار میں واقع مدرسہ تعلیم القرآن میں مولانا غلام اللہ خان کے ہاں جاتے تھے اس کے بعد آپ نے سوات مظہر العلوم میں داخلہ لیا، اور اس وقت آپ کے ماموں مولانا فضل محمد صاحب بنوری ٹاؤن سے مظہر العلوم آچکے تھے، اور اپنے بھائی مولانا فضل حلیم صاحب کو بھی یہاں بلا لیا تھا، یہاں آپ نے مراح الارواح، قدوری، ہدایۃ النحو مرقاۃ وغیرہ پڑھی، اور اسی سال رمضان کی چھٹیوں میں درخیلہ بالا کے مولانا عبد الجلیل صاحب سے مرقات دوبارہ پڑھی، ایک سال یہاں گزار کر آپ اگلے سال پھر اسلام آباد چلے گئے، اور یہاں بھی ایک سال گزارا، پھر آپ کو مولانا فضل محمد صاحب نے بنوری ٹاون بھیجا۔ اس وقت حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب، مولانا اسحاق صاحب، مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب، مولانا حبیب اللہ مختار صاحب، مولانا یوسف لدھیانوی صاحب، مولانا بدیع الزمان صاحب، مولانا مصباح اللہ صاحب، مفتی شاہد صاحب، مولانا محمد صاحب، مولانا انور شاہ بدخشانی صاحب، مولانا رضاء الحق شاہ منصوری صاحب، مولانا ضیاء الحق صاحب اور مولانا عبد الرزاق اسکندر صاحب وہاں کے اساتذہ تھے۔ آپ نے اصول الشاشی مولانا عبد الرزاق اسکندر صاحب، شرح تہذیب مولانا انور شاہ بدخشانی صاحب، مقامات مولانا حبیب اللہ مختار صاحب، ترجمہ قرآن مفتی رضاء الحق شاہ منصوری صاحب، شرح ابن عقیل مولانا محمد صاحب، کنز الدقائق مفتی شاہد صاحب سے پڑھی۔ اسی سال مولانا بنوری صاحب نے اس دار فانی سے رحلت کی۔ ان کی تعزیت کے لیے آنے والے بہت سے بزرگوں سے آپ کو ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا جیسے برکۃ العصر مولانا زکریا صاحب، مفکر اسلام مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا عبد اللہ درخواستی صاحب، فاتح قادیانیت مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب وغیرہ، اور آپ یہ واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ وہ لمحہ میری زندگی کا خوشگوار لمحہ تھا جب مولانا زکریا صاحب حضرت بنوری رحمہ اللہ کے قبر مبارک پر فاتحہ خوانی پڑھتے ہوئے مسلسل روتے جا رہے تھے اور میں آخر تک حضرت زکریا رحمہ اللہ کے قریب کھڑا تھا، اور اس وقت بہت

سارے علما کے علاوہ مولانا محمد امین اورکزئی بھی موجود تھے۔

آپ یہ واقعہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بنوری ٹاؤن کے اس وقت کے ایک ناظم صاحب وفات پاگئے تھے، تو ان کے ایصال ثواب کے لئے مدرسہ کے مسجد میں قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا تھا، جس میں مدرسہ کے مصری قراء اساتذہ تلاوت فرما رہے تھے، اور میں خود یہ دیکھ رہا تھا کہ دوران تلاوت حضرت بنوری رحمہ اللہ کے آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے، یہاں تک کہ اس حضرت کا گریبان تر ہوگیا، اور "وتقشعر منه جلود الذین الآیة" (پارہ ۲۳) کا عملی نمونہ دیکھا۔

یہاں ایک سال گزارنے کے بعد واپس اپنے ماموں کے مدرسہ مظہر العلوم مینگورہ سوات آگئے، یہاں درجہ رابعہ، خامسہ، سادسہ اور درجہ تکمیل پڑھی۔ مذکورہ درجات کے مشہور اساتذہ کرام، مولانا تاج محمد صاحب، مولانا عبدالودود صاحب، مولانا جاداد صاحب، مولانا عبد اللطیف صاحب، سیر بابا صاحب، مولانا بادشاہ گل صاحب، مولانا فضل حلیم صاحب اور مولانا عبداللہ صاحب تھے۔ صدرا اور خیالی تک کتابیں یہاں پڑھیں، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شیخ الہند رحمہ اللہ کے شاگرد رشید اسیر مالٹا، حضرت مولانا عزیر گل صاحب سے بھی آپ کی تین مرتبہ ملاقات ہوئی۔ آپ خود بیان کرتے ہیں کہ میں اور مولانا محمد قاسم صاحب ساکن ٹوپسن گناجیر جب کہ ہم تکمیل پڑھ رہے تھے، دونوں مولانا عزیر گل صاحب کی ملاقات کے لئے گئے، اور ہم نے بہ نیت تلمذ آپ سے درخواست کی کہ ہمیں کچھ پڑھائیں انہوں نے قبول کرکے ہم سے فرمایا کہ قرآن کی کوئی آیت پڑھو، میرے ساتھی نے آیت ﴿قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم والله غفور رحيم﴾ پڑھی۔ تو مولانا عزیر گل صاحب نے اس آیہ کے متعلق کچھ ارشادات فرمائے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے بانی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ سے ملاقات کرنے گیا، مولانا صاحب اپنی رہائش گاہ

کے بالائی منزل میں چارپائی پر آرام فرما تھے، اور سفید چادر میں ملبوس تھے، مجھ سے حال احوال پوچھا جب میں نے یہ کہا کہ میں حضرت مولانا فضل محمد صاحب کا بانجھا ہوں تو بہت خوش ہوئے اور ڈھیر ساری دعائیں دے کر مجھے رخصت کیا۔

اس کے بعد آپ نے ایک سال دار العلوم سیدو شریف میں گزارا، یہاں پر مولانا کفایت اللہ صاحب اور مولانا گل جعفری صاحب سے حمد اللہ، قاضی مبارک وغیرہ کتابیں پڑھیں۔اس کے بعد ایک سال کے لیے مارتونگ چلے گئے۔ جہاں حکمت ومنطق کی کتابیں، قاضی، حمد اللہ، صدرا اور امور عامہ وغیرہ کتابیں مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا امان اللہ صاحب سے پڑھیں، پھر اس کے بعد ایک سال چکیسر میں مولانا عنایت اللہ چکیسری کے ساتھ گزارا اور ان سے قاضی (کامل دو حصے) حمد اللہ دو حصے) مرزا قطبی وغیرہ پڑھیں۔مد دار العلوم میں دو بزرگ علا شیخ الحدیث حضرت مولانا بہرہ مند صاحب (جو بعد میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ زرگری میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے) اور مولانا عبد الرحمٰن صاحب عرف برتھانے بابا جی سے موقوف علیہ پڑھی، فقہ (ہدایہ تین جلدیں) اور اصول فقہ کی کچھ کتابیں اجمیر میں پڑھیں (جو کہ کروڑہ کے شمال کی طرف ایک وادی ہے جس میں شاہ پور سیلکانی ملند ر، داموڑئی واقع ہے اور اس کے آخر میں اجمیر ہے)

پھر آئندہ سال دورہ حدیث کے لئے مظہر العلوم مینگورہ چلے گئے۔اور مولانا فضل محمد صاحب، مولانا رحیم اللہ صاحب اور مولانا عبد الودود ہزاروی صاحب اور مولانا تاج محمد صاحب سے صحاح ستہ پڑھی اور یوں ۱۹۸۵ء میں مظہر العلوم سے سند فراغت حاصل کی۔

نیز تصوف کے سلسلہ میں آپ کو حضرت مولانا محمد اکرم المعروف بہ جنگی خیل مولوی صاحب سوات سے مکہ معظمہ میں کچھ خاص وظائف بھی ملے ہیں اسی طرح حضرت مولانا فضل محمد صاحب کے ساتھ بھی آپ کا روحانی تعلق رہا ہے، دونوں حضرات کا تعلق بزرگ عالم دین عارف باللہ مولانا محمد قمر خلیفۂ مجاز عالم بصیر ولی کامل بطل باسل قطب الارشاد

سید الابدال والاوتاد شیخ المشائخ بانی ریاست سوات ولی احمد المعروف بسنڈاکی بابا سے تھا۔ جبکہ آپ حضرت باقاعدہ طور پر خلیفہ مجاز سنڈاکی بابا رحمہ اللہ مولانا سید محمود المعروف بصدرل بابا زیدہ مجدہ کے خلیفہ مجاز ہیں۔

اس کے بعد ۱۹۸۶ء میں باقاعدہ طور پر اپنے گاؤں درشخیلہ بالامحلہ چینالہ میں ایک مدرسہ بنام قاسم العلوم میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ جس کی ابتدا ۱۹۸۴ء میں "کوز پلو" کے مسجد میں طالب علمی کے دورے کی تھی۔ جبکہ فراغت کے بعد "بر پلو" کے مسجد (جوکہ خانا لوجمات کے نام سے مشہور ہے اور جس میں حضرت مولانا فضل محمد صاحب درس دیا کرتے تھے) میں درس کا آغاز کردیا۔ لیکن مسجد کا چھت منہدم ہونے کی وجہ سے آپ نے "منز پلو" کے مسجد میں تدریس جاری رکھا۔ (جوکہ پراچکا لوجمات کے نام سے مشہور ہے) پھر یہاں سے چینالہ منتقل ہوگئے، اور مستقل درس دینے لگے، جس میں آپ کے ہاں علم منطق وحکمت کی مشہور کتابیں زیر درس رہیں جیسے سلم العلوم تصورات وتصدیقات، قاضی مبارک، حمد اللہ، ملاحسن، میرزاہد، ملاجلال، شرح تہذیب، قطبی، میبذی، صدرا، غلام یحییٰ، مرزا قطبی، مرزا امور عامہ، خلاصۃ الحساب وغیرہ، خصوصاً شرح جامی کی درس اپنی صفت آپ تھی، جس میں شرکت کے لیے طلبائے کرام مردان، شیرگڑھ، چارسدہ، درہ آدم خیل، خیبر ایجنسی، لنڈی کوتل، نوشہرہ، صوابی، وزیرستان، ہنگو، کرم ایجنسی وغیرہ سے تشریف لاتے تھے۔ اسی طرح جلال آباد، کابل، ہلمند، قندوز، تخار، خوست، پکتیا، پکتیکا، بغلان، مزار شریف، اور کنیڈا وغیرہ سے بھی تشنگان علوم اپنا علمی پیاس بجھانے کے لئے آتے تھے، اور یہ سلسلہ ۲۰۰۷ء تک جاری رہا۔ پھر سوات کے حالات کشیدہ ہونے کے بعد آپ نے چارسدہ ترنگزئی کی طرف ہجرت کی، اور پیر اشفاق احمد صاحب کے مدرسہ (جامعہ افضل العلوم) میں درس وتدریس شروع کی، پھر یہاں سے نوشہرہ میں واقع جامعہ تحسین القرآن (زیر اہتمام مولانا قاری محمد عمر علی صاحب) میں سلسلہ تدریس جاری رکھا، اس کے بعد آپ ایبٹ آباد منتقل ہوگئے، حضرت شیخ صاحب

فرماتے ہیں کہ یہاں پر پیر عالم زیب شاہ صاحب کے مدرسہ جامعہ اہل بیت میں کچھ مدت تدریس کرنے کے بعد بقیہ سال اور چھٹیوں میں سلسلہ تدریس جاری رکھنے کے لیے پشاور کے ایک علاقہ خزانہ شوگرمل کے پاس "سیوان" گیا سیوان ہمارے لیے سائبان ثابت ہوا وہاں کے لوگوں نے انتہائی محبت کا معاملہ کیا۔ قاری عبیداللہ صاحب، مولانا محمد زاہد صاحب ،فرید اللہ صاحب ،اور نور خان صاحب اور اس طرح حضرات نے انتہائی خلوص سے ہماری خدمت کی۔ پھر اگلے سال جامعہ ہدایت الاسلام تخت آباد پشاور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مطلع الانوار صاحب دامت برکاتہم العالیہ (فاضل دارالعلوم دیوبند) کے ہاں سلسلہ تدریس جاری رکھا یہاں پر دو سال کا عرصہ گزارنے کے بعد چھٹیوں میں صوابی کے مشہور علاقے "ٹوپی" میں مدرسہ محمودیہ زیر اہتمام مولانا فضل کریم صاحب کے ہاں علم کلام اور منطق کا دورہ کیا۔ اسی ماہ رمضان میں آپ قائد جمعیت شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے مشورہ پر ایشیا کے عظیم اور مایہ ناز اسلامی یونیورسٹی، دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ تشریف لے آئے، اور یہاں پر علم منطق و حکمت کے ساتھ ساتھ بخاری شریف جلد ثانی کا ایک حصہ (جو کہ حضرت العلامہ مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب حفظہ اللہ کے پاس تھا) کا درس بھی بحسن وخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔ اور تا ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے، اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ جامعہ حقانیہ کو قائم ودائم شاد وآباد رکھے۔ آمین ثم آمین

طبع کتاب میں تاخیر کی وجہ:

یہ کتاب ۲۰۰۷ء میں تقریباً چھپنے کے لیے تیار تھی کہ سوات میں حکومت اور عسکریت پسندوں کے درمیاں حالات کشیدہ ہوئے۔ ان حالات کے ناقابل برداشت مناظر دیکھ کر اسلام اور علم دین سے تعلق کی بناء پر امن وسلامتی کے لیے جتنی جدو جہد ہوسکتی تھی، بندہ نے اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اور امن وامان کے قیام کے لیے علما سے مل کر کوششیں

ہیں۔ اسی سلسلہ میں ضلع سوات کے معتبر علماء کے وفد کے ساتھ جن میں دارالعلوم سیدو شریف کے صدر مدرس مولانا عبدالقادر صاحب، مولانا سردراز صاحب، مولانا فضل ربی صاحب، مولانا زین العابدین صاحب، اور مدرسہ مظہر العلوم کے اساتذہ اور قومی وطن پارٹی سوات کے رہنما فضل الرحمن نونو صاحب وغیرہ شریک تھے۔ اس وفد نے اس وقت کے وزیر داخلہ جناب آفتاب احمد خان شیر پاؤ صاحب سے بتاریخ ۳۰ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو ملاقات کی جس کی تفصیلات ۳۱ اکتوبر کے اخبارات میں شائع ہوئیں۔ اس طرح انہی علماء کے وفد کا ایک اور ملاقات اس وقت کے نگران وزیر اعلیٰ جناب شمس الملک صاحب سے بتاریخ ۵ نومبر ۲۰۰۷ء کو پشاور میں ہوئی جس پر ۶ نومبر کے اخبارات گواہ ہیں۔ دونوں ملاقاتیں کامیاب رہیں۔

اسی طرح ان چھوٹے بڑے امن جرگوں میں بھی بندہ نے اہتمام سے شرکت کی جو سیاسی جماعتوں کے نمائندوں اور علاقے کے مشران وغیرہ نے منائے تھے۔ چکدرہ میں ایک بڑا جرگہ مولوی گل نصیب خان صاحب کے مدرسہ میں دوسرا سوات قمبر میں قمبر لالا کے حجرہ میں، تیسرا مینگورہ کے "تاج چوک" کے مسجد میں چوتھا " مسجد اللہ اکبر" سیدوشریف میں اور آخری جرگہ "مین بازار" مینگورہ کے "محمود خان مسجد" میں منعقد ہوا۔

غرض جتنا ممکن تھا امن وسلامتی کے لیے بندہ نے کوششیں کیں لیکن سب سے امتیازی کوشش اور جدوجہد امن کے لیے تخمیناً دو لاکھ افراد پر مشتمل وہ تاریخی جلوس ہے جو بندہ نے "درشخیلہ بالا" سے لیکر "ڈیری" کے سیدوشریف ایئرپورٹ تک نکالا۔

یہ جلوس چند وجوہات کی بناء پر ممتاز تھا اس لیے کہ یہ جلوس ایسے حالات میں نکالا گیا کہ فوجی آپریشن چل رہا تھا، شیلنگ ہو رہی تھی اور اس میں مرنے والے بعض لوگوں کی نعشیں جلوس کے سامنے لے جائی جارہی تھیں۔ مدرسہ قاسم العلوم چینالہ درشخیلہ سے ایئرپورٹ تک پیدل جانا تھا تقریباً صبح ۹ بجے چلنا شروع کیا اور کثرت ہجوم کی وجہ سے بمشکل عصر کو ایئرپورٹ تک پہنچ گئے۔ ظہر کی نماز "شکردرہ" اور "منگولی" کے درمیان "چھوٹے کالام" میں ادا کی گئی

سارا دن لوگ بھوک و پیاس برداشت کرتے رہے۔

ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہ جلوس چونکہ پیدل تھا اس لئے آنے والے ہر گاؤں کے لوگ جلوس کا استقبال کرتے اور اس میں شریک ہو جاتے۔ راقم مسلسل ایک گاڑی میں نصب لاؤڈ سپیکر پر بولتا رہا اور راستے میں آنے والے ہر گاؤں کے لوگوں کو اپنے جلوس کے اغراض و مقاصد بیان کرتا رہا، کہ آخر کیوں نہ ہم اپنے وطن کی سلامتی اور امن و عافیت کے لیے آگے بڑھ کر کوششیں کر کے فریقین کو راضی کریں اور ملک کو انتشار اور خونی کھیل سے بچائیں۔

آٹھ گھنٹے مسلسل بیان کرتے ہوئے جلوس کے شرکاء کو آگے بڑھاتا رہا۔ اس وقت بھی آپریشن جاری تھا، فائرنگ کی خطرناک آوازیں وادی میں گونج رہی تھیں جس کی وجہ سے ہر طرف شدید خوف کا عالم تھا اور دوسری جانب سیلاب جیسے انسانوں کے جلوس سے امن و عافیت کا امید بھی تھا۔ اس خوف و امید کے درمیان یہ جلوس امن کے سفید جھنڈے کو لہراتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ ''برہ باٹڑی'' اور ''کوزہ باٹڑی'' کے لوگوں نے حالات سے زیادہ متاثر ہونے کی وجہ سے اس جلوس کا جو پرتپاک اور والہانہ استقبال کیا، وہ منظر دیکھنے کے قابل تھا۔ عصر کے وقت ''ڈیری'' پہنچے وہیں عصر کی نماز باجماعت ادا کی گئی۔ کرفیو کی وجہ سے آگے جانے کے لیے سکیورٹی فورسز سے اجازت لینے کی ضرورت تھی۔ اس وقت ایئرپورٹ پر وہاں کے ذمہ دار میجر خاور محمود صاحب تھے، اس لئے انکے پاس ''بیدرہ'' کے محمد شیر خان (جو درشخیلہ سے اس جلوس میں میرے ساتھ رہے) اور ''ننگولئی'' کے محمد امین صاحب (جو یہاں ساتھ ہو گئے تھے) کو ہم نے ایئرپورٹ بھیجا تا کہ آگے جانے کی اجازت لیں۔

اجازت ملنے پر جلوس مینگورہ تک جانے کے لیے چل پڑا مگر ایئرپورٹ کے مرکزی بلڈنگ تک جیسے ہی پہنچنے لگا، بلڈنگ سے فوج نے اطلاعاً ہوائی فائرنگ کر کے آگے جانے سے روک لیا۔ پتہ چلا کہ افسران بالا کی طرف سے حکم ہے کہ حالات کی خرابی کی وجہ سے

مناسب یہی ہے کہ جلوس ادھر ہی رہے۔

چنانچہ میجر جنرل صاحب سے جلوس کے ذمہ داروں کی ملاقات کی ترتیب بنائی گئی تاکہ ان کو جلوس کے اغراض ومقاصد سے آگاہ کیا جائے۔ اس لیے راقم الحروف (بندہ رشید احمد)، محمد شیر خان، سوات مولانا صاحب، خورشید خان درشخیلہ اور محمد امین صاحب میجر خاور محمود صاحب کی رہنمائی میں میجر جنرل صاحب سے ملنے کے لیے ائیر پورٹ چلے گئے۔

مغرب کی نماز ایئرپورٹ میں پڑھی۔ راقم الحروف نے نماز پڑھانے کے بعد اجتماعی دعا کی جس میں امن وامان کی بحالی کے لیے خاص طور پر دعا کی گئی جس کے لیے جلوس نکالا تھا۔ بعد از دعا دو گاڑیوں میں ہمیں بٹھا کر میجر جنرل صاحب کے پاس سرکٹ ہاؤس سیدو شریف لیجایا گیا۔ اس وقت کے میجر جنرل جناب ناصر جنجوعہ صاحب تھے۔ انکے ساتھ بریگیڈیئر جناب ضیاء الدین بودلہ صاحب، کرنل مصطفیٰ صاحب اور ان کے علاوہ اور بھی کافی افسران تھے۔ ان کے ساتھ تقریباً پانچ گھنٹے کی تفصیلی بات چیت جاری رہی۔ عشاء کی نماز ساتھ ادا کی اور کھانا بھی ساتھ کھایا۔ ملاقات کے دوران کافی خوشگوار ماحول تھا۔

جلوس انتظار میں تھا کہ ملاقات کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ چونکہ رات کا وقت تھا اور کافی دیر ہوگئی تھی سوات بالا سے آنے والے لوگوں کو مقامی باشندوں نے مساجد، حجروں اور حجروں میں ٹھہرایا جبکہ سوات زیریں کے لوگ پیدل اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ چونکہ لوگ کافی تھک چکے تھے اور سردی سے لوگوں کو شدید تکلیف ہورہی تھی، اس لئے میجر جنرل صاحب نے مشورہ دیا کہ مناسب یہ ہے کہ جلوس کے شرکا کو اپنے گھروں کو لے جانے کے لیے ٹرانسپورٹ کا انتظام کیا جائے۔ لیکن کرلیو اور کافی رات گزرنے کی وجہ سے اس وقت ٹرانسپورٹ مالکان سے رابطہ ممکن نہ ہوسکا۔ میجر جنرل صاحب نے قرآن کریم کا ایک نسخہ بمع ایک جائے نماز خیرسگالی اور نیک خواہشات کے اظہار کے طور پر لوگوں کے لیے پیش کیا اور اجتماعی دعا کرنے کے بعد ہمیں رخصت کیا۔

اس ملاقات میں سب سے اہم بات جو ہم نے میجر جنرل صاحب کے سامنے رکھی وہ یہ تھی کہ مصالحت کیلئے چھ دن تک جنگ روک دی جائے تاکہ طرفین سے بات چیت ممکن ہو سکے۔ انہوں نے ہمیں موقعہ دیا کہ کل آپ فریق ثانی سے بات کریں۔ چنانچہ ہماری وفد نے علاقہ مٹہ میں ان سے بات چیت کی۔ ان کی طرف سے تین مطالبات پیش کیے گیے:

(۱) فوج سوات سے نکل جائے۔

(۲) عام معافی دی جائے۔

(۳) شریعت کو نافذ کیا جائے۔

دو دن بعد ہم نے مطالبات فوج کے سامنے رکھے۔ یہ دوسری مجلس بھی کافی دیر تک جاری رہی، انہوں نے فریق ثانی کے بھیجے ہوئے مطالبات سنے۔ اس مجلس میں سوات بالا میں اشیائے خورد ونوش کے قلت کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا جس کی فراہمی کی ذمہ داری بندہ کو سونپی گئی (اس کی صورت یہ نکالی گئی کہ بندہ لوگوں کو دستخط شدہ رقعہ دے گا جس کے ذریعہ فوج لوگوں کو اشیائے خورد ونوش جاری کرے گی، اس کی وجہ سے درشخیلہ، اشاڑے، بیدرہ وغیرہ کے لوگوں کو کافی سہولت ملی)۔

مجلس کا اختتام اس بات پر ہوا کہ آئندہ تیسری مجلس میں ہم ان علمائے کرام کو بھی اپنے ساتھ شریک کریں گے جو اس سے پہلے ہمارے ساتھ امن وامان کے قیام کے لیے وزیر داخلہ اور وزیر اعلیٰ سے ملے تھے۔ اور اس تیسری مجلس میں یہ لائحہ عمل بھی طے کریں گے کہ کسی طرح طرفین کو مصالحت پر آمادہ کیا جائے۔

دو دن بعد ہم نے علماء کرام کو جمع کیا جن میں مولانا زین العابدین صاحب اور ان جیسے بڑے مدارس کے اساتذۂ کرام شامل تھے۔ میجر جنرل صاحب نے مجلس کا ابتدا اپنے ایک فوجی قاری صاحب کے قرآن کریم کے تلاوت سے کیا۔ اس کے بعد میجر جنرل ناصر جنجوعہ صاحب راقم سے یوں مخاطب ہوئے کہ مولانا رشید صاحب! کیا پیغام لائے ہو۔ چونکہ

ہمارے سب علماء نے پہلے سے مشورہ کیا تھا کہ ہم اپنا موقف بطور ثالث پیش کریں گے چنانچہ میں نے میجر جنرل صاحب کے سامنے وہ موقف پیش کیا جس پر ہم نے اتفاق کیا تھا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ موقف بطور ثالث پیش کرتے ہیں کہ شریعت کا نفاذ ہو جس پر کسی بھی فریق کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس طرح اہالیان سوات کا دیرینہ مطالبہ بھی پورا ہوگا اور حکومت کے نفاذ شریعت کا کیا ہوا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا۔ باقی دیگر دو مطالبے کہ فوج نکل جائے اور عام معافی ہو، فی الحال رہنے دیں۔ آئندہ ان شاء اللہ جب شرعی نظام نافذ ہوگا اور امن و عافیت کا نیا دور شروع ہوگا تو فوج کو سوات میں رہنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ باقی عام معافی کا معاملہ بھی آگے حالات کے سنبھلنے کے بعد ان شاء اللہ خود بخود حل ہو جائے گا اس لیے فی الحال اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ جنرل صاحب ہمارے مشورے کو سن کر آئندہ کے لیے پر امید رہے اور کہا کہ اس مشورے کو ہم اپنے اعلیٰ افسران تک پہنچا کر فیصلے کا انتظار کریں گے۔

یاد رہے کہ فوج کے ساتھ ان ساری ملاقاتوں سے یہ بات واضح تھی کہ فوج کا رویہ ہمارے ساتھ بہت مثبت رہا اور وہ امن کے قیام میں مخلص تھے۔ اس بارے میں کوئی ایسی چیز ہمیں نظر نہ آئی جو قیام امن میں رکاوٹ کا سبب بنے۔

امن کے قیام کے لیے ہماری کوششیں جاری تھیں۔ عوام کی نظریں بھی ان کوششوں پر لگی ہوئی تھیں کہ اس وقت انتخابات کا اعلان ہوا۔ بعض مخلص دوستوں نے امن کے قیام کے لیے ہماری جدوجہد کو دیکھ کر انتخابات میں حصہ لینے کا مشورہ دیا اور کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی تو امن کے مشن کو آگے بڑھانے میں مزید مدد مل جائے گی اس لیے راقم نے قومی اور صوبائی دونوں سیٹوں کے لیے کاغذات نامزدگی داخل کروائے جس کی جانچ پڑتال کے لیے وقت دیا گیا۔

ایک دن بعد بتاریخ ۸ دسمبر ۲۰۰۷ء جب ہم "درشخیلہ بالا" سے مینگورہ شہر ریٹرننگ آفیسر کے دفتر آ رہے تھے منو کے چیک پوسٹ واقع "بریم پل" پر مجھے گرفتار کیا گیا اس کے

بعد مختلف مقامات پر رکھا گیا۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ مٹہ میں دودن، "خانگی" میں ۱۸ دن، سرکٹ ہاؤس میں ۳۵ دن اور سیدو شریف میں ۱۶ دن محبوس رکھا گیا جو مجموعی طور پر ۷۲ دن کے بعد ۱۶ فروری ۲۰۰۸ء کو انتخابات سے دو دن قبل رہا کیا گیا۔ اس واقعے کی رپورٹ معروف انگریزی روزنامہ (The news) میں شائع ہوئی جس کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے۔

The News (Monday, December 10,2007

The press release said security force used artillery fire to hit suspected militants hideouts in Peochar and surrounding areas in Matta tehsil Saturday night. It said jirgas of village elders from Manglawar. Gulibagh and Charbagh met military commanders and extended support to the eongoing military operations in Swat. It said that village defence committees were being set up to evict militants and protect villages. It added that displaced families were returning to their homes in Swat and that security forces diotributed food rations and beddings among them.Meanwhile, official sources said in Mingora Sunday that 19 suepected militants were captured in Swat. They said among them were three men, including a foreigner and two local Tabiban figures, apprehended from the posh Kanju town near Mingora. They didn't disclose the identity of the foreign mulitant or the Taliban. These arrests raised to 162 the total number of suepected militants captured

In Swat thus far.

The security forces also arrested Maulana Rasheed Ahmad, head of a Madrassa in Durushkhelan in Matta tehsil, who was nabbed Saturday evening from the Baryam Pul checkpoint. He was taken to an unknown place and is untraceable. The Maulana was a candidate for assembly elections but was unable to reach the offices of the returining officer in Mangora for scrutiny of nomination papers on Saturday. He had played a crucial role while mediating between the government and rebel clerk Maulana Fazlullah and held a number of jiras to peacefully resolove their dispute.It is interesting to note that Maulana Rasheed Ahmad was twice arrested from security checkpoints in recent days but was allowed to go after some questioning.Meanwhile, charbagh union council nazim, Bairam Khan, was also arrested and his hands were tied at the back and his eyes were covered with cloth. However, he was released after instructionsfrom senior government functionaries.

The arrests of Maulana Rasheed Ahmad and Bairam Khan caused concern among village elders and notables of Swat and many of them said they would be forced to stay away from peace Jirgas if the authorities continued to arrest

and maltreat such prominent people.

چونکہ مٹہ کے تھانہ میں مجھ پر اس وقت کے بارروم کے صدر کی طرف سے ایک FIR علت نمبر ۵۰۵ درج کی گئی تھی۔ جس میں بارروم کے کمرے پر قبضہ اور بارروم کے دینی اور قانونی کتابوں وغیرہ کے جلانے کا الزام لگایا گیا تھا۔ تو اسی FIR کی وجہ سے بندہ نے BBA کے لئے انسداد دہشت گردی کی عدالت میں درخواست دی۔ اور پھر پورا ایک مہینہ (۷ اپریل ۲۰۰۸ تا ۶ مئی ۲۰۰۸) جیل میں گزار کر ضمانت پر رہا ہوا اور درس وتدریس کے سلسلے کو جاری رکھنے کے لئے ضلع چارسدہ کے گاؤں ترنگزئی ہجرت کی اور "مدرسہ افضل العلوم" زیر اہتمام پیر اشفاق صاحب میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

تقریباً چھ مہینے گزرے تھے کہ ۲۸ مئی ۲۰۰۸ء کے اخبارات میں فوج کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا جس میں ضلع سوات کے اونچے درجہ کے مطلوب افراد کا ایک فہرست بمع تصاویر شائع ہوا اور ساتھ ہی ان کو پکڑنے یا ان کے بارے میں اطلاع دینے پر ایک کروڑ روپے کے انعام دینے کا اعلان بھی۔ اس فہرست میں میرا نام بھی بمع تصویر کے شامل تھا۔ چونکہ اس فہرست میں میرے نام کا شامل ہونا خلاف واقع تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی اور ساتھ ساتھ خوفزدہ بھی ہوا کہ اتنے خطرناک فہرست میں میرا نام کیوں شامل ہوا۔ بہرحال میں نے مختلف اخبارات میں اپنی براءت کے بارے میں اشتہار دیا۔ "دی نیوز" اخبار میں ۳ جون ۲۰۰۹ کو بدھ کے دن اشتہار شائع ہوا، اور اسی دن کو "ایکسپریس" میں بھی شائع ہوا۔ ایکسپریس کا بیان بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔ جو "دی نیوز" کے انگریزی بیان کا حاصل بھی ہے۔

"فضل اللہ کا مطلوب دست راست مدرس نکلا"

ارشید احمد کے سر کی 10 لاکھ روپے انعامی رقم رکھی گئی تھی۔ الیکشن لڑنے پر کئی ماہ جیل میں

رشید احمد

پشاور (خالد رپورٹر) حکومت کی جانب سے 31 افراد کے سروں پر انعامی رقم مقرر کی جانے سے اس اشتہار کے بعد سے شکوک پیدا ہونے کے بعد جمبیر افضل رشید احمد نے کہا کہ جمبیر مولانا فضل اللہ گروپ کا ہے۔ جس کے سر پر 10 لاکھ روپے کے انعامی رقم رکھی گئی ہے۔ اور جمعیت علماء اسلام کے رہنما اور چارسدہ ترنگزئی کے دینی مدرسے جامعہ افضل العلوم کے مدرس نکلے۔ حکومت نے 28 مئی کے اخبارات میں اشتہار میں تحریک طالبان سوات کے امیر مولانا فضل اللہ اور ترجمان مسلم خان سمیت 21 طالبان کمانڈروں کی تصاویر اور ناموں کی اشاعت کے علاوہ مقرر کی جانے والی انعامی رقم بھی مشتہر کی تھی۔ جن میں سے قاری مشتاق نامی کمانڈر کی ایک ظاہر کیا گیا ہے کے بارے میں انکشاف ہوا کہ وہ بینک آف خیبر میں کام کر رہے ہیں۔ جبکہ لیاقت نامی کمانڈر کے فوت ہونے کا انکشاف ہوا ہے۔ جبکہ اب رشید احمد جن کو اشتہار میں مولانا فضل اللہ گروپ ظاہر کیا گیا ہے نے اپنے بیان میں بتایا ہے کہ وہ چارسدہ ترنگزئی کے دینی مدرسہ جامعہ افضل العلوم میں مدرس رہتے ہیں۔ جس کی گواہی سابق ایم این اے مولانا گوہر شاہ اور سابق ایم پی اے مولانا محمد ادریس اور دیگر بھی دیں گے۔ ان کے بیان میں کہا گیا کہ وہ درشخیلہ سوات کے رہنے والے ہیں۔ اور جب پہلے سوات میں حالات خراب ہوئے تھے تو علماء نے قیام امن کے لیے اٹھارہ رکنی جرگہ تشکیل دیا۔ جس کے وہ بھی رکن تھے اور انہوں نے دیگر علماء کے ہمراہ اسلام آباد میں اس وقت کے وزیر داخلہ آفتاب احمد خان شیرپاؤ اور پشاور میں نگران وزیر اعلیٰ شمس الملک کے ساتھ ملاقاتیں کیں جبکہ اس دوران 5 دسمبر 2007ء کو انہوں نے سوات سے قومی و صوبائی اسمبلی کے انتخابات کے لیے کاغذات نامزدگی جمع کرائے مقابلہ ایک سیاسی حریف سے تھا، کاغذات کی جانچ پڑتال کے لیے 8 دسمبر کو بلایا گیا تاہم میرے خلاف موقع دیکھ کر سیاسی مخالفین نے ایف آئی آر درج کرادی جس کی وجہ سے انہیں مینگورہ جاتے ہوئے پولیس نے راستے میں گرفتار کیا اور دو دن سیدو تھانے، 18 دن فاتح تھانہ، 23 دن سرکٹ ہاؤس اور 61 دن مینگورہ تھانے میں رکھا گیا تاہم 19 فروری کو رہا کر دیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ ایک سال سے چارسدہ ترنگزئی میں مقیم ہیں اور وہاں پر دینی مدرسہ "جامعہ افضل العلوم" میں درس و تدریس کا کام کر رہے ہیں۔ ان کے خلاف اشتہار کی اشاعت کے بعد سے وہ منظر سے غائب ہیں۔ انہوں نے حکومت سے درخواست کی ہے کہ ان کے ساتھ انصاف کیا جائے اور اس طرح تحقیر نہ کی جائے]۔

پھر اس کے بعد مجلس تحفظ علماء و مدارس کا اجلاس ہوا۔ یہ اجلاس اس بات سے متعلق تھا کہ مولانا رشید احمد بے گناہ ہیں۔ اس اجلاس کی تفصیلات کو "آج" اخبار نے ۱۰ جون ۲۰۰۹ کو شائع کیں۔ جس کی بعینہ حسب ذیل ہے

مجلس تحفظ علماء و مدارس کا اجلاس، امور پر غور

مولانا رشید احمد بے گناہ ہیں اشتہار سے نام ہٹا دیا جائے۔ اجلاس کا مطالبہ

چارسدہ (نمائندہ آج) مجلس تحفظ علماء و مدارس اسلامیہ ضلع چارسدہ کا ایک اجلاس زیر صدارت مجلس کے امیر مولانا محمد صادق منعقد ہوا۔ جس میں ضلعی امیر شیخ الحدیث مولانا محمد گوہر شاہ، شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس، جنرل سیکرٹری مولانا مفتی محمد حسن جان، ڈپٹی جنرل سیکرٹری مولانا جمیل احمد، سینئر نائب امیر اور یوسی کے ناظم ڈاکٹر الٰہی جان، تحصیل امیر مولانا محمد ہاشم اور سید اشتاق باچا نے شرکت کی۔

اجلاس میں حکومت کی طرف سوات سے تعلق رکھنے والے عالم دین مولانا رشید احمد صاحب کے نام جو ایک سال سے چارسدہ میں رہائش پذیر ہیں اور ترنگزئی ضلع چارسدہ کے دینی مدرسہ افضل العلوم میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں کے بارے میں تمام پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے متفقہ طور پر طے پایا کہ مولانا رشید احمد نے قیام امن کے لیے ہمیشہ کوششیں کی ہیں۔ مولانا رشید احمد نے تدریسی خدمات کے علاوہ دوسری سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیا۔ مولانا رشید احمد بے گناہ ہیں اور ان کا نام اشتہار میں دی گئی لسٹ میں شامل کرنا کسی غلط فہمی سیاسی مخالفت یا علاقائی رنجش کا نتیجہ ہے۔ مقررین نے مطالبہ کیا ہے کہ حکومت مولانا رشید احمد کے خلاف کسی بھی قسم کی کاروائی نہ کرے اور ان کا نام اشتہار میں دی گئی شخصیات کی لسٹ سے خارج کرے۔

اسی دوران "جیو" ٹی وی والوں کو بھی یہی بیان دیا۔ جو چارسدہ میں "جیو" کے نمائندے سبز علی اور ان کے ساتھی نے ریکارڈ کیا اور پھر اس کے نشر ہونے کے انتظار میں تھا۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کو نشر نہیں کیا گیا۔ میں نے محترم جناب رحیم اللہ یوسفزئی سے معلوم کرنا چاہا مگر انہوں نے جواب دیا کہ وہ نشر نہ ہوسکا۔ دریں اثناء ۹ جون ۲۰۰۹ کو حکومت نے دوبارہ وہی اشتہار شائع کیا جس میں ایک تبدیلی تو یہ تھی کہ سرد

ں کی قیمت لاکھ کی بجائے کروڑ مقرر کی گئی تھی۔ اور دوسری تبدیلی یہ تھی کہ میرا نام اس
فہرست سے خارج کر دیا گیا تھا۔
ری نیوز اخبار کے انگریزی الفاظ عینہ پیش خدمت ہیں!

Wanted Swat Taliban list reissued with corrections

(The News Wednesday June 10,2009)

PESHAWAR: The NWFP government quaietly corrected the mistakes made in its earlier list of wanted Swat militants and placed a new advertisement in the newspapers Tuesday, offering higher amount of head moeny for the capture of the 21 top Taliban commanders.A Minimum of Rs 10 million as head mone was offered for te capture, dead or alive, of 20 Taliban commanders from Wast. Earlier, amounts ranging from Rs1 million to Rs4 million were announced for the capture of these 20 men, The descision raise the head money was apparently made to tempt informents and improve the chances for the capture of the wanted militants. For Maulana Fazlullah, the head money remained the same, i.e. Rs50 million. Infact, the federal government had raised it to Rs50 million after realising that the amount of Rs10 million being offered by the NWFP government was too small to lower bounty hunters, Inthe new list advertised by the provincial government the name of Taliban commander Liaquat has been removed as he was already in jail but

the authorities were unaware of this fact. The name of Maulana Rasheed Ahmad has been omutted because he had left Swat a year ago after being cleared by the intelligence agencies and freed by a court.. Since May 2008, he had been teaching at a seminary in Turangzai village Charsadda, a fact vouchsafed by elders of the area and leaders belonging to the JUI-F.

International the news wednesday june 10 ,2009

ایکسپریس اخبار کے الفاظ بھی ملاحظہ ہو جو بتاریخ ۱۰ جون ۲۰۰۹ کو شائع ہوا

مطلوب افراد کی فہرست سے کماٹڈر خواز خیلہ اور ترنگزئی کے مدرس کا نام خارج۔

پشاور (سٹاف رپورٹر) حکومت کی جانب سے تحریک طالبان سوات کے مطلوب رہنماؤں (جن کے سروں کی قیمت کی گئی ہے) کی جاری (باقی صفحہ نمبر ۳۳) ا لخ

..... لیکن تقدیر الٰہی میں اس بندہ عاجز کے امتحان کے دن ابھی باقی تھے کہ اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد بھی تیسری مرتبہ ۱ جولائی ۲۰۰۹ء کو ترنگزئی چارسدہ سے گرفتار ہوا، اور پندرہ دن بعد بحمد اللہ تعالیٰ رہا ہوا، اس گرفتاری پر ایک موقر اخبار "دی نیوز" نے اس وقت مندرجہ ذیل بیان جاری کیا تھا جو پیش خدمت ہے۔

THE NEWS ON SUNDAY JULY 12,2009

cleric nabbed from Turanzai

Bureau report

PESHAWAR ;Maulana Rasheed Ahmad a cleric from swat whose name was earlier included in the NWFP govern ment's most wanted ...moved was arrested from his home in turangzai

village in charsadda district on saturaday.

His family members and pupisl said acontingent of police and paramilitary troops surrounded gis his huose at 4 pm when he was asleep and took him into custody . they said he was then take away to an undisclosed place. Maulana Rasheed's name was mentioned in the list of 21 Swat Taliban leaders who were wanted to the NWFP governmint .the government gis name and picture published along with reward money for gis cafture. But in the subsequent newsparer advertisements ,the guverment dropped gis name from the list when it became known that he had been arrested in the past and cleard by the military authorites in Sawat also , it was revealed at the time that Maulana Rasheed, who had been living in Turangzai village in charsdda for abuot a year and teaching at the local madrassa gad also been bailed out by acourt. It is uncler why Maulana Rasheed had been rearrested hes pupils said the security forces recently demolished some rooms in his old madrassa in Darushkhela villege in Swat.

روزنامہ ایکسپریس پشاور میں بروز اتوار بتاریخ ۱۱ جولائی ۲۰۱۰ء بیان جاری ہوا تھا۔
لیکن تقدیر الٰہی میں اس بندہ عاجز کے امتحان کے دن مزید باقی تھے کہ چوتھی مرتبہ
لاہور سے ۱۴ فروری ۲۰۱۰ء کو گرفتار ہوا اس بار گرفتار ہونے پر جامعہ تحسین القرآن کے استاد
مولانا مفتی شوکت اللہ حقانی صاحب نے میری بے گناہی اور صفائی کے متعلق مندرجہ ذیل

بیان دیا تھا جس کو روزنامہ اسلام نے بروز پیر بتاریخ ۲۳ صفر ۱۴۳۱ھ ۸ فروری ۲۰۱۰ء کو شائع کیا تھا وہ بیان پیش خدمت ہے۔

نوشہرہ مدرسہ تحسین القرآن کے استاد مولانا رشید احمد گرفتار، علماء کرام اور طلبہ کا شدید احتجاج۔

سیکورٹی فورسز اور پولیس کی مشترکہ ٹیم نے مولانا رشید احمد کو اس وقت گرفتار کیا جب وہ مدرسہ جارہے تھے۔ مولانا فضل الرحمن کا صدر مملکت وزیر اعظم اور وزیر داخلہ سے رابطہ مولانا کی گرفتاری سے طلبہ کا نقصان ہوا ہے مفتی شوکت اللہ حقانی نوشہرہ کے علاقے حکیم آباد میں مدرسہ تحسین القرآن کے بیرونی دروازے کے قریب سوات سے تعلق رکھنے والے جید عالم دین مولانا رشید احمد کو سیکورٹی فورسز اور پولیس کی مشترکہ ٹیم نے گرفتار کرلیا۔ مولانا رشید احمد کی گرفتاری پر طلبہ علماء اور اساتذہ نے شدید ردعمل ظاہر کیا ہے، قائد جمعیت مولانا فضل الرحمن اور وفاقی وزیر برائے سیاحت مولانا عطاء الرحمن نے وفاقی وزیر داخلہ رحمان ملک، صدر آصف علی زرداری اور وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی سے فوری رابطہ کیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق سیکورٹی فورسز اور پولیس کی مشترکہ ٹیم نے مولانا رشید احمد کو اس وقت گرفتار کرلیا جب وہ اپنے شاگردوں کے ہمراہ تحسین القرآن جارہے تھے واضح رہے کہ مولانا رشید احمد 2 مرتبہ پہلے بھی گرفتار ہو چکے ہیں پہلی دفعہ 8 دسمبر 2007 کو سوات سے جبکہ دوسری دفعہ چارسدہ کے علاقے ترنگزئی سے گرفتار ہوئے تھے مفتی شوکت اللہ حقانی اور عبداللہ تحسیلی نے ایک پریس کانفرنس کے دوران مولانا رشید احمد کی گرفتاری کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ وہ ان چند علماء میں شامل ہیں جو منطق اور فلسفہ جیسے مشکل علوم پڑھاتے ہیں اور ان کی کتابیں (معارف الکافیہ) ایران، شام، مصر اور سعودی عرب سمیت بیشتر اسلامی ممالک میں پڑھی جاتی ہیں انہوں نے کہا کہ وہ عربی ادب اور عربی شاعری کے بھی استاد ہیں اور انہیں جامعہ ازہر نے بھی اعلیٰ شاعری کا سرٹیفکیٹ دیا اور ان کی گرفتاری سے طلبہ کا نقصان ہوا ہے جبکہ ان کے خاندان والے بھی پریشان ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مولانا کو خود سیکورٹی ایجنسیوں نے بے گناہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے نے کہا کہ مولانا نے ہمیشہ امن کی بات کی اور نگران حکومت میں امن جرگوں کی قیادت کی۔]

لیکن اللہ تعالی کے مہربانی سے میرا بے گناہ ثابت ہونے پر پانچ مہینے بعد ۲

جولائی ۲۰۰۹ء کو اللہ تعالیٰ نے رہائی نصیب فرمائی۔

عدالتی فیصلہ

اس رہائی کے بعد بارروم کے کیس سے متعلق جو FIR درج کیا گیا تھا وہ کیس شروع ہوا۔ یہ کیس پہلے تیمرگرہ میں چل رہا تھا پھر جب منڈ کی عدالت بحال ہوگئی تو اس کیس کو وہاں منتقل کیا گیا۔ اس کیس میں بندہ نے محترم عبدالمنصور ایڈوکیٹ، سابقہ جج محترم میر گلاب خان صاحب ایڈوکیٹ اور محترم شاد محمد خان صاحب ایڈوکیٹ کو زہ درشخیلہ کی خدمات حاصل کیں آخرکار بحمد اللہ ۱۶ مئی ۲۰۱۲ کو اس کیس کا فیصلہ ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے بری کردیا۔

انتخابات میں حصہ لینا

پھر اسکے بعد ۱۱ مئی ۲۰۱۳ کے انتخابات میں سوات na30 اور pk84 کے حلقوں سے راقم الحروف نے متحدہ دینی محاذ کی طرف سے حصہ لیا۔

من لم یشکر النّاس لم یشکر اللہ

اس آخری گرفتاری کے دوران جامعہ تحسین القرآن کے مہتمم محترم مولانا قاری محمد عمر علی صاحب نے انتہائی مخلصانہ اور مشفقانہ سلوک کیا۔ چونکہ مدرسہ تحسین القرآن حفظ اور تجوید کا مدرسہ ہے اس وجہ سے وہاں پر حفاظ کرام اور قراء حضرات کی کافی تعداد ہوا کرتی ہے، مولانا قاری محمد عمر علی صاحب نے ان حفاظ کرام اور قراء کرام سے قرآن کریم کے ختم کروائے اور میرے رہائی کیلئے دعائیں کیں اور اسکے علاوہ جو کوشش میری رہائی کیلئے ان سے ہوسکی انہوں نے کی۔

اسی طرح حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور مولانا یوسف شاہ صاحب نے بھی میری رہائی کیلئے کافی کوششیں فرمائیں یہ ان لوگوں کا میرے اوپر ایک احسان عظیم ہے میں عاجز وفقیر انکے اس پرخلوص احسان کا کیا بدلہ دے سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس احسان کا بدلہ دنیا اور آخرت میں انکو عطا فرمائے۔

خلاصہ اس طویل بحث کا یہ ہے کہ میں اس کتاب کے طبع ہونے کی تاخیر کی وجہ بیان کر رہا تھا، کہ یہ کتاب ۲۰۰۷ء کو تیار ہو چکی تھی اور عنقریب زیور طباعت سے آراستہ ہونے والی تھی۔ مگر پے در پے امتحانات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جو کہ اس کتاب کو منظر عام پر لانے سے مانع رہا۔

رمانی الدهر بالأرزاء حتیٰ فؤادی فی غشاء من نبال
فصرت اذا اصابتنی سهام تکسرت النصال علی النصال

ایک شہر سے دوسرے شہر، اور ایک مدرسے سے دوسرے مدرسے کی طرف نقل ہوتا رہا۔

فیوما بحزوی ویوما بالعقیق وبالعذیب یوما ویوما بالخلیصاء

یہ اوراق ایک عرصہ تک طاق نسیان میں پڑے رہے۔ اور حوادث دہر میرے اور انکے درمیان حائل رہے۔ والی الله المشتکی من دهر اذا اساء أصر علی اساء ته وان احسن ندم من ساعته.

پھر اللہ تعالی کا فضل وکرم ہوا کہ مختلف قسم کے شدائد اور تکالیف جھیلنے کے بعد ایک عظیم الشان اسلامی یونیورسٹی دیوبند ثانی دار العلوم حقانیہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اور شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق صاحب کے ظل عاطفت اور سایہ شفقت میں تدریسی خدمات انجام دینے کا موقع ملا۔ دار العلوم حقانیہ بلاشبہ من دخله کان آمنا اور بلدة طيبة ومقام كريم کا مصداق ہے۔

لقد جمعت فيها المحاسن كلها واحسنها الايمان واليمن والأمن

یہاں کا امن وامان اور خوشحالی وسکون دیکھتا ہوں اور پیچھے مصائب پر نظر ڈالتا ہوں تو یہ آیت کریمہ زبان پر جاری ہو جاتا ہے الحمد لله الذی اذهب عنی الحزن یہاں اللہ تعالی نے توفیق دی اور اس کتاب پر دوبارہ نظر ڈالی۔

آزمائش میں اللہ تعالی کی حکمت

یہ بھی یاد رہے کہ امتحانات کے لیے مجرم ہونا ضروری نہیں ہے۔ بھلا حضرت یوسف علیہ السلام جو کہ اللہ تعالی کے ایک برگزیدہ پیغمبر اور معصوم بندے تھے۔ ان سے کون سا گناہ ہوا تھا۔ کہ ان کو مدتوں جیل میں رہنا پڑا۔ اور مختلف قسم کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ یہ تو اللہ تعالی کے نبی اور معصوم انسان تھے۔ باقی رہی ہماری عام انسانوں کی بات تو وہ واضح ہے کہ ان پر شدائد و تکالیف کا آنا اللہ تعالی کے قرب کا سبب ہے۔ علمائے کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ریاضت من جانب العبد زیادہ سبب قرب ہے یعنی بندہ عبادت کرے، روزے رکھے، نوافل پڑھے اس سے اللہ تعالی کا قرب زیادہ حاصل ہوتا ہے یا ابتلاء من جانب اللہ زیادہ سبب قرب ہے۔ یعنی اللہ تعالی خود اس بندہ کو قریب کرنے کے لیے کسی آزمائش میں مبتلا کردے؟ اگرچہ بعض علماء کے نزدیک پہلا طریقہ زیادہ سبب قرب ہے کیونکہ اس میں بندے کے کسب اور مشقت کو دخل ہے لیکن بعض علما فرماتے ہیں کہ دوسرا طریقہ زیادہ سبب قرب ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالی خود اس بندے کو اپنے قریب لانے کیلئے آزمائش میں ڈالتے ہیں گویا جو ذات مطلوب و محبوب ہے وہ خود ہی طالب کو اپنے قریب لانا چاہتی ہے۔

اور اللہ تعالی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یا تو امتحان اور ابتلا کے مختلف مراحل تھے جس کا تذکرہ کیا گیا۔ کہ جس میں وہ لمحات بھی آئے جب اسے گرفتار کر کے لے جایا جا رہا تھا اور وہ اس وقت کیا سوچ رہا ہوگا؟ اور یا آج خوشی کے وہ لمحات جو رہائی کی صورت میں اور اپنے گھر میں ماں باپ، بہن بھائی، بیوی بچے اور چھوٹے عفان، صفوان، حبان، مریم، نائلہ اور نوزائیدہ ذرہ، بشیرہ، عبدالرحمان اور عبدالرحیم کے ساتھ ملاقات کے صورت میں آرہی ہے، جس کا لفظوں میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ آخری بار ۶ مہینے انتظار شدید میں رہنے والی ماں کو جب خبر مل رہی ہو کہ اسکا بیٹا آرہا ہے تو اس وقت اسکے ماں کے خوشی کا کیا حال ہوگا۔ ظاہر ہے

اس بے انتہا خوشی کے ماحول میں جس کے بیان سے زبان قاصر ہے صرف اللہ تعالیٰ کے
شکریہ کے الفاظ پر اکتفا اور خوشی کے آنسو سے اظہار ہو سکتا ہے۔

اتنے بار گرفتاری اور ہر بار مکمل تحقیق کر کے رہا ہونے کے بعد یہ بات واضح ہوئی کہ میرا
ماضی درس وتدریس، تعلیم وتعلم اور وعظ ونصیحت میں گزری۔ حالات کے خراب ہونے پر
بحیثیت ایک عالم دین کے امن کیلئے ہر ممکن عمل میں آخری حد تک کوشش کی۔ ۲۰۰۹ء کے
اوائل میں سوات سے نکلا اور آج تک اپنے ضلع سوات سے باہر مختلف مدارس میں درس
وتدریس کا سلسلہ بفضلہ تعالیٰ جاری رکھا ہوا ہوں۔

اس واقعہ کو یہاں پر تفصیلاً ذکر سے ایک مقصد تو یہ ہے کہ اس کتاب کی طباعت میں
تاخیر کی وجہ معلوم ہو جائے اور ان سخت حالات میں علمائے دیوبند کے متعلقین نے جو خدمات
انجام دیں وہ بھی لوگوں کے سامنے آجائے تاکہ کوئی یہ بھی نہ کہہ سکے کہ علماء دیوبند سوات کے
ان کشیدہ حالات میں کیوں خاموش رہے اور امن کے لیے کچھ نہ کر سکے۔ اور زندگی کا یہ واقعہ
بھی تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہو جائے۔

ہمارے اغراض ومقاصد

احکام الٰہیہ اور سنت نبویہ کی تعلیم وتعلم اور علوم آلیہ، منطق فلسفہ، کلام وغیرہ کی نشر
واشاعت ہی ہمارے مدرسے قاسم العلوم کا مقصد تھا۔ ملک کے مختلف علاقوں سے تشنگان علوم
نبویہ آتے اور در محلہ بالا میں قاسم العلوم کے نام سے آباد ایک چشمے سے سیراب ہو کر واپس
جاتے۔ اور صرف اس پر ہی اکتفا نہ تھا ہمارا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ہم عوام کی امن وسلامتی کے
لیے اہم کردار ادا کریں۔ اس لئے ہم نے ایک اصلاحی تنظیم بنام (حرکت امن وسلام) بنا رکھی
تھی اور کوشش یہ تھی کہ لوگ آپس میں امن وسلامتی اور چین وسکون کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔
اسی طرح عوام الناس کے درمیان امن وسلامتی کے قیام کے لیے بہت سی
جدوجہد اور کوشش کی۔ خاص کر جب سوات پر یہ سخت حالات آئے تو امن وسلامتی کے لئے

ہم نے جو کوشش کی اس کا مفصل حال میں لکھ چکا ہوں۔ غرض ہمارا مشغلہ یہی اصلاحی امور تھے ہمیں اپنے ملک کے ساتھ پیار و محبت کا رشتہ تھا جس میں بے وفائی اور غداری کا امکان نہ تھا۔ ہمیشہ اپنے پیارے ملک پاکستان اور اس کے عوام کی خدمت ہم نے کی ہے۔ ہمارا کام ہی ایسا تھا جو کسی کے غیظ و غضب کا سبب نہیں بن سکتا تھا۔ قرآن وحدیث کے پڑھانے پر کون آزردہ خاطر ہو، علم حکمت، صرف ونحو، علم منطق وعلم کلام کا درس وتدریس تو کار خیر ہے اس سے کوئی کیوں کر نالاں ہو۔ "معارف الکافیہ وعوارف الجامی" عربی زبان میں ایک ہزار صفات پر مشتمل "کافیہ وشرح ملا جامی" کا ایک مبسوط اور تفصیلی شرح جو دس سال کے محنت شاقہ کا ثمرہ ہے، اہل علم اور طالب علموں کے علم ودانش کا سبب بنا نہ کہ دل آزاری کا۔ پھر امن وسلامتی کے لیے ایک پرزور تحریک چلانے کی کون ہمت کر سکتا تھا جو دو لاکھ کے لگ بھگ لوگوں کو پیادہ ۳۰ سے ۳۵ کلو میٹر تک کا فاصلہ بھوک و پیاس کے ساتھ طے کراتا۔ یہی ہماری زندگی تھی جو بجائے اپنے آپ کے اوروں کے بھلائی کے لیے وقف تھی۔ انسانی فطرت ہے کہ اسکی اپنی مٹی سے محبت ہوتی ہے جہاں وہ پیدا ہوتا ہے اور پلتا پھولتا ہے، اور زندگی گزارتا ہے اسے اس مٹی کے ساتھ قلبی مودّت اور عقیدت ہوتی ہے اسکے ساتھ بے وفائی اور غداری ممکن نہیں ہوتی۔

دیار بها حلّ الشباب تمیمتی ۔۔۔ واول ارض مس جلدی ترابها

ایک اور شاعر کہتا ہے

نقل فؤادک حیث شئت من الهوی ۔۔۔ ما الحب إلا للحبیب الأول

کم منزل فی الأرض یألفه الفتی ۔۔۔ وحنینهُ أبداً لأول منزل

پھر پاکستان کا وجود، جو کہ اللہ تعالی کی طرف سے ہم پر ایک عظیم احسان ہے۔ جو کہ مسلمانوں کی قربانیوں اور کوششوں اور دعاؤں سے اللہ تعالی نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔

اسلئے ہمیں خوشی ہے کہ جب سوات مصائب کا شکار ہوا اور ہم وطنوں پر تکلیف

آس پڑی اور گولیاں برس رہی تھی، تو ہم نے قیام امن کے لئے حتی الوسع کوششیں کیں، اور اس بات کی گواہی دی کہ ہم اپنے پیارے ملک کے خیر خواہ ہے، انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہمیں اپنے خدمت کے ثمرات ملتے۔ مگر ہم پر ایسی تکالیف آئیں کہ ہمیں اپنا وطن عزیز چھوڑنا پڑا اور ہجرت اختیار کی اور باوجود ہجرت کے آرام سکون نہ ملا۔

جب بھی اہل چمن کو ضرورت پڑی خون ہم نے دیا گردنیں پیش کیں
پھر بھی کہتے ہیں ہم سے یہ اہل چمن یہ چمن ہے ہمارا تمہارا نہیں
دعا بہار کی مانگی تھی اتنے پھول کھلے کوئی جگہ نہ ملی اپنے آشیانے کو
اہل گلشن کے لیے بھی باب گلشن بند ہے اس قدر تنگ ظرف کوئی باغباں دیکھا نہیں
ہمیں یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستان میں

نہ سوال وصل نہ عرض غم نہ حکایتیں نہ شکایتیں تیرے عہد دل زار کے سب اختیار چلے گئے
یہ ہم ہی تھے جن کے لباس پر سر راہ سیاہی لکھی گئی یہی داغ تھے جو سجا کے ہم سر بزم یار چلے گئے

اعلاء کلمۃ اللہ اور امن کے قیام کے لئے ہماری جد و جہد جاری رہیگی

زمانہ معترف ہے اب ہماری استقامت کا نہ ہم نے شاخ گل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا
راہ الفت میں گو ہم پر بہت مشکل مقام آئے نہ ہم منزل سے باز آئے نہ ہم نے راستہ بدلا

ہمارا ملک ایک ایٹمی ملک ہے اور غیروں کی اس پر نظریں ہیں اور اس کو ختم کرنے در پے ہیں ایسے سخت حالات میں ہمارا ملک اس کے تحمل نہیں کہ اندرونی اختلافات کا بوجھ برداشت کر سکے۔ ایسے وقت میں ہم سب ملک کے باشندوں کو چاہیے کہ سب متفق اور متحد ہو جائیں اور دشمن کا مقابلہ کریں۔ اللہ تعالی ہر قسم کے آفات سے ہمارے ملک کو محفوظ رکھے.

بتوفیق اللہ تعالیٰ قد تم الکتاب